بلوغ المرام
اردو ترجمہ
من أدلة الأحكام
جلد دوم
تألیف / ابوالفضل شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانی
شارح / مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
دار السلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بلوغ المرام

من أدلة الأحكام

(جلد دوم)

تألیف

ابو الفضل شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانی

(۷۷۳-۸۵۲ھ)

اتحاف الکرام شرح بلوغ المرام

شارح
مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

مترجم
مولانا عبد الوکیل علوی

تصحیح و تنقیح
مولانا ارشاد الحق الاثری

دار السلام
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
ریاض - لاہور

٧- كِتَابُ الْبُيُوْعِ

خرید و فروخت کے مسائل

بَابُ شُرُوطِهِ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ مِنْهُ — بیع کی شرائط و اور بیع کی ممنوعہ اقسام کا بیان

(٦٤٨) عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ أَيُّ الكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: «عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ، وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ». رَوَاهُ البَزَّارُ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی کمائی پاکیزہ تر ہے؟ آپ نے فرمایا "آدمی کی اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر قسم کی تجارت جو دھوکہ اور فریب سے پاک ہو۔" (اسے بزار نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا)

لغوی تشریح: ﴿کتاب البیوع﴾ بیوع بیع کی جمع ہے' لغت میں مال دے کر کوئی چیز خریدنے کا نام بیع ہے۔ شرعی اصطلاح میں بھی اس کے یہی معنی ہیں' لیکن اس میں باہمی رضامندی کی قید کا اضافہ ہے۔ جمع اس لئے لائے ہیں کہ اس کی بہت سی اقسام و انواع ہیں اور تمام بیوع کی چار قسمیں ہیں (۱) " بیع العروض بالعروض " یعنی سامان کو سامان کے بدلہ فروخت کرنا' اسے مقایضہ (بیع تبادلہ) بھی کہتے ہیں۔ (۲) " بیع العروض بالنقود " یعنی نقدی کے ذریعے سامان کی بیع کرنا اور اسی کو ہی بیع کہا جاتا ہے' کیونکہ بیع کی ساری قسموں میں یہ سب سے زیادہ مشہور ہے اور یہی زیادہ معمول بہ ہے۔ (۳) " بیع النقود بالنقود " نقدی کے بدلے نقدی کی بیع یعنی مروجہ سکہ کو مروجہ سکہ کے بدلے خرید و فروخت کرنا' اسے بیع صرف بھی کہتے ہیں۔ (۴) " بیع المنفعة بالمال " یعنی منافع کو مال کے بدلے بیچنا' بصورت سامان ہو یا نقد۔ اسے "اجارہ" کہتے ہیں۔ مصنف نے اس کتاب کے تحت ۲۲ ابواب قائم کئے ہیں۔ جبکہ کئی باب ایسے ہیں جن کا بیع سے کوئی تعلق نہیں' اگر مصنف اس کا نام کتاب البیوع کی بجائے "کتاب البیوع والاموال" رکھتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

﴿باب شروطه﴾ شروطہ میں "ہ" ضمیر کا مرجع بیع ہے۔ یعنی بیع کی شروط کا بیان۔ شرط اسے کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ پائی جائے تو اس کا حکم و سبب بھی معدوم ہو جائے۔ ﴿وما نهى عنه﴾ بصیغہ مجہول بیع کی

شروط حسب ذیل ہیں۔ (۱) بیع کرنے والا عاقل و ممیز ہو۔ (۲) عقد کا لفظ ماضی کے ساتھ ہو۔ (۳) مال ایسا ہو جو قابل قیمت اور طے شدہ ہو۔ (۴) فریقین کی باہمی رضامندی کے ساتھ طے پائے۔ (۵) فروخت کی جانے والی چیز بیچنے والے کی ملکیت میں ہو یا اس کی ولایت یعنی سرپرستی میں ہو۔ ﴿ اطیب ﴾ باعتبار عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہو اور برکت بھی زیادہ ہو اور اس کا کھانا حلال ہو۔ ﴿ وکل بیع مبرور ﴾ مبرور' بر سے ہے' یعنی نیکی اور یہ اثم یعنی گناہ کی ضد ہے۔ لہٰذا بیع مبرور وہ بیع ہے جس میں نہ دھوکہ و فریب ہو اور نہ ہی جھوٹی قسم۔ اور ہاتھ کے عمل کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ (۱) زراعت۔ (۲) صناعت۔ ہاتھ کے عمل کو "بیع مبرور" سے مقدم رکھنا' اس بات کی دلیل ہے کہ یہ افضل ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ دونوں مساوی ہوں اور "واؤ" عاطفہ ترتیب کیلئے نہیں' بلکہ مطلق جمع کیلئے ہو۔

(٦٤٩) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ عَامَ الفَتْحِ، وَهُوَ بِمَكَّةَ: «إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الخَمْرِ وَالمَيْتَةِ وَالخِنْزِيرِ وَالأَصْنَامِ». فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ شُحُومَ المَيْتَةِ؟ فَإِنَّها تُطْلَى بِهَا السُّفُنُ، وَيُدْهَنُ بِهَا الجُلُودُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ، فَقَالَ: «لاَ هُوَ حَرَامٌ»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: «قَاتَلَ اللَّهُ اليَهُودَ، إِنَّ اللَّهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ، ثُمَّ بَاعُوهُ، فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں فتح مکہ کے سال یہ فرماتے سنا کہ "بے شک اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب کی خرید و فروخت' مردار اور خنزیر کی خرید و فروخت اور بتوں کی تجارت کو حرام کر دیا ہے۔" آپؐ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مردار کی چربی کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس لئے کہ اس سے کشتیوں کو طلاء کیا جاتا ہے اور چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ اسے جلا کر روشنی حاصل کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "نہیں وہ بھی حرام ہے۔" پھر اس کے ساتھ ہی فرمایا "اللہ تعالیٰ یہود کو غارت کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چربیوں کو یہود کیلئے حرام کر دیا تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ عام الفتح ﴾ عام الفتح سے مراد فتح مکہ کا سال ہے اور یہ رمضان ۸ھ میں فتح ہوا۔ ﴿ ان اللہ ورسولہ حرم ﴾ یہاں اللہ اور اس کے رسول دو کا ذکر ہے' مگر حرم صیغہ مفرد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں حرام کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول تو حکم الٰہی کا اظہار کرنے والا ہے' آپؐ کا حکم درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہوتا ہے' اس لئے واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ ﴿ اریت شحوم المیتۃ ﴾ مردار کی چربیوں کے متعلق ارشاد فرمائیں کہ ان کی تجارت حلال ہے یا نہیں؟ اور مسند احمد

کی روایت میں ہے کہ مردار کی چربیوں کی تجارت کے بارے میں کیا خیال ہے؟﴿ فانه ﴾ شان یہ ہے "یطلی" طلا سے ماخوذ ہے' اور باب ضرب یضرب سے صیغہ مجہول ہے۔ معنی یہ ہیں کہ کشتیاں اس سے طلاء کی جاتی ہیں (یعنی چربی سے ان کی ملمع سازی کی جاتی ہے کہ جس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ نمبرا چربی سے دراڑیں بند ہو جاتی ہیں اور پانی اندر نہیں جاتا۔ نمبر۲۔ چربی' تختوں کو پانی کی خرابی سے محفوظ کر دیتی ہے۔ مترجم) ﴿ السفن ﴾ سین اور فا دونوں پر ضمہ ہے۔ سفینہ کی جمع ہے یعنی کشتیاں ﴿ یدهن ﴾ ادھان یا تدھین سے ماخوذ اور صیغہ مجہول ہے۔ ﴿ ویستصبح بھا الناس ﴾ لوگ اس کے ذریعہ چراغ جلاتے اور دیئے روشن کرتے ہیں۔ پوچھنے والے کے پیش نظر یہ تھا کہ جس سے اتنے فوائد اور مصالح حاصل ہوتے ہیں وہ اس کی تجارت کی صحت کو مقتضی ہیں۔ ﴿ فقال لا هو حرام ﴾ ھو ضمیر کے متعلق ایک رائے اور قول یہ ہے کہ فانھا تطلی بھا السفن میں جو انتفاع کا مفہوم پایا جاتا ہے' اس کی طرف لوٹتی ہے لیکن راجح بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ضمیر (ھو) بیع کی جانب راجع ہے' کیونکہ سائل نے صرف اس کی بیع کے بارے میں سوال کیا تھا اور گفتگو بھی اسی کیلئے کی تھی۔ اس کی تائید حدیث کا آخری حصہ ثم باعوه سے بھی ہوتی ہے۔ ﴿ جملوه ﴾ جیم اور میم دونوں پر فتحہ۔ انہوں نے اسے پگھلایا۔ اس میں مذکورہ تاویل کی بنا پر ضمیر منصوب شحوم کی طرف راجع ہے' یا پھر چربیوں میں سے جو چربی ذہن میں تھی' اس کی طرف راجع ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ جس چیز کا ذکر ہوا اسے فروخت کرنا حرام ہے' بلکہ مردار کے تمام اجزاء کی فروخت حرام ہے' البتہ اس کا چمڑا جب اسے رنگ دیا جائے' اس سے مستثنیٰ ہے' کیونکہ آغاز کتاب میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی گزر چکا ہے' ﴿ ایما اھاب دبغ فقد طھر ﴾ جو کچا چمڑا دباغت دے دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ جمہور نے مردار کے بالوں اور اون کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ ان پر مردار کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ اس پر زندگی وارد ہوتی ہے اور جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام نہیں کیں' ان سے فائدہ حاصل کرنے اور نفع اٹھانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ مثلاً چراغ جلانا' شکرے اور باز کو کھلانا۔ ایک رائے یہ ہے کہ ان سے انتفاع مطلقاً حرام ہے اور ایک رائے یہ ہے کہ ایسی چیزوں میں جواز ہے جن کی ظاہری اور باطنی ہیئت و شکل تبدیل ہو جائے اور علامہ خطابی نے بالاجماع ان سے انتفاع کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ جب کسی کا جانور مرجاتا ہے تو اسے شکاری کتوں کے کھانے کیلئے پیش کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح مردار کی چربی سے کشتیوں کو طلاء کرنا بھی جائز ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں' جیسا کہ عون المعبود (ج ۳ ص: ۲۹۸ میں فتح الباری کے حوالہ سے منقول ہے اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (ج' ۴) ص: ۲۴۲ میں کہا ہے کہ یہ بات معلوم رہنی چاہیئے کہ انتفاع کا باب' بیع سے زیادہ وسیع و کشادہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہروہ چیز جسے فروخت کرنا حرام ہے' ضروری نہیں کہ اس کا انتفاع بھی حرام ہو۔ ان دونوں کے مابین تلازم نہیں ہے لہٰذا جس چیز کا فروخت کرنا حرام ہے اس سے حرمت انتفاع اخذ نہیں کی جائے گی۔ اصنام (بتوں) کی خرید و فروخت تو صرف اس لئے حرام کی گئی ہے کہ یہ شرک کے آلات میں سے ایک آلہ ہیں

اور اسی سے ہر آلہ شرک کی حرمت مستفید ہوتی ہے اور اسی پر باجے اور گانے بجانے کے آلات کو قیاس کیا گیا ہے اور شراب کی حرمت میں ہر نشہ آور چیز کی حرمت شامل ہو گئی۔ خواہ وہ چیز مائع (بہنے والی) ہو یا منجمد و جامد۔ کشید کی گئی ہو یا پکا کر تیار کی گئی۔ یہ حدیث تین قسم کی اجناس کی حرمت پر مشتمل ہے۔ مشروبات (پینے کی اشیاء) جو عقل کو فاسد کر دیتے ہیں۔ کھانے جو طبائع میں فساد پیدا کرتے ہیں اور خبیث غذا بنتے ہیں اور نقود (دولت) جو فساد ادیان کا باعث ہوتے ہیں اور فتنہ اور شرک کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ (الھدی) اس حدیث میں تنبیہہ شدید ہے کہ ہر وہ حیلہ جو حرام کو حلال بنانے کے راستہ کی طرف لے جاتا ہو وہ باطل ہے۔

(٦٥٠) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ، وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ، فَالْقَوْلُ مَا يَقُولُ رَبُّ السِّلْعَةِ أَوْ يَتَتَارَكَانِ». رَوَاهُ الخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے کہ "جب فروخت کرنے والے اور خریدنے والے میں اختلاف واقع ہو جائے اور ثبوت و شہادت کسی کے پاس نہ ہو تو صاحب مال کی بات معتبر ہو گی' یا وہ دونوں اس سودے کو چھوڑ دیں۔" (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اذا اختلف المتبایعان ﴾ متبایعان سے مراد سودا فروخت کرنے والا اور خریدنے والا۔ اختلاف خواہ تعین قیمت میں ہو' یا فروخت شدہ چیز کے بارے میں' یا کسی شرط کے طے کرنے میں ﴿ بینۃ ﴾ یعنی شہادت و گواہی اور دلیل ﴿ رب السلعۃ ﴾ فروخت شدہ چیز کا مالک اور ﴿ السلعۃ ﴾ سین کے نیچے کسرہ اور لام ساکن۔ یعنی ساز و سامان ﴿ یتتارکان ﴾ دونوں فروخت شدہ چیز کو واپس کر دیں اور بیع کو فسخ کر دیں اور صاحب مال کی بات کو تسلیم کیا جائے گا' جب کہ قواعد شرع کے مطابق وہ قسم کھائے' جس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا قسم بھی اسی پر لازم ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب فروخت کنندہ اور خریدار کے مابین کسی چیز کے بارے میں اختلاف واقع ہو جائے تو فروخت کرنے والے کی بات کو ترجیح ہو گی' ورنہ خریدار اپنی ادا شدہ رقم واپس لے اور فروخت کرنے والا اپنی فروخت شدہ چیز واپس لے اور سودا فسخ کر دیا جائے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہی چیز اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ فروخت کنندہ کو قسم کھا کر کہنا ہو گا کہ جو بیان میں دے رہا ہوں وہ درست اور ٹھیک ہے اور قسم بھی شرعی قواعد کے مطابق ہو گی۔

(٦٥١) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت' بدکار و فاحشہ عورت کی اجرت و کمائی اور کاہن کی شرینی سے منع

الكَلْبِ ، وَمَهْرِ البَغِيِّ ، وَحُلْوَانِ الكَاهِنِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح : ﴿ البغی ﴾ "با" پر فتحہ اور غین کے نیچے کسرہ اور یا پر تشدید۔ یعنی زانیہ یہاں فعیل فاعلۃ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بغی' بغاء سے ماخوذ ہے۔ بغاء میں "با" کے نیچے کسرہ۔ اس کے معنی زنا ہیں اور مھر البغی سے مراد وہ اجرت و کمائی ہے جو زنا کاری کے عوض فاحشہ عورت حاصل کرتی ہے اسے مجازاً مہر کہا گیا ہے۔ ﴿ الکاھن ﴾ اس کو کہتے ہیں جو مخفی و پوشیدہ رازوں کے جاننے اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کے متعلق پیشگی مطلع کرنے کا دعویدار ہو۔ مثلاً نزول بارش کی اطلاع کا دعویٰ۔ وباء کے پھوٹ پڑنے اور واقع ہونے کے متعلق دعویٰ' قتل و قتال اور جنگ و جدال کے ظہور کا دعویٰ وغیرہ۔ ان چیزوں کی معرفت کا جو بھی دعویدار ہو وہ اس میں شامل ہے جیسے عراف' نجومی' رمال' کنکریوں پر مار کر بتانے والا اور جفر کا عامل (اسرار حروف کے علم کا دعویدار) وغیرہ اور ﴿ حلوان الکاھن ﴾ حلوان کے "حا" پر ضمہ اور لام ساکن۔ وہ معاوضہ و اجرت جو کاہن کو اس کے عمل کہانت کے بدلہ میں دی جاتی ہے۔ یہ حلاوت کے لفظ سے ماخوذ ہے۔ شیریں چیز کے ساتھ اس کی مشابہت سے مراد یہ ہے کہ یہ بغیر کسی مشقت و کلفت کے آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے مذکورہ بالا چیزوں کی حرمت ثابت ہے۔ مگر بعض ائمہ نے شکاری کتے کی قیمت کو مستثنیٰ کیا ہے اور اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے' لیکن جمہور علماء نے کتے کی مطلقاً قیمت کو حرام قرار دیا ہے۔

حاصل کلام : اس حدیث میں کتے کی قیمت اور بازاری عورت کی زنا کی کمائی اور کاھن کی کہانت کی اجرت حرام قرار دی گئی ہے۔ کتا بذات خود نجس ہونے کی بنا پر حرام ہے۔ حرام چیز کی قیمت لینا بھی حرام ہے۔ زنا اسلام میں قطعی حرام ہے اس کی کمائی بھی حرام۔ پیشہ کہانت حرام ہے تو اس کی اجرت بھی حرام ہے۔

(٦٥٢) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَسِيْرُ عَلَى جَمَلٍ لَّهُ قَدْ أَعْيَا ، فَأَرَادَ أَنْ يُسَيِّبَهُ ، قَالَ : فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ ﷺ ، فَدَعَا لِيْ ، وَضَرَبَهُ ، فَسَارَ سَيْراً لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ ، قَالَ : بِعْنِيْهِ بِأُوقِيَّةٍ ، قلت : لا ثم قال : بِعْنِيْهِ فَبِعْتُه بِأُوقِيَّةٍ ، وَاشْتَرَطْتُ حُمْلاَنَهُ إِلَى أَهْلِيْ ، فَلَمَّا بَلَغْتُ أَتَيْتُهُ بِالجَمَلِ ،

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک درماندہ تھکے ماندے اونٹ پر سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے اسے چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اتنے میں پیچھے سے نبی ﷺ مجھے آملے۔ آپؐ نے میرے لئے دعا فرمائی اور اونٹ کو مارا تو وہ ایسی تیز روی سے چلنے لگا کہ اس سے پہلے ایسی تیز رفتاری سے نہیں چلا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے یہ اونٹ ایک اوقیہ چاندی کے عوض فروخت کر دو۔" میں نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے

فَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ، ثُمَّ رَجَعْتُ، فَأَرْسَلَ فِي أَثَرِي، فَقَالَ: أَتُرَانِي مَاكَسْتُكَ لِآخُذَ جَمَلَكَ؟ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ، فَهُوَ لَكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَهٰذَا السِّيَاقُ لِمُسْلِمٍ.

پھر دوبارہ فرمایا "مجھے یہ اونٹ بیچ دو۔" تو میں نے اسے آپؐ کو بیچ دیا اور شرط یہ طے کی کہ اپنے گھر والوں تک سوار ہو کر جاؤں گا۔ پس جونہی (مدینہ) پہنچا تو میں وہ اونٹ لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپؐ نے اس کی نقد قیمت مجھے ادا فرما دی۔ پھر میں (رقم وصول کر کے) واپس آگیا۔ آپؐ نے میرے پیچھے (اونٹ) بھیج دیا اور فرمایا کہ "تیرا خیال ہے کہ میں نے اونٹ کی قیمت کم کی تاکہ تیرا اونٹ لے لوں؟ اپنا اونٹ لے لو اور رقم بھی اپنے پاس رکھو یہ تیرے لئے ہے۔" (بخاری و مسلم' یہ سیاق مسلم میں ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اعیا ﴾ تھک گیا' درماندہ ہو گیا' چلنے سے رہ گیا۔ ﴿ یسیبہ ﴾ باب تفعیل سے ہے' معنی ہے اسے آزاد چھوڑ دے' جہاں چاہے چلے پھرے ﴿ وقیۃ ﴾ "واؤ" پر ضمہ' قاف کے نیچے کسرہ اور "یا" مشدد۔ اسے اوقیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اوقیہ کے ہمزہ پر ضمہ "واؤ" ساکن۔ "یا" پر تشدید بھی ہے اور تخفیف بھی۔ چاندی کے چالیس درہم۔ ان کا وزن ساڑھے دس تولہ کے مساوی ہوتا ہے' جدید پیمانہ کے مطابق ۱۴۷ گرام بنتا ہے۔ ﴿ حملانہ ﴾ "حا" پر ضمہ' اس پر سوار ہونا' یعنی میں نے آپ سے یہ شرط طے کر لی کہ مدینہ تک سوار ہو کر جاؤں گا۔ ﴿ فنقدنی ﴾ باب نصر ینصر سے۔ مجھے اس کی قیمت نقد ادا فرما دی۔ ﴿ اثری ﴾ ہمزہ اور ثا پر فتحہ اور ہمزہ کے نیچے کسرہ اور "ثا" ساکن بھی منقول ہے۔ میرے پیچھے' میرے نقش قدم پر ﴿ اترانی ﴾ استفہام انکاری ہے۔ فعل صیغۂ مجہول' ظن کے معنی میں' یعنی کیا تو نے گمان کر لیا اور میرے بارے میں سمجھ لیا کہ ﴿ ماکستک ﴾ صیغۂ متکلم۔ مماکسۃ سے ماخوذ ہے' یعنی میں نے قیمت کم کرنے کی کوشش کی۔ آپ کا یہ اشارہ اس طے شدہ قیمت کی طرف تھا' جو بیع کے وقت طے ہوئی تھی۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ چوپائے کو مشروط طور پر فروخت کرنا اور خریدنا جائز ہے اور جمہور کی رائے بھی یہی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ شرط جائز ہے' بشرطیکہ سفر کی مسافت تین روز سے زیادہ نہ ہو' لیکن امام شافعی رحمہ اللہ' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دوسرے علماء و فقہاء کے نزدیک مطلق جائز نہیں۔ مگر یہ حدیث ان اقوال میں سے کسی قول کے ساتھ مکمل مطابقت نہیں رکھتی۔ حدیث کا سیاق بتاتا ہے کہ دونوں سفر سے گھر واپس آرہے تھے اور دونوں کا راستہ بھی ایک ہی تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو سوار ہو کر گھر پہنچنے کی حاجت و ضرورت تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسے آدمی کی خدمت درکار تھی جو اسے ہانک کر مدینہ پہنچا دے۔ اس صورت میں جانبین و طرفین کیلئے اس شرط میں کوئی

مضائقہ و حرج نہیں تھا' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دونوں کیلئے اس میں نرمی و آسانی تھی اور دونوں کی مصلحت کی رعایت بھی تھی۔ پس حدیث میں اس سے زائد شرط کی کوئی دلیل نہیں کہ فروخت کنندہ اور خریدار کی مصلحتوں کا جو خاطر خواہ لحاظ رکھا گیا ہے' وہ جائز ہے۔ یوں نہیں کہ یہ شرط مطلقاً جائز ہے' خواہ خریدار کا اس میں نقصان ہی ہو اور نہ ہی مطلقاً ممنوع ہے' کیونکہ اس میں بغیر کسی مناسب وجہ کے حدیث کی تردید پائی جاتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی سے ازخود یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنی فلاں چیز اسے فروخت کر دے' جائز ہے۔ قیمت طے کرنا اور قیمت میں کمی کا تقاضا کرنا بھی جائز ہے۔ اگر سواری ہو تو یہ شرط لگانا کہ میں اپنے گھر تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا' جائز ہے' بشرطیکہ اس میں کسی کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو یا رہائشی جگہ ہو تو خریدار سے کچھ مدت تک کیلئے رہائش کی شرط طے کرنا جائز ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مکان فروخت کیا۔ خریدار سے ایک ماہ تک رہائش کی شرط طے کر لی۔ اس حدیث سے یہ بھی مترشح ہو رہا ہے کہ کسی چیز کی قیمت کم کرانے میں جائز حدود سے اپنے اثر و رسوخ اور منصب کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔ اسوۂ رسول سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ ایثار سے کام لینا چاہئے اور اپنے بھائی کی حیثیت کا خیال رکھنا چاہئے۔ نیز اونٹ کی تیز رفتاری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ثابت ہوا۔

(٦٥٣) وَعَنْهُ قَالَ: أَعْتَقَ رَجُلٌ مِّنَّا عَبْداً لَّهُ عَنْ دُبُرٍ، وَلَمْ يَكُن لَّهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَدَعَا بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَبَاعَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ ہم میں سے کسی شخص نے اپنا غلام مدبر کر دیا۔ اس غلام کے سوا اس کے پاس اور کوئی مال نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بلوایا اور اسے فروخت کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿رجل منا﴾ بعض انصار میں سے کوئی آدمی۔ اس کا نام ابومذکور انصاری تھا اور اس کے غلام کا نام یعقوب تھا اور وہ قبطی تھا۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور امارت کے آغاز ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ ﴿دبر﴾ دال اور با دونوں پر ضمہ' معنی پیچھے۔ کسی چیز کا آخری حصہ۔ یعنی اس نے غلام سے کہا کہ میری وفات کے بعد تو آزاد ہے۔ ﴿فباعه﴾ آپ نے اسے آٹھ سو درہم میں فروخت کر دیا اور نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ نے اسے خرید لیا۔ (بعض روایات میں ہے کہ وہ مقروض تھا' اسی لئے آپ نے اسے فروخت کیا تاکہ اس کا قرضہ اتار دیا جائے۔) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام کو ضرورت و حاجت کے وقت فروخت کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ' اہل حدیث اور عام فقہاء اس کی مطلقاً فروخت کے قائل ہیں۔ حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے موقع پر فروخت کرنا جائز ہے۔

(٦٥٤) وَعَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللَّهُ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے

تَعَالَى عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ فَأْرَةً وَقَعَتْ فِيْ سَمْنٍ، فَمَاتَتْ فِيْهِ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهَا فَقَالَ: «أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَزَادَ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ: «فِي سَمْنٍ جَامِدٍ».

روایت ہے کہ ایک چوہیا گھی میں گر کر مرگئی۔ اس کے متعلق نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ (جواب میں) آپؐ نے فرمایا "اسے نکال کر باہر پھینک دو اور اس کے اردگرد کا گھی بھی باہر ڈال دو اور (بقیہ) استعمال کرلو۔" (بخاری) نسائی اور احمد نے اتنا اضافہ نقل کیا ہے۔ "منجمد گھی میں۔"

(٦٥٥) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ، فَإِنْ كَانَ جَامِداً فَأَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، وَإِنْ كَانَ مَائِعاً فَلاَ تَقْرَبُوهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَقَدْ حَكَمَ عَلَيْهِ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ بِالْوَهَمِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب چوہا گھی میں گر جائے۔ اگر گھی منجمد ہو تو اس چوہے کو اور اس کے اردگرد کے گھی کو باہر پھینک دو اور اگر گھی سیال ہو تو اس کے قریب بھی نہ پھٹکو۔" (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور ابو حاتم نے اس پر وہم کا حکم لگایا ہے)

حاصل کلام: ﴿ماحولها﴾ وہ حصہ جو اس چوہے کے جسم سے لگ ہوگیا ہو۔ ﴿مائعا﴾ بہنے والا' سیال ہو۔ اسے باہر پھینکنے کا حکم اور اس کے قریب پھٹکنے کی ممانعت' اس بات کی دلیل ہیں کہ نجس چکنائی (گھی' تیل) سے انتفاع مطلقاً جائز نہیں۔ لیکن پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ انتفاع کا باب' باب بیع سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ تمام دلائل میں تطبیق یوں ہے کہ یہ ممانعت صرف انسان کے کھانے اور بطور تیل استعمال کرنے پر محمول ہے۔ جب اس کا کھانا اور بطور تیل استعمال کرنا درست نہیں تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھانا بالاولیٰ حرام ہے۔

جامد اور مائع کا فرق اس لئے ہے کہ جامد میں چوہے کی تمیز ہو سکتی ہے جبکہ مائع میں اس کا امکان نہیں کہ کس اور کتنے حصہ سے چوہے کا بدن ملوث ہوا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور ابو حاتم رحمہ اللہ نے اس پر وھم کا حکم لگایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث مسند میمونہ کی ہے۔ مسند ابی ہریرہ سے نہیں ہے' لہٰذا اس پر وہم کا حکم سند کے اعتبار سے ہے متن کے اعتبار سے نہیں۔

(٦٥٦) وَعَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِراً عَنْ ثَمَنِ السِّنَّوْرِ وَالْكَلْبِ. فَقَالَ: زَجَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ: «إِلاَّ

حضرت ابو الزبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بلی اور کتے کی قیمت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے اس بارے میں زجر و توبیخ فرمائی ہے۔ (مسلم و نسائی) اور

كَلْبَ صَيْدٍ». نسائی میں اتنا اضافہ ہے کہ "شکاری کتے کے علاوہ۔"

لغوی تشریح: ﴿السنور﴾ سین کے نیچے کسرہ اور نون پر تشدید اور فتحہ' واؤ ساکن' معنی بلا۔ ﴿زجر﴾ ڈانٹ ڈپٹ کر روک دیا' منع کر دیا۔ نھی دراصل تحریم کیلئے ہے۔ بالخصوص جبکہ ڈانٹ ڈپٹ بھی ساتھ ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلی کا فروخت کرنا حرام ہے۔ یہ رائے ایک گروہ کی ہے اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ اس کا فروخت کرنا جائز ہے اور اس حدیث میں جو نھی ہے اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے اور اس کا فروخت کرنا مکارم اخلاق اور مروت میں سے نہیں۔ یہ بات بھی مخفی نہیں کہ بغیر کسی مقتضیٰ کے نھی کو اس کے حقیقی معنی سے خارج کرنا درست نہیں' جیسا کہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے اور جو شکاری کتے کے استثناء کا اضافہ ہے تو اس کے متعلق نسائی نے کہا ہے کہ یہ منکر ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس لفظ سے باطل ہے' اس کی کوئی اصل نہیں۔ جیسا کہ صاحب سبل السلام نے کہا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابوالزبیر﴾ محمد بن مسلم بن تدرس الاسدی المکی' یہ حکیم بن حزام کے غلام تھے' تابعی تھے۔ ان کے ثقہ ہونے اور ان کی روایت کے حجت ہونے پر سبھی کا اتفاق ہے' البتہ مدلس ہیں۔ ۱۲۸ھ کو فوت ہوئے۔

(٦٥٧) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْنِي بَرِيْرَةُ، فَقَالَتْ: إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِيْ عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوْقِيَّةٌ، فَأَعِيْنِيْنِي! قُلْتُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ، وَيَكُونُ وَلَآؤُكِ لِيْ فَعَلْتُ، فَذَهَبَتْ بَرِيْرَةُ إِلَى أَهْلِهَا، فَقَالَتْ لَهُمْ، فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ الوَلَآءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «**خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الوَلَاءَ فَإِنَّمَا**

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا (لونڈی) میرے پاس آئی اور کہنے لگی میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ چاندی پر مکاتبت کر لی ہے کہ ہر سال میں ایک اوقیہ ادا کرتی رہوں گی۔ لہٰذا میری (اس بارے میں) مدد کریں۔ میں نے (اسے) کہا کہ اگر تیرے مالک کو یہ پسند ہو کہ میں تیری مجموعی رقم یکمشت ادا کر دوں اور تیری ولاء میری ہو جائے تو میں ایسا کرنے کو تیار ہوں۔ بریرہ رضی اللہ عنہا یہ تجویز لے کر اپنے مالک کے پاس گئی اور ان سے یہ کہا تو انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس سے واپس آئی' اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اپنے مالکوں کے سامنے وہ تجویز پیش کی تھی' مگر انہوں نے اسے تسلیم کرنے

الوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»، فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ خَطِيْباً، فَحمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطاً لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، واللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ، وَعِندَ مُسْلِمٍ قَالَ: «اشْتَرِيها، وَأَعْتِقِيهَا، وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الوَلاَءَ».

سے انکار کر دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ولاء ان کیلئے ہے۔ یہ بات نبی ﷺ نے سنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس واقعہ سے نبی ﷺ کو باخبر کیا۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا "اسے لے لو اور ان سے ولاء کی شرط کر لو کیونکہ ولاء کا حق دار وہی ہے جو اسے آزادی دے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ لوگوں میں خطاب فرمانے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں۔ (یاد رکھو! کہ) جو شرط کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے' خواہ سینکڑوں شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کا فیصلہ نہایت برحق ہے اور اللہ کی شرط نہایت ہی پختہ اور پکی ہے۔ ولاء اسی کا حق ہے جو آزاد کرے۔" (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں) مسلم کے ہاں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اسے خرید لو اور آزاد کر دو اور ان سے ولاء کی شرط کر لو۔"

لغوی تشریح: ﴿كاتبت﴾ مکاتبت سے ماخوذ ہے۔ مکاتبت وہ پیمان ہے جو مالک اور اس کے غلام کے مابین ایک متعین رقم کے بدلہ میں طے ہوتا ہے کہ غلام جب وہ طے شدہ رقم ادا کر دے' وہ آزاد ہے۔ ﴿اهلي﴾ میرے مالک و آقا اور وہ قبیلہ انصار سے تعلق رکھتے تھے۔ ﴿اواق﴾ اوقية کی جمع ہے' ایک اوقیہ چالیس درہم (سکہ چاندی) کا ہوتا ہے۔ ﴿في كل عام اوقية﴾ یعنی قسط وار۔ ہر سال ایک اوقیہ۔ خرید و فروخت میں اس طرح قسط طے کر لینا جائز ہے' یہ شرط کے طور پر نہیں تھا۔ ﴿فاعينيني﴾ اعانة سے ماخوذ ہے۔ امر سے مؤنث مخاطبہ کا صیغہ۔ مطلب ہے کہ میری مدد و اعانت کرو۔ ﴿الولاء﴾ ولاء کی واؤ پر فتحہ۔ مالک اور غلام کے درمیان آزادی سے حاصل ہونے والا ربط۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مالک آزاد کردہ غلام کی میراث کا مستحق ہو جاتا ہے جبکہ اس کے نہ اصحاب فروض ہوں اور نہ ہی نسبی عصبہ۔ ﴿فابوا﴾ اباء سے ماخوذ ہے۔ انہوں نے اس شرط کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ﴿خذيها﴾ اخذ سے امر کا صیغہ ہے۔ اسے خرید کر لے لو۔ ﴿واشترطي لهم الولاء﴾ اور تو ان سے ولاء کی شرط کر لے۔ یہاں لام' علی کے معنی میں استعمال ہوا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے۔ "وان اساتم

فلها" اور اگر برا کرو گے تو اپنے لئے برا کرو گے۔ (بنی اسرائیل : ۷) ﴿ فی کتاب الله ﴾ کتاب اللہ سے مراد وہ شریعت ہے جسے اللہ نے بندوں کیلئے لکھ دیا ہے۔ خواہ وہ قرآن میں ثابت ہو یا سنت رسول ﷺ میں۔ ﴿ اوثق ﴾ قوی ترین' استحکام کے اعتبار سے مضبوط و شدید۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب مکاتب غلام کیلئے طے شدہ رقم ادا کرنا دشوار اور مشکل ہو تو اسے فروخت کرنا جائز ہے۔ ﴿ خذیها واشترطیها ﴾ کا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ یہ حدیث بہت سے فوائد پر مشتمل ہے جو کسی صاحب علم پر مخفی نہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے کئی مسائل ثابت ہوتے ہیں' مثلاً غلام اور اس کے مالک و آقا کے درمیان متعین رقم اور مقرر مدت کی صورت میں مکاتبت جائز ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص غلام کی طے شدہ رقم ادا کر دے اور اسے آزادی دے دے تو ایسا بھی جائز ہے۔ اس کے ترکہ و میراث کا حقدار یہ آزاد کرنے والا ہوگا۔ اگر غلام اپنی مکاتبت کی رقم ادا کرنے کیلئے کسی صاحب حیثیت سے سوال کرے تو یہ جائز ہے۔ مکاتبت کی رقم قسط وار ادا کی جا سکتی ہے۔ اگر مستحق آدمی سوال کرے تو اس کی مدد کرنی چاہئے۔ ناجائز شرط اگر عائد کرنے کی کوشش کی جائے تو اس شرط کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ اعتبار صرف شرعی شرط کا ہوگا۔ اس حدیث سے باہمی مشورہ کرنا بھی ثابت ہے۔ بیوی شوہر سے مشورہ طلب کرے تو شوہر کو صحیح مشورہ دینا چاہئے۔ جس مسئلہ کا لوگوں کو علم نہ ہو وہ مسئلہ عوام کے سامنے بیان کرنا چاہئے۔ مسئلہ کسی کا نام لے کر نہیں' بلکہ عمومی صورت میں بیان کرنا چاہئے۔ عوام سے خطاب کرنے کے موقع پر سب سے پہلے خالق کائنات کی حمد و ثناء بیان کرنی چاہئے۔ پھر اپنا مدعا و مقصد بیان کرنا چاہئے۔ کسی سے درخواست و استدعا کرنے کا بھی یہی اسلوب و انداز ہونا چاہئے۔ مکاتب لونڈی اور غلام کو فروخت کرنا جائز ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

راوی حدیث: ﴿ بریرۃ رضی اللہ عنہا ﴾ "باء" پر فتح اور "راء" پر کسرہ ہے' ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں۔ مغیث جو کہ آل ابی احمد بن جحش کے غلام تھے' ان کی یہ بیوی تھیں۔ جب یہ آزاد ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اختیار دیا تو اس نے اپنے خاوند مغیث جو کہ ابھی غلام ہی تھا' کو چھوڑ دیا۔

(۶۵۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى عُمَرُ عَنْ بَيْعِ أُمَّهَاتِ الأَوْلاَدِ، فَقَالَ: لاَ تُبَاعُ، وَلاَ تُوْهَبُ، وَلاَ تُوْرَثُ، يَسْتَمْتِعُ بِهَا مَا بَدَا لَهُ، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَمَالِكٌ، وَقَالَ: رَفَعَهُ بَعْضُ الرُّوَاةِ فَوَهِم.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام ولد کو فروخت کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ' نہ یہ فروخت ہو سکتی ہے اور نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ میراث میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ جب تک مالک چاہے رہے اس سے فائدہ اٹھائے اور جب فوت ہو جائے تو وہ آزاد ہے۔ (اسے بیہقی اور مالک نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ بعض نے اسے مرفوع کہا ہے

جو وہم ہے)

لغوی تشریح: ﴿عن بیع امھات الاولاد﴾ ان لونڈیوں کی بیع جن کی ان کے مالکوں سے اولاد پیدا ہو چکی ہو۔ ﴿لیستمتع بھا﴾ اس کا مالک فائدہ اٹھائے۔ ﴿مابدا﴾ جب تک چاہے۔

حاصل کلام: امہات الاولاد کا واحد ام ولد ہے' اس لونڈی کو کہتے ہیں جو اپنے مالک کا بچہ جنم دے۔ جب تک مالک زندہ رہے اس وقت تک وہ اس کی لونڈی ہے' اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جب فوت ہو جائے تو ازخود آزاد ہو جاتی ہے۔ آقا کی اولاد کا اس پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں رہتا۔ لونڈی جب مالک سے بچہ جنم دے دے تو کیا اسے بیچا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ام ولد کی خرید و فروخت حرام ہے۔ خواہ بچہ زندہ ہو یا نہ ہو۔ مگر امام داؤد ظاہری کے نزدیک یہ جائز ہے۔ آگے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ممانعت کا فرمان حرمت بیع کی تائید کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان اس وقت کا ہو جب بیع کی ممانعت کا فرمان جاری نہ ہوا ہو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے مرفوع ہونے سے اختلاف ہے۔ محدثین کے طریق پر یہ حدیث اس حیثیت سے مرفوع ہو سکتی ہے کہ اس میں اجتہاد کو دخل نہ ہو۔ عموماً صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو قبول کیا ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے۔

(٦٥٩) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَبِيْعُ سَرَارِيْنَا أُمَّهَاتِ الْأَوْلاَدِ، وَالنَّبِيُّ ﷺ حَيٌّ، لاَ يَرَى بِذٰلِكَ بَأْساً. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ام ولد لونڈیوں کو نبی ﷺ کی موجودگی میں فروخت کر دیا کرتے تھے۔ آپؐ اس میں کوئی قباحت و مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ (اسے نسائی' ابن ماجہ اور دارقطنی تینوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿سرارینا﴾ اس میں "یا" پر تشدید' سریہ کی جمع ہے' سریہ کے "سین" پر ضمہ "را" پر تشدید اور "یا" پر بھی تشدید۔ لونڈی جو کسی کی ملکیت میں ہو۔ یہ حدیث ام الولد کی بیع کے جواز کی مقتضی ہے' لیکن اکثر علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ متاخرین کی ایک جماعت نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسے فروخت کرنے سے منع کرنا اور صحابہؓ کا مخالفت نہ کرنا' اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کی ممانعت پر متفق تھے اور ان کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے ایما امراۃ ولدت من سیدھا فھی معتقۃ عن دبر منہ کہ جو لونڈی اپنے مالک سے بچہ کو جنم دے' وہ اس کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ اسے احمد' ابن ماجہ' حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے اور بھی بہت سے طرق اور الفاظ ہیں۔ ملاحظہ ہو عون المعبود (ج ۴' ص: ۴۷) اس حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل عام اور ضابطہ کلیہ پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ

ہے کہ لونڈی جو ام الولد ہو' مالک کی موت کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ اس اصل پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے جب ام الولد لونڈی کی بیع ممنوع ہو اور رہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت تو وہ بہت سے احتمالات رکھتی کسی وقت کسی فعل پر مجرد خاموشی ایسی تحدید کی معرفت فراہم نہیں کرتی جو اصل عام اور ضابطہ کلیہ کا مقابلہ کر سکے۔

(٦٦٠) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ: «وَعَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ».

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زائد از ضرورت پانی کے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اونٹ کی جفتی کا معاوضہ لینا بھی ممنوع ہے۔

لغوی تشریح: ﴿عن بیع فضل الماء﴾ زائد از ضرورت پانی سے مراد وہ پانی ہے جو ایسی مباح زمین میں ہو جو کسی اور کی ملکیت نہ ہو' اس پر جو سبقت کر کے پہلے پہنچ جائے' اس کیلئے خود پانی پینا' اپنی زمین کو سیراب کرنا اور جانوروں کو پلانا درست ہے۔ اپنی ساری ضرورت پوری کرنے کے بعد جتنا کچھ پانی بچ جائے اسے فروخت کرنا' اس کیلئے جائز نہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ ایک آدمی اپنی ملکیت والی زمین میں گڑھا کھودتا ہے اور اس میں باہر سے پانی ذخیرہ کر لیتا ہے' یا اپنی زمین میں کنواں کھودتا' یا اس میں چشمہ پھوٹ پڑتا ہے تو بلا ریب وہ دوسرے کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہے۔ اب اس پر واجب و لازم نہیں کہ جو اس کی اپنی اور مویشیوں کی ضرورت کے بعد بقیہ پانی ہے' وہ اسے بطور عطیہ و بخشش کے دوسرے کو دے۔ عام فقہاء کی یہی رائے ہے' مگر شوکانی نے نیل الاوطار میں بیان کیا ہے "بظاہر اپنی مملوکہ زمین میں جمع ہونے والے پانی اور مباح زمین میں پائے جانے والے پانی کا کوئی فرق نہیں خواہ وہ اپنے پینے کیلئے ہو' یا غیر کیلئے' خواہ جانوروں کی ضرورت کیلئے ہو' یا زمین کو سیراب کرنے کیلئے' خواہ وہ کسی وسیع بیابان میں ہو' یا اور کسی دوسری جگہ" رہا اس آدمی کا معاملہ جس نے اپنے مشکیزے یا برتن میں پانی ذخیرہ کیا ہو تو وہ اس حدیث میں مذکور نہیں۔ وہ تو دوسرے مباحات کی طرح ہے کہ جب وہ اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے' مثلاً لکڑیاں' گھاس اور نمک وغیرہ تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے (الھدی' ج ۴ ص ۲۵۹) میں وضاحت کی ہے۔ ﴿وعن بیع ضراب الجمل﴾ الضراب میں ضاد کے نیچے کسرہ۔ نر جانور کا اپنی مادہ سے جفتی کرنے کو کہتے ہیں' تاکہ وہ نر اس جفتی سے مادہ کو حاملہ کر دے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس جفتی کا کرایہ اور اس کے ڈالے ہوئے پانی کی اجرت و معاوضہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ جمہور کے نزدیک نہی تحریم کیلئے ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

(٦٦١) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نر کی جفتی کے معاوضہ کو ممنوع قرار دیا

ﷺ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

ہے۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ عسب الفحل ﴾ دونوں کلمے اپنے پہلے حرف پر فتحہ کے ساتھ ہیں اور دوسرے کے سکون کے ساتھ۔ "فحل" نر حیوان کو کہتے ہیں' گھوڑا ہو' یا اونٹ' یا بکرا وغیرہ اور عسب کہتے ہیں نر کی جفتی کو' یا اس سے خارج ہونے والے پانی کو' یا اس کی نسل اور اولاد کیلئے بھی بولا جاتا ہے اور جفتی کے عوض کرایہ دینے کو بھی کہتے ہیں' جیسا کہ صاحب قاموس نے کہا ہے اور اس حدیث میں نھی کا مورد دراصل وہ معاوضہ ہے جو نر کی جفتی کے عوض لیا جاتا ہے۔

(٦٦٢) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الحَبَلَةِ، وَكَانَ بَيْعاً يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الجَاهِلِيَّةِ، كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الجَزُورَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُنْتَجَ الَّتِي فِي بَطْنِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حبل الحبلہ کی بیع سے منع فرمایا ہے اور یہ بیع دور جاہلیت میں تھی کہ آدمی اونٹنی اس شرط پر خریدتا کہ اس کی قیمت اس وقت دے گا جب اونٹنی بچہ جنے' پھر وہ بچہ جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے وہ (ایک آگے بچہ) جنے ۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ حبل الحبلۃ ﴾ حبل اور حبلہ دونوں پر فتحہ ہے اور حبل مصدر ہے۔ مراد اس سے حمل ہے یعنی پیٹ میں جنین اور حبلہ' حابل کی جمع ہے جیسے ظلمۃ اور کتبۃ ظالم اور کاتب کی جمع ہے اور حابل جس کے پیٹ میں بچہ ہو۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنین کی فروخت ممنوع ہے' جبکہ وہ اپنی ماں کے شکم میں ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مادہ کے پیٹ میں جو بچہ پرورش پا رہا ہے' اس کا بچہ فروخت کرنا ممنوع ہے۔ یعنی اونٹنی کے حمل کا حمل۔ اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع معدوم اور مجہول دونوں پہلو رکھتی ہے۔ اور اس پوزیشن میں ہیں کہ اس کو قبول کیا جائے' کیونکہ ایک طرح یہ دھوکے کی بیع ہے اور یہ قول بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی شے کی بیع اس وقت تک کہ اونٹنی بچہ جنم دے' یا اس اونٹنی کا بچہ جوان ہو کر بچے جنے۔ اس میں نھی کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع ایسی ہے جس کی مدت نامعلوم ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جس بیع کی ممانعت مذکور ہے' اس کی دو صورتیں بیان کی جاتی ہیں: ایک یہ کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ پرورش پا رہا ہے' وہ پیدائش کے بعد جوان ہو کر جو بچہ جنے گی' اسے میں خریدتا ہوں اور اس کی قیمت اتنی آج مجھ سے لے لو اور دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ یہ اونٹنی میں تجھے دیتا ہوں اس قیمت پر کہ یہ جو بچہ جنے گی' اس کا بچہ مجھے دینا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ پیٹ میں جو بچہ ہے اس کی تو کیفیت و ہیئت اور نوعیت ہی نامعلوم اور مجہول ہے' اس لئے مجہول اور نامعلوم چیز کا فروخت

کرنا' اسلام میں ممنوع ہے۔ نیز اس میں دھوکہ دہی کی بیع کا بھی اشتباہ ہے اور بیع غرر بھی اسلام میں ممنوع ہے۔ یہی مذہب ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا۔ اس کی جو تفسیر وکان بیعا الخ کے ساتھ نافع یا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادائیگی قیمت کی میعاد مقرر کی جاتی تھی' اس طرح کہ جو بچہ اس وقت اونٹنی کے پیٹ میں زیر پرورش ہے اس کے جوان ہونے پر جو بچہ پیدا ہو گا وہ اس اونٹ کی قیمت ہو گی۔ اس تفسیر کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ وہ اس صورت میں ممانعت کی توجیہہ کرتے ہیں کہ رقم کی ادائیگی کی میعاد غیر متعین ہے' اس لئے ایسی بیع بھی ممنوع ہے۔

(٦٦٣) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولاء کے فروخت کرنے اور اس کے ھبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں ولاء کے فروخت کرنے اور اسے ھبہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ولاء وراثت کے حق کو کہتے ہیں۔ جو آزاد کرنے والے کو آزاد کردہ غلام کی طرف سے ملتا ہے۔ اہل عرب آزاد ہونے والے کی وفات سے پہلے ہی غلام کو فروخت کر دیتے' یا ہبہ کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ممنوع قرار دے دیا' تاکہ ولاء آزاد کرنے والے کے وارثوں کو ملے' یا اگر خود زندہ ہے تو وہ خود حاصل کر لے۔ لہٰذا ایسے غلام کا فروخت کرنا یا اسے ہبہ کرنا جائز نہیں۔ جمہور علماء سلف و خلف سب کا یہی مسلک ہے۔

(٦٦٤) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الحَصَاةِ، وَعَنْ بَيْعِ الغَرَرِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری پھینک کر تجارت کرنے اور دھوکہ کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿عن بیع الحصاۃ﴾ یہ مصدر کی اضافت اپنی نوع کی طرف ہے۔ مصدر کی اضافت اس کے مفعول کی طرف نہیں ہے اور کنکری پھینک کر بیع کی نوعیت یہ تھی کہ فروخت کرنے والا کہتا تھا کہ یہ کنکری پھینکو جس کپڑے پر جا لگی' وہ درہم کے عوض تمہارا اور اس کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ اپنی اتنی زمین اسے فروخت کر دے گا جہاں پھینکی ہوئی کنکری پہنچے گی اور یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ وہ اپنی مٹھی میں کنکریاں بند کر کے کہتا۔ فروخت شدہ چیز کے بدلے جتنی کنکریاں میری مٹھی سے نکلیں' اتنی چیزیں میری ہوں گی' یا وہ کوئی سودا فروخت کرتا اور اپنی مٹھی میں کنکریاں بند کر لیتا اور کہتا کہ ہر کنکری کے بدلہ میرا ایک درہم اور یہ تفسیر بھی ہے کہ ایک مٹھی بند کر لیتا اور اس کے ایک ہاتھ میں کنکریاں ہوتیں اور وہ کہتا جونہی کنکریاں نیچے گریں بیع واجب ہو جائے گی اور یہ تفسیر بھی ہے کہ دونوں سودا کرتے اور ایک دوسرے سے کہتا کہ جب میں تیری طرف کنکری پھینکوں' بیع واجب ہو جائے گی اور یہ تفسیر بھی ہے کہ

بکریوں کا ریوڑ اس کے سامنے آتا اور وہ کنکریاں مٹھی میں پکڑ کر کہتا جس بکری کو یہ کنکری جا لگے وہ تمہاری اتنی قیمت کے بدلہ۔ یہ تمام صورتیں فاسد ہیں' کیونکہ مال کو ناحق و باطل طریقہ سے' نیز ایسے دھوکہ اور ایسی شرط لگا کر کھانے کو' جس میں قمار و جوئے کا اشتباہ ہے' متضمن ہے' جیسا کہ علامہ ابن قیم نے (الھدی: ج ۴' ص: ۲۶۶) میں بیان کیا ہے۔ ﴿ وعن بیع الغرر ﴾ اس میں مصدر کی اضافت اپنے نوع کی طرف ہے اور "غرر" کے غین اور راء دونوں پر فتح ہے۔ اس دھوکہ اور فریب کو کہتے ہیں جس میں یہ گمان ہو کہ جب بیع واقع ہوگی تو اس وقت رضامندی ہوگی یا نہیں اور جس کا انجام نامعلوم ہے۔ اس خطرے کی وجہ سے جس کے متعلق معلوم ہی نہیں کہ آیا یہ بیع متحقق بھی ہوگی یا نہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دھوکہ کی خرید و فروخت سے ممانعت کتاب البیوع کے اصول میں سے ایک عظیم اصل ہے اور اس میں بے شمار اور ان گنت مسائل داخل ہیں۔ مثلاً بھاگے ہوئے غلام کو فروخت کرنا۔ معدوم و مجہول شے کی بیع۔ جسے آدمی کسی کے سپرد کرنے کی مقدرت ہی نہ رکھتا ہو اور وہ چیز جس پر بیچنے والے کی ملکیت مکمل نہ ہوئی ہو۔ کثیر پانی میں موجود مچھلی کی بیع' جانور کے تھنوں میں موجود دودھ کی بیع' پیٹ میں موجود جنین کی بیع اور مبہم (غیر واضح) غلہ کے انبار و ڈھیر میں سے بعض حصہ کی بیع۔ بہت کپڑوں میں سے کسی ایک کپڑے کی بیع اور بہت سی بکریوں میں سے کسی ایک بکری کی بیع وغیرہ' ایسی ہی دیگر مثالیں موجود ہیں۔ اس قسم کی ہر بیع باطل ہے' کیونکہ اس میں بلا ضرورت دھوکہ پایا جاتا ہے۔ معلوم رہے کہ بیع ملامسۃ' بیع منابذہ' بیع حبل الحبلۃ' بیع الحصاۃ اور عسب الفحل وغیرہ سے ملتی جلتی بیوع کی ایسی صورتیں جن کے بارے میں بالخصوص نصوص وارد ہیں' یہ سب دھوکہ کی بیع کی ممانعت میں داخل ہیں۔ لیکن خاص طور پر بیع غرر کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ دور جاہلیت کی مشہور و معروف بیوع میں سے ہے۔ (شرح مسلم للنووی)

(٦٦٥) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنِ اشْتَرَى طَعَاماً فَلاَ يَبِعْهُ حَتَّى يَكْتَالَهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص کوئی غلہ خریدے تو جب تک اسے ماپ نہ لے' اسے آگے فروخت نہ کرے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ حتی یکتالہ ﴾ یعنی جب تک اسے اپنے قبضہ میں نہ لے اور ناپ تول نہ لے۔ یعنی جب ایک شخص کوئی چیز ناپ کر لیتا ہے اور اس پر اپنا قبضہ بھی کر لیتا ہے' اس کے بعد اسے فروخت کرتا ہے تو اسے پہلی ناپ تول پر آگے فروخت کرنا اس وقت تک جائز نہیں' جب تک کہ از سر نو اسے ناپ یا تول نہ لے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ دوسرے شخص کو فروخت کرتے وقت نئے سرے سے اسے ناپنے یا تولنے کے حکم کی وجہ اور علت عین ممکن ہے یہ ہو کہ دوبارہ وزن کرنے سے یہ متحقق ہو جائے کہ تول و ماپ میں کوئی دھوکہ اور فریب نہیں۔ (تلخیص از سبل السلام)

(٦٦٦) وَعَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.
وَلأَبِيْ دَاوُدَ: «مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا».

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا ہے۔ (احمد و نسائی) اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جس کسی نے ایک چیز کی دو قیمتیں مقرر کیں' وہ یا تو کم قیمت لے لے' یا پھر وہ سود ہو گا۔

لغوی تشریح: ﴿ عن بیعتین فی بیعة ﴾ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: پہلا یہ کہ ایک شخص دوسرے شخص سے یوں کہے کہ میں تجھے فلاں کپڑا نقد ادائیگی کی صورت میں دس روپیہ میں فروخت کرتا ہوں اور ادھار کی صورت میں بیس روپیہ میں اور وہ اس سے دونوں میں سے کسی بیع پر الگ نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میں اپنا یہ مکان اتنی قیمت کے عوض تمہارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں' بشرطیکہ تو اپنا غلام مجھے اتنی رقم کے بدلہ میں بیچ دے۔ جب تیرا غلام میرے لئے واجب و ثابت ہو جائے گا تو میرا گھر تیرے لئے واجب و ثابت ہو جائے گا۔ یہ دونوں صورتیں ترمذی نے اہل علم سے نقل کی ہے۔ بعض علماء نے ایک تیسری تفسیر بھی ذکر کی ہے کہ وہ ایک ماہ کیلئے ایک دینار کے عوض ایک قفیز گندم دے گا۔ جب میعاد مقررہ پوری ہو گئی تو اس نے اس سے گندم کا مطالبہ کر دیا اور کہا کہ جو گندم تجھ پر میری ادا کرنی آتی ہے اسے تو مجھے دو ماہ کیلئے فروخت کر دے تو یہ دوسری بیع ہوئی جو پہلی بیع میں داخل ہو گئی۔ پس اس طرح یہ ایک ہی چیز کی دو بیع ہوئیں۔ دونوں نقصان کی طرف ہی پلٹیں گی۔ یہی اصل ہے۔ اگر دونوں بیع ثانی پر خرید و فروخت کرتے ہیں۔ پہلی بیع کا باہمی تقاضا کئے بغیر تو اس صورت میں دونوں سود خور ہوتے ہیں۔ یہ خطابی کا قول ہے۔ (ملاحظہ ہو عون المعبود' ج ۳' ص: ۲۹۰) اس کے علاوہ اس کی اور بھی بہت سی شکلیں ہیں۔ ﴿ فلہ اوکسھما ﴾ الخ دونوں صورتوں میں بہت کم اور بہت نقصان کی صورت میں ملے گا۔ یہ حدیث ان الفاظ سے بیان میں یحیٰی بن زکریا عن محمد بن عمرو بن علقمہ منفرد ہے۔ اپنے عام ساتھیوں کے بیان کردہ الفاظ کی مخالفت کی ہے۔ لہٰذا یہ روایت شذوذ سے خالی نہیں اور محمد بن عمرو ایسا راوی ہے جس کے بارے میں بہت سے محدثین نے کلام کیا ہے۔ لہٰذا یہ روایت ان الفاظ سے قابل استدلال نہیں ہے۔

(٦٦٧) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ، وَلاَ شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ، وَلاَ رِبْحُ مَا لاَ يُضْمَنُ، وَلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ».

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "قرض اور بیع حلال نہیں اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں حلال ہیں اور کسی چیز کا منافع حاصل کرنا اسے اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے جائز

رَوَاهُ الخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِي وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَالحَاكِمُ.

وَأَخْرَجَهُ فِي عُلُومِ الحَدِيْثِ، مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ، عَنْ عَمْرٍو المَذْكُورِ، بِلَفْظِ «نَهى عَنْ بَيْعٍ وشَرْطٍ». وَمِنْ هَذَا الوَجْهِ أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الأَوْسَطِ، وَهُوَ غَرِيْبٌ.

نہیں اور جو تیرے (اپنے) پاس موجود نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی جائز و حلال نہیں۔" اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی' ابن خزیمہ اور حاکم تینوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام حاکم نے علوم الحدیث میں ابو حنیفہؒ کی روایت سے مذکورہ عمرو رحمہ اللہ کے واسطے سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ "آپؐ نے بیع شرط کے ساتھ منع فرمائی ہے" (اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں اسی طریق سے نقل کیا ہے اور وہ غریب ہے)

لغوی تشریح : ﴿ سلف ﴾ سین' لام' دونوں پر فتحہ۔ قرض ﴿ وبیع ﴾ قرض کے ساتھ۔ یعنی ایسی بیع حلال نہیں جس میں قرض کی شرط ہو۔ بایں طور کہ وہ کہے کہ میں یہ کپڑا تیرے ہاتھ دس روپے میں فروخت کرتا ہوں۔ بشرطیکہ تو مجھے دس روپے قرض دے' یا یوں کہے کہ میں تمہیں دس روپے قرض دیتا ہوں' بشرطیکہ تم اپنا سامان مجھے فروخت کرو اور میرے سوا کسی اور کو نہ بیچو۔ ﴿ ولا شرطان فی بیع ﴾ اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایک بیع میں دو بیع ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی شکل یہ ہے کہ میں یہ کپڑا تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں' اس شرط پر میں ہی اسے درزی سے سلواؤں گا اور میں ہی اس کی کٹائی کروں گا۔ امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول ترمذی نے ذکر کیا ہے ﴿ ولا ربح مالم یضمن ﴾ ربح کے معنی منافع اور فعل صیغۂ مجہول ہے۔ یعنی جب تک وہ اس کا مالک نہ ہو اور اسے اپنے قبضہ میں نہ لے۔ یعنی کسی سامان کا منافع حاصل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اسے خرید کر اپنے قبضہ میں نہ لے لے۔ پس جب اسے اپنے قبضہ میں لے لے گا اور وہ چیز اس کی ضمانت میں داخل ہو جائے گی تو اس وقت اس کا فروخت کرنا اور اس پر منافع لینا جائز ہے۔ ﴿ مالیس عندك ﴾ ایسی چیز کی خرید و فروخت جو فروخت کے وقت اس کی ملکیت میں نہ ہو۔ ﴿ نهی عن بیع و شرط ﴾ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔ مسلمانوں کی کتابوں میں اس کا کچھ بھی وجود نہیں' یہ تو منقطع حکایات میں بیان کی گئی ہے۔

راوی حدیث : ﴿ ابوحنیفہ رحمہ اللہ ﴾ ائمہ اربعہ میں سے ایک مشہور و معروف امام۔ نعمان بن ثابت کوفی نام۔ بنو تیم اللہ بن ثعلبہ کے مولیٰ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ابناء فارس میں سے ہیں۔ ریشم فروش تھے۔ روایت حدیث میں ایک جماعت نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور دوسرے لوگوں نے ضعیف۔ ابن مبارک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ فقہ میں میں نے ان کا مثیل نہیں دیکھا۔ اپنی خدا داد شہرت کی وجہ سے تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں۔ فقہ' ورع' زہد اور سخاوت میں مشہور ہیں۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں

وفات پائی۔

(٦٦٨) وَعَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ. رَوَاهُ مَالِكٌ، قَالَ: بَلَغَنِي عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ بِهِ.

حضرت عمرو بن شعیب ہی نے اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا۔ (اسے مالکؒ نے روایت کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے عمرو بن شعیب سے یہ روایت پہنچی ہے)

لغوی تشریح: ﴿عربان﴾ عین پر ضمہ اور "را" ساکن۔ عربان۔ بیعانہ کو کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سے پلاٹ یا مکان کا سودا کیا۔ قیمت طے ہونے کے بعد خریدار نے فروخت کنندہ کو ہزار روپیہ بیعانہ کے طور پر ادا کر دیئے اور مدت طے کر لی کہ اتنی مدت تک اگر میں نے باقی رقم ادا کر دی تو مکان میرا اور رقم کی ادائیگی کے موقع پر ہزار روپیہ بیعانہ والا وضع کر لوں گا' اگر میعاد مقررہ پر بقیہ رقم ادا نہ کر سکوں تو ہزار روپیہ بیعانہ تمہارا۔

حاصل کلام: امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اسی روایت کی بنا پر اس بیع کو ناجائز کہتے ہیں' مگر یہ روایت قطعی بلاغات میں سے ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ متصلاً بھی مروی ہے مگر اس کی سند میں ضعف ہے۔ اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور امام احمد رحمہ اللہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ (سبل)

(٦٦٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: ابْتَعْتُ زَيْتاً فِي السُّوقِ، فَلَمَّا اسْتَوْجَبْتُهُ لَقِيَنِيْ رَجُلٌ فَأَعْطَانِيْ بِهِ رِبْحاً حَسَناً، فَأَرَدْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ، فَأَخَذَ رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِيْ بِذِرَاعِيْ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، فَقَالَ: لاَ تَبِعْهُ حَيْثُ ابْتَعْتَهُ، حَتَّى تَحُوزَهُ إِلَى رَحْلِكَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ، حَتَّى يَحُوْزَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِحَالِهِمْ. رَوَاهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے بازار سے روغن (زیتون) خریدا۔ جب میرا سودا پکا و پختہ ہو گیا تو مجھے ایک آدمی ملا جس نے مجھے اچھا منافع دینے کی پیش کش کی۔ میں نے اس آدمی سے سودا طے کرنے کا ارادہ کر لیا' اتنے میں پیچھے سے کسی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے کہا جس جگہ سے تم نے سودا خریدا ہے' اسی جگہ پر اسے فروخت نہ کرنا' تاوقتیکہ اسے اٹھا کر اپنے گھر نہ لے جاؤ' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں سے چیزیں خریدی جائیں' وہیں پر فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے' جب تک کہ تاجر و سوداگر حضرات اس خریدے ہوئے مال و

أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

اسباب کو اپنے گھروں میں لے نہ جائیں۔ (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ابتعت ﴾ اشتریت کے معنی میں۔ یعنی میں نے خریدا۔ ﴿ استوجبته ﴾ خرید و فروخت کے معاملہ کی صورت میں وہ میری ملکیت میں آگئی ہو۔ ﴿ ان اضرب علی ید الرجل ﴾ میں اس سے سودا پختہ کرلوں۔ کیونکہ ہاتھ پر ہاتھ مارنا اس زمانے میں سودا طے کرتے وقت اہل عرب کی عادت تھی۔ ﴿ فالتفت ﴾ میں نے توجہ کی ﴿ حتی تحوزه الی رحلك ﴾ یعنی اسے جمع کرے' اکٹھا کرکے اپنے مکان کی طرف منتقل کرلے۔ مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے قبضہ میں کرلے۔ خریدار کے قبضہ کی غالب صورت یہی تھی کہ وہ خریدے ہوئے مال و متاع کو اس کے محفوظ کئے جانے کی جگہ پر لے آئے۔ ﴿ السلع ﴾ سین کے نیچے کسرہ اور لام پر فتحہ۔ سلعة کی جمع ہے سامان' مال و متاع' خریدی ہوئی چیز۔

(٦٧٠) وَعَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَبِيعُ الإِبِلَ بِالبَقِيعِ فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ، وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ، وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ، وَآخُذُ الدَّنَانِيرَ، آخُذُ هٰذَا مِنْ هٰذِهِ، وَأُعْطِي هٰذِهِ مِنْ هٰذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَتَفَرَّقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ». رَوَاهُ الخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں بقیع میں اونٹوں کی تجارت کرتا ہوں۔ دینار میں فروخت کرکے درہم وصول کرتا ہوں اور (کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) میں فروخت تو درہم میں کرتا ہوں اور وصول دینار کرتا ہوں (یعنی) دینار کے بدلہ میں درہم اور درہم کے بدلہ میں دینار لیتا ہوں۔ اس کے عوض وہ لیتا ہوں اور اس کے بدلہ میں یہ دیتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اگر اسی روز کے بھاؤ سے ان کا تبادلہ کرلو اور خرید و فروخت کرنے والوں کے ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے رقم کا کوئی حصہ کسی کے ذمہ باقی نہ رہے تو جائز ہے۔" (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿ بالبقیع ﴾ بقیع الغرقد مدینہ کا قبرستان مراد ہے۔ اسے قبرستان بنائے جانے سے پہلے یہ جگہ بطور تجارتی منڈی کے تھا اور ایک نسخہ میں "نقیع" بھی ہے' یعنی "باء" کی جگہ نون۔ جو مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ﴿ فابیع بالدنانیر ﴾ دینار' سونے کا مروج سکہ۔ ﴿ واخذ الدراهم ﴾ دراھم چاندی کا سکہ۔ سونے کے سکہ کے بدلہ میں چاندی کا سکہ لے لیتا ہوں۔ ﴿ بسعریومها ﴾ سعر

کے سین کے نیچے کسرہ۔ منڈی کا مروج روزمرہ کا بھاؤ۔ فارسی میں اسے نرخ کہتے ہیں' یعنی دینار کے بدلہ میں دراھم لینے میں کوئی حرج نہیں' جبکہ ان کا تبادلہ منڈی کے روزمرہ کے نرخ کے مطابق ہو۔ ﴿ مالم تتفرقا وبینکما شئی ﴾ یعنی اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا اور الگ نہ ہونا جب تک کہ تمہارے درمیان کسی واجب الادا چیز کی ادائیگی باقی (یعنی جدائی اور علیحدگی سے پہلے پہلے باہمی ادائیگی کر لینا) یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ سونے چاندی کا تبادلہ اس صورت میں جائز ہے جبکہ دست بدست ہو اور پوری ادائیگی موقع پر ہو۔ ادھار نہ ہو۔

(٦٧١) وَعَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ النَّجْشِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع نجش سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ نجش ﴾ نون پر فتحہ اور جیم ساکن۔ نجش کی شکل یہ ہے کہ ایک آدمی سامان فروخت پڑا ہوا دیکھتا ہے' لوگ اس کی قیمت لگا رہے ہیں' فروخت کرنے والے مالک سامان سے خریدنے کی بات کرتے ہیں اور یہ شخص وہاں حاضر ہو کر اس سامان کی تعریف و توصیف کر کے اس کی قیمت میں اضافہ کرتا ہے' یعنی محض اس چیز کی قیمت بڑھانے کی خاطر زیادہ بولی دینا شروع کر دیتا ہے' جبکہ وہ اس چیز کا خریدار نہیں ہوتا' محض قیمت میں اضافہ کرنے کیلئے ایسا کرتا ہے' جس سے لوگوں کو دھوکا دینا اور فریب میں مبتلا کرنا مقصود ہوتا ہے' تاکہ چیز کی قیمت زیادہ لگے اور فروخت کنندہ سے پہلے ہی طے کر لیتا ہے اور طے شدہ بات کے مطابق اس سے کچھ وصول کر لیتا ہے' چونکہ یہ شخص حقیقت میں خریدار نہیں' بلکہ خریدار کے روپ میں دھوکہ باز ہے اور اس میں دھوکا پایا جاتا ہے۔ اس لئے شریعت نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ بیع بالاجماع حرام ہے۔

(٦٧٢) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَالْمُخَابَرَةِ، وَعَنِ الثُّنْيَا، إِلاَّ أَنْ تُعْلَمَ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلاَّ ابْنَ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع محاقلہ' مزابنہ' مخابرہ اور ایک آدھ چیز مستثنیٰ (یعنی) الگ رکھنے سے منع فرمایا ہے مگر اس صورت میں (بیع استثناء) جائز ہے کہ اس کی مقدار مقرر کر لی جائے۔ (اسے ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ المحاقلة ﴾ بالیوں میں کھڑی کھیتی کو غلہ کے عوض فروخت کرنا' جیسے گندم کے کھیت کے بدلہ میں گندم فروخت کرنا۔ ﴿ المزابنة ﴾ درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اسی جنس کے اتارے ہوئے خشک پھل کے عوض فروخت کرنا۔ مثلاً خشک کھجوروں کے بدلہ کھجور کے درخت پر تازہ اور تر

کھجوروں کی بیع اور انگور کے بدلہ خشک انگور (کشمش) کی فروخت۔ ان دونوں میں وجہ تحریم یہ ہے کہ دونوں کی صحیح مقدار کا علم نہیں ہو سکتا کہ تر میوہ خشک ہو کر کتنا رہ جائے گا' زیادہ کا بھی امکان ہے اور کمی کا بھی۔ دونوں صورتوں میں فریقین میں سے کسی کو نقصان ہو سکتا ہے۔ جب جنس ایک ہو تو پھر برابری ضروری ہے۔ اس صورت میں بڑھوتری اور زیادتی سود ہو گا (اور سود کسی صورت میں بھی حلال نہیں۔) ﴿المخابرة﴾ مخابرہ مزارعت کا دوسرا نام ہے' وہ یہ کہ مزارع اور مالک زمین کے درمیان پیداوار کے نصف' ثلث یا ربع پر معاملہ طے ہو جائے (کہ مزارع اپنی خدمت کے بدلہ میں کل پیداوار کا ۱/۲ یا ۱/۳ یا ۱/۴ وصول کرے گا اور باقی مالک زمین کا ہو گا۔) یہ بیع مطلقاً ممنوع نہیں' بلکہ لوگ زمین کے کسی حصہ کی پیداوار مزارع کیلئے اور کسی حصہ کی پیداوار کو مالک زمین کیلئے مخصوص کر لیتے تھے۔ بسا اوقات مزارع والا حصہ صحیح سلامت رہ جاتا اور مالک والا تباہ ہو جاتا اور کبھی اس کے برعکس ہو جاتا' اس طرح معاملہ باہمی نزاع اور جھگڑے تک پہنچ جاتا۔ اس لئے نبی ﷺ نے اس طرح کی بیع سے منع فرما دیا۔ اس طرح کا طے شدہ معاملہ کہ زمین سے جو پیداوار حاصل ہو' اس کو طے شدہ حصہ' یا مقدار میں مالک زمین اور مزارع تقسیم کریں گے' مثلاً چوتھا یا تیسرا حصہ پیداوار مزارع (کاشتکار) کا اور بقیہ سارا مالک زمین کا تو اس میں کوئی مضائقہ ہے نہ حرج۔ نبی ﷺ نے بذات خود اہل خیبر سے اسی اصول پر معاملہ طے فرمایا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس بیع کو مخابرہ کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ اور سبب یہی ہے۔ ﴿الثنيا﴾ "ثا" پر ضمہ اور نون ساکن بروزن دنیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ "ثا" پر ضمہ اور نون پر فتحہ اور یا پر تشدید بروزن ثریا۔ استثناء سے اسم ہے اور خرید و فروخت "ثنیا" یہ ہے کہ نامعلوم مقدار کا استثناء کرنا۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ میں یہ ڈھیر فروخت کرتا ہوں' مگر اس کا بعض حصہ فروخت نہیں کروں گا' اس بعض کا تعین نامعلوم ہے' یا مثلاً یہ درخت ہیں' بکریاں اور کپڑے ہیں' میں ان کو فروخت کرتا ہوں' مگر بعض کو فروخت نہیں کرتا۔ ان صورتوں میں بھی بعض کا تعین نہیں۔ ﴿الا ان تعلم﴾ ان تعلم کا تعلق آخری جز (ثنیا) سے ہے۔ اس صورت میں بیع جائز ہوگی جبکہ مستثنیٰ چیز کا علم ہو کہ کتنی ہے اور کونسی ہے؟ مثلاً فروخت کرنے والا یوں کہتا ہے کہ میں نے یہ درخت اور بکریاں اور کپڑے بجز اس درخت کے اور اس بکری کے اور اس کپڑے کے تمہیں فروخت کئے تو اس صورت میں یہ بیع صحیح ہوگی۔

(٦٧٣) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُخَاضَرَةِ، وَالْمُلَامَسَةِ، وَالْمُنَابَذَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع محاقلہ' مخاضرہ' ملامسہ' منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿المخاضرة﴾ یعنی پھلوں اور غلہ جات کی فروخت ان کے پکنے سے پہلے۔ ﴿

﴿ الملامسة والمنابذة ﴾ مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان دونوں کی تفسیریوں ہے کہ ملامسہ وہ بیع ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے کپڑے کو بغیر کسی تامل کے چھوئیں اور اسی چھونے کو بیع قرار دیں اور منابذہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی جانب کپڑا پھینکیں' بغیر دیکھے اور اسی کو بیع قرار دیں اور بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان دونوں بیعوں کی تفسیر اس طرح وارد ہے کہ خریدار دن ہو یا رات دوسرے کے کپڑے کو بغیر دیکھے اور الٹ پلٹ کئے بغیر بس ہاتھ لگا دے اور اسی پر سودا طے کر لے۔ اور "منابذة" یہ ہے کہ دونوں (خریدار و فروخت کنندہ) ایک دوسرے کی جانب اپنا اپنا کپڑا پھینکیں اور یہ پھینکنا ہی دونوں کے درمیان بغیر دیکھے اور باہمی رضامندی کے ساتھ بیع قرار پائے اور محض ہاتھ لگانا اور کپڑا پھینکنا ہی دیکھنے اور ملاحظہ کرنے کے قائم مقام ہو' اس کے بعد پھر کسی کو دیکھنے کا اختیار باقی نہ رہے' یا اسے ایجاب و قبول کے قائم مقام ہی سمجھا جائے' یا مجلس کے اختیار کیلئے یہ قطعی اور حتمی ہو۔

(٦٧٤) وَعَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ، وَلاَ يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ»، قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهما: مَا قَوْلُهُ ﷺ لاَ يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ؟ قَالَ: لاَ يَكُونُ لَهُ سِمْسَاراً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سامان تجارت لے کر آنے والے قافلوں کو آگے جا کر نہ ملو اور کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان بیچے۔" میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ "شہری دیہاتی کا سامان فروخت نہ کرے" کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ شہری دیہاتی کا دلال نہ بنے۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ لا تلقوا الركبان ﴾ شہر کی منڈی میں پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں ان سے نہ ملو۔ "رکبان" شترسواروں کی جماعت۔ رکب شتربانوں کو کہتے ہیں جو سفر پر ہوں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو غلہ' خوردو نوش کی اشیاء اور دیگر استعمال کا سامان منڈیوں میں لاتے ہیں۔ خواہ وہ سوار ہو کر آئیں یا پیدل۔ گروہوں کی صورت میں آئیں یا اکیلے اکیلے۔ ان کو رکبان ان کے غالب احوال کی بنا پر کہہ دیا ہے۔ راستے میں ملنے کی صورت جسے مجمع البحار میں نقل کیا گیا ہے' وہ یہ ہے کہ شہری آدمی بدوی کو شہر کی مارکیٹ میں پہنچنے سے پہلے پہلے راستے ہی میں جا ملے تاکہ بھاؤ کے متعلق غلط بیانی کر کے اس سے سامان سستے داموں خرید لے اور اس کی اصل قیمت سے کم قیمت پر اس سے حاصل کرے۔ منع کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فروخت کرنے والا دھوکہ دہی اور ضرر رسانی سے بچ جائے۔ غبن اور خدع سے محفوظ ہو جائے اور اسی طرح جو لوگ منڈی میں سامان خریدنے کیلئے آتے ہیں وہ لوگ فائدہ اور منافع حاصل کر لیتے ہیں' یہ تو معمول کا رواج ہے کہ قافلے اپنا ساز و سامان منڈی کے عام بھاؤ سے قدرے سستا فروخت

کرتے ہیں' نیز یہ بھی معمول ہے کہ جب مارکیٹ و منڈی میں سامان زیادہ مقدار میں آجاتا ہے تو اس کا نرخ اور بھاؤ گر جاتا ہے اور عام لوگ اس سے زیادہ نفع کماتے ہیں ﴿ ولا یبیع حاضر لباد ﴾ حاضر سے مراد شہری باشندہ۔ اس میں شہروں' بڑے بڑے قصبوں اور سرسبز و شاداب علاقوں کے رہنے والے سبھی داخل ہیں اور "البادی" سے مراد بادیہ نشین' خانہ بدوش' بادیہ اور بدو دیہاتی کے معنی میں جو شہری کے مقابلہ میں ہوتے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ایک اجنبی آدمی دیہات سے' یا دوسرے شہر سے ایسا ساز و سامان جس کی سبھی کو ضرورت ہے' اس روز کے نرخ کے مطابق فروخت کرنے کیلئے لے کر آتا ہے' مگر اسے شہری کہتا ہے کہ اس سامان کو میرے پاس چھوڑ دے' تاکہ میں اسے بتدریج اعلیٰ نرخ پر بیچ دوں۔ (انتھی) ﴿ ماقوله لا یبیع الخ ﴾ یعنی اس قول کا کیا مطلب ہے کہ شہری دیہاتی کا سامان فروخت نہ کرے؟ ﴿ سمسارا ﴾ سین کے نیچے کسرہ' میم ساکن' ایسا دلال جو بڑھ کر بولی دینے والا ہو۔ سبل السلام میں ہے کہ اس کے اصل معنی تو ناظم و منتظم کے ہیں جو معاملہ کا نگران و نگہبان ہو اور حفاظت کرنے والا ہو۔ پھر دوسرے کا مال معاوضہ لے کر فروخت کرنے کی وجہ سے خرید و فروخت کا نگران و محافظ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

راوی حدیث: ﴿ طاؤس ﴾ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے اور نسب یوں ہے۔ طاؤس بن کیسان حمیری۔ حمیر قبیلہ والوں کے مولا ہیں۔ فارسی النسل ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ذکوان ہے اور طاؤس ان کا لقب ہے۔ ثقہ ہیں۔ نہایت فاضل فقیہہ ہیں اور تیسرے طبقہ سے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پچاس صحابہ کرام ؓ کو پایا ہے۔ ابن عباس ؓ کا قول ہے کہ میرا گمان ہے کہ طاؤس جنتی ہے۔ عمرو بن دینار ؒ کا قول ہے کہ میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ ۱۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

(٦٧٥) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تَلَقَّوُا الجَلَبَ، فَمَنْ تُلُقِّيَ فَاشْتُرِيَ مِنْهُ فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالخِيَارِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "باہر سے شہر میں غلہ لانے والوں کو آگے جا کر نہ ملو۔ جس کسی سے راستہ ہی میں ملاقات کر کے اس کا سامان خرید لیا گیا تو منڈی میں پہنچنے کے بعد مال کے مالک کو اختیار ہے (چاہے سودا باقی رکھے یا منسوخ کر دے)۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ الجلب ﴾ جیم اور لام دونوں پر فتحہ' مصدر ہے۔ مجلوب کے معنی میں۔ کہتے ہیں جلب الشئی یعنی تجارت کیلئے ایک شہر سے دوسرے شہر میں سامان لایا۔ مراد یہاں قابل فروخت اشیاء اور ان اشیاء کے مالک ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بھی بے خبر لوگوں سے سستے داموں اشیاء خریدنے کی ممانعت ہے۔ مسلمان' مسلمان کا خیر خواہ اور ہمدرد و غمگسار ہونا چاہئے۔ اس طرح تو خود غرضی اور مفاد پرستی کو تقویت

ملتی ہے کہ اپنا مفاد سامنے رکھا جائے اور بے خبر لوگوں کی بے خبری سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔

(٦٧٦) وَعَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلاَ تَنَاجَشُوا، وَلاَ يَبِيْعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيْهِ، وَلاَ يَخطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيْهِ، وَلاَ تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلاَقَ أُخْتِهَا، لِتَكْفَأَ مَا فِي إِنَائِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: «لاَ يَسُومُ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوْمِ أَخِيْهِ».

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ شہری دیہاتی کا سامان نہ بیچے اور خریدنے کا ارادہ نہیں تو بھاؤ مت بڑھاؤ۔ کسی بھائی کے سودے پر دوسرا بھائی سودا نہ کرے اور ایک بھائی کی منگنی پر دوسرا بھائی پیغام نکاح نہ دے اور کوئی عورت اپنی دوسری عورت کی طلاق کا تقاضا نہ کرے کہ جو اس کا حصہ ہے خود حاصل کر لے۔ (بخاری و مسلم) اور صحیح مسلم میں ہے کوئی شخص اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔

لغوی تشریح: ﴿ لا يبيع الرجل على بيع اخيه ﴾ لا يبيع مضارع مرفوع اور ”لا“ اس پر نافیہ ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ اپنے بھائی کی بیع پر کسی کی بیع نہیں اور مجزوم بھی ہے‘ اس صورت میں لانھی کا ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بیع خیار واقع ہوئی ہو۔ جتنی مدت اختیار کیلئے دی گئی اسی دوران ایک آدمی آجاتا ہے اور خریدار سے کہتا ہے کہ تو اس سے سودے کو فسخ کر دے اور میں تجھے اس سے ارزاں اور اس سے عمدہ اور بہترین فروخت کر دیتا ہوں۔ تو جس طرح بیع پر بیع جائز نہیں‘ اسی طرح شراء پر شراء بھی جائز نہیں۔ وہ بایں صورت کہ فروخت کرنے والے سے مدت خیار کے دوران یوں کہے کہ تو یہ بیع فسخ کر دے‘ میں تجھ سے یہی چیز اس سے زیادہ قیمت پر خرید لوں گا۔ (سبل السلام اختصار اور تبدیل کے ساتھ) ﴿ ولا يخطب على خطبة اخيه ﴾ خطبہ کے ”خا“ کے نیچے کسرہ۔ عورت سے شادی کا مطالبہ کرنا۔ یعنی جب ایک آدمی کسی عورت کو پیغام نکاح دیتا ہے‘ ایک دوسرے کی طرف میلان اور جھکاؤ ہو جاتا ہے اور باہمی اتفاق ہو جاتا ہے۔ بس اب صرف دونوں میں عقد نکاح باقی رہ جاتا ہے تو اس وقت اس عورت کو دوسرے کا پیغام نکاح دینا جائز نہیں۔ تاآنکہ وہ دونوں نکاح کر لیں تاکہ کسی دوسرے کیلئے اس کا دروازہ ہی بند کر دیں‘ یا ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جائیں۔ اب ہر ایک کیلئے دروازہ کھلا ہے جو چاہے اس سے نکاح کر لے۔ ﴿ لتكفأ مافي انائها ﴾ یہ کفاء الاناء سے ماخوذ ہے۔ یہ اس موقع پر بولتے ہیں جب برتن اوندھا اور پلٹ کر جو کچھ اس میں موجود ہو اسے نیچے گرا کر خالی کر دیا جائے۔ یعنی کسی اجنبی عورت کیلئے یہ جائز نہیں جو کسی مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہو کہ اس سے پہلی بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ و تقاضا کرے‘ تاکہ جو سہولتیں اس عورت کو اپنے شوہر سے حاصل ہیں۔ نان و نفقہ‘ لباس اور رہن سہن کی آسانیاں وغیرہ سے اسے محروم کر کے خود حاصل کرے۔ اسی طرح کسی بیوی کیلئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے شوہر سے اپنی سوکن کو طلاق دینے کا تقاضا کرے۔ تاکہ وہ بلا شرکت غیرے تمام حقوق

خود حاصل کرے اور اپنی سوکن کو ان سے بلاوجہ محروم کر دے۔ اپنی سوکن کے اس طرح کے سارے حقوق حاصل کرنا' تمثیل کے رنگ میں اس کے برتن کو خالی کر کے اپنے لئے جگہ بنانے اور گنجائش نکالنے کو بیان کیا ہے۔ ﴿ لا يسم المسلم على سوم المسلم ﴾ سوم اس گفتگو کو کہتے ہیں جو خریدار اور فروخت کرنے والے کے مابین خرید و فروخت پختہ کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ سودے پر سودا کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس کوئی چیز قابل فروخت ہے۔ ایک آدمی اس سے خریدنے کی بات کرتا ہے اور اتنے میں ایک اور آدمی آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ چھوڑو اسے' میں تجھے اس سے زیادہ اچھی چیز اتنی قیمت میں دے دوں گا' یا ایسی ہی مگر اس سے سستی اور ارزاں' یا مالک سامان سے کہتا ہے کہ اسے فروخت نہ کر' میں یہی چیز تجھ سے زیادہ قیمت پر خرید لوں گا۔

(٦٧٧) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ القِيَامَةِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ التِّرمِذِيُّ وَالحَاكِمُ، لٰكِنْ فِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلَه شَاهِدٌ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ''جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالی' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے اور اس کے اعزاء و اقرباء کے درمیان میں جدائی ڈال دے گا۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور حاکم نے صحیح کہا ہے' لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔ اس کا شاهد موجود ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں صلہ رحمی کا درس دیا گیا ہے کہ غلام اور لونڈیوں کو فروخت کرتے وقت ماؤں سے ان کے نابالغ بچوں کو جدا نہ کیا جائے۔ جدا جدا جگہ اور الگ الگ آدمیوں کے ہاتھ فروخت نہ کیا جائے' اس سے ماں کی مامتا متاثر ہوتی ہے۔ دار قطنی اور حاکم کی روایت میں نابالغ کی تصریح موجود ہے۔ جو شخص اس دنیا میں بے رحمی اور قطع رحمی کا ارتکاب کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قریبی اعزاء و اقرباء کے درمیان میں جدائی ڈال دے گا۔

(٦٧٨) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ أَبِيعَ غُلاَمَيْنِ أَخَوَيْنِ، فَبِعْتُهُمَا، فَفَرَّقْتُ بَيْنَهُمَا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «أَدْرِكْهُمَا فَارْتَجِعْهُمَا، وَلاَ تَبِعْهُمَا إِلاَّ جَمِيعاً». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ،

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں دو غلام بھائیوں کو فروخت کروں۔ میں نے ان دونوں کو الگ الگ آدمیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر آپ ؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ؐ نے فرمایا ''دونوں کو جا کر واپس لے آؤ اور اکٹھا ہی فروخت کرو۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اسے ابن

وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الجَارُودِ وَابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ وَالطَّبَرَانِيُّ وَابْنُ القَطَّانِ.

خزیمہ' ابن جارود' ابن حبان' حاکم' طبرانی اور ابن قطان نے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: پہلی حدیث ماں اور بچے میں جدائی کی حرمت پر دلالت کرتی ہے' خواہ وہ علیحدگی بیع کے ذریعہ سے ہو' یا ہبہ کی صورت میں' یا دھوکہ بازی سے الگ کرنے وغیرہ کی شکل میں اور والدہ کے لفظ کا اطلاق والد پر بھی ہے' یعنی ماں باپ سے جدا نہ کیا جائے اور یہ حدیث بھائیوں کے درمیان تفریق و جدائی کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور قیاس کے ذریعہ ان کے ساتھ دوسرے ذوی الارحام کو بھی ملا لیا گیا ہے' مگر شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ ذوی الارحام کو اس میں شامل کرنا محل نظر ہے' کیونکہ ان کی جدائی سے وہ مشقت و پریشانی نہیں ہوتی جو ماں اور بچے کے مابین یا بھائی' بھائی کے درمیان جدائی سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا دونوں میں واضح فرق کی وجہ سے ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملایا جائے اور صرف نص پر توقف کیا جائے۔ انتہی۔

اور یہ بات بھی معلوم رہے کہ تفریق کی حرمت چھوٹے نابالغ بچے کے ساتھ مخصوص ہے۔ بالغ کی جدائی کب جائز ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ باعتبار دلیل راجح یہ ہے کہ جب لڑکا بالغ ہو جائے اور بچی کو ایام حیض شروع ہو جائیں' اس وقت تفریق حرام نہیں۔

(٦٧٩) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: غَلاَ السِّعْرُ فِي المَدِيْنَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ فقال النَّاسُ: يا رسولَ اللهِ! غَلاَ السِّعْرُ، فَسَعِّرْ لَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ هُوَ المُسَعِّرُ القَابِضُ البَاسِطُ الرَّازِقُ، وَإِنِّي لأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللَّهَ تَعَالَى وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلاَ مَالٍ». رَوَاهُ الخَمْسَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مدینہ منورہ میں چیزوں کا بھاؤ چڑھ گیا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! اشیاء کے نرخ (بڑے) تیز ہو گئے ہیں' آپؐ ہمارے لئے (ان کے) نرخ مقرر فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نرخ کا تعین کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' وہی ارزاں و سستا کرتا ہے' وہی گراں کرتا ہے اور روزی دینے والا وہی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے میں اس حال میں ملاقات کروں کہ کوئی شخص تم میں سے مجھ سے خون میں اور مال میں ظلم و ناانصافی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔" (نسائی کے علاوہ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ غلا ﴾ غلاء سے ماخوذ ہے۔ یعنی نرخ چڑھ گیا' بھاؤ بڑھ گیا۔ معمول کے اندازے سے

زیادہ ہوگیا۔ ﴿ سعر لنا ﴾ تسعیر سے امر کا صیغہ ہے۔ یعنی بھاؤ و نرخ مقرر فرما دیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ سلطان یا اس کا نائب یا کوئی حاکم منڈی میں فروخت کرنے والوں کو احکام کے ذریعہ پابند کردے کہ وہ اتنے نرخ سے زائد اپنی اشیاء فروخت نہ کریں۔ نرخ کے اتار چڑھاؤ' کمی و بیشی کو مصلحتاً روک دیں۔ ﴿ ان اللہ ھو المسعر ﴾ عین پر تشدید اور نیچے کسرہ۔ یعنی وہ تنہا کمی اور بیشی کرنے والا ہے ﴿ بمظلمۃ ﴾ میم پر فتحہ اور لام کے نیچے کسرہ۔ یعنی جو حق کے بغیر لیا جائے اور لام کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے" اس صورت میں ظلم کا مصدر ہوگا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشیاء کی قیمتوں پر سرکاری کنٹرول ممنوع ہے۔ اس سے ایک طرف اگر تجارت پیشہ حضرات کو نقصان پہنچتا ہے تو دوسری جانب تاجروں کا اشیاء کو روک لینا قحط کا سبب بن جاتا ہے۔ عوام ضروریات زندگی کی فراہمی سے مجبور ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں بلیک مارکیٹنگ کا بازار گرم ہوتا ہے۔ عوام معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتے ہیں جس سے معاشرے میں بے چینی' اضطراب اور بدامنی جنم لیتی ہے۔

(٦٨٠) وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: «لاَ يَحْتَكِرُ إِلاَّ خَاطِىءٌ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خطا کار کے سوا ذخیرہ اندوزی کوئی نہیں کرتا۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ لا یحتکر ﴾ احتکار سے ماخوذ ہے یعنی غلہ کو روک لینا' فروخت نہ کرنا۔ اس انتظار میں کہ نرخ چڑھے' عوام کو اس کی شدید ضرورت ہو۔ فروخت کرنے والا اس سے مستغنی ہو۔ ﴿ الاخاطی ﴾ یعنی نافرمان' گناہ گار' خطا کار۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک آدمی کوئی چیز خرید کر ذخیرہ کرلے کہ جب نرخ بڑھیں گے تو اس وقت اسے فروخت کروں گا' حالانکہ عوام میں اس کی بہت مانگ ہو۔ حدیث کے الفاظ عام ہیں' مگر جمہور نے اس سے مراد صرف انسانوں اور حیوانوں کے خورد و نوش کی چیزیں لی ہیں۔ دوسری اشیاء اس نہی سے مستثنیٰ ہیں۔ احتکار ایسی شکل میں تو بلاشبہ حرام ہے کہ اشیاء صرف کی قلت پیدا ہو جائے اور جن کے پاس یہ چیزیں ہوں وہ انہیں چھپا کر رکھ لیں۔ احتکار تجارت پیشہ حضرات کیلئے حرام ہے۔ زمیندار اپنی پیداوار روک لے تو اس کیلئے گنجائش ہے۔ مگر جب غلہ کی قلت شدت اختیار کر جائے تو پھر ان کیلئے غلہ کو روک لینا بھی جائز نہیں ہوگا۔

راوی حدیث: ﴿ معمر بن عبداللہ بن نافع بن نضلۃ بن حرثان العدوی رضی اللہ عنہ ﴾ وہ ابن ابی معمر ہیں۔ بڑے مرتبہ کے صحابی اور قدیم الاسلام ہیں۔ ہجرت حبشہ کی اور مدینہ کی طرف ہجرت میں ذرا تاخیر ہوئی تو پھر مدینہ کی جانب بھی ہجرت کی اور وہیں سکونت اختیار کی۔

(٦٨١) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «لاَ تُصَرُّوا الإِبِلَ وَالغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعاً مِنْ تَمْرٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: فَهُوَ بِالخِيَارِ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ عَلَّقَهَا البُخَارِيُّ: «وَرَدَّ مَعَهَا صَاعاً مِّنْ طَعَامٍ لاَ سَمْرَآءَ». قَالَ البُخَارِيُّ: وَالتَّمْرُ أَكْثَرُ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا "اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کا دودھ فروخت کرتے وقت ان کے تھنوں میں روکے نہ رکھو۔ جو شخص ایسا جانور خرید لے تو اسے دو باتوں میں سے بہتر کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے' چاہے اس جانور کو اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو ایک صاع کھجور ساتھ دے کر واپس کر دے۔" (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اسے تین دن تک اختیار ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے' جسے بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ "اس کے ساتھ ایک صاع کسی کھانے والی چیز سے واپس کرے۔ گندم نہیں۔" بخاری نے کہا کہ اکثر روایات میں کھجور کا ذکر ہے۔

لغوی تشریح: ﴿لا تصروا﴾ "تا" پر ضمہ اور صاد پر فتحہ اور "را" پر تشدید۔ تصریہ سے ماخوذ ہے۔ اس کی نوعیت یہ ہے کہ اونٹنی یا بھیڑ بکری کا دودھ تھنوں سے نہ نکالا جائے' تاکہ وہ تھنوں میں جمع ہوتا رہے اور کثیر مقدار میں معلوم ہو کہ خریدار کو دھوکہ اور فریب دیا جائے اور وہ سمجھے کہ یہ تو بڑی دودھیل جانور ہے۔ اس جھانسہ میں آکر خریدار اس کی قیمت زیادہ دینے کیلئے آمادہ ہو۔ ﴿فمن ابتاعها بعد﴾ بعد کا لفظ ایسا ہے جس پر ضمہ ہی آتا ہے' اسے مبنی بر ضمہ کہتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مضاف الیہ نیت میں ہوتا ہے' مگر عبارت میں مذکور نہیں ہوتا اور بعد گویا اصل میں بعد ذلک ہے۔ ﴿فهو بخير النظرين﴾ نظرین اس مقام پر دو رائے کیلئے استعمال ہوا ہے' یعنی خریدار کو دو رایوں میں سے ایک کو جسے وہ مناسب اور اچھی سمجھے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ﴿وصاعا﴾ صاعا کا ضمیر منصوب پر عطف ہے' یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "واؤ" مع کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں معنی ہو گا کہ خریدار واپس کرتے وقت جانور کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے گا۔ ﴿سمراء﴾ سین پر فتحہ اور میم ساکن۔ معنی گندم اور ایک صاع کھجوریں ساتھ واپس دینے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ اس جانور سے حاصل کردہ دودھ کا معاوضہ ہو جائے' کیونکہ کچھ دودھ تو خریدار کی ملکیت میں نئی چیز ہے اور کچھ دودھ اس نے خریدا ہے۔ اب چونکہ خریدار کو یہ تمیز کرنا دشوار ہے کہ کتنا دودھ خریدا ہوا ہے اور کتنا نیا داخل ہے' چنانچہ عدم تمیز کی بنا پر اسے واپس کرنا یا اس کی قیمت واپس کرنا ممکن نہیں تھا' اس لیے شارع نے

ایک صاع مقرر فرما دیا کہ فروخت کرنے والے اور خریدار کے مابین تنازع اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔ خریدار نے جو دودھ حاصل کیا ہے اس کا معاوضہ ہو جائے۔ قطع نظر اس سے کہ دودھ کی مقدار کم تھی یا زیادہ‘ (ملا علی قاری بحوالہ مرقاۃ) جمہور اہل علم تو حدیث کے ظاہر کی جانب ہی گئے ہیں اور صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم نے بھی فتویٰ اسی کے مطابق دیا ہے اور کسی صحابی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں۔ البتہ اکثر احناف نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے لیکن وہ کوئی ایسی چیز پیش نہیں کر سکے جو ان کیلئے مفید ہو اور انہوں نے اس میں بڑا تشدد اختیار کیا ہے‘ یہاں تک کہ اسی کو انہوں نے کسوٹی بنا لیا ہے‘ جس پر وہ دوسروں کو جانچتے پرکھتے رہتے ہیں (اور وہ کسوٹی یہ ہے) کہ کون موافقت کر کے ان کے امام کی تعظیم کرتا ہے اور کون مخالفت کر کے ان کے امام کی توہین کرتا ہے‘ حتیٰ کہ انہوں نے ایک جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کے بارے میں طعن کیا۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق انہوں نے قلت درایت اور عدم فقاہت کی پھبتی ان پر محض اس حدیث کی روایت کرنے کی بنا پر کس دی۔ غیر فقیہ اور درایت سے خالی گردان دیا۔ باوجودیکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی نہ صرف اس روایت کو بیان کیا ہے‘ بلکہ انہوں نے تو ایسا ہی فتویٰ بھی دیا ہے۔ جبکہ ان کے فقیہہ ہونے میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

(٦٨٢) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعاً. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَزَادَ الإِسْمَاعِيلِيُّ «مِنْ تَمْرٍ».

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص ایسی بکری خریدے جس کا دودھ تھنوں میں روک دیا گیا ہو‘ پھر وہ اسے واپس کرے تو اسے چاہئے کہ اس کے ساتھ ایک صاع واپس کرے۔ (بخاری) اور اسماعیلی نے اتنا اضافہ نقل کیا ہے کہ ایک صاع کھجوریں۔

لغوی تشریح: ﴿ محفلة ﴾ محفلہ میں ”فا“ پر فتحہ اور تشدید۔ وہ جانور جس کا دودھ تھنوں میں ہی زیادہ دکھانے کیلئے روک دیا گیا ہو اور محفلہ دراصل ”من حفل القوم واحتفلوا“ سے ماخوذ ہے۔ جب ان کی تعداد بہت جمع ہو جائے اور ہوں سب ایک ہی مقصد کیلئے اور حافل عظیم کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اس کا نام محفلہ اس لئے رکھا گیا کہ دودھ اس بکری کے تھنوں میں کثیر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کی مکمل تائید کر رہا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ پر احناف کے اکثر مسائل کا دارومدار ہے۔ سوچ لیں اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہہ اور درایت سے خالی ہیں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(٦٨٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر طعام (غلہ) کے ایک ڈھیر پر ہوا۔ آپؐ

عَلَى صُبْرَةٍ مِنْ طَعَامٍ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلاً، فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ يَا صَاحِبَ الطَّعامِ! قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ، يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «أَفَلاَ جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ، كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

نے اس میں اپنا ہاتھ داخل کر دیا۔ آپؐ کی انگلیوں کو نمی لگی۔ آپؐ نے فرمایا ”اے اناج کے مالک! یہ کیا ماجرا ہے؟“ اس نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اس پر بارش برس گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا ”پھر تو نے نمی زدہ حصہ کو اناج کے اوپر کیوں نہ ڈال دیا تاکہ خریدار لوگ اسے دیکھ لیتے۔ جس نے دھوکہ دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿صبرۃ﴾ صاد پر ضمہ اور با ساکن۔ اناج و غلہ وغیرہ جو ایک جگہ جمع کر دیا جاتا ہے، جیسے مٹی کا اونچا ڈھیر ہوتا ہے۔ اس کی جمع صبر آتی ہے، صاد کے ضمہ اور ”با“ کے فتحہ کے ساتھ اور ﴿طعام﴾ سے مراد اناج و غلہ وغیرہ ﴿فنالت﴾ محسوس کیا، پایا۔ ﴿السماء﴾ سے مراد یہاں بارش ہے۔ ﴿من غش﴾ غش سے ماضی کا صیغہ ہے اور یہ نصح یعنی خیر خواہی و ہمدردی کے متضاد ہے، یعنی خیانت اور دھوکہ ﴿فلیس منی﴾ تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ الاصول میں ”یاء“ متکلم کے ساتھ ہی منقول ہے اور معنی اس کا ہے کہ اس نے میری ہدایت کے مطابق راہ طلب نہیں کی اور میرے علم و عمل کی اور میرے عمدہ طریقہ و راستہ کی پیروی نہیں کی۔ سفیان بن عیینہ اس طرح کی تفسیر کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس ارشاد کی تاویل سے رک جایئے، تاکہ وہ دلوں میں زیادہ اثر انداز ہو اور زجر و توبیخ میں زیادہ مبالغہ آمیز ثابت ہو۔ (ملخصاً)

(٦٨٤) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَبَسَ العِنَبَ أَيَّامَ القِطَافِ، حَتَّى يَبِيعَهُ مِمَّنْ يَتَّخِذُهُ خَمْراً، فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلَى بَصِيرَةٍ». رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الأَوْسَطِ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے انگور اتارنے کے ایام میں ان کو روک لیا، تاکہ اسے کسی شراب بنانے والے کے ہاتھ فروخت کرے تو وہ جانتے بوجھتے آتش جہنم میں داخل ہوگا۔“ (اسے طبرانی نے اوسط میں حسن سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿من حبس العنب﴾ انگور کو روک لیا اور اسے فروخت نہ کیا۔ ﴿ایام القطاف﴾ قطاف کے قاف کے نیچے کسرہ اور فتحہ بھی جائز ہے۔ وہ موسم جس میں انگور اتارے جاتے ہیں اور قطف کہتے ہیں انگور کی بیل سے انگور اتارنے کو اور قطف قاف کے کسرہ سے گچھے اور خوشے کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں قطف کی جمع بیان ہوئی ہے ﴿قطوفها دانية ٦٩ : ٢٣﴾ یعنی جنت کے خوشے جھکے

ہوئے ہوں گے۔ ﴿ تقحم النار ﴾ اس میں اپنے آپ کو داخل کر لیا اور بغیر دیکھے اپنے آپ کو اس میں پھینک دیا۔ ﴿ علی بصیرة ﴾ یعنی سبب دخول کا علم رکھنے کے باوجود۔

(٦٨٥) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَضَعَّفَهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ؛ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَابْنُ الْقَطَّانِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آمدن ضمان (کفالت) کا بدلہ ہے۔" (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور ابوداؤد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ترمذی' ابن خزیمہ' ابن جارود' ابن حبان' حاکم اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الخراج ﴾ "خا" پر فتحہ۔ گھر کے کرایہ کی آمدن یا زمین کا ماحصل اور کرایہ۔ یعنی وہ فوائد و منافع جو فروخت شدہ چیز سے حاصل ہوں۔ خواہ وہ غلام ہو یا لونڈی' حیوان ہو یا کوئی دوسری چیز۔ ﴿ بالضمان ﴾ ضاد پر فتحہ۔ کفالت و ذمہ داری اور "با" اس میں محذوف سے متعلق ہے یعنی فروخت شدہ چیز کو قبضہ میں لینے کے بعد اس سے حاصل ہونے والے منافع اور فوائد خریدار کیلئے باقی رہتے ہیں' اس ضمان کے بدلہ میں جو اس پر لازم ہے' فروخت شدہ چیز کے تلف ہونے اور اس کے خرچ ہونے اور اس پر مشقت برداشت کی صورت میں اور اسی سے یہ قول ماخوذ ہے جس پر تاوان ہے۔ اس کا فائدہ و مفاد بھی اسی کیلئے ہے اور اس طرح کہ وہ ایک چیز خریدتا ہے اور ایک مدت تک اس سے استفادہ کرتا ہے' اس کے بعد اسے اس چیز کے قدیم عیب کا علم ہوتا ہے' جس کا علم فروخت کرنے والے کو نہیں تھا اور نہ ہی اس سے باخبر تھا۔ بایں صورت خریدار کیلئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ فروخت شدہ چیز کو بعینہٖ واپس کر کے اپنی قیمت وصول کر لے۔ اس دوران خریدار نے اس چیز سے جتنا مفاد حاصل کیا' یہ اسی کا استحقاق تھا' کیونکہ اگر فروخت شدہ چیز اس سے ضائع ہو جاتی تو اس کا ذمہ دار بھی وہی ہوتا اور فروخت کنندہ پر کوئی چیز لازم نہ آتی۔ جیسا کہ ضبی نے کہا ہے۔ (ملخصاً) اور صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب فروخت شدہ چیز کی آمدنی ہو اور گھر کے کرایہ کی آمد یا زمین کا ماحصل ہو تو (غلام) کا مالک جو اس کا ذمہ دار ہے' اس کی آمدن کا مالک ہوگا' اس کی اصل کی ذمہ داری و کفالت کی وجہ سے۔ پس جب کسی آدمی نے کوئی زمین خریدی اور اس کو استعمال بھی کیا' یا چوپایہ خریدا اور اس نے بچے کو جنم دیا' یا چوپایہ خریدا اور اس پر سوار ہوا' یا غلام خریدا' اس سے خدمت لی' پھر اس میں کوئی نقص و عیب پایا تو اس کیلئے اس غلام کو واپس کرنے کی گنجائش ہے اور جتنا فائدہ اس سے حاصل کیا ہے اس کے عوض اس پر کوئی چیز نہیں۔ اس لئے کہ اگر یہ فسخ و عقد کی مدت کے درمیان تلف و ضائع ہو جاتی تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہوتی۔ تو پھر اس کی آمدن کا بھی وہی حقدار ہے۔

(٦٨٦) وَعَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ دِيْنَاراً لِيَشْتَرِيَ بِهِ أُضْحِيَّةً أَوْ شَاةً، فَاشْتَرَى بِهِ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ، فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِيْنَارٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، فَكَانَ لَوْ اشْتَرَى تُرَاباً لَرَبِحَ فِيْهِ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ، وَقَدْ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي ضِمْنِ حَدِيْثٍ، وَلَمْ يَسُقْ لَفْظَهُ، وَأَوْرَدَ التِّرْمِذِيُّ لَهُ شَاهِداً مِنْ حَدِيْثِ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ.

نے ان کو قربانی کا جانور یا بکری خریدنے کیلئے ایک دینار عطا فرمایا۔ اس نے ایک دینار کے عوض دو بکریاں خریدیں۔ پھر ان دو میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور ایک بکری اور ایک دینار لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس کیلئے اس کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ پس وہ ایسا تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتا تو اس میں بھی اسے ضرور منافع حاصل ہوتا۔ (نسائی کے علاوہ پانچوں نے اسے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث کے ضمن میں اسے روایت ہے، مگر یہ الفاظ نقل نہیں کئے اور ترمذی نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو اس کے لیے بطور شاہد بیان کیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے چند نہایت بنیادی چیزوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً (۱) وکیل مؤکل کے مال میں تصرف کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے، جبکہ اسے مال کی وکالت سپرد کی جائے اور اسے اپنی مرضی سے استعمال کرنے کی آزادی دی جائے۔ ورنہ طے شدہ اور حدود کے اندر ہی وکیل کو کام کرنا ہوگا۔ (۲) دوسرے کا مال اسے اطلاع دیئے بغیر فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اطلاع ملنے پر مالک رضامندی کا اظہار کرے۔ (۳) قربانی کیلئے خریدا گیا جانور فروخت کیا جا سکتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا جانور خریدنا جائز ہے۔ (۴) جو مالک کیلئے ایسی ضرورت انجام دے اس کیلئے دعاء خیر و برکت کرنی چاہئے۔

راوی حدیث: ﴿عروہ بارقی رضی اللہ عنہ﴾ انہیں ابن الجعد اور ابن ابی الجعد دونوں طرح بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے والد کا نام عیاض تھا۔ بارق کی طرف نسبت کی وجہ سے بارقی کہلائے۔ بارق میں "را" کے نیچے کسرہ ہے۔ یہ قبیلہ ازد کی شاخ ہے اور نسب نامہ اس طرح ہے، بارق بن عدی بن حارثہ۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بارق نامی ایک پہاڑ کے پاس فروکش ہونے کی وجہ سے بارقی کہلائے۔ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے دور خلافت میں کوفہ کے منصب قضاء پر فائز فرمایا۔ انہوں نے کوفہ ہی میں سکونت اختیار کر لی، انہی میں شمار کئے گئے اور اہل کوفہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(٦٨٧) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ شِرَاءِ مَا فِيْ بُطُونِ الأَنْعَامِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے چوپایوں کے پیٹ میں (پرورش پانے والے) بچے کو اس کی پیدائش سے پہلے خریدنے سے اور

حَتَّى تَضَعَ، وَعَنْ بَيْعِ مَا فِي ضُرُوعِهَا، وَعَنْ شِرَآءِ العَبْدِ وَهُوَ آبِقٌ، وَعَنْ شِرَآءِ المَغَانِمِ حَتَّى تُقْسَمَ، وَعَنْ شِرَآءِ الصَّدَقَاتِ حَتَّى تُقْبَضَ، وَعَنْ ضَرْبَةِ الغَائِصِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَالبَزَّارُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

تھنوں میں (جمع شدہ) دودھ کو دوہنے سے پہلے فروخت کرنے سے اور بھاگے ہوئے غلام کو خریدنے سے اور اموال غنیمت کو ان کی تقسیم سے پہلے خریدنے سے اور صدقات کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے خریدنے سے اور غوطہ لگانے والے کو اس کے ایک غوطہ کا معاوضہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے ابن ماجہ' بزار اور دار قطنی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿تضع﴾ یعنی جنے۔ ﴿مافی ضروعها﴾ جو کچھ تھنوں میں ہو' سے مراد دودھ ہے اور ﴿ضروع ضرع﴾ کی جمع ہے' جانور کے تھن کو کہتے ہیں جس طرح عورت کے پستان ہوتے ہیں' اسی طرح حیوان کے تھن ہوتے ہیں۔ ﴿آبق﴾ بھاگنے والا' ﴿المغانم﴾ مغنم کی جمع ہے۔ مغانم اور غنیمت ان اموال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کی افواج دوران جنگ دشمنوں سے چھینتی اور حاصل کرتی ہیں۔ ﴿الغائص﴾ غوص سے ماخوذ ہے۔ پانی میں نیچے اترنے کو کہتے ہیں۔ غائص غوطہ خور کو کہتے ہیں۔ غوطہ مارنے کی نوعیت اس طرح کہ غوطہ لگانے والا غوطے کے خریدار سے کہے کہ میں سمندر میں غوطہ لگاتا ہوں۔ اس غوطہ میں جتنا کچھ حاصل ہوا وہ اتنے مال کے بدلہ میں تمہارا ہے۔ اس بیع سے منع اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں دھوکہ اور فریب ہوتا ہے۔ معلوم نہیں ایک غوطہ میں کیا حاصل ہوتا ہے اور وہ طے شدہ مال سے کم قیمت کا ہے یا زیادہ کا۔

(٦٨٨) وَعَنْ أَبِيْ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لاَ تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي المَاءِ، فَإِنَّهُ غَرَرٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَشَارَ إِلَى أَنَّ الصَّوَابَ وَقْفُهُ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "پانی میں موجود مچھلی کو نہ خریدو' کیونکہ یہ دھوکا ہے۔" (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس طرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ اس روایت کا موقوف ہونا قرین صواب ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے پانی میں موجود مچھلی کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں صحیح طور پر معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ مچھلیوں کی تعداد و مقدار کتنی ہے' کونسی مچھلی ہے' عمدہ اور بہترین نسل کی ہے یا کم تر نسل کی' جسامت و ضخامت میں بڑی ہے یا چھوٹی ہے' مچھلیاں ہیں یا مگرمچھ ہیں؟ جب صحیح علم ہی نہیں تو پھر فروخت کس چیز کی؟ نہ فروخت کنندہ کے قبضہ میں ہے اور نہ اس کی ذاتی ملکیت' اگر ذاتی تالاب وغیرہ بھی ہوں تب بھی مقدار و تعداد اور تعین جنس ناممکن ہے۔

یہ حدیث موقوف ہے' نیز ضعیف بھی ہے۔ اس لئے کہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے اور مسیب بن رافع اور عبداللہ بن مسعود کے مابین ارسال ہے۔ لیکن اس کا شاہد بھی ہے (تلخیص)

(٦٨٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تُبَاعَ ثَمَرَةٌ حَتَّى تُطْعِمَ، وَلاَ يُبَاعُ صُوفٌ عَلَى ظَهْرٍ، وَلاَ لَبَنٌ فِيْ ضَرْعٍ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الأَوْسَطِ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي المَرَاسِيلِ لِعَكْرِمَةَ، وَهُوَ الرَّاجِحُ، وَأَخْرَجَهُ أَيضاً مَوْقُوفاً عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ. وَرَجَّحَهُ البَيْهَقِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کے (پکنے اور) کھانے کے قابل ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے' نیز جانوروں کی پشت پر اون اور تھنوں میں دودھ کی فروخت کو منع فرمایا ہے۔ (اس روایت کو طبرانی نے اپنی اوسط میں اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد نے عکرمہ کی مراسیل میں بیان کیا اور یہی راجح ہے اور اسے ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف قوی سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ترجیح دی ہے)

لغوی تشریح: ﴿حتی تطعم﴾ باب افعال سے مضارع معلوم کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ پھل کھانے کے قابل ہو جائے اور اس کا کھانا عمدہ اور لذیذ ہو جائے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ پھل پکنے اور پختہ ہونے دیا جائے۔ ﴿اخرجه ابوداود فی المراسیل لعکرمة﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک نہیں پہنچی اور نہ انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس پہلو سے یہ روایت مرسل ہے۔

(٦٩٠) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ المَضَامِينِ وَالمَلاَقِيحِ. رَوَاهُ البَزَّارُ، وَفِيْ إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مضامین اور ملاقیح کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ (اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿المضامین والملاقیح﴾ مضامین مضمونة کی جمع ہے اور ملاقیح ملقوحة کی۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے "الھدی" (ج ۴' ص: ۲۶۶) میں لکھا ہے کہ ابوعبید کے نزدیک ملاقیح سے مراد چارپایوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں اور مضامین سے مراد نر اونٹ وغیرہ کی پشتوں میں منی کے قطرات' جن سے بچے بنتے ہیں۔ وہ لوگ مادہ اونٹنی کے پیٹ میں جو بچے ہوتے ہیں اور جو اونٹ وغیرہ جفتی لگاتا ہے اسے سال یا کئی سالوں کیلئے فروخت کرتے تھے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

ان المضامین التی فی الصلب ماء الفحول فی الظهور الحدب

یعنی بے شک "مضامین" سے نر اونٹوں کی کبڑی پشتوں میں منی مراد ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ان دونوں قسم کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس کا سبب بیع

مجہول اور دھوکہ ہے، جو حرام ہے۔

(٦٩١) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَقَالَ مُسْلِماً بَيْعَتَهُ أَقَالَ اللَّهُ عَثْرَتَهُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو فروخت کنندہ، کسی مسلمان سے فروخت شدہ مال واپس کر لے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ و لغزشیں معاف فرما دے گا۔" (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اقال ﴾ اقالہ سے ماخوذ ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے، خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریقوں کے مابین جو معاہدہ طے پایا ہے، اسے ختم کر دینا۔ اس کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ ﴿ اقال اللہ عثرتہ ﴾ اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں اور کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا اور ﴿ اقالہ ﴾ کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی سے کوئی چیز خریدتا ہے۔ پھر اس میں دھوکہ کے ظاہر ہونے یا ضرورت و حاجت کے ختم ہونے اور یا کسی وجہ سے وہ نادم و پریشان ہوتا ہے تو وہ فروخت کنندہ سے التماس کرتا ہے کہ وہ اپنی فروخت کردہ چیز کو واپس لے کر اس کی قیمت واپس کر دے۔ جب فروخت کرنے والا خریدار کو ادائیگی واپس کر دے گا تب اقالہ کا عمل پایہء تکمیل کو پہنچے گا اور خریدار پر اس کا احسان ہو گا، کیونکہ بیع تو مکمل ہو چکی تھی اور خریدار اسے فسخ نہیں کر سکتا۔

٢ - بَابُ الخِيَارِ

بیع میں اختیار کا بیان

(٦٩٢) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا ابْتَاعَ رَجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيعاً، أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الآخَرَ، فَإِنْ خَيَّرَ أَحَدُهُمَا الآخَرَ فَتَبَايَعَا عَلَى ذَلِكَ فَقَدْ وَجَبَ البَيْعُ، وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ تَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا البَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ البَيْعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "جب دو آدمی آپس میں سودا کرنے لگیں تو جب تک وہ اکٹھے رہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں، ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے، یا ایک دوسرے کو اختیار دے دے، اگر ایک دوسرے کو اختیار دے دے، پھر اس پر سودا طے ہو جائے تو سودا پختہ ہو گیا اور اگر سودا طے کرنے کے بعد ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جائیں اور دونوں میں سے کسی نے بھی بیع کو فسخ نہ کیا ہو تو بیع پختہ ہو جائے گی۔" (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ

مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح : ﴿ باب الخیار ﴾ خیار میں خاء کے نیچے کسرہ اور یاء پر تخفیف۔ اختیار یا تخیر سے اسم ہے۔ اختیار یہ ہے کہ آدمی اپنے معاملے میں صاحب اختیار ہو۔ چاہے اسے عملی جامہ پہنائے یا چاہے چھوڑ دے اور یہاں خیار سے یہ مراد ہے کہ سودے کو جاری رکھتا ہے' یا اسے فسخ کرنا ہے۔ بیع میں خیار کی بہت سی اقسام و انواع ہیں۔ اس باب میں مصنف نے صرف دو پر اکتفاء کیا ہے اور وہ یہ ہیں "خیار الشرط" اور "خیار المجلس" اور بالعموم انہیں سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اور اکثر انہی دونوں پر عمل ہوتا ہے۔

﴿ اذا ابتاع رجلان ﴾ دونوں میں سودا پختہ ہوگیا اور بیع ہر پہلو سے مکمل ہو گئی ہو صرف جدا ہونے کے سوا اور کوئی چیز باقی نہ رہی ہو۔ ﴿ مالم یتفرقا ﴾ اور ایک روایت میں ﴿ یفترقا ﴾ بھی ہے۔ معنی یہ ہے کہ اختیار کی مدت دونوں کے جدا نہ ہونے تک دراز ہے۔ ﴿ وکانا جمیعا ﴾ دونوں ایک ہی مجلس میں اکٹھے ہوں۔ یہ پہلے کا بیان اور اس کی تاکید ہے۔ باہمی اجتماع اس بات کی دلیل ہے کہ جدا اور الگ ہونے سے مراد دونوں کے بدن اور جسم ایک دوسرے سے الگ ہوں۔ گفتگو کے ذریعہ سے علیحدگی اور جدائی مراد نہیں اور بلاشبہ یہ اس کو مقتضی ہے کہ جب تک وہ ایک مجلس میں ہوں' اس وقت تک اختیار دینا واجب و لازم ہے' خواہ خاموش رہیں یا باتیں کرتے رہیں اور خواہ ایک ہی نوع کی گفتگو ہو' یا باہم مختلف پہلوؤں پر باتیں کریں۔ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسی پر ہم نے لوگوں کے معاملہ کو پایا ہے' اہل لغت نے پہچانا ہے اور کلام کا بھی ظاہر بتاتا ہے کہ جب ﴿ تفرق الناس ﴾ (لوگ جدا جدا ہوگئے) کہا جاتا ہے تو اس سے بدنوں کا الگ ہونا مراد لیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ گفتگو اور رائے کا الگ اور جدا ہونا اس وقت ہی سمجھا جاتا ہے جب اس کے ساتھ کوئی قید ہو اور کوئی قرینہ ہو اور اگر حدیث کی وہ تاویل کی جائے جس کی جانب امام نخعی گئے ہیں' یعنی گفتگو سے جدائی تو پھر اس حدیث کا کوئی فائدہ نہیں رہتا اور اس کے معنی ہی ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ یہ بات معلوم و معروف ہے کہ خریدار میں جب تک فروخت شدہ چیز کی قبولیت نہ پائی جائے' اس وقت تک اسے اختیار ہے۔ بعینہ فروخت کنندہ کا خیار اس چیز کی ملکیت سودا طے ہونے سے پہلے تک ثابت ہے اور یہ ایسی معروف بات ہے جو اپنے معنی میں بالکل ظاہر ہے' بایں طور اس حدیث میں خریدار کے اختیار کا ذکر بے معنی ہے۔ (ملخصاً) ﴿ او یخیر احدھما الاخر ﴾ یخیر تخییر سے ماخوذ ہے۔ صیغہ فعل مضارع معلوم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دونوں میں سے ایک' دوسرے کو ایک متعین مدت تک اختیار دیتا ہے تو پھر علیحدگی سے خیار ختم نہیں ہوتا' بلکہ مدت معینہ تک دراز ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ایک دوسرے کو بیع کے نافذ کرنے کا اختیار دے اور دوسرا نافذ کرنے کو علیحدگی سے پہلے منتخب کر لے تو اسی وقت بیع پکی اور پختہ ہو جائے گی اور خیار کو پھر جدائی تک باقی نہیں رکھا جائے گا۔ بلکہ جدائی کا اعتبار باطل ہو جائے گا۔ اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے ﴿ فان خیر احدھما

الآخر ..... الخ ﴾ گویا کہ اس نے کہا کہ بیع کے نافذ کرنے کو اختیار کر یا اسے مسخ کر۔ ﴿ فتبایعا علی ذالک ﴾ پس دونوں نے اس پر سودا طے کر لیا ﴿ فقد وجب البیع ﴾ پس سودا پکا ہو گیا۔ یعنی بیع مکمل اور نافذ ہو گئی' خواہ دونوں اسی جگہ ہوں اور جدا نہ ہوئے ہوں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بیوپاری اور سوداگر کو خرید و فروخت کے رکھنے یا توڑنے کا حق دیا گیا ہے۔ اختیار یا خیار کا بھی یہی معنی ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ کو سودا باقی رکھنے یا توڑنے کا حق ہے۔ اس کی بہت سی انواع ہیں۔ ان میں سے دو کا بالخصوص یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک خیار مجلس جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ دوسرا خیار شرط۔ یہ کہ دونوں میں سے ایک یا دونوں یہ شرط کر لیں کہ اتنی مدت تک سودے کا باقی رکھنے' یا واپس کرنے کا اختیار رہے گا۔ اگر خریدار اسے واپس کرنا چاہئے تو فروخت کنندہ کو بغیر لیت و لعل اور حیل وحجت کے واپس لینا ہو گا۔ اس کے علاوہ دو تین صورتیں مزید یہ ہیں۔ ﴿ خیار عیب ﴾ یہ کہ خریدنے والا کہے گا کہ اگر اس میں کوئی نقص وعیب ہوا تو میں اسے واپس کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں"۔ ﴿ خیار روئیت ﴾ یہ ہے کہ خریدار کہے کہ سودا تو طے ہوا' مگر میں اسے دیکھ کر ہی فیصلہ کروں گا' اسے لینا ہے یا نہیں۔ دیکھنے پر اسے یہ سودا منظور نہ ہوا تو بیع منعقد نہ ہو گی۔ "خیار تعین" یہ کہ خریدار کہے کہ ان میں سے جو چیز یا جانور مجھے پسند ہو گا' وہ لے لوں گا۔ بہر حال شریعت نے فریقین کے لئے بے شمار آسانیاں اور سہولتیں رکھی ہیں' تاکہ کسی طرح جھگڑا اور تنازع نہ ہو۔ خریدنے اور فروخت کرنے میں دونوں کی باہمی رضامندی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(٦٩٣) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «البَائِعُ وَالمُبْتَاعُ بِالخِيَارِ حَتَّى يَتَفَرَّقَا، إِلاَّ أَنْ تَكُونَ صَفْقَةَ خِيَارٍ، وَلاَ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيْلَهُ». رَوَاهُ الخَمْسَةُ إِلاَّ ابْنَ مَاجَه، وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الجَارُودِ، وَفِي رِوَايَةٍ: «حَتَّى يَتَفَرَّقَا مِن مَّكَانِهِمَا».

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے' انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "خریدار اور فروخت کرنے والے کو اختیار حاصل ہے' تاوقتیکہ ایک دوسرے سے جدا ہوں' بشرطیکہ سودا اختیار والا ہو اور سودا واپس کرنے کے اندیشے کے پیش نظر جلدی سے الگ ہو جانا حلال نہیں ہے۔" (اسے ابن ماجہ کے سوا پانچوں نے روایت کیا ہے۔ نیز دارقطنی اور ابن خزیمہ اور ابن جارود نے بھی روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ "جب تک وہ اپنی جگہ سے جدا (نہ) ہو جائیں۔"

لغوی تشریح: ﴿ صفقت خیار ﴾ صفقت پر رفع ہے۔ کان کے تامہ ہونے کی وجہ سے' یعنی اگر سودے میں خیار پہلے ہی موجود ہے اور صفقۃ کو منصوب پڑھیں تو پھر کان ناقصہ ہو گا۔ اور اس کا اسم

مضمر ہو گا۔ اور عبارت اس طرح ہو گی "الا ان تکون الصفقت صفقۃ خیار" الآیہ کہ ایسا سودا ہو جس میں اختیار ہو اور اس کا مفہوم یوں ہو گا کہ سودا کرنے والون میں سے اگر ایک نے اپنے لئے شرط لگالی تو اس کا خیار جدائی کے بعد بھی باقی رہے گا۔ جب تک خیار کی مقرر' مدت ختم نہ ہو جائے اور یہ بھی مفہوم کیا گیا ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ میں سے جب ایک دوسرے سے یوں کہے کہ بیع کے نفاذ کو اختیار کر لو یا اسے فسخ کرو۔ اس نے دونوں میں سے ایک منتخب کر لیا تو بیع مکمل ہو گی' خواہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں۔ یہ علامہ شوکانی کی رائے ہے۔ "خشیۃ ان یستقیلہ" اس اندیشہ کے پیش نظر کہ وہ اسے واپس کرنے کا مطالبہ کرے گا۔ اس حدیث سے خیار مجلس کے عدم ثبوت پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مالک واپس کرنے کے سوا اور کوئی راستہ فسخ کرنے کا نہیں رکھتا اور کسی چیز کی واپسی تو اسی صورت میں معتبر ہوتی ہے جب بیع مکمل ہو جائے۔ لہٰذا اس سے تو ظاہر ہوا کہ بیع تو جدا ہونے سے پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر استقالہ کی حقیقت یہی ہے تو پھر﴿ ولا یفارقہ خشیۃ ان یستقیلہ ﴾ کا کوئی معنی ہی نہیں' کیونکہ استقالہ مجلس عقد کے ساتھ مختص نہیں ہے اور نہ باہمی جدائی میں مانع ہے' نیز پہلی حدیث سے خیار ثابت ہے اور اس کی مدت جدائی تک وسیع و دراز ہے اور یہ بات معلوم و معروف ہے کہ جسے اختیار حاصل ہے وہ تو استقالہ کا محتاج ہی نہیں۔ پس متعین ہو گیا کہ استقالہ سے مراد فسخ بیع ہے' اس سے حقیقی معنی مراد نہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بھی خیار مجلس کا ذکر ہے۔ خیار مجلس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک ثابت ہے۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں' حالانکہ پہلی حدیث اس مسئلہ میں واضح نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ شیخ الھند مولانا محمود الحسن دیوبندی نے کہا ہے کہ حق اور انصاف کی بات یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بات دلائل کے اعتبار سے راجح ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے' مگر ہم مقلدین کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ (تقریر ترمذی)

(٦٩٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: ذَكَرَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ ، فَقَالَ: «إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص نے ذکر کیا کہ اسے بیع میں عام طور پر دھوکہ دیا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "سودا کرتے وقت کہہ دیا کرو کہ کوئی فریب و دھوکہ نہیں ہو گا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ ذکر رجل ﴾ بصیغہ مجہول ہے۔ یعنی اس کے اھل نے اس کا ذکر کیا۔ اس شخص کا نام حبان بن منقذ بن عمرو انصاری ہے۔ حبان کی "حا" پر فتحہ ہے اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد ان کے والد تھے۔ ان کے سر میں ایک غزوہ کے دوران جو انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ لڑا تھا' پتھر سے شدید

زخم آگیا تھا جس کی وجہ سے ان کے (حافظے اور) عقل میں کمزوری واقع ہوگئی اور زبان میں بھی تغیر پیدا ہو گیا تھا' لیکن ہنوز تمیز کے دائرہ سے خارج نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۳۰ سال کی ہوگئی تھی۔ جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے۔ ﴿ لاخلابة ﴾ کی "خا" کے نیچے کسرہ۔ مطلب یہ تھا کہ دین میں دھوکہ و فریب نہیں' کیونکہ دین تو نصیحت وخیر خواہی کا نام ہے اور دین اسلام تو ہے ہی خیر خواہی کا نام اور لا کا کلمہ نفی جنس کیلئے ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ صاحب سبل السلام نے یہ بات کہی ہے کہ ابن اسحٰق نے یونس بن بکیر اور عبد الاعلیٰ کی روایت میں اتنا اضافہ نقل کیا ہے کہ "پھر تم کو اس سودے میں جسے تو نے خریدا ہے' تین راتیں تک اختیار ہے' اگر تجھے سودا پسند ہو تو اسے رکھ لو اور اگر پسند نہ ہو تو واپس کر دو۔" یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خرید و فروخت میں غبن کی صورت میں بھی خیار ثابت ہے۔ لیکن مطلقاً نہیں' بلکہ اس وقت جب آدمی ضعیف العقل ہو اور سامان کی قیمت سے واقف نہ ہو اور اسے دھوکہ کا اندیشہ ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ غبن فاحش کے معلوم ہونے پر خیار ثابت ہے۔ یہ رائے امام احمد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کی ہے' مگر جمہور علماء اس کے قائل نہیں ہیں' وہ کہتے ہیں کہ حبان بن منقذ کو بالخصوص یہ اجازت اس لئے دی کہ ان کی عقل اور زبان میں کمزوری واقع ہوگئی تھی۔ جیسا کہ مسند امام احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔۔ صحیح بات یہ ہے لاخلابة کی صدا لگانا بھی اپنی جگہ ایک طرح کی شرط ہے' جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ دھوکہ اور فریب کے باوجود مشتری کیلئے خیار کا ثبوت ملتا ہے اور خیار الشرط بھی اسی کو کہتے ہیں۔ آپ ؐ نے جو الفاظ ان کو تلقین فرمائے ان الفاظ کی برکت سے انہیں بعد میں کبھی دھوکہ نہیں ہوتا تھا۔

٣ - بَابُ الرِّبَا
سود کا بیان

(٦٩٥) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: **هُمْ سَوَاءٌ**. رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَلِلْبُخَارِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي جُحَيْفَةَ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے' دینے والے اور اس کے تحریر کرنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز فرمایا کہ ("گناہ کے ارتکاب میں) یہ سب مساوی اور برابر ہیں۔" (مسلم' اور بخاری میں ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اسی طرح ہے)

لغوی تشریح: ﴿ باب الربا ﴾ ربا میں "راء" کے نیچے کسرہ ہے۔ ربا کے معنی زیادتی اور بڑھوتری ہے اور وہ ہے خرید وفروخت میں ایک جنس کے تبادلہ کے وقت زیادہ مقدار میں حاصل کرنا اور ہر قسم کی حرام بیع پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور امت کا اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ ﴿ آكل الربا ﴾ سود خور۔ ضروری نہیں

جو سود کھاتا ہو اسے آکل الربا کہیں گے' بلکہ محض لینے والا بھی اس زمرہ میں شامل ہے اور کھانے کا بالخصوص ذکر اس لئے کر دیا کہ انتفاع کے انواع میں سے یہ نوع سب سے بڑی ہے۔ ﴿موکلہ﴾ اسے دینے والا یعنی جو لیتا ہے اسے دینے والا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں سود کی حرمت اور لینے' دینے والے اور تحریر کرنے والے اور اس پر گواہیاں ثبت کرنے والے پر لعنت کا ذکر ہے۔ سود نص قرآنی سے حرام ہے' اس سے باز نہ آنے والوں کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ یہ ایسی لعنت ہے جس میں دنیا بھر کے لوگ گرفتار اور مبتلا ہیں۔ اس لعنت سے چھٹکارے کی صدق دل سے ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے۔

(٦٩٦) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الرِّبَا ثَلاَثَةٌ وَسَبْعُونَ بَاباً، أَيْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ، وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ مُخْتَصَراً، وَالحَاكِمُ بِتَمَامِهِ، وَصَحَّحَهُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "سود کے تہتر درجے ہیں۔ سب سے کم تر درجہ اس گناہ کے مثل ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے اور سب سے بڑھ کر سود کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرنا ہے۔" (اسے ابن ماجہ نے مختصراً اور حاکم نے مکمل بیان کیا ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ایسرھا﴾ ہلکا اور گناہ میں سب سے کم اور قلیل۔ ﴿اربی الربا﴾ سب سے بڑا اور سب سے عظیم۔ ﴿عرض الرجل المسلم﴾ غیبت و چغلی کے ذریعہ اس کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہونا' بہتان تراشی اور سب و شتم کرنا اور عیب جوئی اور جو چیز اسے بری محسوس ہو اس کے ذکر سے تکلیف دینا اور جو برائی اس نے نہ کی ہو' اسے اس کے سر ڈال دینا۔ یہ بیماری ہمارے زمانہ میں وبا کی طرح عام ہوگئی ہے۔ اس مرض نے لوگوں کو عاجز و درماندہ کر کے رکھ دیا ہے اور ہر طرف پھیل گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(٦٩٧) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لاَ تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلاَّ مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلاَ تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلاَ تَبِيعُوا الوَرِقَ بِالوَرِقِ إِلاَّ مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلاَ تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلاَ تَبِيعُوا مِنْهَا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سونے کو سونے کے بدلہ میں فروخت نہ کرو' مگر برابر برابر اور ایک دوسرے کے وزن میں (کمی) بیشی نہ کرو۔ نیز چاندی کو چاندی کے بدلہ میں فروخت نہ کرو' مگر برابر برابر اور ایک دوسرے کے وزن میں (کمی) بیشی نہ کرو اور ان میں غیر موجود کے بدلہ میں موجود کو نہ بیچو۔"

غَائِباً بِنَاجِزٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ مثلا بمثل ﴾ دونوں میں میم کے نیچے کسرہ اور "ثا" ساکن ﴿ سواء بسواء ﴾ کے معنی میں' جس کے معنی برابر' برابر ہیں۔ ﴿ ولا تشفوا ﴾ اشفاف سے ماخوذ ہے' زیادہ نہ کرو' اضافہ نہ کرو۔ ﴿ الورق ﴾ "واؤ" پر فتحہ اور "را" کے نیچے کسرہ۔ چاندی۔ ﴿ غائبا ﴾ جو چیز مجلس میں موجود نہ ہو۔ ﴿ بناجز ﴾ ناجز کے معنی حاضر اور موجود۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے مبادلہ میں کمی بیشی حرام ہے اور یہی سود کی اصل ہے۔ نیز یہ اس کی بھی دلیل ہے کہ یہ خرید و فروخت اس وقت تک صحیح نہیں تاوقتیکہ دونوں فریق برابر برابر مقدار و وزن میں چیز ایک دوسرے کے قبضہ میں نہ دے دیں۔

(٦٩٨) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالفِضَّةُ بِالفِضَّةِ، وَالبُرُّ بِالبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالمِلْحُ بِالمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَداً بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يداً بِيدٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سونا سونے کے عوض' گندم' گندم کے عوض۔ جو' جو کے عوض۔ کھجور' کھجور کے عوض اور نمک' نمک کے عوض ایک دوسرے کی طرح' برابر برابر اور نقد بنقد (فروخت کئے جائیں۔) اگر اجناس میں اختلاف ہو تو پھر جس طرح چاہیں فروخت کریں' مگر قیمت کی ادائیگی نقد ہو۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ اذا كان يدا بيد ﴾ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جن اشیاء میں سود کا حکم ہے خواہ وہ سونا ہے یا چاندی یا ان کے علاوہ کھانے کی اشیاء کہ ان میں بیع و شراء کی صحت کیلئے قبضہ شرط ہے۔ اگرچہ جنس مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سودی اشیاء میں جنس ایک نہ ہو تو ان میں ادھار اور تفاضل جائز ہے۔ جیسے سونے کو گندم کے بدلہ اور چاندی کو جو کے بدلہ اور اس کے علاوہ دوسری ماپ وغیرہ والی اشیاء میں تفاضل جائز ہے۔ نیز اس پر بھی سب متفق ہیں کہ کسی چیز کو اسی چیز کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز نہیں' جبکہ ان میں سے ایک ادھار ہو۔ (انتھی) یہ حدیث دلیل ہے کہ ان مذکورہ چھ اشیاء میں سود پایا جاتا ہے اور اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ البتہ ان چھ کے علاوہ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ سود کی علت جہاں پائی جائے گی' وہ بھی سود ہی ہو گا۔ لیکن ہر کوئی نص وارد نہیں یہی وجہ ہے کہ اس میں علماء کے درمیان بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے' تاہماہل ظاہر اس بات کے قائل ہیں کہ سود صرف سابق الذکر منصوص علیہ اشیاء میں ہوتا ہے۔

(٦٩٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْناً بِوَزْنٍ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَالفِضَّةُ بِالفِضَّةِ وَزْناً بِوَزْنٍ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، فَمَنْ زَادَ أَوْ اسْتَزَادَ فَهُوَ رِباً». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ﷺ نے فرمایا "سونا سونے کے بدلہ میں' وزن میں برابر برابر۔ اور قسم میں ایک ہو چاندی' چاندی کے بدلہ میں' وزن میں برابر برابر' اور قسم میں ایک جیسی ہو پھر اگر کوئی زیادہ لے یا زیادہ دے پس وہ سود ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ زاد او استزاد ﴾ زیادہ دے یا زیادہ کا مطالبہ و تقاضا کرے۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جو چیزیں ماپ یا تول کر فروخت کی جاتی ہوں' ان کا تبادلہ ماپ تول کے ذریعہ کرنا جائز ہے' محض اندازہ و تخمینہ درست نہیں۔ (اور قسم میں ایک جیسا / جیسی کا مطلب ہے کہ "قیراط" میں دونوں برابر ہوں۔ مترجم)

(۷۰۰) وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلاً عَلَى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هَكَذَا؟» فَقَالَ: لاَ، واللهِ، يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالثَّلاَثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لاَ تَفْعَلْ، بِعِ الجَمْعَ بالدراهم، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيباً»، وَقَالَ فِي المِيزَانِ مِثْلَ ذَلِكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: «وَكَذَلِكَ المِيْزَانُ».

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر پر عامل مقرر کیا۔ پس وہ آپؐ کی خدمت میں بہت عمدہ کھجوریں لے کر حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ "کیا خیبر میں پیدا ہونے والی سب کھجوریں اسی طرح کی ہوتی ہیں؟" اس نے عرض کیا نہیں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! خدا کی قسم! ہم دوسری کھجوریں دو صاع اور (کبھی) تین صاع دے کر یہ کھجوریں ایک صاع لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایسا نہ کرو۔ گھٹیا کھجوروں کو دراہم کے عوض فروخت کر کے عمدہ اور اچھی کھجوریں بھی درہموں کے عوض خریدو اور فرمایا تولنے والی اشیاء بھی اسی کی مانند ہیں۔" (بخاری و مسلم) مسلم میں ہے کہ "تول میں بھی اسی طرح۔"

لغوی تشریح: ﴿ استعمل رجلا ﴾ اسے عامل بنا کر بھیجا (تحصیلدار زکوۃ) اس آدمی کا نام سواد بن غزیہ تھا۔ سواد میں سین پر فتحہ اور واؤ پر تخفیف۔ اور غزیہ بروزن عطیہ۔ انصاری ﴿ جنیب ﴾ جید اور عمدہ۔ یہ کھجوروں میں سے خاص قسم و نوع کی کھجور تھی۔ ﴿ الجمع ﴾ جیم پر فتحہ اور میم ساکن یعنی ردی اور گھٹیا قسم کی کھجور اور ایک قول اس کے بارے میں یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مختلف انواع کی ملی جلی

کھجوریں ہیں۔ ﴿ وقال فی المیزان مثل ذلک ﴾ یعنی جو چیزیں وزن کر کے فروخت کی جاتی ہیں' جب اسی جنس کے مبادلہ میں فروخت کی جائیں گی تو زیادہ مقدار میں خرید و فروخت نہیں کی جائے گی' بلکہ پہلے انہیں درہم کے عوض فروخت کیا جائے گا پھر درہم کے عوض ہی خرید کی جائیں گی۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی چیز ہم جنس کے تبادلہ میں فروخت کی جائے گی تو اس میں کمی بیشی جائز نہیں۔ خواہ دونوں عمدگی اور گھٹیا پن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔

(۷۰۱) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لاَ يُعْلَمُ مَكِيْلُهَا بِالكَيْلِ المُسَمَّى مِنَ التَّمْرِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے کسی ایسے ڈھیر کو جس کا ماپ نہ کیا گیا ہو' کھجوروں کے معین ماپ کے بدلہ میں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں کسی چیز کے ڈھیر کی صورت میں جس کا وزن یا ماپ معلوم نہ ہو' اسے معین مقدار یا وزن کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ڈھیر کی مقدار اور وزن معلوم نہیں' اس لئے اسے فریقین میں سے ایک کو نقصان اور دوسرے کو بلاوجہ فائدہ پہنچتا ہے' اس لئے اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کمی و بیشی کا جہاں احتمال ہوگا' وہ بھی اسی ممانعت کے تحت شمار ہوگی۔

(۷۰۲) وَعَنْ مَعْمَرَ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: إِنِّي كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «**الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَكَانَ طَعَامُنَا يَوْمَئِذٍ الشَّعِيرَ**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کرتا تھا کہ ''طعام (اناج) طعام کے بدلے' ایک ہی قسم کا ہو' ان دنوں ہمارا طعام (اناج) جو ہوتے تھے۔'' (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے طعام (اناج) کو اگر فروخت کرنا مقصود ہو اور وہ بھی طعام کے عوض تو اس میں برابری ضروری ہے' کمی بیشی ممنوع ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گندم اور جو دو الگ الگ جنس ہیں' ایک نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے ہے' اس لئے جو اور گندم کے تبادلہ میں بھی برابری ضروری نہیں۔ مگر امام مالک رحمہ اللہ دونوں کو ایک جنس قرار دیتے ہیں اور ان میں برابری لازم سمجھتے ہیں۔

(۷۰۳) وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلاَدَةً بِاثْنَي عَشَرَ دِينَاراً،

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خیبر کے روز ایک ہار بارہ دینار میں خریدا۔ اس میں سونا اور پتھر کے نگینے تھے۔ میں نے ان کو الگ کر

فِيهَا ذَهَبٌ وخَرَزٌ، فَفَصَلْتُهَا، فَوَجَدْتُ فِيْهَا أَكْثَرَ مِنَ اثْنَي عَشَرَ دِيْنَاراً، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «لاَ تُبَاعُ حَتَّى تُفْصَلَ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

دیا تو میں نے اس میں بارہ دینار سے زیادہ سونا پایا۔ میں نے اس کا ذکر نبی ﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا "جب تک ان کو الگ الگ نہ کر لیا جائے' فروخت نہ کیا جائے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿قلادہ﴾ قاف کے نیچے کسرہ۔ ہار جسے عورتیں گلے میں پہنتی ہیں۔ ﴿خرز﴾ خا اور را دونوں پر فتحہ۔ عمدہ پتھر' خرزۃ کی جمع ہے۔ فارسی میں اسے مہرہ کہتے ہیں۔ ﴿ففصلتھا﴾ الگ کر دیا میں نے ان کو اس طرح کہ سونے کو مہروں سے الگ کر کے ممیّز کر دیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کی بنی ہوئی کسی چیز میں کسی اور چیز کا جڑاؤ ہو تو اسے الگ کئے بغیر سونے کو فروخت کرنا جائز نہیں' کیونکہ جب تک دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا' صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا کہ جس کے عوض اسے فروخت کیا جا رہا ہے وہ اس کے مساوی ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔

(٧٠٤) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الحَيَوانِ بِالحَيَوانِ نَسِيْئَةً. رَوَاهُ الخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ الجَارُودِ.

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلہ میں ادھار فروخت کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابن جارود نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿نسیئۃ﴾ یاء کے بعد ہمزہ کے ساتھ کریمۃ کے وزن پر ہے اور ادغام کی صورت میں عطیہ کے وزن پر ہوگا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نون پر فتحہ اور سین کے نیچے کسرہ اور ھمزہ پر فتحہ' یا کے بغیر۔ تمیز واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور لغت میں اس کے معنی تاخیر' دیر کے ہیں۔ اس سے مراد ادھار ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حیوان کے بدلہ میں حیوان کی ادھار فروخت جائز نہیں' مگر اسی باب میں آنے والی عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت اور دیگر روایات اس کے معارض ہیں' اسی بنا پر جمہور حیوان کے بدلہ حیوان کو مطلقاً ادھار فروخت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں' اگرچہ کمی بیشی بھی ہو اور بعض اس سے منع کرتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کے درمیان تطبیق یوں دی ہے کہ یہاں ادھار سے دونوں طرف سے ادھار مراد ہے۔ اس لئے کہ نسیئۃ کا لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ ادھار کے بدلہ ادھار بیع کی صورت ہے اور یہ کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تطبیق اور جمع کی صورت کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ جمع کی یہ صورت اچھی اور عمدہ ہے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان منع کی احادیث کی طرف ہے' مگر میرے نزدیک راجح وہی رائے ہے جسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ' علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور نے اختیار کیا ہے۔

(٧٠٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے

تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ البَقَرِ، وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الجِهَادَ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلاًّ لاَ يَنْزَعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ مِنْ رِوَايَةِ نَافِعٍ عَنْهُ، وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلِأَحْمَدَ نَحْوُهُ مِنْ رِوَايَةِ عَطَاءٍ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ القَطَّانِ.

رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم عینہ کی تجارت کرنے لگو گے اور بیلوں کی دمیں پکڑنے لگو گے اور زراعت و کھیتی باڑی کو پسند کرو گے اور جہاد کو ترک کر دو گے تو (اس وقت) اللہ تعالیٰ تم پر ذلت و خواری کو مسلط کر دے گا۔ اس (ذلت) کو تم سے اس وقت تک دور نہیں فرمائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہیں آؤ گے۔" (اسے ابوداؤد نے نافع رحمہ اللہ کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں کلام ہے اور مسند احمد میں مروی عطاء رحمہ اللہ کی روایت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿العینۃ﴾ عین کے نیچے کسرہ اور "یا" ساکن۔ عینہ کی بیع یہ ہے کہ آدمی ایک چیز مقرر قیمت پر ایک مقرر وقت تک کیلئے فروخت کرے' جب یہ میعاد مقررہ مکمل ہو جائے تو خریدار سے وہی چیز کم قیمت پر خرید لے کہ زیادہ رقم اس کے ذمہ باقی رہ جائے۔ عینہ اس کا نام اس لئے رکھا گیا کہ فروخت کردہ وہی چیز اسی حالت میں حاصل ہو جائے اور اصل مال خریدار سے لوٹ کر فروخت کنندہ کے پاس پھر پہنچ جائے۔ جیسا کہ صاحب سبل السلام نے کہا ہے۔ بیع عینہ کے عدم جواز کے امام مالک رحمہ اللہ' امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ قائل ہیں۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (نیل الاوطار) اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بیع عینہ کے عدم جواز کو بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے۔ ﴿اخذتم اذناب البقر﴾ گائے کی دم پکڑنے سے کنایہ مراد ہے کہ جہاد کو ترک کر کے زراعت و کھیتی باڑی میں مشغول و مگن ہو جاؤ گے۔ زراعت سے رضامندی کا مطلب ہے کہ تمہاری زندگی کا مطمع نظر اور مقصود زندگی یہی بن کر رہ جائے گا اور ساری توانائیاں اور قوتیں اسی میں صرف ہونے لگیں گی۔ (سبل السلام) ﴿ذلا﴾ ذال پر ضمہ اور کسرہ دونوں ہیں۔ ذلت' ناقدری' ضعف اور مسکنت۔ ﴿وفی اسنادہ مقال﴾ سبل السلام میں ہے اس لیے کہ اس کی سند میں ابوعبدالرحمٰن خراسانی جس کا نام اسحٰق ہے جو عطاء خراسانی سے روایت کرتا ہے۔ اس کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان" میں کہا ہے یہ روایت اس کی مناکیر میں سے ہے ﴿ولا حمد نحوہ﴾ احمد کی روایت میں اسی طرح ہے۔ مصنف کہتے ہیں میرے نزدیک جس حدیث کو ابن قطان نے صحیح قرار دیا وہ بھی معلول ہے' کیونکہ اس کے راویوں کا ثقہ ہونا اس بات کیلئے لازمی نہیں کہ یہ حدیث بھی صحیح ہو' اس لئے کہ اس میں اعمش مدلس ہے اور وہ اپنے استاد عطاء سے سماع کا ذکر ہی نہیں کرتا اور عطاء کے متعلق احتمال ہے کہ وہ عطاء خراسانی ہو تو پھر عطاء اور ابن عمر رضی اللہ عنہما

کے درمیان سے نافع کو ساقط کر دینے سے یہ ﴿ تدلیس تسویہ ﴾ ہوگی اور یوں یہ حدیث پہلی حدیث ہی بن جائے گی اور یہی قول مشہور ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بیع عینہ کا ذکر ہے' نیز زراعت و کھیتی باڑی اختیار کرنے اور جہاد کو ترک کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت و خواری مسلط کئے جانے کی خبر ہے۔ بیع عینہ میں چونکہ فروخت شدہ چیز بعینہٖ کم قیمت کے عوض فروخت کرنے والے کے پاس پلٹ کر واپس آجاتی ہے' اس لئے اسے عینہ کہتے ہیں۔ ایک صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی دوسرے سے کوئی چیز ادھار مانگتا ہے' وہ جواب دیتا ہے کہ بھائی میں تمہیں یہ چیز ادھار نہیں دے سکتا۔ مگر فلاں چیز میرے پاس ہے جس کی قیمت دس روپے ہے اگر تم راضی ہو تو میں وہ چیز تجھے پندرہ روپے میں دے سکتا ہوں اور پھر دوبارہ خود ہی وہ اس سے دس روپے میں واپس خرید لے۔ اس طرح پانچ روپے خواہ مخواہ خریدار کے ذمہ قرض ہوگیا' یا یوں سمجھیں کہ کسی نے ایک کتاب ایک سال کی مدت تک کیلئے سو روپے میں خریدی اور وعدہ کیا کہ سال کے بعد سو روپیہ ادا کر دوں گا۔ مگر کسی وجہ سے وہ سو روپیہ کا بندوبست نہ کر سکا تو بیچنے والا اس سے وہی چیز ۹۰ روپے میں واپس خرید لے' اس طرح دس روپے اس کے ذمہ قرض رہ گیا۔ اس بیع میں چونکہ ایک فریق کو نقصان ہوتا ہے' اس لئے اسے ممنوع قرار دے دیا۔

راوی حدیث: ﴿ نافع ﴾ ابو عبداللہ نافع بن سرجس مدنی' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام مراد ہیں۔ آپ ثقہ' ثبت اور مشہور و معروف فقیہہ ہیں۔ کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کا بڑا حصہ ان ہی کے گرد گردش کرتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نافع کے توسط سے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب میں سنتا ہوں کہ نافع' ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتا ہے تو پھر مجھے کسی اور سے حدیث سننے کی پروا ہی نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صحیح ترین سند مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔ ان سے کثیر مخلوق خدا نے روایت کیا ہے۔ ۱۱۷ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔

﴿ عطاء ﴾ سے مراد غالباً عطاء بن ابی مسلم میسرہ خراسانی ہیں' جو مہلب بن ابی صفرہ کے غلام تھے اور ان کی کنیت ابو عثمان تھی۔ شام میں فروکش ہوگئے تھے۔ مشہور و معروف لوگوں میں سے تھے۔ ثقہ اور بڑے تہجد گزار تھے' مگر حافظہ ردی و خراب تھا اور کثیر الوہم تھے۔ ۱۳۵ھ میں ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۷۰۶) وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ شَفَاعَةً فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا، فَقَبِلَهَا، فَقَدْ أَتَى بَاباً عَظِيماً مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا». رَوَاهُ أَحْمَدُ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس کسی نے اپنے بھائی کیلئے کوئی سفارش کی (اس کے بعد) وہ اسے کوئی تحفہ دے اور وہ اسے قبول کر لے تو وہ سود کے بہت ہی بڑے دروازے پر پہنچ گیا۔" (اسے احمد' ابوداؤد نے روایت کیا

وَأَبُو دَاوُدَ، وَفِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ.

ہے اور اس کی سند میں کلام ہے)

لغوی تشریح: ﴿ فقد اتی بابا عظیما ﴾ تو وہ سود کے بہت بڑے دروازے پر آیا۔ دونوں میں (تحفہ اور سود میں) مشابہت کی وجہ سے استعارۃ اسے سود کہا گیا ہے اور وہ یوں کہ سود بھی کسی کے مال کو بلامعاوضہ حاصل کرنے کا نام ہے اور یہاں بھی سفارش کے بدلے میں رقم لی ہے کسی چیز کے بدلے میں نہیں۔ اس روایت میں کلام کا سبب یہ ہے کہ اس کا راوی ابوعبدالرحمٰن قاسم بن عبدالرحمٰن الدمشقی متکلم فیہ ہے۔ (سبل)

(۷۰۷) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔" (اسے ابوداؤد اور ترمذی دونوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الراشی ﴾ رشوت دینے والا ﴿ والمرتشی ﴾ رشوت لینے والا اور رشوت کہتے ہیں باطل و ناحق طریقہ سے حصول مال کیلئے مال خرچ کرنے کو۔ رشوت رشاء سے ماخوذ ہے۔ رشاء اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کنوئیں کے پانی تک پہنچتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب کوئی اپنا حق حاصل کرنے' یا اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو دور کرنے کیلئے مال خرچ کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ دینے والے کے حق میں رشوت شمار نہیں ہو گی' بلکہ یہ فقط لینے والے کے حق میں رشوت شمار ہو گی۔

(۷۰۸) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يُجَهِّزَ جَيْشاً، فَنَفِدَتِ الإِبِلُ، فَأَمَرَهُ أَن يَأْخُذَ عَلَى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ، قَالَ: فَكُنْتُ آخُذُ الْبَعِيْرَ بِالْبَعِيْرَيْنِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ. رَوَاهُ الحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ اونٹ ختم ہوگئے۔ تو آپؐ نے ان کو صدقہ کے اونٹوں پر (ادھار اونٹ) لینے کا حکم ارشاد فرمایا راوی کہتے ہیں میں ایک اونٹ' صدقہ کے دو اونٹوں کے بدلہ لیتا تھا۔ (اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ ان یجھز جیشا ﴾ وہ ساز و سامان تیار کریں' جس کی لشکر کو ضرورت ہے۔ سواریاں' اسلحہ وغیرہ۔ ﴿ فنفدت الابل ﴾ نفدت میں نون پر فتحہ "فا" کے نیچے کسرہ اور دال مہملہ۔ ختم ہوگئے' کم رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مجاہد کو ایک اونٹ دے دیا' مگر اس کے باوجود کچھ آدمی ایسے رہ گئے جن کو اونٹ نہ دیئے جا سکے' اس لئے کہ اونٹ کم رہ گئے تھے۔ ﴿ ان یاخذ علی قلائص' الصدقۃ ﴾

قلائص قلوص کی جمع ہے۔ قلوص کے قاف پر فتحہ ہے۔ جوان اونٹ کو کہتے ہیں۔ یعنی آپ نے ان کو حکم ارشاد فرمایا کہ "جتنے اونٹ کم رہ گئے ہیں اتنے ادھار خرید لیں کہ باقی لوگوں کو پورے آجائیں اور جب عاملین صدقہ' صدقات کے اونٹ لے کر آئیں گے' اس وقت ان کی قیمت ادا کر دینا۔" ﴿ الى ابل الصدقة ﴾ یعنی اس وقت تک ادھار جب صدقہ کے اونٹ بیت المال میں آجائیں۔ یہ حدیث حیوان کو حیوان کے بدلہ ادھار فروخت کرنے کو جائز قرار دیتی ہے۔ جبکہ ادھار ایک طرف سے ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات کو قرض خریدنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور اس بیع کو جائز کہتے ہیں جبکہ احناف حیوانات کا قرض لینا جائز نہیں سمجھتے۔

(٧٠٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ: أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلاً بِتَمْرٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ كَرْماً أَن يَبِيْعَهُ بِزَبِيْبٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ زَرْعاً أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ، نَهَى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باغ کی تازہ کھجوریں خشک کھجوروں سے' یا تازہ انگوروں کو کشمش و منقیٰ سے ماپ کر سودا کرے اور اگر کھیتی ہو تو اس کا سودا غلہ سے کرے۔ آپؐ نے ان سب صورتوں میں ہونے والی بیع سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ ثمر ﴾ "ثاء" کے ساتھ' پھل کے معنی میں۔ ﴿ كرما ﴾ کاف پر فتحہ اور "را" ساکن۔ انگور کی بیل۔ اس جگہ انگور مراد ہے۔

(٧١٠) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَسُئِلَ عَنِ اشْتِرَاءِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ، فَقَالَ: «أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ؟» قَالُوا: نَعَمْ، فَنَهَى عَنْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ الخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ المَدِيْنِيِّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ سے سوال کیا جا رہا تھا کہ تازہ کھجوریں خشک کھجوروں کے بدلے فروخت کی جا سکتی ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ "کیا وہ خشک ہو کر وزن میں کم رہ جاتی ہیں؟" لوگوں نے کہا ہاں! تو آپؐ نے اس سے منع فرما دیا۔ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ ابن مدینی' ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

(٧١١) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الكَالِيءِ بِالكَالِيءِ، يَعْنِي الدَّيْنَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ادھار کے بدلہ ادھار یعنی قرض کے بدلہ قرض کو فروخت کرنا ممنوع فرمایا ہے۔ (اسے اسحٰق اور بزار نے

بِالدَّيْنِ رَوَاهُ إِسْحَاقُ وَالبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ضعیف سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ نهى عن بيع الكالئى بالكالئى ﴾ یہ کلاء الدین کلوء فھو کالی سے ماخوذ ہے‘ جس کے معنی تاخیر کرنے‘ دیر کرنے کے ہیں۔ اور کلاتہ کے معنی ہیں کہ جب تو بھول جائے اور کبھی ہمزہ تخفیفاً نہیں پڑھتے۔ نہایہ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ایک آدمی ایک مدت تک کیلئے کسی دوسرے سے ایک چیز خریدتا ہے۔ جب مدت مقررہ پوری ہوگئی تو اس کے پاس ادائیگی کیلئے کچھ نہیں۔ تو وہ کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز مزید مدت کیلئے زیادہ قیمت پر بیچ دے‘ دونوں کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو ان کے قبضہ میں آئے۔ یہ حدیث اس بیع کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ جب وقوع پذیر ہوگی تو باطل ہوگی۔ (سبل)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے ادھار کی ادھار کے بدلہ بیع ناجائز ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں کہ مثلاً اسلم نے احمد سے ایک سکوٹر پانچ سو روپے میں ایک سال کی مدت پر ادھار خریدا۔ جب سال بھر کی مدت پوری ہوگئی تو احمد اسلم سے کہتا ہے میں رقم کا بندوبست نہیں کر سکا۔ مجھے ازسرنو چھ سو روپے میں یعنی سو روپے زائد پر فروخت کر دے۔ اس طرح گویا اسلم نے احمد کو سو روپیہ مزید مہلت کا دیا ہے۔ اصل چیز دونوں میں سے کسی کے قبضہ میں نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے خالد سے سو روپیہ لینا ہے اور صادق نے خالد سے کوئی کپڑا لینا ہے پس صادق زید سے کہے جو کپڑا میں نے خالد سے لینا ہے وہ میں تیرے پاس سو روپے میں فروخت کرتا ہوں یہ بیع بھی ناجائز ہے۔

٤ - بَابُ الرُّخْصَةِ فِي بَيْعِ العَرَايَا، وَبَيْعِ الأُصُولِ وَالثِّمَارِ

بیع عرایا‘ درختوں اور (ان کے) پھلوں کی بیع میں رخصت

(٧١٢) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَخَّصَ فِي العَرَايَا أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلاً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِمُسْلِمٍ: رَخَّصَ فِي العَرِيَّةِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ البَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْراً، يَأْكُلُونَهَا رُطَباً.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرایا میں رخصت دی کہ ان کو اندازہ سے ماپ کر فروخت کر دیا جائے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عریہ میں رخصت دی کہ گھر والے اندازے سے خشک کھجور دے کر کھانے کیلئے تازہ کھجوریں حاصل کر لیں۔

لغوی تشریح: ﴿ باب الرخصة ﴾ یاد رہے کہ اہل عرب قحط کے دنوں میں اور خشک سالی کے ایام میں اپنے باغات میں سے فقیروں اور مسکینوں کے درختوں کو چھوڑ کر ان کے پھل صدقات کی صورت میں دیا

کرتے تھے کہ فلاں کھجور کے درخت کی کھجوریں تمہاری۔ اس طرح عطیہ میں دی گئی کھجور کو "عریہ" کہتے تھے' یعنی ان کی فروخت میں اجازت کا مفہوم یہ ہے کہ مساکین ان کے باغات میں ان درختوں کا پھل کھانے جایا کرتے تھے' اس لیے ان کے داخلے سے مالک باغات کو تکلیف ہوتی تھی' یا پھر یہ ہوتا کہ مساکین اپنی ضرورت و محتاجی کی وجہ سے ان کے پکنے کا انتظار نہ کر سکتے تھے تو وہ اپنے حصہ کے پھل فروخت کر دیتے جب کہ پھل ابھی درختوں پر ہی ہوتے تھے اور ان کے بدلے خشک کھجوریں لے لیتے۔ اور مالک باغات روز مرہ کی آمدورفت کی تکلیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مسکینوں سے درختوں پر تر کھجوروں کو خشک کھجوریں دے کر خرید لیتے۔ یہ بیع بعینہ بیع مزابنہ ہی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ کو ممنوع قرار دیا تو ضرورت و حاجت رفع کرنے کی بیع عرایا کی اجازت مرحمت فرما دی' اس شرط پر کہ کھجور کے ان درختوں پر پھل کا تخمینہ لگا کر ان کے بدلے ماپ کر اتنی کھجوریں دے دیں۔ نووی کی رائے یہ ہے کہ "عریہ" یہ ہے کہ اندازہ و تخمینہ لگانے والا کھجور کے درختوں پر موجود کھجوروں کا اندازہ لگائے اور کہے کہ یہ تر کھجوریں جو درختوں پر ہیں' یہ خشک ہو کر اتنی مقدار' یا اتنے ماپ میں رہ جائیں گی۔ مثلاً اس سے خشک ہونے کے بعد تین وسق کھجوریں حاصل ہوں گی' یا مثلاً ان کھجوروں کو اگر فروخت کرے گا تین وسق ملیں گی' اسی مجلس میں بائع اپنی قیمت اور مشتری اپنی بیع پر قابض ہو گئے۔ پس خریدار خشک کھجوریں حوالے کرے گا اور فروخت کنندہ کھجور کا درخت سپرد کر دے گا۔ یہ بیع پانچ وسق سے کم مقدار میں جائز ہے اور پانچ وسق سے زائد کی بیع جائز ہیں۔ پانچ وسق کے جواز کے بارے امام شافعی کے دو اقوال ہیں۔ اور دونوں میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ اسے جائز نہیں سمجھتے۔ بیع عریہ کی اور بہت سی صورتیں اور شکلیں ہیں ان کی یہاں گنجائش نہیں۔ بڑی کتابیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ اور ﴿بیع اصول﴾ سے مراد ہے درختوں کی جڑ کا فروخت کرنا۔ اور ان کے پھلوں کی فروخت سے مراد ہے کہ درختوں کے علاوہ صرف ان کے پھلوں کی فروخت۔ ﴿یاخذھا اھل البیت﴾ "کھجور کے درختوں کے مالک" ﴿بخرصھا﴾ اندازہ لگائی گئی کھجوریں خشک رہ جانے کے بعد جتنی رہ سکتی ہوں اس کے بدلہ میں۔

(٧١٣) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عرایا میں اجازت و رخصت عنایت فرما دی۔ بایں صورت کہ تازہ کھجوروں کو خشک کے عوض اندازے سے فروخت کر لیا جائے' جبکہ یہ پانچ وسق کی مقدار سے کم ہوں' یا پھر پانچ وسق ہوں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فیما دون خمسة اوسق او فی خمسة اوسق﴾ او کے لفظ پر راوی کا شک ہے'

یعنی راوی کو شک ہے کہ یہ الفاظ فرمائے یا نہیں۔ دلائل بہرحال اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ پانچ وسق کی فروخت بھی حرام ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں پانچ اوسق سے کم یا زیادہ سے زیادہ پانچ وسق تک فروخت کی اجازت ہے۔ مگر یہ راوی کا شک ہے جس راوی نے شک کیا ہے اس کا نام داؤد بن حصین ہے۔ اس شک کی وجہ سے پانچ وسق سے کم مقدار کی فروخت ہی درست ہوگی۔ ایک وسق میں چار من ہوتا ہے تو پانچ وسق کی مقدار بیس من ہوئی۔ اس طرح گویا بیس من سے کم تک کی فروخت کی اجازت ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا خرص یعنی اندازہ و تخمینہ شرع میں جائز ہے بشرطیکہ تخمینہ لگانے والا اس فن سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو اور کسی کی رو رعایت کئے بغیر ایمان داری سے اندازہ لگاتا ہو تو ایک ہی آدمی کا تخمینہ درست تسلیم کیا جائے گا۔

(٧١٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ: وَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلَاحِهَا، قَالَ: حَتَّى تَذْهَبَ عَاهَتُهَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنے والے اور خریدار دونوں کو ان کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپؐ سے پوچھا جاتا کہ پھلوں کے پکنے کی صلاحیت سے کیا مراد ہے؟ تو فرماتے "جب ان پر آفت اور نقصان کا اندیشہ نہ رہے۔"

لغوی تشریح: ﴿ صلاحها ﴾ پھلوں کی سرخی اور زردی۔ یعنی پکنے کی صلاحیت نمایاں ہو جائے۔ قسطلانی کا قول ہے کہ ہر چیز میں اس کے پکنے کی صلاحیت کے ظہور سے مراد ہے کہ اس میں وہ صفت پیدا ہو جائے جو غالب طور پر مطلوب ہوتی ہے۔ ﴿ عاهتها ﴾ اس کی آفت۔ اس پر وارد ہونے والی آفت کا اندیشہ نہ رہے۔

(٧١٥) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تَزْهُوَ، قِيلَ: وَمَا زَهْوُهَا؟ قَالَ: «تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع فرمایا ہے۔ کہا گیا کہ پکنے سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا کہ "وہ سرخ رنگ کا ہو جائے اور پھر زرد رنگ کا" (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ حتی تزهو ﴾ کہا جاتا ہے زها النخل یزهو یہ اس وقت بولتے ہیں جب پھل درخت پر نمودار ہونا شروع ہو جائیں اور ازهی یزهی اس وقت بولتے ہیں جب وہ سرخی اور زردی اختیار کرلیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کے معنی سرخ اور زرد رنگ والے ہونا مراد ہے اور یہ اشارہ

ہے پھل کے پکنے اور آفت و نقصان سے تحفظ کی طرف۔ ﴿ تحمار و تصفار ﴾ دونوں میں ”را“ پر تشدید ہے باب افعیلال سے ہیں۔

(٧١٦) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتَّى يَسْوَدَّ، وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی اس کے بھی راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے انگور کو سیاہ رنگ اختیار کرنے سے پہلے اور دانے کو سخت ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے نسائی کے سوا پانچوں نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ یسود ﴾ دال پر تشدید۔ سیاہ ہو جائیں' یعنی پک جائیں اور امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ جب دانا سیاہ رنگ اختیار کرلیتا ہے تو آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ﴿ یشتد ﴾ دانے کا سخت ہونا' سے مراد ہے اس کا قوی و مضبوط اور سخت ہونا۔

حاصل کلام: احناف اس کے قائل ہیں اور شوافع کے نزدیک وہ غلہ بالیوں میں فروخت کرنا جائز ہے جس کے دانے صاف نظر آتے ہوں جیسے چاول' جو' جوار' باجرہ اور جو غلہ نظر نہ آئے' اسے جائز نہیں سمجھتے' مثلاً گندم' مکئی' مونگ' ماش وغیرہ ۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ دونوں کو الگ کر کے فروخت کیا جائے۔ اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا۔

(٧١٧) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَراً، فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَلاَ يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئاً، بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ؟» رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اگر تو اپنے بھائی کے ہاتھ پھل فروخت کرے اور اسے کوئی آفت و مصیبت پہنچ جائے تو تیرے لئے اس سے کچھ بھی وصول کرنا حلال نہیں۔ بغیر کسی حق کے اپنے بھائی کا مال کیسے حاصل کرے گا؟“ (مسلم) مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے آفات کے مقابلہ میں قیمتیں وضع کرنے کا حکم دیا ہے۔

لغوی تشریح: ﴿ جائحۃ ﴾ وہ آفت جو پھلوں پر وارد ہوتی ہے اور ان کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ جیسے شدید بارش' ژالہ باری' ٹڈی دل' آندھی' آگ اور قحط وغیرہ۔ آسمانی اور زمینی آفات اور جو مصیبت انسانوں کے ہاتھوں پہنچ جائے' مثلاً چوری' ڈکیتی وغیرہ' اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ﴿ امر بوضع الجوائح ﴾ جوائح' جائحۃ کی جمع ہے۔ یعنی نبی ﷺ نے فروخت کرنے والے کو حکم فرمایا ہے کہ وہ خریدار سے اتنی قیمت وصول نہ کرے جتنی آفت کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو چکی ہے۔ حدیث کے ظاہر

سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آفات سے ہر حال میں نقصان کو وضع کیا جائے' خواہ وہ پھل پکنے سے پہلے برباد ہوئے ہوں' یا ان کے پکنے کے بعد۔ خواہ نقصان معمولی ہوا ہو' یا بہت زیادہ۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تیسرا حصہ یا اس سے کچھ زائد وضع کیا جائے گا اور تیسرے حصہ سے کم نقصان کی صورت میں وضع نہیں کیا جائے گا۔ ابوداؤد رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا ہے کہ راس المال کے تیسرے حصہ کے نقصان کی صورت میں آفت زدہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ یحییٰ کا قول ہے کہ یہ طریقہ و سنت مسلمانوں میں جاری ہے۔

(٧١٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنِ ابْتَاعَ نَخْلاً بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ، فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ الَّذِي بَاعَهَا، إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے کھجور کے درخت پیوند کاری کے عمل کے بعد خریدے تو اس صورت میں پھل فروخت کرنے والے کے ہوں گے۔ الاّ یہ کہ خریدار پھل کی شرط کرلے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿من ابتاع نخلا﴾ یعنی کھجور کے درخت خریدے ﴿بعد ان توبر﴾ تابیر سے مجہول کا صیغہ ہے۔ تابیر کہتے ہیں پیوند کاری اس طرح کہ نر کھجور کا گودا لے کر مادہ کھجور کے خوشے میں رکھ دیتے ہیں۔ جب وہ خوشہ کھلتا اور پھٹتا ہے تو اللہ کے اذن سے وہ پھل زیادہ دیتا ہے۔ ﴿فثمرتها للبائع﴾ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کا درخت جب تک اس میں پیوند کاری نہیں کی گئی تو اس وقت تک اس کا پھل بیع میں شامل ہے اور وہ خریدار کا حق ہے۔ جمہور کی یہی رائے ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ پیوند کاری سے پہلے اور بعد میں دونوں صورتوں میں فروخت کنندہ کا حق ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا ہے یہ مطلقاً خریدار کا حق ہے مگر یہ دونوں احادیث کے مخالف ہیں۔

٥ - أَبْوَابُ السَّلَمِ وَالْقَرْضِ وَالرَّهْنِ — پیشگی ادائیگی' قرض اور رھن کا بیان

(٧١٩) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ، فَقَالَ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي ثَمَرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے اور اہل مدینہ پھلوں میں ایک سال اور دو سال کی قیمت پیشگی ادا کرتے تھے۔ آپ ؐ نے فرمایا "جو شخص پھلوں کی پیشگی دے تو اسے چاہئے کہ ماپ' تول اور مدت مقرر کے لیے دے۔" (بخاری و مسلم) اور بخاری میں "من اسلف

مَعْلُومٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِلْبُخَارِيِّ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ».

"فی ثمر" کی بجائے "من اسلف فی شئی" کے الفاظ ہیں۔ "جو شخص کسی چیز میں پیشگی دے"۔

لغوی تشریح: ﴿ ابواب السلم ﴾ .. سلم کے سین اور لام پر فتحہ ہے۔ بیع السلف کو ہی سلم کہتے ہیں' وزن اور معنی دونوں اعتبار سے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اہل عراق کی لغت میں سلم اور اہل حجاز کی لغت میں سلف کہتے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی' ج:۲' ص:۲۷۰) اور جزری نے النھایۃ میں کہا ہے کہ بیع سلم یہ ہے کہ سونے یا چاندی یا مروجہ سکہ کے بدلے میں پیشگی قیمت دیکر ایک معلوم و متعین مدت تک چیز لینے کا سودا طے کرنا۔ بالفاظ دیگر گویا تو نے صاحب مال کو قیمت سپرد کر دی اور بیع سلم کر لی۔ صاحب تحفۃ الاحوذی کہتے ہیں کہ جو قیمت جلدی ادا کر دی جائے وہ "راس المال" کہلاتی ہے۔ یعنی مقررہ وقت پر سپرد کرنا اور جو چیز موجل فروخت کی جائے اسے مسلم فیہ کہتے ہیں۔ اور قیمت ادا کرنے والے کو "رب السلم" اور جسے وہ چیز فروخت کی جائے اسے "مسلم الیہ" (جس کے سپرد کی گئی) کہتے ہیں اور قیاس اس عقد کے جواز سے انکاری ہے' کیونکہ یہ صورت بھی اس ضمن میں آجاتی ہے کہ جس کے پاس مال موجود نہ ہو اور وہ اسے فروخت کرے' مگر اسے صحیح احادیث وارد ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے سورۃ البقرۃ کی آیت المداینۃ (جس میں لین دین کا مسئلہ بیان ہوا ہے) بھی اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور ﴿ رھن ﴾ میں "راء" پر فتحہ اور "ھاء" ساکن۔ قرض کے بدلہ میں کوئی مال دستاویز کی بنا پر دینا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ (مثلاً) آپ کسی آدمی سے قرض حاصل کرتے ہیں اور اس قرض کے بدلہ میں کوئی چیز اس کے پاس رکھ دیتے ہیں' تاکہ اسے اعتماد و بھروسہ رہے کہ آپ اس کا قرض ادا کر دیں گے۔ پس جونہی آپ اس کا قرض ادا کریں گے آپ کی رکھی ہوئی چیز آپ کی طرف پلٹ آئے گی۔ اس عمل کو "رھن" کہتے ہیں اور آپ "راھن" کہلائیں گے۔ اور جس کے پاس چیز رکھی گئی ہے اسے "مرتھن" کہیں گے اور رکھی چیز "مرھون" اور "رھین" کہلاتی ہے۔ ﴿ وھم یسلفون ﴾ یسلفون میں "یا" پر ضمہ ہے۔ اسلاف سے ماخوذ ہے۔ قیمت مال (فوری) ادا کرتے ہیں اور اس کے عوض مال تاخیر سے حاصل کرتے ہیں۔ ﴿ السنۃ والسنتین ﴾ دونوں منصوب ہیں' حرف جر کے محذوف ہونے کی وجہ سے جو دراصل الی السنۃ والسنتین ہے۔ ﴿ فی ثمر ﴾ سبل السلام میں ہے' ثمر۔ "ثا اور تا" دونوں طرح ہے اور وہ ثاء سے زیادہ عام ہے۔ ﴿ فی کیل معلوم ...... ﴾ اس میں اس بات کی دلیل ہے ماپ اور تول کر وزن کی جانے والی اشیاء کا ماپ اور وزن کر کے دینا واجب ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کے بارے میں بے خبری و جہالت خرید و فروخت کو فاسد اور خراب کرنے والی ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ میعاد کا بھی اعتبار ہے۔ جمہور کی رائے اسی جانب ہے اور وہ کہتے ہیں کہ بیع سلم کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ جبکہ شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ بیع جائز ہے۔

(۷۲۰) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبْزَى، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفَى رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالاَ: كُنَّا نُصِيبُ المَغَانِمَ مع رسول الله ﷺ وكان يَأْتِيْنَا أَنْبَاطٌ من أَنْبَاطِ الشَّامِ، فَنُسْلِفَهُم فِي الحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ، - وَفِي رِوَايَةٍ «وَالزَّيْتِ» - إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى، قِيْلَ: أَكَانَ لَهُمْ زَرْعٌ؟ قَالاَ: مَا كُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ اور عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (غزوات میں شرکت کر کے) غنیمت کا حصہ لیتے تھے اور ملک شام کے نبطی جاٹوں میں سے کچھ جاٹ ہمارے پاس آئے تھے۔ ہم ان کو گندم' جو اور منقیٰ اور ایک روایت میں زیتون بھی ہے' کی پیشگی دے کر ایک مدت مقررہ تک بیع سلم کرتے تھے۔ پوچھا گیا کہ کیا وہ خود کھیتی باڑی کرتے تھے۔ تو دونوں نے جواب دیا کہ ہم نے ان سے یہ کبھی دریافت نہیں کیا تھا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ انباط ﴾ نبط یا نبیط کی جمع ہے' وہ لوگ جو عراق اور شام کے درمیانی ریتلی اور کنکریالی جگہ پر فروکش ہوگئے تھے۔ یہ لوگ دراصل عرب تھے' مگر عجمی باشندوں کے ساتھ شامل ہوگئے تھے۔ ان کا نسب خراب ہوگیا۔ ان کی زبانیں بگڑ گئیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحب زادے "نبیط" یا "نبایوط" کی نسل سے ہونے کی وجہ سے نباط کہلائے' یا اس وجہ سے ان کو انباط کہا گیا ہے کہ یہ زمین سے پانی نکالنے کے فن میں مہارت رکھتے تھے اور بکثرت کھیتی باڑی اور زراعت پیشہ تھے۔ شمالی حجاز میں واقع معان' بترء اور عقبہ کے نواح و اطراف میں ان کی تعمیر کردہ دہشت میں مبتلا کر دینے والی بلند و بالا عمارتوں کا انکشاف ہوا ہے۔ نیز ایسے علمی اداروں اور لائبریریوں کا پتہ چلا ہے جو ان کے شاندار تہذیب یافتہ اور مہذب ہونے پر اور ان کی سلطنت کی زبردست مضبوطی اور نہایت عمدہ اور حیرت میں ڈالنے والے فنون پر دلالت کرتے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع سلم کرتے وقت جنس موجود نہ بھی ہو پھر بھی بیع درست ہے البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ اختتام مدت پر اس چیز کا دستیاب ہونا ممکن ہو' یا موجود ہو۔ ائمہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کی رائے یہی ہے' البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک معاہدہ کے آغاز سے لے کر اختتام مدت معاہدہ تک وہ چیز دستیاب رہے' اس دوران کسی موقع پر اس کا فقدان نہ ہو اور ملنا دشوار و محال نہ ہو۔ پہلے ائمہ کی رائے زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے' کیونکہ اگر ایسی شرط ضروری ہوتی تو صحابہ کرامؓ ضرور ان سے پوچھ لیتے کہ یہ چیز اب سے لے کر وقت ادائیگی تک بازار میں دستیاب رہے گی۔

راوی حدیث: ﴿ عبدالرحمان بن ابزی رضی اللہ عنہ ﴾ ابزیٰ کے ہمزہ پر فتحہ اور "با" ساکن اور "زا" پر فتحہ۔ قبیلہ خزاعہ سے تھے۔ صغار صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ قبیلہ خزاعہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ نبی ﷺ کو پایا

اور آپؐ کی امامت میں نماز ادا کی۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو خراسان پر عامل مقرر فرمایا اور کوفہ میں وفات پائی۔

(۷۲۱) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَهَا يُرِيدُ إِتْلاَفَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ تَعَالَى». رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جو شخص لوگوں کا مال (بطور قرض) لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا (قرضہ) ادا فرما دے گا اور جو شخص ان (کے) اموال ضائع کرنے کی نیت سے لے تو اللہ تعالیٰ اسے ضائع کر دے گا۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ اتلافها ﴾ اموال کو ضائع و ہلاک کرنا اور ان کو ادا نہ کرنا۔

(۷۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ فُلاناً قَدِمَ لَهُ بَزٌّ مِّنَ الشَّامِ، فَلَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ، فَأَخَذْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ بِنَسِيئَةٍ إِلَى مَيْسَرَةٍ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَامْتَنَعَ. أَخْرَجَهُ الحَاكِمُ والبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا "یارسول اللہ (ﷺ)! فلاں صاحب کا شام سے کپڑا آیا ہے۔ آپؐ بھی کسی کو بھیج کر دو کپڑے کشادگی تک ادھار خرید لیں۔ آپؐ نے اس کی طرف ایک آدمی کو بھیجا) مگر اس نے (ادھار دینے سے) انکار کر دیا۔ (اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ بز ﴾ "باء" پر فتحہ اور "زاء" پر تشدید۔ کپڑا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿ میسرة ﴾ سین پر فتحہ اور ضمہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ فراخی' کشادگی' وسعت' تونگری و مالداری۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے چیز کا ادھار خریدنا جائز ہے۔ اس کپڑے بیچنے والے نے حضور ﷺ کو دینے سے انکار غالباً ذاتی عداوت و عناد کی وجہ سے کیا تھا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ وہ یہودی تھا' آپؐ کی ذات اقدس سے اسے دشمنی تھی' اس لئے اس نے انکار کیا تھا۔

(۷۲۳) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوناً، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ». رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "رہن رکھے ہوئے جانور پر (اس پر اٹھنے والے) مصارف و اخراجات کے بدلے سواری کی جا سکتی ہے۔ اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ (اس پر اٹھنے والے) مصارف کے بدلے پیا جا سکتا ہے' جبکہ وہ رہن ہو اور جو آدمی سواری کرتا ہے

اور دودھ پیتا ہے۔ اس کے اخراجات کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔'' (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ الظهر ﴾ ظهر بمعنی پشت' کمر' پیٹھ۔ چوپایہ کی پشت اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مضبوط اور طاقتور اونٹ ہے ﴿ یرکب ﴾ صیغۂ مجہول۔ خبر ہے امر کے معنی میں اور اسی طرح ﴿ یشرب ﴾ کا معاملہ ہے۔ یعنی صیغۂ مجہول ہے اور یہ خبر ہے امر کے معنی میں ﴿ لبن الدر ﴾ در کے دال پر فتحہ اور ''را'' پر تشدید۔ مصدر ہے' دارۃ کے معنی میں۔ دودھ والی ﴿ بنفقته ﴾ اس پر اٹھنے والے اخراجات کے بدلہ میں۔ سوار ہونے اور پینے والے سے مراد ہے جس کے پاس رھن رکھی گئی ہے۔ کیونکہ رھن رکھنے والا تو بر بنائے ملکیت ان پر سوار ہو سکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر ''بنفقته'' کہنے کا کیا مطلب۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب مرھونہ کی دیکھ بھال اور حفاظت کی ذمہ داری مرتھن پر ہے تو اس کے لیے اس سے انتفاع بھی جائز ہے خواہ اس چیز یا جانور کا مالک اس کی اجازت نہ دے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق رحمہ اللہ وغیرہما کی یہی رائے ہے۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں جس کے پاس چیز رھن رکھی گئی ہے وہ اس پر اٹھنے والے اخراجات کے بقدر اس کے دودھ اور سواری سے فائدہ لے سکتا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور نہ اخراجات سے زیادہ فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ مرھونہ چیز سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں' بلکہ سارے فوائد رھن رکھنے والا اٹھا سکتا ہے۔ اس پر جو مشقت و محنت اور مصارف ہوں گے' وہ بھی اس کے ذمہ ہوں گے' مگر یہ حدیث جمہور کے خلاف حجت ہے۔

(٧٢٤) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي رَهَنَهُ، لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالحَاكِمُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلاَّ أَنَّ المَحْفُوظَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَغَيْرِهِ إِرْسَالُهُ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مرھونہ (گروی شدہ) چیز اس کے مالک کیلئے روکی اور بند نہیں کی جائے گی۔ اس کا فائدہ بھی اسی کیلئے ہے اور تاوان کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔'' (اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے' اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابوداؤد وغیرہ کے نزدیک اس کا مرسل ہونا محفوظ ہے)

لغوی تشریح: ﴿ لایغلق ﴾ باب سمع یسمع سے ہے۔ صیغۂ معروف ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ مرھونہ چیز روکنے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ راھن (رہن رکھنے والا) کی ملکیت سے نکل جائے اور مرتھن (جس کے پاس رہن رکھی گئی ہو) کا اس پر قبضہ ہو جائے' اس وجہ سے کہ جو چیز اس نے قرض لی ہے وہ ادا نہ کر سکے اور وقت مقرر پر اسے چھڑا نہ سکے۔ یہ اہل عرب کی عادت تھی۔ نبی ﷺ نے اس سے

ان کو منع فرما دیا۔ ﴿ لہ غنمہ ﴾ غین پر ضمہ اور نون ساکن۔ اس کا فائدہ اور اس میں زیادتی اسی کا حق ہے۔ ﴿ وعلیہ غرمہ ﴾ غرمہ میں غین پر ضمہ اور راء ساکن۔ اس جانور کی ہلاکت اور اس چیز کا خرچ ہو جانا دونوں کی ذمہ داری بھی اسی کی ہے۔ اس حدیث سے جمہور نے یہ استدلال کیا ہے کہ مرھونہ چیز سے کسی قسم کا انتفاع مطلقاً جائز نہیں۔ لیکن اس حدیث کو سند کے اعتبار سے حجت قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ معناً اس سے استدلال صحیح ہے۔

(۷۲۵) وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْراً، فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ إِبِلٌ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ، فَأَمَرَ أَبَا رَافِعٍ أَنْ يَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ، فَقَالَ: «لَا أَجِدُ إِلَّا خِيَاراً رَبَاعِيًّا»، قَالَ: «أَعْطِهِ إِيَّاهُ، فَإِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے جوان اونٹ قرض لیا' پھر آپؐ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپؐ نے ابورافع کو حکم دیا کہ اس شخص کو جوان اونٹ ادا کر دیا جائے۔ میں نے عرض کیا اس سے بہتر سات سالہ اونٹ موجود ہے۔ فرمایا "یہی اسے دے دو' کیونکہ بہترین آدمی وہ ہے جو ادائیگی میں سب سے اچھا ہو۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ استسلف ﴾ قرض لیا اور ادھار لیا۔ ﴿ بکرا ﴾ "باء" پر فتحہ اور کاف ساکن۔ نوجوان اونٹ۔ ﴿ یقضی ﴾ اس آدمی کو اس کا اونٹ ادا کر دے۔ ﴿ خیارا ﴾ "خاء" کے نیچے کسرہ۔ عمدہ' اچھی' خیار چیز' جو بہتر اور افضل۔ ﴿ رباعیا ﴾ "را" پر فتحہ اور "یا" مخفف۔ سامنے کے ثنیہ اور کچلیوں کے درمیان دانتوں والا اونٹ۔ یعنی وہ اونٹ جو ساتویں سال میں قدم رکھ چکا ہو اور اس کے رباعی دانت گر چکے ہوں۔ یہ بہترین اور عمدہ اونٹ شمار ہوتا تھا اور جوان سے اچھا اور عمدہ سمجھا جاتا تھا۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مقروض انسان اگر خود بخود اپنی آزاد رضامندی سے ادائیگی قرض کے وقت واجب الادا قرض سے مقدار میں زیادہ یا بہتر اور عمدہ ادا کرے تو یہ جائز ہے۔ اگر قرض خواہ قرض دیتے وقت یہ شرط طے کرے کہ ادائیگی کے موقع پر میں تجھ سے اتنا مزید لوں گا' یا یہ کہے کہ قرض میں زیادہ عمدہ اور بہتر چیز لوں گا تو یہ سود شمار کیا جاتا ہے اور سود ہر صورت میں حرام ہے۔

(۷۲۶) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِباً». رَوَاهُ الحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ، وَإِسْنَادُهُ سَاقِطٌ. وَلَهُ شَاهِدٌ ضَعِيفٌ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر وہ قرض جو منافع کھینچ لائے پس وہ سود ہے۔" (اسے حارث بن ابی اسامہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ساقط الاعتبار (ضعیف ہے) اور اس کا کمزور شاہد بیہقی کے ہاں فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور بخاری

عُبَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ، وَآخَرُ مَوْقُوفٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ.

میں ایک اور موقوف حدیث عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اسناده ساقط ﴾ ساقط ضعیف کے معنی میں مستعمل ہے ایسی ضعیف کہ قابل احتجاج نہیں' اس لئے کہ اس کی سند میں سوار بن مصعب ہمدانی تھے جو نابینا موذن تھے اور وہ متروک راوی شمار کئے گئے ہیں۔

٦ - بَابُ التَّفْلِيسِ وَالحَجْرِ مفلس قرار دینے اور تصرف روکنے کا بیان

(٧٢٧) عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «**مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ”جو شخص مفلس کے پاس اپنی چیز بعینہ اسی حالت میں پائے تو وہ اس کا دوسرے کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَمَالِكٌ مِّنْ رِوَايَةِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُرْسَلاً، بِلَفْظِ: أَيُّمَا رَجُلٍ بَاعَ مَتَاعاً، فَأَفْلَسَ الَّذِي ابْتَاعَهُ، وَلَمْ يَقْبِضِ الَّذِي بَاعَهُ مِنْ ثَمَنِهِ شَيْئاً، فَوَجَدَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ، وَإِنْ مَاتَ الْمُشْتَرِيْ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أُسْوَةُ الغُرَمَاءِ. وَوَصَلَهُ الْبَيْهَقِيُّ. وَضَعَّفَهُ تَبعاً لأَبِي دَاوُدَ.

ابوداؤد اور مالک نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے ان الفاظ کے ساتھ مرسل روایت بیان کی ہے کہ ”کوئی آدمی اگر کوئی چیز بیچے اور خریدنے والا مفلس ہو جائے اور بیچنے والے کو اس کی قیمت میں سے ابھی کچھ بھی نہیں ملا تو (اس صورت میں) اگر وہ بعینہ اپنا مال پا لیتا ہے تو وہ اس مال کا زیادہ حقدار ہے اور اگر خریدار مر جائے تو پھر صاحب مال دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے۔

(بیہقی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور ابوداؤد کی اتباع میں اسے ضعیف کہا ہے)

وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ مِنْ رِوَايَةِ عُمَرَ بْنِ خَلْدَةَ، قَالَ: أَتَيْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي صَاحِبٍ لَّنَا قَدْ أَفْلَسَ، فَقَالَ: لأَقْضِيَنَّ فِيكُمْ بِقَضَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: مَنْ أَفْلَسَ أَوْ مَاتَ، فَوَجَدَ رَجُلٌ مَّتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ. وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَضَعَّفَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَضَعَّفَ أَيْضاً هٰذِهِ الزِّيَادَةَ فِي ذِكْرِ المَوْتِ.	ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اسے عمر بن خلدة کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ہم اپنے ایک ساتھی کے لئے جو مفلس ہو گیا تھا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے معاملے میں رسول اللہ ﷺ والا ہی فیصلہ کروں گا (اور وہ یہ تھا کہ) جو کوئی مفلس ہو جائے یا مرجائے اور کوئی آدمی اس کے پاس اپنی چیز بعینہ پالے تو وہ ہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ (حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوداؤد نے ضعیف کہا ہے اور اسی طرح ابوداؤد نے اس زیادتی کو جو موت کے ذکر میں ہے' ضعیف کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ باب التفليس و الحجر ﴾ "تفلیس" کہتے ہیں کہ قاضی کا کسی کو مفلس قرار دینے کی منادی کرنا' تشہیر کرنا۔ اور "مفلس" کہتے ہیں جس کے پاس پیسے نہ ہوں۔ "والحجر" "حاء" پر تینوں حرکات جائز ہیں۔ معنی ہے روکنا۔ وہ اس طرح کہ حاکم مقروض کو اس کے اپنے مال میں تصرف سے منع کر دے۔ ﴿ بعينه ﴾ ہو بہو۔ اس کا کوئی وصف تبدیل نہ ہوا ہو۔ تصرفات شرعیہ کی رو سے وہ چیز نہ تو معنوی طور پر ہلاک ہوئی ہو اور نہ حسی طور پر۔ ﴿ افلس ﴾ کنگال ہو گیا۔ ایسا شخص جس کے پاس بشمول راس المال کچھ بھی باقی نہ بچے' جیسے کہتے ہیں افلس فلان۔ فلاں مفلس ہو گیا' یعنی اس کا مال باقی نہیں رہا' قلاش ہو گیا یا ایسی حالت میں پہنچ گیا کہ اب اس کے پاس کوئی پیسہ نہیں۔ ﴿ فهو احق به ﴾ وہ شخص جس کا درحقیقت مال ہے' وہی اس مال کا زیادہ حقدار ہے۔ ﴿ من غيره ﴾ دوسرے سے' خواہ کوئی ہو۔ اس کا وارث ہو یا قرضدار و قرض خواہ ہو۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے' البتہ حنفیہ نے اس رائے کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو چیز مفلس کے ہاتھ میں باقی ہے اس کا دوسرے کی بہ نسبت یہ زیادہ استحقاق نہیں رکھتا' یہ بھی دوسرے قرض خواہوں کی طرح ہے۔ یہ حضرات اس پر ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے جو فائدہ مند ہو' بجز قیاس معکوس کے' جو نص صریح کے مقابلہ میں ہے۔ صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ "بعینہ" کے قول کا یہ فائدہ ہے کہ جب قرض دینے والا یا فروخت کرنے والا جب اپنی چیز اسی حالت میں نہ پائے جس حالت میں اس نے دی تھی اور اب اس میں کوئی صفت تبدیل ہو چکی ہو' یا اس میں کمی بیشی واقع ہو گئی ہو تو پھر اس صورت میں یہ صاحب ہی اس کا استحقاق نہیں رکھتے' بلکہ پھر سارے قرض خواہ میں مساوی ہوں گے۔ یعنی فروخت کر کے حصہ بقدر حصہ کے حساب سے تقسیم کی جائے گی۔ ﴿ ولم يقبض الذي باعه من ثمنه شيئا ...... ﴾ اس میں اس بات کی دلیل ہے جس کی طرف جمہور گئے ہیں کہ جب خریدار فروخت کنندہ کو کچھ رقم ادا کر دے تو پھر صرف یہی فروخت کرنے والا اس رقم کا حق دار

نہیں ہوگا جو خریدار نے ادا کر دی ہے' بلکہ اس میں سارے قرض خواہ برابر کے شریک ہوں گے۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی فروخت کنندہ ہی زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ یہ قول ان کا نیل الاوطار میں مذکور ہے۔ ﴿ وان مات المشتری فصاحب المتاع اسوۃ الغرما ﴾ اگر خریدار فوت ہو جائے تو سامان کا مالک قرض خواہوں کے مساوی ہے۔ "غرماء" غین پر ضمہ اور "راء" پر فتحہ' غریم کی جمع ہے۔ قرض خواہ' یعنی وہ شخص جس کا دوسرے پر قرض ہو ﴿ واسوۃ ﴾ ھمزہ پر ضمہ اور کسرہ دونوں طرح۔ یعنی وہ شخص اب سب کیلئے یکساں مساوی ہے' یعنی ان سے جس طرح ایک آدمی لے گا تو دوسرے بھی اسی طرح وصول کریں گے اور جس طرح ایک محروم رہے گا' اسی طرح دوسرے بھی محروم رہیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ افلاس اور موت میں فرق ہے۔ یہ رائے امام احمد رحمہ اللہ و امام مالک رحمہ اللہ کی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ موت اور افلاس دونوں میں کوئی فرق نہیں اور مال کا اصل مالک ہی دونوں صورتوں میں زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے سے استدلال کیا جسے عمر بن خلدہ نے روایت کیا ہے' مگر وہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ مصنف نے ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ ﴿ ووصلہ البیھقی و ضعفہ تبعا لابی داود ﴾ اور بیھقی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور ابوداؤد کی اتباع میں اسے ضعیف کہا ہے۔ اس عبارت سے بسا اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ ابوداؤد نے اسے موصول روایت نہیں کیا اور صرف بیھقی نے ہی موصول روایت کیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ ابوداؤد نے مرسل اور موصول دونوں طرح بیان کیا ہے اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ مالک کی روایت صحیح ترین ہے۔ حالانکہ مالک کی روایت مرسل ہے۔ پس اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کا موصول ہونا ضعیف ہے۔ رہی روایت عمر بن خلدہ کی جسے مصنف نے ابوداؤد کے حوالہ سے ضعیف نقل کیا ہے۔ تو صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ میں نے سنن ابی داؤد کی مراجعت کی مگر مجھے عمر بن خلدہ کی روایت کی تضعیف نہیں ملی۔ مگر صاحب عون المعبود نے کہا ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ابوداؤد نے کہا کون ہے جو اسے پکڑتا ہے' حاصل کرتا ہے؟ ابو المعتمر کون ہے؟ یہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے نہیں جانتے۔ یہ عبارت اکثر نسخوں میں پائی گئی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب سبل السلام کو وہ نسخہ دستیاب نہیں ہوا جس میں یہ عبارت ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے مصنف رحمہ اللہ پر ابوداؤد کی اس روایت کو ضعیف قرار دینے کے خلاف انکار کیا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی قسم کا مال خریدے اور اس کی رقم اس پر قرض ہو۔ اس کے بعد وہ مفلس و قلاش ہو جائے اور ادائیگی قرض کیلئے اس کے پاس کچھ بھی نہ بچے۔ اس صورت میں اس مال کے فروخت کرنے والے کو حق پہنچتا ہے کہ اگر اس کی فروخت کردہ چیز بعینہ موجود ہے تو وہ اسے بلا تردد حاصل کر لے۔ معاہدۂ بیع کو فسخ کر دے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے' لیکن احناف کے نزدیک وہ تنہا اس مال کو نہیں لے سکتا' بلکہ وہ بھی عام قرض خواہوں کی طرح کا ایک قرض خواہ ہے۔ جس تناسب سے دوسرے قرض خواہوں کو قرضہ کی واپسی ہوگی اسے بھی اسی

تناسب سے قرض واپس ہوگا۔ لیکن یہ حدیث کے خلاف ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی مرسل حدیث جسے انہوں نے موصول بیان کیا ہے اس میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے' جسے ضعیف قرار دیا گیا ہے مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر اسماعیل شامیوں سے روایت کرتا ہے تو وہ درست ہے اور اس حدیث میں اس نے حارث زبیدی شامی سے روایت کیا ہے۔ تاہم امام ابوداؤد نے مرسل کو ہی اصح اور عمر بن خلدہ کی روایت میں ابوالمعتمر کو امام ابوداؤد' طحاوی اور ابن منذر نے مجہول کہا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے اس سے صرف ابن ابی ذئب ہی روایت کرنے والا ذکر کیا ہے۔ اسی لئے امام ابوداؤد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (التلخیص)

راوی حدیث : ﴿ ابوبکر بن عبدالرحمان ﴾ ابو بکر بن عبد الرحمان بن حارث بن ھشام بن مغیرہ مخزومی مدنی۔ مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ ان کے نام کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام محمد تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام مغیرہ تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ابوبکر اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے۔ بڑے فقیہہ' عبادت گزار اور ثقہ آدمی تھے۔ تیسرے طبقہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں وفات پائی۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت ہے۔ شعبی اور زہری وغیرہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان کی وفات کے سن میں اختلاف ہے۔ ۷۳ھ یا ۷۴ھ یا ۷۵ھ۔

﴿ عمر بن خلدۃ ﴾ ابوحفص ان کی کنیت تھی۔ مدینہ منورہ کے انصار میں سے تھے۔ قاضی کے عہدہ و منصب پر فائز رہے۔ نہایت پرہیزگار' پاک دامن و عفیف' بڑے بہادر۔ حریف کے مقابل شمشیر براں' بڑے بارعب انسان تھے۔ انہوں نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سے ربیعہ الرای نے اور خلدہ کے "خا" پر فتحہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ان کے دادا ہیں اور ان کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے۔

(۷۲۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت عمرو بن شرید نے اپنے باپ شرید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مالدار آدمی کا ادائیگی قرض میں ٹال مٹول کرنا' اس کی بے عزتی اور سزا دینے کو حلال کرنا ہے۔" (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے تعلیق کے طور پر نقل کیا ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح : ﴿ لی الواجد ﴾ لی کے "لام" پر فتحہ اور "یا" پر تشدید۔ ٹال مٹول' لیت و لعل' بغیر کسی عذر و رکاوٹ کے واجب الادا قرض کی رقم کو ادا کرنے سے گریز کرنا۔ "الواجد" مالدار آدمی' صاحب

ثروت انسان۔ ﴿ یحل عرضہ ﴾ یحل میں "یا" پر ضمہ۔ مضارع کا صیغہ ہے۔ یعنی قرض دینے والے کیلئے ایسی صورت میں سخت کلامی اور درشتی سے پیش آنا جائز ہے اور اس کی بے عزتی اور رسوائی کرنا درست ہے۔ ﴿ عقوبتہ ' ﴾ سزا' بایں صورت کہ اسے قید کر دیا جائے۔ محبوس کر دیا جائے' یا بایں صورت کہ قاضی اس کا مال و متاع فروخت کر کے اس پر واجب الادا قرض ادا کر دے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مال دار اور صاحب ثروت آدمی محض اپنی خساست طبع کی وجہ سے ادائیگی' قرض میں حیلے بہانے' ٹال مٹول اور لیت و لعل کرے' جبکہ وہ آسانی سے قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں ہو تو ایسے آدمی کو قرض خواہ زبانی کلامی بے عزت بھی کر سکتا ہے اور بذریعہ عدالت اسے سزا دلوانے کا بھی مجاز ہے۔ جمہور علماء نے تو صرف دس درہم تک کی مالیت یا مقدار کی مساوی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والے شخص کو فاسق اور مردود الشہادۃ قرار دیا ہے۔ (سبل)

راوی حدیث: ﴿ عمرو ﴾ ان کی کنیت ابوالولید عمرو بن شرید (شین پر فتحہ "راء" پر کسرہ) بن سوید۔ طائف کے قبیلہ ثقیف سے تھے' اسی لئے ثقفی طائفی کہلائے۔ ثقہ تابعی ہیں۔ تیسرے طبقہ سے ہیں۔

﴿ شرید رضی اللہ عنہ ﴾ شرید بن سوید ثقفی۔ ان کا نام مالک تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام شرید رکھا۔ اس وجہ سے یہ نام رکھا کہ وہ اپنی قوم کا ایک فرد قتل کر کے مکہ میں آگئے تھے اور پھر اسلام قبول کر لیا۔ (تلقیح لابن الجوزی) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق حضر موت سے تھا اور اس کا شمار قبیلہ ثقیف میں تھا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انہیں اہل طائف میں شمار کیا جاتا تھا۔

(٧٢٩) وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: أُصِيْبَ رَجُلٌ فِيْ عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا، فَكَثُرَ دَيْنُهُ، فَأَفْلَسَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ»، فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِغُرَمَائِهِ: «خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلاَّ ذٰلِكَ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک آدمی کو پھلوں کی تجارت میں (کافی) نقصان ہوا جس وجہ سے اس پر قرض کا بار بہت زیادہ ہوگیا حتیٰ کہ کنگال ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس پر صدقہ کرو۔" لوگوں نے اس پر صدقہ کیا' مگر وہ صدقہ اتنا نہیں تھا کہ قرض پورا ادا ہو جاتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا (یہی کچھ ہے) جو کچھ ملتا ہے لے لو۔ اس کے علاوہ تمہارے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ لیس لکم الا ذالک ﴾ اس عبارت سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے کہ صدقہ کا حکم جو قرض کی ادائیگی کیلئے آپؐ نے فرمایا تھا' وہ علی وجہ الاستحباب تھا' جب پھل کسی آفت کی زد میں آکر برباد ہو جائیں تو ایسی صورت میں فروخت کنندہ کے مال سے وضع کیا جائے گا' خریدار کے مال سے نہیں۔ جیسا کہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو وضع الجائحۃ کے تحت پہلے گزر چکی ہے' میں بیان ہو چکا ہے۔ البتہ قرض' قرضدار کے حالات کے ناموافق و ناسازگار ہونے کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہو گا۔ فی الحال اس سے ادائیگی کا تقاضا و مطالبہ مؤخر کر دیا جائے گا۔

(۷۳۰) وَعَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَجَرَ عَلَى مُعَاذٍ مَالَهُ، وَبَاعَهُ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلَيْهِ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ مُرْسَلاً، وَرَجَّحَ إِرْسَالَهُ.

حضرت ابن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے مال میں تصرف سے روک دیا تھا اور اس کا مال اس قرض کی رقم کے عوض میں فروخت کر دیا جو اس کے ذمہ تھی۔ (اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابوداؤد نے اسے مرسل روایت کیا ہے اور اس کے مرسل ہونے کو قابل ترجیح ٹھہرایا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ حجر علی معاذ مالہ ﴾ اسے اپنے مال میں تصرف سے روک دیا۔ یہ ۹ھ کی بات ہے۔ اس کے بعد ان کو یمن کی طرف بھیج دیا تھا کہ اپنے مال کا نقصان پورا کر لے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس آدمی پر قرض کا بار گراں آن پڑے اسے سربراہ ریاست' یا اس کا نمائندہ اس کے اپنے مال میں تصرف سے روک سکتا ہے' تاکہ قرض داروں کا قرض ادا کیا جا سکے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص پر اس کے مال سے زیادہ قرض ہو اس کا یہی حکم ہے کہ اسے مالی تصرف کے حقوق سے عارضی طور پر معطل کر دیا جائے اور سرکاری اہلکار اس کا مال خود فروخت کر کے قرض خواہوں کو ادائیگی کر دے۔ ایسا نہ کرے گا تو اثر و رسوخ والا آدمی اس کا مال غصب کر لے گا۔ خود اسے (یعنی مالک مال) اور دوسرے قرض خواہوں کو محروم کر دے گا۔ جو باہمی دشمنی اور رقابت کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔

راوی حدیث: ﴿ ابن کعب ﴾ ابوالخطاب ان کی کنیت ہے۔ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک انصاری ان کا نام ہے۔ مدینہ کے باشندے تھے۔ کبار تابعین میں سے تھے اور ثقہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ عہد نبویؐ میں پیدا ہوئے اور سلیمان بن عبدالملک کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

﴿ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ﴾ کعب بن مالک بن ابی کعب انصار کے قبیلہ سلیم سے تھے۔ مدینہ کے باشندے' اور شاعر تھے۔ ان شعراء میں سے ایک تھے جنہیں شعراء نبوی کے معزز و مکرم خطاب سے نوازا گیا ہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔ بدر و تبوک کے ماسوا باقی تمام غزوات میں شریک رہے۔ یہ بزرگ ان تین معزز بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی توبہ دربار الٰہی میں قبولیت کے شرف سے مشرف ہوئی تھی۔ ایک قول کے مطابق ۵۰ھ میں اور ایک قول کے

مطابق ۱۵۱ھ میں ستتر برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس وقت یہ بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔

(۷۳۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: عُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ، وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَلَمْ يُجِزْنِي، وَعُرِضْتُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَأَجَازَنِي. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ: فَلَمْ يُجِزْنِي وَلَمْ يَرَنِي بَلَغْتُ». وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مجھے احد کے روز نبی ﷺ کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس وقت میری عمر چودہ برس تھی۔ آپؐ نے مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ پھر خندق کے روز مجھے آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت میری عمر پندرہ برس تھی تو آپؐ نے مجھے شرکت کی اجازت دے دی۔ (بخاری و مسلم)

اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے مجھے اجازت نہ دی اور مجھے بالغ نہیں سمجھا۔ (ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے)۔

لغوی تشریح: ﴿عرضت﴾ صیغہ مجہول۔ لڑائی کی جانب جانے کیلئے پیش کیا گیا۔ ﴿لم یجزنی﴾ اجازة سے ماخوذ ہے' یعنی مجھے لڑائی اور خرید و فروخت کرنے کے قابل نہیں سمجھا اور مجھے جنگجو اور مقاتلین کیلئے جو واجب حکم ہے میں شامل نہیں فرمایا اور نہ اپنے ساتھ نکلنے کیلئے جو حکم صادر فرمایا تھا اس میں شمار کیا اور ایک قول کے مطابق اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپؐ نے میرے لیے انعام نہیں لکھا۔ جائزہ کا معنی مجاہدین و غازیوں کا رزق و انعام ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے تصرفات کی عمر پندرہ سال میں شروع ہو جاتی ہے' جسے قابل قبول اور قابل تسلیم سمجھا گیا ہے۔ مصنف بھی اس حدیث کو اس باب میں اسی لئے لائے ہیں کہ خرید و فروخت کس عمر کی قابل اعتبار ہے۔ گویا پندرہ سال سے پہلے بچہ اور پندرہ سال کا جوان' مردوں کے حکم میں آجاتا ہے۔ اس حدیث سے نوجوانوں کا شوق جہاد ملاحظہ ہو۔ آگے بڑھ کر خود اپنے آپ کو خدمت جہاد کیلئے پیش کرتا ہے۔ پہلی بار ناکامی کے بعد اگلے سال پھر قسمت آزمائی کرتا ہے اور اپنے عزم و ارادے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا فوج میں بھرتی کیلئے اس سے کم عمر والوں کو نہیں لینا چاہئے۔ اس سے یہ اصول بھی نکلا کہ فوج کی بھرتی کیلئے پہلے جسمانی ٹسٹ لینا چاہئے' اگر فٹ نہ ہو تو واپس بھیج دیا جائے۔

(۷۳۲) وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَومَ قُرَيْظَةَ، فَكَانَ مَنْ أَنْبَتَ قُتِلَ، وَمَنْ لَّمْ يُنْبِتْ خَلَّى

حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو قریظہ سے جنگ کے موقع پر ہمیں نبی ﷺ کے روبرو پیش کیا گیا' جس کے زیر ناف بال اگے ہوتے تھے' اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے نہیں اگے تھے اسے چھوڑ

سَبِيْلَهُ، فَكُنْتُ مِمَّنْ لَمْ يُنْبِتْ، فَخَلَّى سَبِيْلِي. رَوَاهُ الأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

دیا گیا۔ میں بھی ان میں سے تھا جس کے بال نہیں اگے تھے' لہٰذا مجھے بھی چھوڑ دیا گیا۔ (اسے چاروں نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ یوم قریظہ ﴾ ۵ھ ذی قعدہ میں غزوۂ احزاب کے فوراً بعد یہ غزوہ واقع ہوا۔ اس غزوۂ کے برپا ہونے کا سبب غزوۂ خندق کے ایام میں بنو قریظہ کی عہد شکنی اور غداری تھی اور مسلمانوں سے طے شدہ معاہدہ کو پس پشت پھینک کر عہد شکنی کا ارتکاب تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کو توڑ دیا۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین سے خفیہ اجلاسوں میں مشورے کئے۔ اس غزوۂ کی انتہا بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم تسلیم کرنے پر ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو انہوں نے اس خیال کے پیش نظر تسلیم کیا تھا کہ وہ ان سے رحم و کرم کا معاملہ کریں گے' کیونکہ بنو قریظہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قبیلہ اوس کے درمیان زمانہ قدیم سے حلیفانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فیصل تسلیم کر لیا تو انہوں نے ان کے قابل جنگ مردوں کو قتل کرنے اور ان کی عورتوں کو اور ان کے بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنانے کا فیصلہ کیا تو ان کی یہ سزا مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں اور مشوروں اور غداری کے عین مطابق تھی۔ لہٰذا جو بالغ تھا اسے قتل کر دیا گیا اور جو نابالغ بچہ تھا' اسے چھوڑ دیا گیا اور جس کے بارے میں بالغ اور نابالغ ہونے میں شک ہوتا' اسے برہنہ کر کے ملاحظہ کیا جاتا' جس کے زیر ناف بال اگے ہوتے' بغلوں میں بال اگے ہوتے اور شرم گاہ کے اردگرد بال اگے ہوتے اسے قتل کر دیا جاتا ﴿ خلی سبیلہ ﴾ اس کا راستہ کھلا چھوڑ دیا جاتا' یعنی اسے قتل نہ کیا جاتا' بلکہ چھوڑ دیا جاتا۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ بالوں کا اگنا بلوغت کی نشانی ہے اور جس کے یہ بال نکل آئیں ان پر احکام شرعیہ نافذ ہوں گے اور اس پر تقریباً اجماع ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق رحمہ اللہ نے بالغ ہونے کی تین نشانیاں بتائی ہیں۔ عمر پندرہ سال یا احتلام۔ اگر عمر کا تعین نہ ہو سکے اور احتلام کا بھی پتہ نہ چل سکے تو پھر زیر ناف بالوں کی موجودگی بلوغت کی علامت ہے۔

راوی حدیث: ﴿ عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ ﴾ قرظی کے "قاف" پر ضمہ "را" پر فتحہ۔ بنو قریظہ کی طرف نسبت کی وجہ سے قرظی کہلائے۔ صغیر صحابی ہیں۔ ان سے ایک ہی حدیث مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ میں ان کے والد کے نام سے واقف نہ ہو سکا۔ ان سے مجاہد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(۷۳۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لاَ يَجُوزُ لاَمْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ إِلاَّ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کسی عورت کا اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر

بِإِذْنِ زَوْجِهَا» . عطیہ دینا جائز نہیں" اور ایک روایت میں ہے کہ
وفي لفظ: لاَ يَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَمْرٌ فِي مَالِهَا، إِذَا مَلَكَ زَوْجُهَا عِصْمَتَهَا . رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَصْحَابُ السُّنَنِ، إِلاَّ التِّرمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

"کسی عورت کو اپنے ذاتی مال میں کوئی معاملہ کرنے کا اختیار نہیں جب اس کا شوہر اس کی عصمت کا مالک ہو۔" (اسے احمد اور اصحاب سنن نے (ترمذی کے علاوہ) روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ لا يجوز لامراة عطية ﴾ کہ عورت کو عطیہ دینا جائز نہیں۔ امام خطابی نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اکثر علماء نے حسن معاشرت پر اور باہم ایک دوسرے کے دل کو پاک صاف رکھنے پر محمول کیا ہے کہ اس طرح رہن سہن میں اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ یا اس سے غیر سنجیدہ' بے سلیقہ' رشد و ہدایت سے عاری خاتون مراد ہے' جسے اپنے نفع و نقصان کا چنداں شعور نہ ہو۔ ورنہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ؐ نے عید کے مجمع میں عورتوں کو "تصدقن" فرما کر صدقہ کی ترغیب دلائی' جس کے نتیجہ میں عورتوں نے اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جانب پھینک دیں اور انہوں نے اپنی چادر میں جمع کر لیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عطیات جو اس موقع پر عورتوں نے دیئے وہ شوہروں کی اجازت کے بغیر ہی دیئے۔ (ملخصاً) ﴿ لا يجوز لامراة امر في مالها ﴾ یعنی اس کے قبضہ میں خاوند کا جو مال ہے اس میں سے خرچ کرنے کا اسے اختیار حاصل نہیں اور عورت کی طرف مال کی نسبت مجازاً ہے' کیونکہ اس کے تصرف میں دیا گیا ہے۔ اس صورت میں نہی تحریمی ہے۔ بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ اس سے اس کا اپنا ذاتی مال مراد ہے اس صورت میں یہ ممانعت ان کی ناقصات العقل ہونے کی بنا پر ہے۔ لہٰذا اس کیلئے مناسب نہیں کہ اپنے خاوند سے مشورہ کئے بغیر اسے خرچ کرے۔ یہ حکم ادباً اور استحباباً ہے اور یہ ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے۔ (عون المعبود' ج: ۳' ص: ۳۱۷)

حاصل کلام: اس حدیث سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے ذاتی اثاثہ میں اپنے شوہر کی اجازت و رضامندی کے بغیر کسی قسم کا تصرف کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ مشہور تابعی حضرت طاؤس رحمہ اللہ اسی حدیث کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ کوئی عورت اپنے ذاتی مال میں بھی شوہر کی اجازت کے بغیر تصرف نہ کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عورت صرف ۳ / ۱ حصہ میں شوہر کی اجازت کے بغیر تصرف کر سکتی ہے' مگر باقی ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء عورت کے اس کے ذاتی مال میں تصرف کو جائز سمجھتے ہیں اور عورت کا ذاتی مال وہ ہے جو اسے مہر کی صورت میں شوہر کی طرف سے ملتا ہے۔ اسی طرح والدین کی طرف سے ملنے والا مال اور اس کی سہیلیوں اور رشتہ داروں کے دیئے ہوئے تحائف و عطیات وغیرہ۔ نیز اس کا تجارتی منافع بھی اس کا ذاتی مال ہے اس پر شوہر یا کسی اور کا کوئی حق نہیں۔ اس لئے وہ اسے اپنی مرضی سے صرف کر سکتی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں انفاق فی سبیل اللہ کا عمومی حکم اس کا مقتضی ہے۔ تاہم عورت اگر خاوند سے مشورہ کرے' یا اس سے اجازت حاصل کرے تو یہ ان کے مابین حسن

سلوک اور باہمی اعتماد میں اضافے کا باعث ہوگا جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

(٧٣٤) وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ الهِلاَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ المَسْأَلَةَ لاَ تَحِلُّ إِلاَّ لِأَحَدِ ثَلاَثَةٍ: رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً، فَحَلَّتْ لَهُ المَسْأَلَةُ، حَتَّى يُصِيبَ قَوَاماً، ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ المَسْأَلَةُ، حَتَّى يُصِيبَ قَوَاماً مِنْ عَيْشٍ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ، حَتَّى يَقُولَ ثَلاَثَةٌ مِنْ ذَوِي الحِجَى مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلاَناً فَاقَةٌ، فَحَلَّتْ لَهُ المَسْأَلَةُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بے شک تین آدمیوں میں سے کسی ایک کے سوا کسی دوسرے کیلئے سوال کرنا حلال نہیں۔ ایک وہ آدمی جس نے ضمانت کا بوجھ اٹھایا ہو۔ اس کیلئے تاوان و ضمانت کی مقدار تک سوال کرنا جائز ہے اس کے بعد سوال کرنا چھوڑ دے اور ایک وہ آدمی جسے کوئی آفت پہنچی ہو اور اس نے اس کا مال تباہ و برباد کر دیا ہو اس کیلئے سوال کرنا حلال ہے تاوقتیکہ اس کیلئے گزران کی کوئی سبیل نکل آئے اور ایک وہ آدمی جو فاقہ میں مبتلا ہو' یہاں تک کہ اس کی شہادت اس کی قوم کے تین قابل اعتماد آدمی دیں۔ اس کیلئے سوال کرنا حلال ہے۔" (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں صرف تین قسم کے آدمیوں کے لئے دست سوال دراز کرنے کی اجازت ہے اور وہ بھی محدود وقت کے لئے۔ انہی میں سے ایک ضامن ہے' وہ اگر مفلس نہ بھی ہو تب بھی اسے سوال کر کے ضمانت دی ہوئی رقم کو ادا کرنا جائز ہے اور جو شخص فاقہ میں مبتلا ہے اس کیلئے تین افراد کی گواہی کا حکم استحباب اور احتیاط کے پہلو سے ہے۔ اس کی حیثیت شرط کی نہیں کہ اس کے بغیر وہ سوال ہی نہیں کر سکتا جیسا کہ عمومی ادلہ کی بنا پر علماء نے کہا ہے۔

٧ - بَابُ الصُّلْحِ

صلح کا بیان

(٧٣٥) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ المُزَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ المُسْلِمِينَ، إِلاَّ صُلْحاً حَرَّمَ حَلاَلاً، أَوْ أَحَلَّ حَرَاماً، وَالمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ. إِلاَّ

حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر ایسی صلح جائز اور درست نہیں جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے۔ مسلمان اپنی شرائط پر قائم ہیں (ان کی تمام شرائط ٹھیک ہیں) مگر بجز اس شرط کے جن سے کوئی حلال چیز حرام ہو جائے یا حرام

شَرْطاً حَرَّمَ حَلاَلاً، أَوْ أَحَلَّ حَرَاماً». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَأَنْكَرُوا عَلَيْهِ، لِأَنَّ رَاوِيَهُ كَثِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوفٍ ضَعِيفٌ، وَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَهُ بِكَثْرَةِ طُرُقِهِ، وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ.

چیز حلال ہو جائے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور دوسرے محدثین نے ان پر انکار کیا ہے کیونکہ اس کا ایک راوی کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف ضعیف ہے۔ ایسا محسوس و معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی نے کثرت طرق کی وجہ سے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے)

لغوی تشریح: ﴿ باب الصلح ﴾ صلح کی بہت سی اقسام ہیں۔ مثلاً دو لڑنے والوں کے درمیان صلح، بیوی خاوند کے درمیان صلح اور حقوق واملاک میں نزاع کو ختم کرنے کے لئے صلح اور اس مقام پر مالی معاملات کے بارے میں صلح مراد ہے کیونکہ اسی کی یہاں خرید و فروخت کے من وجہ نسبت ہے۔ اور فقہاء کرام بھی کتاب البیوع میں اس باب کو اسی بنا پر لائے ہیں۔ ﴿ والمسلمون علی شروطھم ﴾ یعنی مسلمان اپنی شرائط پر قائم ہیں یعنی ان پر ثابت قدم ہیں ان شرطوں سے پھرتے نہیں۔ ﴿ الا شرطا حرم حلالا ﴾ مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کر دے۔ مثلاً یہ کہ کوئی یہ شرط کرے کہ مظلوم اور پریشان حال کی مدد نہ کرے۔ فقیروں اور محتاجوں کی اعانت نہ کرے ﴿ اواحل حراما ﴾ یا حرام کو حلال کرے۔ مثلاً یہ شرط کرے کہ ظالم کی مدد کرے، باغی سے تعاون کرے یا مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی شرط کرے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مسلمانوں کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ شریعت اسلامی کے احکام کے مخاطب اور مکلف مسلمان ہی ہیں۔ ورنہ جہاں تک صلح کا تعلق ہے تو وہ اہل کتاب کے دونوں گروہوں میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ بھی جائز ہے اور مشرکین اور دہریہ لوگوں کے ساتھ بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود اہل کتاب سے بھی صلح کی ہے۔ میثاق مدینہ میں یہود مدینہ کے ساتھ صلح ثابت ہے۔ نصاریٰ نجران کے ساتھ صلح ثابت ہے۔ صلح حدیبیہ میں آپ نے مشرکین مکہ سے صلح فرمائی۔ صلح کیلئے ضابطہ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صلح شریعت اسلامیہ کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو جس سے کوئی حرام چیز حلال ہو جائے یا حلال چیز حرام ہو جائے۔ حرام کو حلال کرنے والی شرط یہ ہے مثلاً ایک آدمی کہے کہ میں تمہاری حمایت میں فلاں صاحب کی بے عزتی لازماً کروں گا خواہ وہ بے قصور و بے گناہ ہی کیوں نہ ہو اور حلال کو حرام کی مثال یہ ہے کہ کوئی مسلمان کو ریشمی کپڑا اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ وہ خود اسے ضرور پہنے گا یا یوں کہے کہ میں تیری خاطر اپنی اہلیہ سے قطع تعلق کر لوں گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے سوا تینوں ائمہ کرام ہر اس صلح کو جائز قرار دیتے ہیں جو شریعت کی عائد کردہ شرائط کے مخالف نہ ہو۔ بہرحال صلح میں فریق ثانی کو مجبور کر کے صلح کرنا صحیح نہیں۔ فریقین کا رضامند ہونا ہی صلح کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اور جائز شرائط کو پورا کرنا واجب ہے۔

راوی حدیث: ﴿عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ﴾ عمرو بن عوف بن زید بن ملحہ المزنی (مزنی کے میم پر ضمہ اور زاء پر فتحہ) یہ کثیر بن عبد اللہ کے جد امجد ہیں' قدیم الاسلام تھے بدر میں حاضر ہوئے نبی ﷺ نے انہیں حرم مدینہ کا عامل مقرر کیا۔ بہت زیادہ رونے والے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں فوت ہوئے۔

﴿کثیر بن عبداللہ﴾ امام شافعی رحمہ اللہ اور ابوداؤد رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کہا ہے جھوٹے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ نسائی نے کہا کہ یہ ثقہ نہیں۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے پاس اس کے باپ عن جدہ کے حوالہ سے گھڑا ہوا نسخہ ہے۔

(٧٣٦) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لاَ يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ»، ثُمَّ يَقُوْلُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ: مَا لِيْ أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ؟ وَاللّٰهِ لأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "کوئی ہمسایہ اپنے ہمسایہ کو اپنی دیوار پر لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔" پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود کہا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں اس پر عمل پیرا ہونے سے گریز کرتے دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں تو اسے تمہارے کندھوں پر ماروں گا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿یغرز﴾ "راء" کے نیچے کسرہ۔ یغرز یضع کے معنی میں رکھے۔ ﴿مالی اراکم عنہا﴾ یعنی اس سنت سے یا اس ارشاد سے اعراض کر رہے ہو۔ یہ انہوں نے اس لئے فرمایا کہ جب یہ لوگ ان سے حدیث سنتے تو اپنے سر نیچے جھکا لیتے۔ واللہ لارمین بھا اس سنت کو یا اس ارشاد کو۔ کندھوں کے درمیان مارنے یا رکھنے سے مراد یہ ہے کہ میں اس سنت کو اعلانیہ اور کھلم کھلا عمل کرا کے چھوڑوں گا اور اس کے اعلان سے لوگوں پر حجت قائم کر کے دم لوں گا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ضمیر کا مرجع خشبۃ ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ میں یہ لکڑی تمہارے کندھوں کے درمیان ماروں گا اور یہ کنایہ ہے کہ میں اس سنت کو باوجود ناپسندیدگی کے زبردستی نافذ کر کے رہوں گا۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ طیبہ کے امیر تھے اور امیر کیلئے لازم ہے کہ وہ احکام شرعیہ کو نافذ کرے۔ علامہ الیمانی نے کہا ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تھے بلکہ عام لوگ تھے جو احکام شرعیہ سے واقف نہ تھے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ہمسایہ کے ہمسایہ پر حقوق کی نشان دہی ہوتی ہے کہ تعمیرات کے موقع پر ایک دوسرے سے تعاون و معاونت کریں اور یہ بھی حق ہمسائیگی ہے کہ ہمسایہ ہمسائے کی دیوار پر اپنا شہتیر یا اپنا لینٹر رکھنا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق رحمہ اللہ کے نزدیک تو یہ

حکم واجب ہے۔ اگر نہ رکھنے دے گا تو گناہ گار ہو گا اور اگر ہمسایہ معاف نہ کرے تو اس گناہ کی سزا عنداللہ پا کر رہے گا۔ مگر باقی ائمہ کے نزدیک یہ نھی تنزیہی ہے مگر امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا موقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا اس پر عمل کرنے والوں پر شدید انکار اس کا مؤید ہے۔

(٧٣٧) وَعَنْ أَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَحِلُّ لاِمْرِئٍ أَنْ يَأْخُذَ عَصَا أَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ مِّنْهُ». رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ فِي صَحِيحَيْهِمَا.

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کسی کیلئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کا عصا (لاٹھی) بھی اس کی خوشنودی و رضامندی کے بغیر لے۔“ (اسے ابن حبان اور حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)

حاصل کلام: علامہ الیمانی نے کہا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث کے بعد یہ حدیث ذکر کر کے دراصل اشارہ کیا ہے کہ اس میں ممانعت تنزیہی ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا آخری قول ہے۔ مگر اس تاویل کی ضرورت تو تب ہے جب دونوں احادیث میں جمع و تطبیق مشکل ہو۔ حالانکہ یہاں تطبیق ظاہر ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے اور یہ حدیث عام ہے جس طرح زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا اور بعض دیگر مالی معاملات میں زبردستی عمل جائز ہے تو یہاں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل بھی ہمسایہ کی ناراضگی کے باوجود جائز ہے۔ (السبل)

٨ - بَابُ الحَوَالَةِ وَالضَّمَانِ۔ ضمانت اور کفالت کا بیان

(٧٣٨) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَطْلُ الغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيءٍ فَلْيَتَّبِعْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لأَحْمَدَ فَلْيَحْتَلْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کو مالدار آدمی کا حوالہ دیا جائے تو اسے قبول کر لینا چاہئے۔“ (بخاری و مسلم) اور احمد کی ایک روایت میں فلیحتل (حوالہ قبول کر لے) ہے۔

لغوی تشریح: ﴿ باب الحوالہ ﴾ ”حاء“ پر فتحہ اور کبھی کبھار کسرہ بھی آجاتا ہے۔ ایک شخص کے ذمہ سے نکال کر دوسرے کے ذمہ قرض کو منتقل کرنا جیسا کہ کسی شخص کے ذمہ تیرا قرض ہے اور اس آدمی کا آگے کسی دوسرے پر قرض ہے چنانچہ یہ شخص کہے کہ میرے ذمہ تیرا قرض جو واجب الادا ہے وہ تو فلاں صاحب سے وصول کر لے۔ ﴿ والضمان ﴾ ”ضاد“ کے فتحہ کے ساتھ۔ جس کے معنی ذمہ داری اور کفالت کے ہیں۔ ﴿ اذا اتبع ﴾ ھمزہ پر ضمہ صیغۂ مجہول ہے۔ اپنے حق کے تقاضا کیلئے دوسرے کا تابع بنا دیا جائے اور ضمانت دی جائے۔ ﴿ ملئی ﴾ مالدار' صاحب ثروت' بروزن فعیل۔ اس کے آخر میں عموماً

ھمزہ ہوتا ہے اور اکثر ھمزہ کو ترک بھی کر دیتے ہیں اور "یا" پر تشدید دے دیتے ہیں۔ ﴿ فلیتبع ﴾ "تا" پر تشدید۔ صیغۂ معروف۔ حوالہ کو قبول کر لینا چاہئے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں حوالہ کا بیان ہے۔ حوالہ کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ مقروض اپنے قرض میں شخصی ضمانت دے یعنی ایک شخص دوسرے سے کہے کہ فلاں صاحب کو قرض دے دو ادائیگی کا میں ذمہ لیتا ہوں اور دوسرا یہ کہ مقروض قرض خواہ کو اپنے مقروض کے سپرد کر دے۔ مثلاً زید نے خالد سے ہزار روپیہ لینا ہے اور خالد نے حمید سے ہزار روپیہ لینا ہے تو خالد زید سے کہے کہ تم میرا قرض حمید سے وصول کر لو۔ شریعت نے اس صورت کو بھی جائز رکھا ہے بشرطیکہ حمید اس بات کا اقرار کر لے کہ میں نے واقعی خالد کا قرض دینا ہے اور وہ ہزار روپیہ میں تجھے ادا کر دوں گا۔

اس حدیث کے الفاظ فلیحتل اور فلیتبع دونوں کا ماحصل ایک ہی ہے کہ اسے اس پیشکش کو قبول کر لینا چاہئے۔ یہ حکم اہل ظاہر کے نزدیک وجوب کیلئے ہے۔ مگر جمہور نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے۔ عرب ممالک کے بنکوں میں ڈرافٹ کو "حوالہ" کہا جاتا ہے۔ اور ڈرافٹ بنا کر دینے والا بنک' رقم جمع کرانے والے کو ایک رسید جاری کرتا ہے کہ اس رسید کے ذریعہ فلاں بنک سے یہ رقم وصول کر لی جائے۔ یہ حوالہ کا جدید مروجہ نظام ہے جو کہ شریعت کی اجازت کے عین مطابق ہے۔ انشاء اللہ۔

(٧٣٩) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِنَّا، فَغَسَّلْنَاهُ، وَحَنَّطْنَاهُ، وَكَفَّنَّاهُ، ثُمَّ أَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقُلْنَا: تُصَلِّي عَلَيْهِ، فَخَطَا خُطاً، ثُمَّ قَالَ: **أَعَلَيْهِ دَيْنٌ؟** قُلْنَا: دِينَارَانِ، فَانْصَرَفَ، فَتَحَمَّلَهُمَا أَبُو قَتَادَةَ، فَأَتَيْنَاهُ، فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ: الدِّينَارَانِ عَلَيَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**حَقَّ الغَرِيمِ؟ وَبَرِئَ مِنْهُمَا المَيِّتُ؟**» قَالَ: نَعَمْ، فَصَلَّى عَلَيْهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی فوت ہو گیا ہم نے اسے غسل دیا' خوشبو لگائی اور کفن پہنایا۔ پھر ہم اسے اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے اور عرض کیا کہ آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپؐ نے چند قدم آگے بڑھنے کیلئے اٹھائے اور دریافت فرمایا کہ "کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟" ہم نے عرض کیا دو دینار تھے۔ یہ سن کر آپؐ واپس تشریف لے آئے۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے دو دینار کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لی۔ پھر ہم آپؐ کے پاس آئے تو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا دو دینار میرے ذمہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "مقروض کی طرح لازم و حق ہو گیا اور میت اس سے بری الذمہ ہو گئی۔" اس نے کہا کہ ہاں! پھر آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (اسے احمد' ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

ابن حبان اور حاکم دونوں نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ حنطناه ﴾ تحنیط سے ماخوذ ہے یعنی غسل کے بعد میت کے جسم پر مختلف قسم کی خوشبوئیں لگانا۔ ﴿ فخطا خطا ﴾ چند قدم آگے چلے۔ خطا میں خاء پر ضمہ ھدی کے وزن پر خطوۃ کی جمع یعنی چند قدم آگے بڑھے کہ نماز جنازہ پڑھیں۔ ﴿ فتحملهما ﴾ دو دینار کے ادا کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ ﴿ حق الغريم ﴾ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے' شروع میں صرف استفہام محذوف ہے یعنی کیا اس کی ادائیگی تم پر اسی طرح لازم ہے اور حق ہے جس طرح مقروض پر اس کا ادا کرنا حق ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے کئی مسائل معلوم ہوئے ہیں۔ (۱) میت کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ضمانت درست ہے۔ (۲) ضمانت دینے والا آدمی ضمانت کی رقم مرنے والے کے ترکہ میں سے نہیں لے سکتا' اسے اپنی جیب خاص سے زر ضمانت ادا کرنا ہوگا۔ (۳) میت کے حقوق مالیہ جو اس پر واجب ہیں مثلاً حج' زکوٰۃ اور قرضہ کی ادائیگی وغیرہ کا مرنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے اس کی جانب سے دوسرے کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتے ہیں۔ (۴) قرض ہو یا دوسرے حقوق العباد جب تک ان کی ادائیگی نہ کی جائے یا حقدار یا قرض خواہ خود معاف نہ کر دے کبھی ساقط نہیں ہوتے حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی از خود معاف نہیں ہو جاتے۔ (۵) قرضہ لینا بہت ہی سنگین اور سخت معاملہ ہے حتی الوسع لینے سے گریز ہی کرنا چاہئے اگر لینا اشد مجبوری اور ناگزیر ضرورت ہو تو اسے جلد از جلد ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

(٧٤٠) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ، فَيَسْأَلُ، «هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ مِنْ قَضَاءٍ»؟ فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً، صَلَّى عَلَيْهِ، وَإِلاَّ قَالَ: «صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ»، فَلَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ: أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَن تُوُفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: فَمَنْ مَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مقروض آدمیوں کے جنازے لائے جاتے تو پہلے آپؐ دریافت فرماتے تھے کہ "کیا اس نے قرضہ کی ادائیگی کیلئے کچھ چھوڑا ہے؟" اگر بتایا جاتا کہ اس نے اپنا مال چھوڑا ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ فرما دیتے کہ "جاؤ تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔" پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو آپؐ نے فرمایا کہ "میں مومنوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ لہٰذا اب جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرضہ کا بار ہو تو اس قرضہ کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔" (بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "جو آدمی مرگیا اور اس نے اتنا ترکہ پیچھے نہیں

چھوڑا جو قرضہ کی ادائیگی کیلئے کافی ہو۔"

لغوی تشریح: ﴿ انا اولی بالمومنین من انفسهم ﴾ میں ان کے اپنے نفسوں کی بہ نسبت زیادہ حق رکھتا ہوں اور زیادہ قریب ہوں اور میرا حکم ان کے بارے میں ایسے جاری و نافذ ہوگا جیسا کہ خود ان کا اپنا حکم ان پر نافذ و جاری ہوتا ہے۔ بعینہ ان کے ذمہ قرض کی رقم کی ادائیگی کا بھی میں زیادہ ذمہ دار اور ضامن ہوں جبکہ وہ اسے ادا نہ کر سکتے ہوں۔ تنگ دست ہوں۔ یہ اس لئے کہ بیت المال میں سب مومنوں کا حق مساوی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ مسکین ہو اس وقت تو زیادہ ہی استحقاق رکھتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کی ضروریات فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے حتیٰ کہ اگر اس کا کوئی مسلمان شہری مقروض حالت میں فوت ہوگیا اور قرض کی ادائیگی کیلئے کوئی ترکہ نہ چھوڑ گیا ہو اور کوئی عزیز رشتہ دار اور دوست بھی ادائیگی، قرض کی ضمانت نہ دے تو اس صورت میں اس کا قرض اسلامی ریاست کے بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔

اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کی اپنی امت کے معذوروں' مجبوروں اور قرض داروں کے ساتھ محبت و شفقت کا پتہ چلتا ہے کہ آپؐ ان کے حق میں کتنے مہربان' ہمدرد اور غم خوار تھے۔ سربراہان مملکت کو اپنی رعایا کے ساتھ ایسا ہی شفیق و مہربان ہونا چاہئے۔

(٧٤١) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا كَفَالَةَ فِي حَدٍّ**». رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی حد میں ضمانت و ذمہ داری نہیں۔ (اسے بیہقی نے کمزور سند سے روایت کیا ہے۔)

٩ - بَابُ الشِّرْكَةِ وَالوَكَالَةِ

شراکت اور وکالت کا بیان

(٧٤٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَإِذَا خَانَ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا**». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الحاكِمُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے کہ دو شراکت کرنے والوں میں' میں تیسرا ہوتا ہوں تاوقتیکہ کوئی ایک دوسرے سے خیانت نہ کرے جونہی ان میں سے کوئی ایک خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو میں ان کے درمیان میں سے نکل جاتا ہوں۔" (ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ باب الشركة ..الخ ﴾ شركة کے شین کے نیچے کسرہ اور "راء" ساکن اور شین پر فتحہ اور "راء" کے نیچے کسرہ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ﴿ وكالة ﴾ میں واؤ پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ وکالت کے معنی ہیں تفویض کرنا' سپرد کرنا۔ یعنی اپنے اختیارات کسی دوسرے کو دیکر اپنا قائم مقام بنانا۔ ﴿ انا ثالث الشريكين ﴾ یعنی میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں حفاظت کرنے' نگرانی کرنے' نزول برکت کرنے اور مال میں مدد کرنے کی صورت میں۔ ﴿ خرجت ﴾ میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں بایں صورت کہ میری حفاظت اور نگرانی اٹھ جاتی ہے۔

(٧٤٣) وَعَنِ السَّائِبِ الْمَخْزُومِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ شَرِيْكَ النَّبِيِّ ﷺ قَبْلَ الْبِعْثَةِ، فَجَآءَ يَوْمَ الْفَتْحِ، فَقَالَ: «مَرْحَباً بِأَخِي وَشَرِيْكِيْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ.

حضرت سائب مخزومی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آپ ؐ کی بعثت سے پہلے آپ ؐ کی تجارت میں شریک تھا۔ پھر وہ فتح مکہ کے موقع پر آیا تو آپ ؐ نے فرمایا "مبارک ہو میرے بھائی اور میرے شریک۔" (اسے احمد' ابوداؤد اور ابن ماجہ تینوں نے روایت کیا ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث بتا رہی ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے بھی کاروبار میں شراکت کا رواج تھا۔ اسلام نے بھی اسے جاری رکھا البتہ جو نقائص دور جاہلیت میں تھے ان سے شراکت کو پاک اور صاف کر دیا۔ آپ نے بعثت سے قبل شریک تجارت کی کس قدر حوصلہ افزائی اور عزت افزائی فرمائی۔ اس لئے پرانے اور دیرینہ دوستوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ جب ملاقات ہو تو خندہ پیشانی' کشادہ ظرفی سے ملاقات کرنی چاہئے۔

راوی حدیث: ﴿ سائب بن ابی سائب مخزومی رضی اللہ عنہ ﴾ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "تلقیح" میں کہا ہے کہ ابوالسائب کا نام صیفی بن عائذ مخزومی تھا اور صوری نے بھی عائذ ہی بتایا ہے مگر ہمارے شیخ ابن ناصر نے عابد کو درست قرار دیا ہے اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ مؤلفۃ القلوب لوگوں میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے جن کا اسلام بہت عمدہ ہے اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے لمبی عمریں پائیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔

(٧٤٤) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: اشْتَرَكْتُ أَنَا وَعَمَّارٌ وَسَعْدٌ فِيمَا نُصِيبُ يَوْمَ بَدْرٍ، اَلْحَدِيْثَ، وَتَمَامُهُ: «فَجَآءَ سَعْدٌ بِأَسِيرَيْنِ، وَلَمْ أَجِئْ أَنَا وَعَمَّارٌ بِشَيْءٍ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ نے شراکت کی ان چیزوں میں جو ہمیں بدر کے روز حاصل ہوئیں۔ اس حدیث کا آخری حصہ یوں ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ اس روز دو قیدی لے کر آئے' میں اور عمار رضی اللہ عنہ کوئی بھی چیز نہ لائے۔ (اسے نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الحدیث ﴾ بعض نسخوں میں باقی حدیث کا حصہ بھی ثابت ہے اور مکمل حدیث بھی مذکور ہے کہ سعد تو دو قیدی لے کر آئے اور میں اور عمار کچھ بھی نہ لائے۔ اس میں دلیل اس پر ہے کہ کسب میں شراکت جائز ہے۔ ایسی شراکت کو ﴿ شرکۃ الابدان ﴾ کہتے ہیں۔ حنفیہ اس کی صحت کے قائل ہیں اور جمہور علماء اسے باطل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس روایت کو ابوعبیدہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ابوعبیدہ نے اپنے والد سے کچھ بھی نہیں سنا۔ لہٰذا یہ منقطع ہے جو احتجاج کے لائق نہیں۔ اس ضعف کے باوصف اس شرکت کو اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا ہے اور یہ آیت نازل فرمائی: قل الانفال للہ والرسول (۸:۱) چنانچہ اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ یہ حدیث اور اس سے پہلے کی دونوں احادیث شراکت کے مسائل سے متعلق ہیں اور آئندہ آنے والی چاروں حدیثیں کاروبار میں نیز صدقہ کی کمی پوری کرنے اور قربانی کا جانور ذبح کرنے کے مسائل پر مشتمل ہیں۔

(٧٤٥) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَى خَيْبَرَ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «إِذَا أَتَيْتَ وَكِيلِي بِخَيْبَرَ، فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقاً». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خیبر کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "جب تو خیبر میں میرے وکیل کے پاس پہنچے تو اس سے پندرہ وسق وصول کر لینا۔" (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اسے صحیح بھی قرار دیا ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث دلیل ہے کہ وکالت جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنا نمائندہ مقرر فرمایا تھا۔ لہٰذا مالی معاملات میں کسی کو اپنا وکیل بنانا درست ہے۔ ابوداؤد ہی میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! اگر مجھ سے کوئی نشانی طلب کرے تو اسے میں کیا ثبوت پیش کروں؟ آپؐ نے فرمایا "اس کی ہتھیلی پر ہاتھ رکھ دینا۔" گویا یہ علامت و نشانی آپؐ نے پہلے سے طے کر رکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرائن اور علامات کی بنیاد پر دوسرے کے مال میں تصرف جائز ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قرینہ کی بنیاد پر کسی چیز پر قبضہ کیلئے ایلچی و قاصد کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

(٧٤٦) وَعَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَهُ بِدِينَارٍ لِيَشْتَرِيَ لَهُ أُضْحِيَّةً، اَلْحَدِيْثِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي أَثْنَاءِ حَدِيثٍ، وَقَدْ تَقَدَّمَ (بِرَقْمِ ٨٠٧).

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک دینار دے کر بھیجا تا کہ آپؐ کیلئے قربانی کا جانور خرید کر لائے۔ (بخاری نے اسے حدیث کی ابتداء میں روایت کیا ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے)

(٧٤٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ، اَلْحَدِيْثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے پر تحصیلدار مقرر فرمایا۔ (الحدیث) (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کو یہاں وکالت کے اثبات میں نقل کیا گیا ہے۔ مکمل حدیث کا مضمون اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابن جمیل رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ آپؐ نے فرمایا "ابن جمیل غریب و مفلس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار اور غنی کر دیا۔ اب وہ اللہ سے اسی بنا پر انتقام لیتا ہے' یہ منافق تھا۔ اس نے بعد میں توبہ کی اور سچا مسلمان بن گیا اور رہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زکوٰۃ تو وہ میرے ذمہ ہے وہ میں ادا کر دوں گا اور خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کا حال تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس نے اپنا ورثہ اور مال و متاع اللہ کیلئے وقف کر رکھا ہے تو اس سے زکوٰۃ کا تقاضا کیسا؟" اس سے معلوم ہوا کہ سربراہ مملکت زکوٰۃ وصول کرنے کی ذمہ داری کسی مناسب شخص پر ڈال سکتا ہے۔ اور اسی لئے یہ روایت یہاں ذکر کی ہے۔

(۷۴۸) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَحَرَ ثَلَاثاً وَّسِتِّيْنَ وَأَمَرَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنْ يَذْبَحَ البَاقِيَ، اَلْحَدِيْثَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے تریسٹھ اونٹ خود نحر کئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ باقی وہ ذبح کریں۔ (الحدیث) (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے میں بھی وکیل بنانا جائز ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنایا اور انہوں نے ۳۷ اونٹ نحر کئے۔

(۷۴۹) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، فِي قِصَّةِ العَسِيْفِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»، اَلْحَدِيْثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزدور کے قصہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ "اے انیس! اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ تسلیم کر لے تو اسے سنگسار کر دو۔" (الحدیث) (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿العسیف﴾ مزدور۔ اجیر کے معنی میں جو عسیف کے وزن پر ہے۔ اس کا مفصل واقعہ و قصہ تو کتاب الحدود میں آگے آ رہا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کے ہاں مزدور تھا' وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا پھر مزدور کے باپ اور اس عورت کے خاوند نے آپس میں اس طرح مصالحت کر لی کہ مزدور ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی عورت کے شوہر کو دے کر فارغ ہو گیا۔ اس کے بعد ان دونوں کو شرعی سزا یعنی حد کی خبر دی گئی تو دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ آپؐ کے روبرو بیان کیا۔ آپؐ نے سارا واقعہ سن کر زانی مرد کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا دی اور عورت

کے بارے میں فرمایا کہ' اگر وہ جرم زنا کا اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو ﴿ واغد ﴾ جاؤ۔ غدا یغدوا غدوا سے امر کا صیغہ ہے۔ یعنی صبح سویرے جانا۔ بکثرت استعمال سے مطلق جانے پر بولا جانے لگا۔ ﴿ یا انیس ﴾ انس کی تصغیر ہے اور صحیح قول کے مطابق یہ انیس بن ضحاک اسلمی تھے۔ ﴿ فارجمها ﴾ رجم سے امر کا صیغہ ہے۔ رجم پتھر مار مار کر جان سے مار دینے کو رجم کہتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے حدود میں بھی وکالت جائز ہے۔ اسی لئے مصنف نے اس حدیث کو اس مقام پر ذکر کیا ہے۔

١٠ - بَابُ الإِقْرَارِ — اقرار کا بیان

(٧٥٠) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قُلِ الحَقَّ وَلَوْ كَانَ مُرًّا». وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا "حق کہو خواہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔" (اسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ ایک لمبی حدیث میں)

لغوی تشریح: ﴿ قل الحق ﴾ سچ کہو۔ خواہ تیری اپنی ذات کے خلاف پڑے یا دوسرے کے خلاف۔ پہلی تعبیر کے اعتبار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصنف نے باب الاقرار میں اسے بیان کیا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں حق گوئی کا حکم ہے کہ خواہ کتنے ہی ناگوار حالات سے دوچار ہونا پڑے مگر حق و صداقت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

١١ - بَابُ العَارِيَةِ — ادھار لی ہوئی چیز کا بیان

(٧٥١) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَى اليَدِ مَا أَخَذَتْ، حَتَّى تُؤَدِّيَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کچھ ہاتھ نے لیا ہے جب تک اسے ادا نہ کر دے اس کے ذمہ ہے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ باب العاریۃ ﴾ یاء پر تشدید اور تخفیف دونوں جائز ہیں دوسرے کسی کو کوئی چیز دینا کہ وہ فائدہ اٹھا کر واپس کر دے۔ ﴿ علی الید ما اخذت ﴾ ہاتھ نے جو کچھ لیا ہے اسے ادا کرنا بھی اس پر واجب ہے یعنی جس کسی نے دوسرے کا کوئی مال غصب کیا ہو یا عاریتاً لیا ہو یا ودیعت کے طور پر کسی نے اس کے پاس رکھا ہو اس کا واپس لوٹانا لازم ہے۔ ﴿ حتی تودیه ﴾ تاوقتیکہ اس کے مالک کو واپس نہ دے دے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو چیز کسی سے عاریتاً لی ہو جب تک اسے اسی طرح واپس نہ

کرے وہ اس کے ذمہ واجب الادا رہتی ہے۔ ادھار لی ہوئی چیز کی ضمانت کس کی ہے؟ آیا اس کی ضمانت عاریتاً لینے والے پر ہے یا نہیں۔ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ پہلا قول تو یہ ہے کہ بہرصورت اس کی ضمانت اس کے ذمہ ہے خواہ ضمانت کی شرط کی ہو یا نہ کی ہو۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما' زید بن علی رحمہ اللہ' عطاء رحمہ اللہ' احمد رحمہ اللہ' اسحٰق رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر شرط ضمان نہ کی ہوگی تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوگی۔ جیسا کہ آئندہ حضرت یعلیٰ کی روایت میں آرہا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ شرط کے باوجود بھی ضمان نہیں بشرطیکہ خیانت نہ کرے۔

(٧٥٢) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَدِّ الأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلاَ تَخُنْ مَنْ خَانَكَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَٱسْتَنْكَرَهُ أَبُو حَاتِمٍ الرَّازِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے تمہارے پاس امانت رکھی ہو تو اسے امانت واپس کر دو اور جس نے تیرے ساتھ خیانت کی تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر۔" (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوحاتم رازی نے اسے منکر سمجھا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اد تادیۃ ﴾ سے امر کا صیغہ ہے۔ ﴿ ائتمنک ﴾ جس نے تجھے امین بنایا ہے۔ ﴿ ولا تخن من خانک ﴾ جس نے تیرے ساتھ خیانت کی ہے اس کے مال پر قابو پانے کے باوجود تو اس سے خیانت نہ کر۔ اسے استحباب پر محمول کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (۴۲:۴۰) برائی کی جزاء برائی کے مثل ہے۔ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ (۱۶:۱۲۶) دونوں آیات اپنے حق کے حصول و وصول پر دلالت کر رہی ہیں۔ ابن حزم کا قول ہے کہ جس نے خیانت کی ہے اس کے مال پر قابو پانے کی صورت میں اسے اپنا حق لے لینا واجب ہے اور یہ عمل خیانت میں شمار نہیں ہے بلکہ خیانت تو اس صورت میں ہوگی کہ لینے والا اپنے حق سے زیادہ وصول کرے۔ دلائل ابن حزم کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ حق بھی انہی کا قول ہے۔ ﴿ الرازی ﴾ رے کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے رازی کہلائے۔ رے فارس کے شہروں میں ایک مشہور و معروف شہر ہے۔

(٧٥٣) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَتَتْكَ رُسُلِي فَأَعْطِهِمْ ثَلاَثِينَ دِرْعاً»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَعَارِيَةٌ مَّضْمُونَةٌ، أَوْ عَارِيَةٌ مُّؤَدَّاةٌ؟

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ "تمہارے پاس جب میرے ایلچی و قاصد آئیں تو ان کو تیس زرہیں دے دینا۔" میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا عاریتاً جس میں ضمانت ہوگی یا اس ادھار

قَالَ: بَلْ عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

کے طور پر جو قابل واپسی ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا "ایسا ادھار جو ادا کر دیا جائے گا۔" (اسے احمد' ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اعارية مضمونة اوعارية موداة﴾ سبل السلام میں ہے کہ مضمونۃ اسے کہتے ہیں کہ تلف و ضائع ہونے کی صورت میں اس کی قیمت دی جائے اور موداۃ اصل صورت میں چیز واپس کرنا اگر اس شکل میں باقی ہو۔ اگر تلف و ضائع ہو جائے تو قیمت کی ادائیگی کی ذمہ داری نہیں۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ اگر عاریتاً لی ہوئی چیز کی ذمہ داری قبول نہ کی ہو تو تلف ہونے کی صورت میں اس کی ذمہ داری نہیں ہوگی اور یہ بات تمام اقوال سے واضح ترین ہے۔

(٧٥٤) وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ٱسْتَعَارَ مِنْهُ دُرُوعاً يَوْمَ حُنَيْنٍ، فَقَالَ: أَغَصْباً يَا مُحَمَّدُ (ﷺ)! قَالَ: «بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَأَخْرَجَ لَهُ شَاهِداً ضَعِيفاً عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنهما.

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ حنین کے موقع پر اس (صفوان) سے کچھ زرہیں عاریتاً لیں۔ اس نے کہا اے محمد (ﷺ)! کیا آپؐ زبردستی غصب کر رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں! بلکہ ضمانت کے ساتھ عاریتاً لے رہا ہوں۔" (اسے ابوداؤد' نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ایک ضعیف روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی بطور شہادت ہے)

لغوی تشریح: ﴿اغصب﴾ دراصل یہ اھو غصب ہے یعنی کیا یہ زبردستی ہے اور ایک نسخہ میں "غصباً" منصوب بھی ہے' اس صورت میں معنی ہوگا کیا آپؐ یہ زرہیں زبردستی چھین رہے ہیں ﴿بل عارية مضمونة﴾ جس کسی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ عاریۃ مضمونۃ ہے اس نے لفظ مضمونۃ سے عاریتاً کی حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے یعنی عاریتاً لی گئی چیز کی شان یہ ہے کہ اس کی ضمانت ہے اگر تلف ہو جائے گی تو ادا کی جائے گی اور جس نے کہا ہے کہ عاریتاً لی ہوئی چیز کی کوئی ضمانت نہیں اس نے لفظ مضمونہ کو اس کی مخصوص صفت قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ میں تم سے یہ چیز عاریتاً اس طرح لے رہا ہوں کہ اس کی واپسی کی ضمانت ہے ایسا نہیں کہ عاریتاً بغیر کسی ضمانت کے لے رہا ہوں۔ (نیل الاوطار)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم سے بھی عاریتاً کوئی چیز لینی جائز ہے اور ضمانت پر مستعار لی ہوئی چیز کو واپس کرنا بھی ضروری ہے اگر کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور اگر عاریتاً لینے والا عمداً اسے تلف و ضائع کر دے تو اس صورت میں سب کے نزدیک اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

راوی حدیث: ﴿ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ ﴾ اس سے صفوان بن امیہ بن خلف بن وھب قرشی مراد ہیں جو مکہ کے باشندے اور قبیلہ جمحی سے تعلق رکھتے تھے۔ مؤلفۃ القلوب صحابہؓ میں سے تھے اور اشراف قریش میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے روز فرار ہو گئے تھے۔ ان کیلئے امان طلب کی گئی تو وہ واپس لوٹ آئے اور بعد میں حنین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے اس وقت یہ حالت کفر میں تھے بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہترین اسلام کا ثبوت دیا۔ جن دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے شہید کیا انہیں ایام میں یہ فوت ہوئے۔

١٢ - بَابُ الغَصْبِ غصب کا بیان

(٧٥٥) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنِ اقْتَطَعَ شِبْراً مِنَ الأَرْضِ ظُلْماً، طَوَّقَهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے ایک بالشت بھر زمین کسی سے چھین لی' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اتنا حصہ' زمین' ساتوں زمینوں سے اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دے گا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ باب الغصب ﴾ "غین" پر فتحہ اور "صاد" ساکن۔ ناحق کسی چیز کا حاصل کرنا' زبردستی کوئی چیز چھین لینا۔ ضرب یضرب باب سے ہے۔ مختار الصحاح میں ہے کہ اس کا استعمال غصبہ منہ اور غصبہ علیہ ہے چنانچہ اس کے معنی ہیں اس سے چھینا اور غصبہ علیہ کا مطلب ہے کسی پر زبردستی کرنا یا مجبور کرنا اور "اغتصاب" بھی اسی معنی میں ہے اور وانشئی غصب و مغصوب کا مطلب ہے چھینا ہوا مال۔ ﴿ اقتطع ﴾ زبردستی چھین لے۔ ﴿ شبرا ﴾ شین کے نیچے کسرہ اور "با" ساکن۔ انگوٹھے کے سرے اور چھنگلی کے سرے کے درمیان کا فاصلہ۔ یعنی بالشت بھر۔ ﴿ طوقہ ﴾ اللہ تعالیٰ اس کا طوق بنا کر گلے میں ڈال دے گا اور یہ بھی معنی کیا گیا ہے کہ ایسے آدمی کو ساتوں زمینوں تک دھنسا کر سزا دے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس زمین میں گڑھا کھودنے اور اس کی مٹی کو محشر کی طرف منتقل کرنے کی سزا دی جائے گی۔

(٧٥٦) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ، فَأَرْسَلَتْ، إِحْدَى أُمَّهَاتِ المُؤْمِنِيْنَ مَعَ خَادِمٍ لَّهَا بِقَصْعَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ، فَضَرَبَتْ يَدَهَا فَكَسَرَتِ القَصْعَةَ، فَضَمَّهَا، وَجَعَلَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں تشریف فرما تھے۔ کسی دوسری ام المومنینؓ نے اپنے خادم کے ذریعہ ایک پیالہ بھیجا جس میں کچھ کھانا تھا تو اس بیوی نے اپنا ہاتھ مارا کہ وہ پیالہ ٹوٹ گیا۔ آپؐ نے اس پیالہ کو جوڑ کر اس میں کھانا ڈال دیا اور فرمایا کہ

فِيهَا الطَّعَامَ وَقَالَ: كُلُوا، وَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيحَةَ لِلرَّسُولِ، وَحَبَسَ الْمَكْسُورَةَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَسَمَّى الضَّارِبَةَ عَائِشَةَ، وَزَادَ: «فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «طَعَامٌ بِطَعَامٍ وَإِنَاءٌ بِإِنَاءٍ». وَصَحَّحَهُ.

"کھاؤ اور لانے والے کے ہاتھ سالم پیالہ بھیج دیا اور ٹوٹا ہوا اپنے پاس رکھ لیا۔" (بخاری و ترمذی) ہاتھ مار کر پیالہ توڑنے والی کا نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لیا گیا ہے اور ترمذی نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "کھانے کے بدلہ میں کھانا اور برتن کے بدلہ میں برتن" (اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ احدی امهات المومنین ﴾ یہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں جیسا کہ ابن حزم نے محلّٰی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اور اس سے ملتا جلتا واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے جو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا تھا جیسا کہ نسائی نے اسے روایت کیا ہے۔ ﴿ بقصعة صحفة ﴾ کے وزن پر پیالہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿ وحبس المكسورة ﴾ یعنی ٹوٹے ہوئے پیالہ کو توڑنے والی کے ہاں رکھ دیا۔ ﴿ سمى الضاربه عائشة ﴾ یہ الفاظ ترمذی نے نقل کئے ہیں۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے کی کوئی چیز ہلاک کرے گا' تو اسی طرح کی ادا کرنا اس کے ذمہ ہے۔ غلہ اور دانے وغیرہ میں اس کی مثل پر سب کا اتفاق ہے۔ یعنی جیسا نقصان کیا ہے اسی طرح واپس دینا لازم ہے۔ البتہ قیمت والی چیز میں اختلاف ہے اور ﴿ طعام بطعام واناء باناء ﴾ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ قیمت والی چیز بھی اسی جیسی واپس دینا اس کی ذمہ داری ہے۔ جب اس جیسی چیز دستیاب نہ ہو تو اس صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا اس کے ذمہ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور علمائے کوفہ کا یہی مذہب ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ قیمت والی چیز کے بدلہ قیمت والی چیز دینا مطلقاً ہے مگر مالکیہ کے ہاں مشہور ہے جو چیز ماپی اور تولی جا سکتی ہے اس کی قیمت ہے ورنہ اس کی مثل واپس دینا ہو گا اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک قول یہی منقول ہے۔

(٧٥٧) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ، فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ، وَلَهُ نَفَقَتُهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَيُقَالُ: إِنَّ الْبُخَارِيَّ ضَعَّفَهُ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے دوسرے لوگوں کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر زراعت کی تو اسے اس زراعت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اسے صرف وہ اخراجات ملیں گے جو اس نے خرچ کئے ہیں۔" (اسے احمد اور نسائی کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بخاری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿فلیس له من الزرع﴾ کھیتی باڑی سے جو کچھ حاصل ہو۔ وہ زمین کے مالک کا ہو گا۔ بیج بونے والے کیلئے بجز اس بیج کے کچھ نہیں جو اس نے زمین میں بویا ہے یا جو زمین میں ڈالا ہے۔ ﴿وله نفقته﴾ یعنی جو اخراجات زمین کو سیراب کرنے میں صرف ہوئے اسے وہی ملیں گے۔ امام احمد رحمہ اللہ، اسحٰق رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور مدینہ کے اکثر علماء کا یہی مسلک ہے اور یہی راجح مذہب ہے مگر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ کھیتی تو غاصب کی ہے اور اس پر زمین کا کرایہ ہے۔ مگر اس قول پر کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس حدیث کے مقابلہ میں پیش ہو سکے۔ ﴿ویقال ان البخاری ضعفه﴾ یہ قول علامہ خطابی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان سے اس کے خلاف یہ نقل کیا ہے کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

(٧٥٨) وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: إِنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي أَرْضٍ غَرَسَ أَحَدُهُمَا فِيهَا نَخْلاً وَالأَرْضُ لِلآخَرِ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالأَرْضِ لِصَاحِبِهَا، وَأَمَرَ صَاحِبَ النَّخْلِ أَنْ يُخرِجَ نَخْلَهُ: وَقَالَ: لَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ. وَآخِرُهُ عِنْدَ أَصْحَابِ السُّنَنِ مِنْ رِوَايَةِ عُرْوَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ، وَاخْتُلِفَ فِي وَصْلِهِ وَإِرْسَالِهِ، وَفِي تَعْيِينِ صَحَابِيِّهِ.

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ دو آدمی نبی ﷺ کے پاس ایک زمین کا جھگڑا لے کر آئے۔ زمین ایک کی تھی اور کھجور کے درخت دوسرے نے لگا دیئے تھے تو آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ "زمین مالک کی ہے اور کھجور کے درخت لگانے والا اپنے درخت اکھاڑ لے" اور فرمایا کہ "ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔" (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن ہے۔ اس حدیث کا آخری جزء اصحاب السنن نے عروہ عن سعید بن زید کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے مرسل اور موصول ہونے اور اس کے صحابی کے تعین میں اختلاف ہے)

لغوی تشریح: ﴿لیس لعرق ظالم حق﴾ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کی صورت اس طرح کہ ایک آدمی دوسرے کی زمین میں پودے لگاتا ہے اور مالک زمین سے اجازت نہیں حاصل کرتا یا دوسرے کی زمین پر مالک زمین کی اجازت کے بغیر گھر تعمیر کر لیتا ہے تو مکان تعمیر کرنے والے کو مکان کے گرانے اور پودے لگانے والے کو پودے اکھاڑنے کا حکم دیا جائے الا یہ کہ مالک زمین اس کے چھوڑنے پر رضامند ہو جائے۔ اسی حدیث سے جمہور نے یہ استدلال کیا ہے کہ غاصب جب زمین پر زراعت یا پودے لگا لے تو وہ اس کھیتی باڑی اور پودوں کا مالک ہو جائے گا اور مالک زمین صرف اس زمین کا کرایہ وصول کرنے کا مستحق

ہے۔ لیکن یہ حدیث اس بارے میں صریح اور واضح نہیں ہے بلکہ یہ حدیث سابقہ حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر دلالت کرتی ہے۔ غاصب کو اختیار دیا جاتا ہے کہ جو کچھ پودے وغیرہ اس نے زمین میں گاڑے ہیں وہ اکھاڑ لے یا جو اس پر مصارف اٹھے ہیں وہ لے لے۔ جمہور علماء نے جو موقف اختیار کیا ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رگ ظالم کا حق ہے باوجودیکہ حدیث اس استحقاق کی نفی کر رہی ہے۔

راوی حدیث: ﴿عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما﴾ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ عروہ بن زبیر بن عوام بن خویلد اسدی مدنی۔ کبار تابعین میں ان کا شمار ہے۔ مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ایک ہیں اور مشہور فقیہہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں پیدا ہوئے اور ایک قول کے مطابق ۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور صحیح روایت کے مطابق ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۷۵۹) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى: «إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قربانی کے روز منیٰ میں اپنے خطبہ کے دوران فرمایا کہ "بے شک تمہارے خون اور اموال اور تمہاری آبروئیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا آج کا یہ دن حرمت والا ہے جو تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینے میں واقع ہوا ہے۔"

حاصل کلام: مصنف اس حدیث کو اگر باب الغصب کے شروع میں بیان کرتے تو بہت خوب ہوتا۔ بہرحال اس مقام پر اسے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان کا مال غصب کرنا حرام ہے اور اس کی حرمت پر سب متفق ہیں۔

۱۳ - بَابُ الشُّفْعَةِ

شفعہ کا بیان

(۷۶۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلاَ شُفْعَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ. وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ: الشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ شِرْكٍ، فِي أَرْضٍ، أَوْ رَبْعٍ، أَوْ حَائِطٍ، لاَ يَصْلُحُ أَن يَبِيْعَ حَتَّى يَعْرِضَ عَلَى

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ دیا ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہو مگر جب حدود بندی ہو جائے اور راستے الگ ہو جائیں تو پھر شفعہ نہیں۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ شفعہ ہر مشترک چیز میں ہے (مثلاً) زمین میں' مکان میں' باغ میں۔ اپنے حصہ دار (شریک) کے روبرو پیش کئے بغیر کسی کیلئے چیز فروخت کرنا درست نہیں اور طحاوی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر چیز

شَرِيْكِهِ. وَفِي رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ: «قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ». وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

میں شفعہ کا حق رکھا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

لغوی تشریح: ﴿ باب الشفعة ﴾ کے شین پر ضمہ اور "فاء" ساکن ہے اور جس "فاء" کو متحرک سمجھا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ لغت میں یہ "الشفع" سے ماخوذ ہے اس کے معنی جوڑا کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "الزیادۃ" ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ "اعانہ" سے ہے اور شرعاً شفعہ کا معنی ہے کہ شریک کے حصہ کو شریک کی طرف منتقل کرنا مقرر معاوضہ کے بدلہ میں اجنبی کی طرف منتقل ہو جانا۔ (فتح الباری)

﴿ فاذا وقعت الحدود ﴾ مالک خریدار کو تقسیم کر کے دے دے اور رکاوٹیں واقع ہو جائیں اور آخری حدود متعین ہو جائیں۔ اور تقسیم کے ذریعہ ہر ایک کا حصہ نمایاں و ظاہر ہو جائے۔ ﴿ و صرفت الطرق ﴾ صرفت صیغۂ مجہول۔ "را" مخفف اور مشدد دونوں طرح ہے۔ یعنی راستے اس طرح بنائے جائیں کہ ہر ایک کا حصہ اسے حاصل ہو جائے۔ ﴿ فلا شفعة ﴾ تو شفعہ نہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ شفعہ اس جائیداد میں ہو سکتا ہے جو مشترک ملکیت میں ہو محض ہمسایہ ہونا شفعہ دائر کرنے کیلئے کافی نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی رائے یہی ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے اور اقرب الی الصواب بھی یہی ہے۔ حنفیہ نے ان کی مخالفت کی ہے۔ ان کا قول ہے کہ شفعہ جس طرح مشترک جائیداد میں جائز ہے اسی طرح ہمسائیگی کی بنیاد پر بھی شفعہ جائز ہے۔ ان کی دلیل آگے آرہی ہے۔ ﴿ فی کل شرك ﴾ شین کے نیچے کسرہ اور "را" ساکن۔ یعنی ہر وہ چیز جس میں کئی آدمی شریک ہوں۔ ﴿ ربعة ﴾ "را" پر فتحہ اور "با" ساکن۔ گھر، مسکن، رہائش گاہ اور بسا اوقات زمین پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ﴿ حائط ﴾ باغ۔ خطابی نے کہا ہے کہ شفعہ زمین، گھریلو سامان، ان کے علاوہ دیگر ساز و سامان و متاع اور حیوان وغیرہ میں ہی واجب و لازم ہے۔ یہ رائے اکثر اہل علم کی ہے جیسا کہ ترمذی نے نقل کیا ہے ﴿ لا یصلح ﴾ ایک روایت میں ﴿ لا یحل ﴾ بھی مروی ہے۔ ﴿ ان یبیع ﴾ حلال نہیں یا درست نہیں حصہ دار و شریک کیلئے کہ اپنے حصہ کو اسے اطلاع دیئے بغیر فروخت کر دے۔ سیاق اس پر دلالت کرتا ہے ﴿ حتی یعرض علی شریکه ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ شریک کے روبرو اپنا عندیہ و مدعا پیش کر دیا جائے تو پھر فروخت کرنے کی صورت میں شفعہ کا حق نہیں رہتا۔ سبل السلام میں ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب شریک کو مطلع کر دیا جائے اور اس کے بعد اس کے علاوہ دوسرے سے سودا کر لے تو کیا شریک کیلئے شفعہ کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ ایک قول تو یہ ہے اسے اس کا حق ہے۔ پہلے اطلاع دینا اس کی صحت کے مانع نہیں ہے۔ یہ جمہور کا قول ہے مگر سفیان ثوری رحمہ اللہ اور حکم اور ابوعبید اور اہل حدیث کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ اطلاع دینے کے بعد شفعہ کا استحقاق ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ رائے حدیث کے الفاظ کے زیادہ موافق ہے۔ رہی طحاوی کی روایت تو وہ ہر چیز خواہ منقولہ ہو

1 / / 4 5

یا غیر منقولہ میں شفعہ کا تقاضا کرتی ہے۔ اگرچہ تھوڑے سے اہل علم کی رائے اس کی طرف ہے مگر دلیل کے اعتبار سے یہ قوی ہے۔ جہاں تک ضرر کا تعلق ہے وہ جیسا منقول میں متوقع ہے ویسا ہی غیر منقول میں بھی ہے۔ بہت سے شریک دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ سخی، فراخ حوصلہ، نرم مزاج اور طبیعت کے بہت عمدہ ہوتے ہیں اور بہت سے اپنے سے پہلے کے مقابلے میں درشت مزاج اور سخت طبع ہوتے ہیں۔

(٧٦١) وَعَنْ أَبِيْ رَافِعٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: «الجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ». أَخْرَجَهُ البُخَارِيُّ، وَفِيْهِ قِصَّةٌ.

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہمسایہ اپنے قریبی ہونے کی وجہ سے زیادہ حق رکھتا ہے۔" (اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور اس بارے میں لمبا قصہ ہے)

لغوی تشریح: ﴿بسقبه﴾ اس میں "با" سببیہ ہے اور سقب کے سین اور قاف پر فتحہ، ان دونوں کے بعد "با" اور سقب کو سین کی بجائے کبھی صاد سے (صقب) بھی پڑھا گیا ہے اور قاف پر فتحہ اور اسے ساکن کرنا بھی جائز ہے۔ قرب اور مجاورت کے معنی ہیں۔ کہنا یہ مقصود ہے کہ ہمسایہ قرب و مجاورت کی بدولت عام مسلمانوں سے خیر خواہی، بھلائی اور معاونت کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ جب یہ ہمسایہ شریک لوگوں میں سے نہ ہو تو شفعہ میں اس کے مستحق ہونے کی اس حدیث میں کوئی صراحت و وضاحت نہیں ہے۔ ﴿وفيه قصة﴾ قصہ یہ ہے کہ ابو رافع رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے جو مکان تیری حویلی کے اندر ہیں تو انہیں خرید لے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں تو ان کو نہیں خریدوں گا۔ مسور جو اس وقت ان کے پاس موجود تھے نے سعد سے کہا اللہ کی قسم! تمہیں وہ ضرور خریدنے ہوں گے۔ سعد بولا اچھا تو میں بھی اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ چار ہزار سے زیادہ پر نہیں خریدوں گا وہ اس کی مرضی ہے یکمشت لے یا قسط وار۔ اس پر ابو رافع بولا میں نے پانچ صد دینار میں دیئے۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے نہ سنا ہوتا کہ ہمسایہ قرب و مجاورت کی وجہ سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے تو میں تمہیں یہ چار ہزار میں بھی نہ دیتا۔ اب میں نے صرف پانچ صد دینار میں دیئے۔ یہ کہہ کر اسے دے دیئے۔ بخاری نے اس حدیث کو باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع میں روایت کیا ہے۔ جس کسی نے ایسے ہمسایہ کیلئے جو شریک نہیں ہے کیلئے اثبات شفعہ پر استدلال کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ ابو رافع سعد کے شریک نہیں تھے بلکہ صرف ہمسایہ تھے اس لئے کہ سعد کے سارے مکانوں میں اس کے دو مکان تھے۔ سعد کے مکان کے ساتھ اسے حق شفعہ کا کوئی استحقاق نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ استدلال دو وجہ سے درست نہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث سے اٹھایا ہوا ٹکڑا شفعہ کے بارے میں صریح اور واضح ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا احتمال ہے اس سے مراد یہ ہو کہ وہ ہمسایہ بھلائی، اعانت و مدد، خیر خواہی اور ایثار و ترجیح کا زیادہ حقدار ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جار کا اطلاق جس طرح ایسے پڑوسی اور قریبی پر ہوتا ہے جو شریک نہ ہو اسی طرح اس کا اطلاق شریک پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی آئندہ حدیث

میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ جار سے شریک ہی مراد ہو بلکہ وہ تو اس کے اور دوسری احادیث کے درمیان تطبیق متعین کرتا ہے۔ ابو رافع نے جو فعل انجام دیا ہے وہ اس کی دلیل نہیں بنتا کہ یہ شریک کے سامنے شفعہ پیش کرنے کے قبیل سے ہے۔ بلکہ اس کا امکان ہے کہ اس سے مراد ہمسایہ کے ساتھ صرف بھلائی اور ایثار ہو۔ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ شفعہ پیش کرنے کے قبیل سے ہے تو پھر زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ابو رافع نے یہ الجار احق بسقبہ کے جملہ سے سمجھا ہے اور یہ معلوم حقیقت ہے کہ ہر وہ چیز جو صحابی سمجھے وہ حجت نہیں بن سکتی بالخصوص جبکہ صحابی کا قول صحیح و صریح حدیث سے معارض ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ جب حدود متعین ہو جائیں اور راستے جدا جدا ہو جائیں تو پھر شفعہ کا حق نہیں رہتا۔ یہ ہمسایہ کیلئے شفعہ کے حق کی نفی میں صریح نص ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ یہ نص ہمسایہ کے اصل حق شفعہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔ نہ منطوق پر اور نہ ہی اس کے مفہوم پر۔ پس گویا اس نے منطوق اور مفہوم کا معنی ہی نہیں سمجھا۔ جب زمین اس کے مالکوں میں تقسیم کی جائے گی تو ان میں سے دونوں کم از کم ایک دوسرے کا ہمسایہ ہو گا اور یہ حدیث اس پر نص ہے کہ تقسیم کے بعد شفعہ نہیں۔ تو پھر یہ حدیث ہمسایہ کے حق میں شفعہ کی نفی کیوں نہیں کرتی ہے۔

(٧٦٢) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّان، وَلَهُ عِلَّةٌ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مکان کا ہمسایہ اس مکان کا زیادہ حق رکھتا ہے۔" (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس میں علت ہے)

لغوی تشریح: ﴿جار الدار احق بالدار﴾ اس حدیث سے ہمسایہ کیلئے حق شفعہ کے قائلین نے ثبوت شفعہ پر استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جگہ ہمسایہ سے شریک ہمسایہ ہی مراد ہے کیونکہ دونوں احادیث میں تطبیق کا یہی تقاضا ہے "ولہ علۃ" علت یہ ہے کہ اس روایت کو دو سندوں سے روایت کیا گیا ہے۔ ایک ان میں سے حسن عن سمرہ کے طریق سے ہے اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ حسن نے سمرہ سے صرف عقیقہ والی حدیث کے سوا اور کوئی حدیث نہیں سنی اور دوسرا طریق قتادۃ عن انس سے ہے اور قتادہ کے بارے میں معروف و مشہور ہے کہ وہ تدلیس کرتا ہے۔

(٧٦٣) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهِ، يُنْتَظَرُ بِهَا، وَإِنْ كَانَ غَائِباً، إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِداً». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہمسایہ اپنے ہمسایہ کا شفعہ میں زیادہ حقدار ہے۔ اس کا انتظار بسبب شفعہ کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ غائب ہو جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ ینتظر ﴾ صیغہ مجہول۔ ﴿ بھا ﴾ اس میں "ھا" کی ضمیر شفعہ کی جانب راجع ہے۔ ﴿ وان کان غائبا ﴾ ان وصلیہ ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر حاضر کا شفعہ باطل نہیں ہوتا خواہ دیر و تاخیر ہو جائے۔ ﴿ اذا کان طریقھما واحدا ﴾ نیل الاوطار میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مجرد ہمسائیگی کے ذریعہ شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے مشترک راستہ ہونا ضروری و لابدی ہے۔ اس کی تائید نبی ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ جب حد بندی ہو جائے اور راستے جدا جدا ہوں تو پھر شفعہ کا استحقاق نہیں رہتا۔

(٧٦٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الشُّفْعَةُ كَحَلِّ العِقَالِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَالبَزَّارُ، وَزَادَ: «وَلاَ شُفْعَةَ لِغَآئِبٍ». وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "شفعہ رسی کھولنے کی طرح ہے۔" (اسے ابن ماجہ اور بزار نے روایت کیا ہے) اور بزار نے اتنا اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ غیر حاضر و غائب کیلئے شفعہ کا کوئی حق نہیں۔" (اس کی سند ضعیف ہے)

لغوی تشریح: ﴿ کحل العقال ﴾ الحل میں "حا" پر فتحہ اور لام پر تشدید۔ اس کے معنی ہیں کھولنا' جو مضبوط باندھنے کی ضد ہے اور عقال اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کو باندھا جاتا ہے۔ نیل الاوطار میں ہے کہ ابن حزم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ شفعہ رسی کھولنے کی مانند ہے اگر وہ اسے اسی جگہ پر مقید کر دے گا اس کا حق ثابت ہو جائے گا ورنہ ملامت اس کے سر۔ عبدالحق نے الاحکام میں ابن حزم سے اسے ذکر کیا ہے مگر ابن قطان نے ان کا تعاقب کیا ہے کہ ابن حزم نے اسے المحلّی میں روایت نہیں کیا۔ ممکن ہے محلّی کے علاوہ کسی اور کتاب میں اس کا ذکر کیا ہو۔ نیز حافظ ابن حزم نے اس میں جو اضافہ نقل کیا ہے وہ اس حدیث کے معنی کو واضح کر رہا ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شفعہ کا استحقاق فی الفور ہے تاخیر اور دیر کی صورت میں شفعہ باطل۔ لیکن یہ حدیث ایسی نہیں ہے کہ اس سے احتجاج کیا جائے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی ہے جو اپنے والد سے ایک ایسا نسخہ بیان کرتا ہے جو تمام تر موضوع ہے۔ اس سے استدلال بالکل جائز نہیں۔ سبل السلام میں ہے کہ بزار نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ یہ منکر ہے اور بیہقی کا قول ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں۔ اس معنی کی تمام تر احادیث بے اصل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شفعہ شریعت میں دفع ضرر کیلئے ہے۔ اس صورت میں یہ فوری کارروائی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ کہا جائے گا کہ شفعہ کرنے والے کو اور خریدار کو سودے کے درمیان میں لٹکنے کی صورت میں کس طرح ضرر و نقصان سے بچایا جا سکتا ہے اس لئے یہ بات مقتضی ہے کہ شفعہ فی الفور کیا جائے۔ مگر یہ بات فی الفور شفعہ کرنے کے اثبات میں کافی نہیں جبکہ شفعہ کے وجود میں فی الفور کی کوئی شرط نہیں۔ اس کے ثبوت کیلئے تو دلیل کی ضرورت ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں شفعہ کو اونٹ کے بند کھولنے سے تشبیہہ دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ کا جب زانو بند کھول دیا جائے تو وہ بلاتاخیر فوراً اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اسی طرح جس وقت کوئی چیز فروخت ہو یا شفعہ کرنے والے کو اس چیز کے فروخت کئے جانے کا علم ہو اسی وقت بلاتاخیر شفعہ کر دے ورنہ تاخیر کی صورت میں اس کا شفعہ قابل قبول نہیں ہوگا اور شفعہ کا جو استحقاق اسے حاصل تھا وہ باطل ہو کر رہ جائے گا۔ یہ رائے احناف کی ہے۔ محدثین کے نزدیک تاخیر سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ شفعہ کی احادیث مطلق ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔ نیز جب شفعہ کرنے والا کم سن ہو یا وہ اس وقت وہاں موجود نہ ہو تو بھی ان کو حق شفعہ کا استحقاق رہتا ہے جیسا کہ اوپر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اگر ہمسایہ اس موقع پر موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے۔ ظاہر ہے اگر اس کا حق شفعہ باطل ہوتا تو پھر اس کا انتظار کرنے کے کیا معنی؟

١٤ - بَابُ القِرَاضِ — مضاربت کا بیان

(٧٦٥) عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «ثَلاَثٌ فِيهِنَّ البَرَكَةُ البَيْعُ إِلَى أَجَلٍ، وَالمُقَارَضَةُ، وَخَلْطُ البُرِّ بِالشَّعِيرِ لِلْبَيْتِ، لاَ لِلْبَيْعِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تین کام بڑے بابرکت ہیں۔ ایک مدت مقررہ تک بیچنا اور مضاربت کرنا اور گندم میں جو ملانا گھر کیلئے' فروخت کرنے کیلئے نہیں۔" (اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب القراض﴾ میں قاف کے نیچے کسرہ اور اہل حجاز لغت میں مقارضہ بولتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ سرمایہ ایک آدمی کا ہو اور وہ اپنا سرمایہ کسی دوسرے آدمی کو تجارت کرنے کے لئے دے اس شرط پر کہ دونوں میں طے شدہ شرائط کے مطابق منافع تقسیم ہو گا۔

حاصل کلام: اس کی سند اس لئے ضعیف ہے کہ اس میں تین راوی مجہول ہیں۔ ایک نصر بن قاسم' دوسرا عبدالرحیم بن داؤد اور تیسرا صالح بن صہیب۔ اس لئے یہ روایت ضعیف ہے۔

راوی حدیث ﴿صہیب رضی اللہ عنہ﴾ ابویحیٰ صہیب بن سنان رومی۔ اصل میں عرب ہیں نمر بن قاسط بن وائل قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ رومیوں نے انہیں بچپن میں قید کر لیا تھا۔ انہی میں نشوونما پائی اس وجہ سے رومی کہلائے۔ ایک قول کے مطابق جب یہ بڑے ہوئے اور سن شعور کو پہنچے تو ان کے ہاں سے بھاگ کر مکہ میں پہنچ گئے اور عبداللہ بن جدعان کے حلیف بن گئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بنو کلب نے ان کو رومیوں سے خرید لیا اور اسے مکہ میں لے آئے اور وہاں عبداللہ بن جدعان مشہور صحابی نے جو قدیم الاسلام تھے ان کو خرید لیا۔ اللہ کی راہ میں ان کو بڑی سزا دی گئی۔ پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور

مدینہ منورہ ہی میں ۳۸ھ میں وفات پائی۔

(٧٦٦) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ يَشْتَرِطُ عَلَى الرَّجُلِ، إِذَا أَعْطَاهُ مَالاً مُقَارَضَةً، أَنْ لاَّ تَجْعَلَ مَالِيْ فِي كَبِدٍ رَطْبَةٍ، وَلاَ تَحْمِلُهُ فِيْ بَحْرٍ، وَلاَ تَنْزِلَ بِهِ فِي بَطْنِ مَسِيْلٍ، فَإِنْ فَعَلْتَ شَيْئاً مِنْ ذٰلِكَ، فَقَدْ ضَمِنْتَ مَالِي . رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ .

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب کسی شخص کو مضاربت پر اپنا سرمایہ دیتے تھے تو اس سے یہ شرط کر لیا کرتے تھے کہ میرے مال سے حیوان کی تجارت نہ کرو گے اور سمندر میں لے کر بھی نہیں جاؤ گے اور سیلاب کی جگہوں میں لے کر اسے نہیں جاؤ گے۔ ان میں سے کوئی کام بھی اگر تم نے کیا تو میرے مال کے تم خود ضامن و ذمہ دار ہو گے۔ (اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ فی کبد رطبۃ ﴾ اس سے مراد حیوان ہے۔ یعنی ذی روح نفس۔ ﴿ بطن مسیل ﴾ پانی کے بہنے کی جگہ یعنی وادی۔ ﴿ ضمنت مالی ﴾ میرے مال کا تو ذمہ دار و ضامن ہو گا' اگر وہ ضائع ہو گیا۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ مالک سرمایہ مضاربت کرنے والے کو جس چیز سے چاہے روک سکتا ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ عَنِ الْعَلاَءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ: أَنَّهُ عَمِلَ فِي مَالٍ لِّعُثْمَانَ، عَلَى أَنَّ الرِّبْحَ بَيْنَهُمَا . وَهُوَ مَوْقُوفٌ صَحِيْحٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب باپ اور اس کے دادا کے واسطہ سے بیان کیا ہے کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مال میں تجارت اس شرط پر کی تھی کہ منافع دونوں کے درمیان تقسیم ہو گا۔ (یہ حدیث موقوف صحیح ہے)

راوی حدیث: ﴿ علاء ﴾ ان کی کنیت ابوشبل ہے اور سلسلۂ نسب یوں ہے۔ علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب جھنی۔ قبیلہ حرقہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حرقہ کے "حا" پر ضمہ اور "را" پر فتحہ ہے۔ مدینہ کے باشندے تھے۔ صغار تابعین کے مشہور بزرگوں میں سے تھے۔ صدوق تھے کبھی وہم بھی ہو جایا کرتا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ دوسرے محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ واقدی نے کہا ہے کہ خلیفہ منصور عباس کے دور میں وفات پائی۔

﴿ عبدالرحمن بن یعقوب ﴾ عبدالرحمٰن بن یعقوب جھینہ قبیلہ سے ہونے کی بنا پر جھنی کہلائے اور مدینہ میں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے مدنی کہلائے۔ اوسط تابعین کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد کے علاوہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے۔

﴿ یعقوب ﴾ یعقوب جھنی حرقہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کبار تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے روایت بھی کی ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے قلیل روایات مروی ہیں۔

١٥ - بَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالإِجَارَةِ
آبپاشی اور زمین کو ٹھیکہ پر دینے کا بیان

(٧٦٧) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے اس طرح معاملہ طے کیا کہ پھل اور کھیتی باڑی سے جو کچھ حاصل ہو اس میں سے آدھا تمہارا۔ (بخاری و مسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ لَّهُمَا: فَسَأَلُوا أَنْ يُقِرَّهُمْ بِهَا، عَلَى أَنْ يَكْفُوا عَمَلَهَا، وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلَى ذَلِكَ مَا شِئْنَا**»، فَقَرُّوا بِهَا، حَتَّى أَجْلاَهُمْ عُمَرُ.

اور ان دونوں کی ایک روایت میں ہے کہ اہل خیبر (یہود) نے خود آپؐ سے مطالبہ کیا کہ آپؐ ان کو یہاں ٹھہرنے دیں یعنی زمینوں پر قابض رہنے دیں۔ وہ کھیتی باڑی کریں گے اور اس کی پیداوار میں سے مسلمانوں کو آدھا حصہ دیا کریں گے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا "اس شرط پر کہ ہم تمہیں جب تک چاہیں گے رہنے دیں گے۔" یہ فرما کر ان کو ان زمینوں پر برقرار رکھا۔ یہ زمینوں پر برقرار رہے تاآنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلا وطن کر دیا اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہود کو خیبر کی کھجوریں اور زمین اسی شرط پر دی تھیں کہ وہ اپنے اموال سے ان پر کام کریں گے اور ان کیلئے ان کی پیداوار کا آدھا حصہ ہو گا۔

وَلِمُسْلِمٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَفَعَ إِلَى يَهُودِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَأَرْضَهَا، عَلَى أَنْ يَعْتَمِلُوهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ، وَلَهُمْ شَطْرُ ثَمَرِهَا.

لغوی تشریح: ﴿ باب المساقاۃ والاجارۃ ﴾ مساقاۃ کہتے ہیں کہ کھجور کے درختوں کا مالک اپنے درخت ایک آدمی کو دے کہ وہ اس میں کام کرے تاکہ وہ درختوں کی نگرانی کرے اور پھل صحیح طور پر پک جائے۔ تو پھل پکنے پر آدھا مالک کا اور آدھا کام کرنے والے کا ہو گا۔ پس دو حصوں میں سے ایک حصہ تو فی نفسہ درختوں کا ہے اور دوسرا عمل کا ہے جیسا مزارعت میں ہوتا ہے اور مشہور قول کے مطابق

اجارۃ میں ھمزہ کے نیچے کسرہ ہے اور یہ لغت میں اجرت کا نام ہے اور شرعاً یہ ایسا عقد ہے جس سے معلوم منافع مقصود ہو خرچ کرنے کے قابل ہو اور معلوم معاوضہ کے بدلہ مباح ہو جیسا کہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ ﴿ بشطر مایخرج ﴾ شطر کا معنی نصف۔ اس سے معلوم ہوا کہ جتنے حصہ پر اتفاق ہو وہ معلوم ہونا چاہیئے مجہول نہیں۔ ﴿ یقرھم بھا ﴾ ان کو خیبر پر برقرار رکھا۔ ﴿ یکفوا ﴾ کفایت سے ماخوذ ہے۔ ﴿ فقروا ﴾ "را" پر تشدید قرار سے ماخوذ ہے۔ باب سمع اور ضرب دونوں سے آتا ہے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برقرار رکھا۔ ﴿ اجلاھم ﴾ ان کو جلا وطن کر دیا نکال کر۔ تیماء اور اریحاء کی طرف بھیج دیا۔ ﴿ یعتملوھا ﴾ ان زمینوں کی آباد کاری اور درستگی کیلئے جدوجہد اور مساعی کریں اور ان کو درست و ٹھیک کرنے کیلئے آلات تمام کے تمام مثلاً کلہاڑی' کدال اور درانتی وغیرہ اپنے استعمال کریں گے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے نصف' نصف کی بٹائی پر زمین دینا ثابت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا باقی ائمہ ثلاثہ اور علماء سلف و خلف مزارعت کے قائل ہیں۔

خیبر کے یہود کو آپؐ نے زمین جس شرط پر دی تھی اس کی رو سے پیداوار حاصل کرنے کیلئے جتنے کام بھی ہوتے ہیں سب ان کے ذمہ تھے۔ جیسے زمین سیراب کرنا' نہروں کی صفائی و کھدائی' گھاس پھونس سے فصل کو محفوظ رکھنا وغیرہ۔ احناف نے خیبر کے معاملہ کی جو تاویل کی ہے کہ یہ لوگ آپؐ کے غلام تھے صحیح نہیں ہے کیونکہ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ نقرکم ما اقرکم اللہ ہم تمہیں صرف اس وقت تک برقرار رکھیں گے جب تک تمہیں اللہ تعالیٰ برقرار رکھے گا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپؐ کے غلام نہیں تھے۔ تو پھر احناف کی یہ تاویل بھی باطل اور مردود ہے کہ وہ آپؐ کے غلام تھے۔

(٧٦٨) وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ إِكْرَاءِ الأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالفِضَّةِ، فَقَالَ: لاَ بَأْسَ بِهِ، إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُوْنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَلَى المَاذِيَانَاتِ، وَأَقْبَالِ الجَدَاوِلِ، وَأَشْيَآءَ مِنَ الزَّرْعِ، فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا، وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا، وَلَمْ يَكُن لِلنَّاسِ كِرَآءٌ إِلاَّ هٰذَا، فَلِذٰلِكَ زَجَرَ عَنْهُ، فَأَمَّا شَيْءٌ

حضرت حنظلہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سونے اور چاندی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ اپنی زمین اس شرط پر دیا کرتے تھے کہ جو کچھ پانی کی نالیوں اور پانی کے بہاؤ میں پیدا ہو گا اور کچھ حصہ باقی کھیتی کا وہ تو میں لوں گا۔ پھر کبھی ایسا ہوتا یہ حصہ تباہ و برباد ہو جاتا اور کبھی ایسا ہوتا کہ اس حصہ میں کچھ پیداوار ہی نہ ہوتی اور لوگوں کو ٹھیکہ اسی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

مَّعْلُوْمٌ مَّضْمُونٌ، فَلاَ بَأْسَ بِهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ. سے منع فرمایا تھا۔ پس اگر کوئی چیز مقرر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

وَفِيْهِ بَيَانٌ لِّمَا أُجْمِلَ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنْ إِطْلاَقِ النَّهْيِ عَنْ كِرَآءِ الْأَرْضِ. اور اس میں اس کا بھی بیان ہے جسے بخاری و مسلم نے مجمل بیان کیا ہے کہ "زمین ٹھیکے پر نہ دیا کرو۔"

لغوی تشریح: ﴿ ماذيانات ﴾ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں ذال کے نیچے کسرہ ہے اور قاضی عیاض نے بعض راویوں سے صحیح مسلم کے علاوہ ذال کے فتحہ سے بھی بیان کیا ہے۔ یعنی پانی بہنے کی جگہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ پگڈنڈیوں کے دونوں جانب کناروں پر اگنے والی چیزیں اور ایک قول یہ بھی ہے جو کچھ چھوٹی چھوٹی ندیوں کے اردگرد اگتا ہے۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ معرب ہے یعنی عجمی لوگ اسے اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ اہل عرب نے بھی اسے عربی شکل دے کر عربی میں استعمال کرنا شروع کر دیا ﴿ اقبال الجدوال ﴾ اقبال میں ہمزہ پر فتحہ قبل کی جمع اور "جداول" چھوٹی ندی نالے یعنی ندیوں کے سروں اور ان کے شروع میں پیدا ہونے والی پیداوار۔ یہ حدیث مساقات و مزارعت کی جس صورت کو ممنوع قرار دے رہی ہے' وہ ہے نامعلوم پیداوار اور اس کی مقدار۔ یہ لوگ فاسد شرطیں طے کرتے تھے' ان سے منع کیا گیا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ندیوں' نالوں اور پگڈنڈیوں کے گرد پیداوار کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے جو سالم رہ جاتی تھی اور باقی فصل ساری برباد ہو جاتی تھی یعنی جو مشترک کھیتی باڑی ہوتی وہ برباد ہو جاتی کہ کچھ بھی حاصل نہ ہوتا۔ اس صورت میں دھوکہ و فریب اور کھلا کھلا خطرہ پایا جاتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ حنظلہ رحمۃ اللہ علیہ ﴾ بن قیس بن عمرو زرقی انصاری۔ اہل مدینہ کے ثقہ تابعی ہیں۔ ایک قول کے مطابق ان کو مشرف رؤیت نبویﷺ حاصل ہے۔

(٧٦٩) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَارَعَةِ، وَأَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ أَيْضاً. حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور ٹھیکہ پر دینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ بالمواجرة ﴾ سونے یا چاندی کے عوض زمین ٹھیکہ پر دینا۔ یہ حدیث مزارعت کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے اور بظاہر ان احادیث کے معارض و مخالف ہے جن میں اس کی اجازت دی گئی ہے مگر ابوداؤد میں حضرت عروہ کی روایت سے یہ اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو معاف فرمائے' میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس حدیث کا مجھے ان سے زیادہ علم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو انصاری آدمی آئے۔ دونوں جھگڑ رہے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تمہاری یہ حالت ہے

تو پھر کھیتی باڑی ٹھیکہ پر نہ دیا کرو۔" پس رافع نے آپؐ کے ارشاد کا بس لا تکروا المزارع کا جملہ سن لیا۔ زید کی مراد یہ تھی کہ رافع نے حدیث کا پہلا حصہ نہیں سنا لہٰذا یہ مقصود کے حصول میں مخل ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع تو نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ "تم میں سے کسی ایک کا اپنی زمین کو فائدہ اٹھانے کیلئے دینا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں معلوم و متعین محصول لے۔" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حدیث میں جو نہی ہے وہ دراصل قبل از اسلام رائج طریقہ کی ہے جو پہلی حدیث میں ذکر ہو چکی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جو نہی وارد ہوئی ہے اسے علماء نے نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے۔ دراصل بات یہ تھی کہ آغاز اسلام میں مہاجرین بالخصوص حاجت مند و ضرورت مند تھے۔ ان کے پاس زمین نہیں تھیں۔ انصار کے پاس زائد زمین کافی تھیں تو نبی ﷺ نے جس طرح انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ یعنی مواخاۃ قائم فرمائی تھی۔ اسی طرح انصار کو اپنے وطن سے بے وطن بھائیوں (مہاجرین) کو بطور احسان زمینیں دلانے کیلئے حکمت کے طور پر منع فرمایا تھا کہ اپنے بھائیوں کو کوئی محصول وصول کئے بغیر زمینیں دیں۔ یہ نہی تنزیہی اب بھی بدستور موجود ہے منسوخ نہیں ہوئی یا پھر اس سے مراد وہی صورت ہوگی جس میں کسی ایک فریق کیلئے دھوکہ اور فریب کا امکان ہو۔ امر بالمواجرۃ کا جملہ اسی مفہوم کی غمازی کر رہا ہے۔ ویسے اجارہ پر دینے سے دوسرے کو آسانی اور سہولت ہوتی ہے۔ اس لئے ابتداء میں مزارعت سے منع فرما دیا تھا مگر جب زمین کی بہتات ہوگئی تو پھر یہ پابندی ختم ہوگئی۔

راوی حدیث: ﴿ ثابت بن ضحاك رضی اللہ عنہ ﴾ ابویزید ان کی کنیت ہے۔ ثابت بن ضحاک بن خلیفہ نام ہے۔ انصاری ہیں، خزرج کے قبیلہ اشہل سے ہونے کی وجہ سے اشہلی کہلائے۔ مشہور صحابی ہیں یہ ان حضرات میں سے ایک صحابی ہیں جنہوں نے بیعت رضوان کی تھی، اس وقت یہ چھوٹے تھے۔ ایک قول کی رو سے ۴۵ھ میں وفات پائی مگر صحیح یہ ہے کہ فتنہ ابن زبیر کے دوران ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔

(۷۷۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ: اْحْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَأَعْطَى الَّذِيْ حَجَمَهُ أَجْرَهُ، وَلَوْ كَانَ حَرَاماً لَمْ يُعْطِهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود سینگی لگوائی اور سینگی لگانے والے کو اس کا معاوضہ و اجرت بھی عطا فرمائی۔ اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو آپؐ یہ معاوضہ عنایت نہ فرماتے۔ (بخاری)

(۷۷۱) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كَسْبُ الْحَجَّامِ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حجام "(سینگی لگانے والا) کی کمائی خبیث ہے یعنی سینگی لگانے کا کام بہت برا

خَبِيْثٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ كسب الحجام خبيث ﴾ گھٹیا اور رذیل پیشہ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ حرام پیشہ ہے۔ لفظ خبیث مطلق طور پر بول کر اس سے رذیل اور گھٹیا مراد لیتے ہیں۔ جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون (۲: ۲۶۷) لہٰذا ردی مال اور گھٹیا چیز کو خبیث کے نام سے موسوم کر دیتے ہیں ورنہ وہ حرام نہیں ہے۔ جمہور علماء پیشۂ حجام کو مباح سمجھتے ہیں۔ دلیل کے اعتبار سے یہی رائے قوی اور مضبوط ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(۷۷۲) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ثَلاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ، رَجُلٌ أَعْطَى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْراً فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میں قیامت کے روز تین آدمیوں کا مدعی بنوں گا پہلا وہ آدمی جو میرے نام عہد و ضمانت دے کر بدعہدی کرے۔ دوسرا وہ آدمی جو ایک آزاد آدمی کو فروخت کرے اور اس کی قیمت کھائے۔ تیسرا وہ آدمی جس نے مزدور سے کام تو پورا لیا مگر اس کی مزدوری پوری نہ دی۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ اعطى بى ﴾ یعنی اس نے میرا نام لے کر قسم کھائی' حلف لیا اور میرے نام سے معاہدہ کیا یا میرے نام پر کسی کو امان دی اور جو میں نے اپنے دین میں مقرر کیا ہے۔ (سبل السلام) ﴿ استوفى منه ﴾ یعنی اس سے کام تو پورا اور مکمل لیا۔

(۷۷۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْراً كِتَابُ اللَّهِ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بے شک سب سے زیادہ مستحق کام جس کی اجرت لی جائے کتاب اللہ ہے۔" (بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تعلیم' کتابت و طباعت وغیرہ کا معاوضہ لینا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ و مالک رحمہ اللہ اور امام اسحق رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے' البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تعلیم قرآن کی تنخواہ لینا ناجائز ہے۔ البتہ اگر کوئی آدمی کسی سے طے کئے بغیر تعلیم حاصل کرتا ہے اور از خود اپنی مرضی سے استاذ کی مالی امداد کرتا ہے تو اسے کسی نے ناجائز نہیں کہا۔

(۷۷٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ

ﷺ: «أَعْطُوا الأَجِيرَ أَجْرَهُ، قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.
وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عِنْدَ أَبِيْ يَعْلَى وَالْبَيْهَقِيِّ، وَجَابِرٍ عِنْدَ الطَّبَرَانِيِّ، وَكُلُّهَا ضِعَافٌ.

خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔" (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ابو یعلیٰ اور بیہقی نے بیان کی ہے اور طبرانی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر یہ ساری ہی روایات ضعیف ہیں۔)

(٧٧٥) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيراً فَلْيُتِمَّ لَهُ أُجْرَتَهُ»، رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَفِيْهِ انْقِطَاعٌ، وَوَصَلَهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيْقِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جو آدمی کسی مزدور کو اجرت پر کام کیلئے لگائے تو اسے اس کی پوری اجرت دینی چاہیے۔" (اسے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے اور بیہقی نے اس حدیث کو ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے واسطہ سے موصول روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿فليتم اجرته﴾ مزدور کی اجرت و معاوضہ بغیر کسی کمی کے پورا دینا چاہیے اور سبل السلام مطبوعہ مطبع مصطفیٰ محمد صاحب مکتب تجاریہ مصر ۱۳۵۳ھ کے ایک نسخہ میں "فليسم" ہے جو تسمیہ سے ماخوذ ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ مزدور کو کام پر لگانے سے پہلے مزدوری کا تعین ہونا چاہیے تاکہ عدم تعین کی وجہ سے معاملہ باہمی نزاع اور جھگڑے کی صورت اختیار نہ کر جائے۔

١٦ - بَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ — بے آباد و بنجر زمین کو آباد کرنے کا بیان

(٧٧٦) وَعَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ عَمَّرَ أَرْضاً لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا»، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. قَالَ عُرْوَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: وَقَضَى بِهِ عُمَرُ فِي خِلاَفَتِهِ.

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے غیر آباد زمین کو آباد کیا۔ وہ اس زمین کا زیادہ حقدار ہے۔" عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسی پر فیصلہ فرمایا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿باب احياء الموات﴾ "موات" کے میم پر فتحہ اور واؤ مخفف۔ ایسی زمین جو بے کار و بے آباد ہو جس کا کوئی مالک نہ ہو اور نہ کوئی کھیتی باڑی' باغبانی یا تعمیرات کے ذریعہ اس سے فائدہ حاصل کرتا ہو۔ اور اسے آباد کرنے سے مراد اس میں کھیتی باڑی یا باغبانی یا کوئی تعمیراتی کام کرنا یا کنواں کھودنا اور اسے پختہ کر کے اس کی طرف پانی جاری کرنا۔ ﴿عمر﴾ میم پر تشدید اور تخفیف یعنی آباد کیا' تعمیر کیا۔ ﴿فهو احق بها﴾ یہ زمین اسی کی ملکیت ہوگی خواہ وہ زمین آباد کاری کے قریب ہو یا بعید (حکمران و سربراہ

نے اس کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ یہ جمہور کا قول ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے مطلقاً امام کے اذن و اجازت کی شرط لگائی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ صرف وہ زمین جو اہل قریہ کے قریب ہو اس کے بارے میں امام کی اجازت ضروری ہے اور قریب کا ضابطہ یہ ہے کہ آباد ہونے والوں کیلئے اپنے جانوروں کو چرانا اور ان کی حفاظت وغیرہ جس میں آسان ہو۔

حاصل کلام : اس حدیث کی رو سے بے آباد و بنجر زمین کو جو آباد کر لے وہ اسی کی ملکیت میں آجاتی ہے بشرطیکہ وہ کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت میں نہ ہو۔ اس میں بادشاہ وقت کی اجازت کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام و بادشاہ سے اس وقت اجازت لی جائے گی جبکہ وہ زمین آبادی کے قریب واقع ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو ہر صورت میں بادشاہ سے اجازت لینا ضروری ہے۔ یہ حکم بھی صرف مسلمان کے لئے ہے کافر کے لئے اس کی گنجائش نہیں ہے

(۷۷۷) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَحْيَا أَرْضاً مَيِّتَةً. فَهِيَ لَهُ». رَوَاهُ الثَّلاثَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: رُوِيَ مُرْسَلاً، وَهُوَ كَمَا قَالَ، واخْتُلِفَ فِي صَحَابِيِّهِ، فَقِيْلَ: جَابِرٌ، وَقِيْلَ: عَائِشَةُ، وَقِيْلَ: عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، وَالرَّاجِحُ الأَوَّلُ.

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کسی نے بے آباد و بے کار پڑی زمین کو زندہ کیا وہ اسی کی ملکیت ہے۔“ (اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اسے مرسل بھی روایت کیا گیا ہے اور وہ اسی طرح ہے جس طرح کہا ہے۔ اس حدیث کے صحابی میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ مگر راجح قول پہلا ہی ہے)

لغوی تشریح : ﴿ ارضا میتة ﴾ میتہ میں ”یا“ مخفف بھی ہے اور اس پر تشدید بھی۔ یہ وہ زمین ہے جسے ابھی تک آباد نہ کیا گیا ہو۔ اسے آباد کرنے کو زندہ کرنے سے تشبیہہ دی گئی ہے اور بیکار چھوڑے رکھنے کو اس کی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حاصل کلام : ان دونوں احادیث میں زمین کو آباد کرنے اور اس میں فصل بونے‘ باغ لگانے‘ پانی محفوظ کرنے کیلئے کنواں وغیرہ کھودنے کی اجازت ہے کہ جو کوئی بے آباد زمین آباد کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔ گویا اسلام میں بیکار زمین پڑھی رہنے کا تصور نہیں۔ اسے بہرنوع آباد ہونا چاہئے کسی ملک کے استحکام کا بھی یہی تقاضا ہے اور اس سے انفرادی ملکیت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

(۷۷۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ معصب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ نبی ﷺ نے

جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لاَ حِمَى إِلاَّ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

فرمایا کہ "اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے لئے چراگاہ مخصوص کر لے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ لا حمی ﴾ حمی میں "حا" کے نیچے کسرہ اور میم پر فتحہ خفیفہ۔ ﴿ محمی ﴾ یعنی چراگاہ۔ ایسی جگہ جہاں لوگوں اور جانوروں کا داخلہ ممنوع ہو تاکہ اس میں گھاس بکثرت پیدا ہو ﴿ الا للہ ورسولہ ﴾ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ سربراہ مملکت زمین کا کچھ حصہ مخصوص کر لیتا ہے تاکہ صدقہ کے اونٹ اور جہاد کیلئے رکھے ہوئے تیار گھوڑوں اور اپنی سواری کے اونٹوں کو جنہیں راہ خدا میں کام لانے کیلئے رکھا گیا ہو کو وہاں چرنے کیلئے رکھا جائے اور سربراہ مملکت کے علاوہ دوسرا کوئی ایسا کرنے کا مجاز نہیں۔ "نہایہ" میں ہے کہ دور جاہلیت میں رئیس لوگ جب چاہتے اونچی جگہ پر کتا لے جاتے اور وہ بھونکتا' جہاں اس کے بھونکنے کی آواز سنائی دیتی وہ ساری زمین اپنے لئے مخصوص قرار دے لیتے کہ ان کے علاوہ دوسرا کوئی اپنا جانور چرانے کا کوئی حق نہیں رکھتا اور وہ خود اس ساری زمین میں عوام کے ساتھ اپنے کو شریک سمجھتا' جہاں ان کے جانور چرتے تھے۔ نبی ﷺ نے اس قسم کی ذاتی تخصیص کو ممنوع قرار دے دیا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ بے آباد زمین کو آباد کر کے اسے ملکیت میں لینا اللہ اور اس کے رسول کے چراگاہ کو مخصوص کرنے کے منافی نہیں ہے۔ سب اہل اسلام کیلئے کوئی منفعت نہیں رہتی تھی اور دوسری صورت ایسی تھی جس کی منفعت سب کیلئے یکساں تھی۔ سب لوگ اس میں شامل ہوتے اور اس کی لوگوں کو ضرورت بھی تھی۔ لہٰذا اب نائبین و جانشین خلفاء جہاد کے گھوڑوں اور اونٹوں کو چرانے کیلئے کچھ زمین مخصوص کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات کیلئے ایسا کرنا کسی کیلئے بھی جائز نہیں ہے۔

(۷۷۹) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ، وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ مِثْلُهُ، وَهُوَ فِي الْمُوَطَّإِ مُرْسَلٌ.

انہی (حضرت ابن عباسؓ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اپنے بھائی کو ایسا ضرر پہنچانا کہ اس کے حق میں کمی واقع ہو جائے اور پہنچائی گئی اذیت و ضرر سے زیادہ ضرر و نقصان پہنچانا جائز نہیں۔" (اسے احمد' ابن ماجہ دونوں نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ میں ابوسعید کے حوالہ سے اسی طرح کی حدیث منقول ہے اور وہی حدیث مؤطا میں مرسل ہے)

لغوی تشریح: ﴿ لاضرر ﴾ ضرر میں "ضاد" اور "را" دونوں پر فتحہ۔ ضرر' نفع کی ضد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو ایسی تکلیف و اذیت نہ دے جس سے اس کے حق میں کمی واقع ہو جائے ﴿ ولاضرار ﴾ ضرار میں ضاد کے نیچے کسرہ ہے جس کے معنی تکلیف دینا' دکھ پہنچانا۔ وہ اس طرح کہ جتنا کسی نے اسے ضرر و نقصان پہنچایا اس سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ اس حدیث کو اس باب میں داخل کرنے سے

مصنف کے پیش نظریہ ہے کہ بے آباد زمین کو آباد کرنا اس صورت میں جائز نہیں جس سے کسی دوسرے کو نقصان اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ بات تو امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید میں ہے جس میں انہوں نے قریب اور بعید آباد کاری کا فرق رکھا ہے اور قریب کو باذن سربراہ مشروط رکھا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ایک زریں اصول بیان ہوا وہ یہ کہ نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ ضرر کا خود شکار بنو۔ گویا کسی کو بلاوجہ ضرر و اذیت میں مبتلا کرنا ایک مسلمان کے شایان شان نہیں۔ جب کسی کو خود تکلیف دے گا تو ظاہر ہے مخالف بھی اسے اذیت دینے کی کوشش کرے گا تو اس نے گویا ازخود اپنے آپ کو اذیت اور ضرر رسانی کا نشانہ و ہدف بنایا۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حدود الہیہ کا نفاذ و اجراء اس حدیث کے ضمن میں نہیں آتا اس لئے کہ وہ امرالٰہی کی تعمیل ہے نہ کہ اپنے وہم و گمان کی پیروی۔

(۷۸۰) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَحَاطَ حَائِطاً عَلَى أَرْضٍ فَهِيَ لَهُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الجَارُودِ.

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے غیر مملوکہ زمین کے اردگرد دیوار بنالی' اتنی زمین اسی کی ملکیت ہے۔“ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن جارود نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے بھی انفرادی ملکیت نیز زمین کے اردگرد دیوار بنانا ثابت ہوتا ہے۔

(۷۸۱) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَفَرَ بِئْراً فَلَهُ أَرْبَعُونَ ذِرَاعاً، عَطَناً لِمَاشِيَتِهِ». رَوَاهُ ابن مَاجَه بِإِسْنَادٍ ضعِيفٍ.

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کہیں کنواں کھودے تو وہاں مال مویشی باندھنے کیلئے چالیس ہاتھ زمین اس کی ہے۔“ (اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿من حفر بئر﴾ بے آباد و بنجر زمین جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو' اس میں کنواں کھودا ﴿فله اربعون ذراعا﴾ وہ شخص کنوئیں کے اردگرد چالیس ہاتھ زمین کا مالک ہوگا اس لئے کہ اس جگہ کنواں کھود کر اس نے زمین کو آباد کیا اور سرسبز و شاداب کیا ہے۔ ﴿عطنا﴾ عین اور طاء دونوں پر فتحہ۔ جہاں اونٹ بیٹھتے ہیں اس جگہ کو کہتے ہیں نیز بکریوں کے باڑے کو بھی کہتے ہیں یعنی وہ جگہ جہاں بکریاں بیٹھتی ہیں۔

(۷۸۲) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَهُ أَرْضاً بِحَضْرَمَوتَ. رَوَاهُ

حضرت علقمہ بن وائل نے اپنے باپ وائل رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو حضر موت میں زمین بطور جاگیر عطا فرمائی۔ (اسے ابوداؤد اور

أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح : ﴿ اقطعه ﴾ یعنی اسے عطا کیا۔ "اقطاع" کے معنی ہیں زمین کا کوئی ٹکڑا کسی کیلئے معین کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سربراہ مملکت اپنی رعیت میں سے کسی کو بے آباد زمین میں سے کچھ حصہ اسے خصوصی طور پر عنایت کرے اور وہ اسی کی مخصوص ہو جائے۔ اس زمین کے آباد کرنے کی وجہ سے وہ اسی کی ہو جائے' اس آدمی کی بہ نسبت جس نے اسے آباد نہ کیا ہو اور جاگیر دینے کی دو صورتیں ہیں' ایک تو وہ جاگیر اس کی ملکیت میں دے دی جائے اور دوسری یہ کہ صرف اس سے انتفاع کیلئے دیا جائے یعنی اس کی آمدن سے کچھ وقت تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے۔ ﴿ بحضر موت ﴾ "حا" پر فتحہ اور "ضاد" ساکن اور "را" پر فتحہ اور میم پر بھی فتحہ اور قاموس میں میم پر ضمہ ہے۔ علمیت اور ترکیب دو سبب غیر منصرف پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ یہ یمن کے جنوب میں واقع ہے۔

راوی حدیث : ﴿ علقمه بن وائل ﴾ ان کا پورا نام علقمہ بن وائل بن حجر کندی حضرمی کوفی ہے۔ صدوق راوی ہیں۔ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے۔ اس نے اپنے باپ اور مغیرہ سے روایت کی ہے۔

(٧٨٣) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَ الزُّبَيْرَ حُضْرَ فَرَسِهِ، فَأَجْرَى الفَرَسَ حَتَّى قَامَ، ثُمَّ رَمَى بِسَوْطِهِ، فَقَالَ أَعْطُوهُ حَيْثُ بَلَغَ السَّوْطُ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَفِيهِ ضَعْفٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کے گھوڑے کی دوڑ کے برابر زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمائی۔ جب ان کا گھوڑا ٹھہر گیا تو انہوں نے اپنا کوڑا آگے پھینک دیا۔ آپ ؐ نے فرمایا "جہاں تک کوڑا گرا وہاں تک زبیر کی زمین ہے۔" (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے مگر اس میں ضعف ہے)

لغوی تشریح : ﴿ حضر فرسه ﴾ "حا" پر ضمہ اور ضاد ساکن۔ گھوڑے کی دوڑ کے برابر۔ نصب اس پر اس بنا پر آیا ہے کہ اس کا مضاف محذوف ہے یعنی ایک مرتبہ جتنا دوڑ سکے۔ ﴿ حتی قام ﴾ گھوڑا ٹھہر گیا اور بھاگنے' چلنے سے رک گیا۔

حاصل کلام : اس حدیث کی رو سے سربراہ کیلئے کسی آدمی کو اس کی مخصوص ملی' دینی خدمات کے اعتراف کے طور پر صلہ میں جاگیر دینا جائز ہے۔ ہاں یہ شرط ہے کہ وہ زمین کسی دوسرے کی ملکیت میں نہ ہو۔

(٧٨٤) وَعَنْ رَجُلٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ:

ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھا کہ میں نے آپ ؐ کو ارشاد فرماتے سنا کہ "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں

النَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ : فِي الْكَلَإِ وَالْمَاءِ وَالنَّارِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

سب حصہ دار ہیں۔ گھاس' پانی اور آگ۔" (احمد و ابوداؤد اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿النار﴾ یہاں آگ سے مراد وہ ایندھن جسے لوگ حصول آگ کیلئے جلاتے ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے اس سے مراد وہ پتھر ہیں جن سے آگ جلائی جاتی ہے جب کہ وہ کوئلہ کی صورت میں ہوتے ہیں اور بعض نے اس سے چراغ مراد لیا ہے کہ اس کے روشن ہونے سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ان تینوں چیزوں میں سے کسی کو کسی بھی انسان نے مخصوص نہیں کیا مگر گزشتہ احادیث کی بنا پر امام و سربراہ کی مقرر کی ہوئی چراگاہ کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے۔

١٧ - بَابُ الْوَقْفِ۔ وقف کا بیان

(٧٨٥) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ، إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب انسان وفات پا جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل ایسے ہیں جن کا اجر و ثواب اسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ' علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو' صالح اولاد جو مرنے والے کیلئے دعا کرے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الوقف﴾ لغوی معنی روکنا' محبوس رکھنا اور شرعی طور پر وقف کے یہ معنی ہیں کہ کسی چیز کی اصل محفوظ رکھتے ہوئے مباح جگہ پر خرچ کرنا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے فائدہ اٹھانا' اسے فروخت یا ہبہ وغیرہ نہ کرنا۔ اللہ کی راہ میں دے دینا جس سے عوام فائدہ اٹھائیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی مرنے والے کو بعض اعمال کا ثواب پہنچتا ہے۔ اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ صدقہ جاریہ' ایسا صدقہ جس کو عوام کی بھلائی کیلئے وقف کر دیا جائے مثلاً سرائے تعمیر کرنا' کنواں' نل وغیرہ لگوانا' مساجد کی تعمیر کروانا' کوئی ہسپتال تعمیر کروانا' پل' سڑک بنوانا ان میں سے جو کام بھی وہ اپنی زندگی میں کر جائے یا اس کے کرنے کا ارداہ رکھتا ہو۔ وہ سب صدقہ جاریہ شمار ہوں گے علم میں لوگوں کو دینی تعلیم دینا' دلوانا' طلباء کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنا۔ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا سلسلہ قائم کر جانا' مدارس کی تعمیر' دینی کتب کی طباعت و نشر و اشاعت کا بندوبست کرنا وغیرہ۔ صالح اولاد میں بیٹا' بیٹی' پوتا' پوتی' نواسا' نواسی وغیرہ کے علاوہ روحانی اولاد بھی شامل ہو سکتی ہے جسے علم دین سے آراستہ کیا ہو۔ ان کو راہ راست اور صراط مستقیم کی روشنی دکھائی اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار ہونے سے بچا لیا۔ صالح اولاد مرنے والے کو اپنے نیک و صالح

عمل کے ذریعہ اور نمازوں میں دعاؤں میں یاد رکھتی ہے اس کیلئے گناہوں کی معافی اور بلندی درجات کی دعا کرتی ہے۔ یہ دراصل مرنے والے کے اپنے عمل کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو اسے مرنے کے بعد بھی ملتا ہے۔

(٧٨٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: أَصَابَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَرْضاً بِخَيْبَرَ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَأْمِرُهُ فِيهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضاً بِخَيْبَرَ، لَمْ أُصِبْ مَالاً قَطُّ هُوَ أَنْفَسُ عِنْدِيْ مِنْهُ، قَالَ: إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا، وَتَصَدَّقْتَ بِهَا، قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ لاَ يُبَاعُ أَصْلُهَا، وَلاَ يُورَثُ، وَلاَ يُوهَبُ، فَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَآءِ، وَفِي الْقُرْبَى، وَفِي الرِّقَابِ، وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَابْنِ السَّبِيْلِ، وَالضَّيْفِ، لاَ جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَن يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، وَيُطْعِمَ صَدِيْقاً، غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالاً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ: تَصَدَّقَ بِأَصْلِهَا: لاَ يُبَاعُ، وَلاَ يُوْهَبُ، وَلٰكِن يُنْفَقُ ثَمَرُهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (میرے باپ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر کے علاقہ میں زمین ملی تھی۔ (میرے باپ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں مشورہ طلب کرنے کیلئے حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! مجھے خیبر میں کچھ زمین حاصل ہوئی ہے ایسی نفیس و قیمتی کہ اس سے پہلے کبھی بھی ایسی زمین مجھے نہیں ملی۔ میں اسے صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "اگر چاہو تو اصل کو اپنے پاس روک لو اور اس کی پیداوار صدقہ کر دو۔" راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو فقیروں' قرابت داروں' غلاموں کو آزاد کرنے میں اور راہ خدا میں' راہ چلتے مسافروں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کیلئے وقف کر دیا اور وصیت بھی کر دی کہ اس کا منتظم و نگہبان معروف طریقہ کے مطابق خود بھی کھا سکتا ہے اور احباب و رفقاء کو بھی کھلا سکتا ہے۔ مگر مال کو ذخیرہ بنا کر نہ رکھے۔ (بخاری و مسلم' یہ الفاظ مسلم کے ہیں) اور بخاری کی روایت میں ہے کہ اس کے اصل کو صدقہ کر دیا یعنی وقف کر دیا جو نہ فروخت کیا جائے گا اور نہ ھبہ کیا جائے گا لیکن اس کی پیداوار' راہ خدا میں خرچ کی جائے گی۔

لغوی تشریح: ﴿ اصاب عمر ﴾ مال غنیمت کے حصہ میں سے پایا ﴿ ارضا بخیبر ﴾ یعنی خیبر کی زمین سے' اس زمین کا نام ثمغ تھا۔ ﴿ یستامرہ ﴾ آپ سے مشورہ طلب فرمایا ﴿ انفس ﴾ نہایت عمدہ اور بہت ہی نفیس و قیمتی' گراں قدر ﴿ حبست ﴾ میں "با" پر تشدید اور تخفیف دونوں طرح' روک لے۔ ﴿ وتصدقت بھا ﴾ اس سے حاصل ہونے والا فائدہ یعنی پھل وغیرہ' صدقہ کر دے ﴿ فی القربی ﴾ اس سے مراد قریبی رشتہ دار ﴿ وفی الرقاب ﴾ رقاب میں "را" کے نیچے کسرہ اور رقبۃ کی جمع ہے مراد وہ

غلام ہیں جنھوں نے پروانہ آزادی کیلئے مالک سے رقم طے کر کے مکاتبت کرلی ہو کہ اتنی رقم ادا کر کے وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور ممکن ہے یہ بھی مراد ہو کہ غلاموں کو خرید کر آزادی کی نعمت سے سرفراز کر دے۔ ﴿ لا جناح علی من ولیھا ﴾ یعنی جو شخص ان کی نگرانی و نگہبانی اور حفاظت کا ذمہ دار بنے اس کیلئے کوئی مضائقہ نہیں کہ ﴿ ان یاکل منھا بالمعروف ﴾ کہ معروف عادت و رواج کے مطابق اس سے اپنے کھانے کیلئے اور اپنی ضرورت کی حد تک لباس کیلئے لے سکتا ہے ﴿ غیر متمول مالا ﴾ یعنی مال جمع کرنے والا نہ ہو۔ گرائمر میں یہ ولیھا کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں وقف کرنے اور پھر اسے آگے فروخت کرنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا۔ یعنی جو چیز وقف کر دی جائے اسے پھر فروخت نہیں کیا جا سکتا اور نہ اسے ہبہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وقف کے فروخت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ اپنی رائے سے رجوع کر لیتے۔

(۷۸۷) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ، اَلْحَدِيْثَ، وَفِيْهِ «فَأَمَّا خَالِدٌ، فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ وَأَعْتَادَهُ فِي سَبِيْلِ اللهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صدقات کی وصولی پر مقرر فرما کر بھیجا۔ (الحدیث) اور اس میں ہے کہ "رہا خالد (رضی اللہ عنہ) تو اس نے اپنی تمام زرہیں اللہ کے راستے میں وقف کر دی ہیں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ الحدیث ﴾ مکمل حدیث یوں ہے کہ ابن جمیل' خالد بن ولید اور عباس بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کے چچا نے زکوٰۃ نہ دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ابن جمیل تو اس چیز کا بدلہ لیتا ہے کہ وہ فقیر و محتاج تھا اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار کر دیا اور خالدؓ کا معاملہ تو یہ ہے کہ تم لوگ خالدؓ سے ناانصافی کر رہے ہو اس نے تو اپنی ساری زرہیں راہ خدا میں وقف کر دی ہیں اور عباسؓ کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے۔ میں فرض زکوٰۃ بھی دوں گا اور اتنی ہی مزید بھی۔" ﴿ ادراع ﴾ درع کی جمع ہے یعنی زرہ۔ ﴿ واعتاد ﴾ اعتد کی جمع ہے عتد کے عین اور تا دونوں پر فتحہ ہے۔ اس کے معنی ہیں جہاد فی سبیل اللہ کیلئے از قسم اسلحہ و سامان جنگ اور جانور کو تیار رکھنا۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ زکوٰۃ کے مال میں سے وقف کرنا بھی صحیح ہے۔ بایں طور کہ اس رقم سے آلات حرب و ضرب جہاد فی سبیل اللہ کیلئے حاصل کئے جائیں اور یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ساز و سامان اور حیوان کو بھی وقف کرنا درست ہے۔ اس لئے کہ "اعتاد" کی تفسیر جہاد کیلئے گھوڑا تیار رکھنا کی گئی ہے اور یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ کو آٹھ مصارف زکوٰۃ میں سے صرف

ایک پر خرچ کرنا جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿ خالد رضی اللہ عنہ ﴾ ابو سلیمان ان کی کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی قرشی۔ ان کی والدہ کا نام عصماء تھا اور انہی کو لبابہ صغریٰ بھی کہا گیا ہے۔ یہ حارث کی بیٹی تھی اور لبابہ یعنی ام فضل زوجہ عباس رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بہن تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے ۸ھ میں اسلام قبول کیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے ۵ھ یا ۶ھ میں اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ' غزوۂ حنین اور تبوک میں حاضر رہے اور غزوۂ موتہ کے روز ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیف اللہ کا لقب عنایت فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتنۂ ارتداد کے موقع پر ان کو عامل مقرر فرمایا۔ اس کے بعد اہل فارس سے نبرد آزما ہوئے۔ پھر ان کو شام کی طرف بھیجا انہوں نے شام کا اکثر علاقہ فتح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معزول کرنے تک وہ فوج کے قائد رہے۔ معزولی کے بعد حمص جاگزیں ہوگئے۔ تادم آخریں یہیں قیام پذیر رہے۔ ۲۱ھ میں وفات پائی اور حمص سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ایک بستی میں ان کو دفن کیا گیا۔

۱۸ - بَابُ الْهِبَةِ وَالْعُمْرَى وَالرُّقْبَى — ہبہ' عمریٰ اور رقبیٰ کا بیان

(۷۸۸) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ ٱبْنِيْ هٰذَا غُلاَماً كَانَ لِيْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَه مِثْلَ هٰذَا؟** فَقَالَ: لاَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **فَأَرْجِعْهُ**. وَفِي لَفْظٍ: فَٱنْطَلَقَ أَبِيْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لِيُشْهِدَهُ عَلَى صَدَقَتِيْ، فَقَالَ: **أَفَعَلْتَ هٰذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ؟** قَالَ: لاَ، قَالَ: **«اتَّقُوا اللَّهَ، وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلاَدِكُمْ»**، فَرَجَعَ أَبِي فَرَدَّ تِلْكَ الصَّدَقَةَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنا ذاتی غلام اپنے اس بیٹے کو ہبہ کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا "کیا تو نے اپنی ساری اولاد کو اس طرح (غلام) ہبہ کیا ہے؟" اس نے کہا نہیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو پھر اسے واپس کر لو" اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ میرے والد صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ میرے ہبہ پر آپ کو گواہ بنائیں۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا "کیا تو نے ایسا اپنی ساری اولاد کے ساتھ کیا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرو۔" چنانچہ میرے والد نے وہ ہبہ واپس کر لیا۔ (بخاری و مسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: قَالَ: فَأَشْهِدْ عَلَى هٰذَا غَيْرِيْ، ثُمَّ قَالَ: «أَيَسُرُّكَ أَن يَكُونُوا لَكَ فِي البِرِّ سَوَآءً» قَالَ: بلى. قال: «فَلاَ إِذَنْ».

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو پھر میرے سوا اس پر کسی اور کو گواہ بنا لو پھر آں حضور ﷺ نے فرمایا "کیا تجھے یہ پسند نہیں ہے کہ تیری ساری اولاد تیرے ساتھ یکساں بھلائی کا سلوک کرے؟" وہ بولا کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا "پھر تو ایسا مت کر۔"

لغوی تشریح: ﴿ باب الھبۃ الخ ﴾ ھبہ اس عطیہ و تحفہ کو کہتے ہیں جو بغیر کسی عوضانہ کے دیا جائے اور عمریٰ عین کے ضمہ اور میم ساکن حبلی کے وزن پر ہے عمر سے ماخوذ ہے جس کا معنی ایک آدمی اپنا مکان دوسرے کو دیتا اور یوں کہتا کہ میں نے یہ مکان تاحیات تجھے دیا تاحیات اسی عطیہ کو عمریٰ کہا جاتا ہے اور رقبیٰ بھی حبلیٰ کے وزن اور وہ اس طرح کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ یہ مکان تیرا ہے۔ اس شرط پر اگر میں مرجاؤں تو یہ مکان تیرا اور اگر تو مرگیا تو میں مکان واپس لے لوں گا۔ گویا ہر ایک ان میں سے دوسرے کی موت کے انتظار میں رہتا اس لئے اسے رقبیٰ کہتے ہیں۔ ﴿ نحلت ﴾ اعطیت اور وھبت کے معنی میں ہے یعنی تو نے عطیہ دیا اور تو نے ھبہ کیا ہے۔ ﴿ فارجعہ ﴾ اپنا ہبہ کیا ہوا غلام واپس لوٹا لے۔ ﴿ لیشھد ﴾ تاکہ اس ھبہ و عطیہ پر آپ کو گواہ بنائے۔ یہ اشھاد سے ماخوذ ہے یعنی ایسا اس نے اس غرض کیلئے کیا کہ وہ آپ کو شاھد و گواہ بنائے ﴿ فاشھد علی ھذا غیری ﴾ اشھد امر کا صیغہ ہے آپ نے یہ بھی اس لئے فرمایا کہ یہ فعل آپ کی نظر میں غیر پسندیدہ تھا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ظلم و بے انصافی پر گواہ نہیں بنتا۔ ﴿ فلا اذن ﴾ تو اپنی اولاد کے درمیان عطیہ دینے میں تفریق نہ کر اور نہ ہی ایک کو دوسرے پر برتری و فضیلت دے جبکہ تیری خواہش ہے کہ تیرے ساتھ تیری اولاد کا نیکی و بھلائی میں یکساں سلوک ہو۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ اولاد کو عطیہ دینے میں مساویانہ سلوک کرنا چاہئے۔ جب برابری اور مساوی طور پر نہ ہو تو یہ باطل ہے مگر جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ مساوی سلوک مندوب ہے۔ عطیہ وہبہ میں کسی کو زیادہ دینے سے ھبہ باطل نہیں ہوتا۔ مگر افسوس کہ کیا ترک ندب کا نام جور و ظلم رکھا جا سکتا ہے؟ کیونکہ آپؐ نے برابری نہ کرنے کو جور و ظلم قرار دیا ہے جبکہ انہوں نے عطیہ میں برابری کو مندوب کہا ہے واجب قرار نہیں دیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد میں عطیات کی مساویانہ تقسیم واجب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ' ثوری رحمہ اللہ اور اسحٰق رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے کہ جب برابری نہ ہو تو ہبہ باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا بشیر کو یہ فرمانا کہ غلام کو واپس لے لو اسی کی تائید کرتا ہے۔ سعید بن منصور اور بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لڑکا اور لڑکی سب کو برابر برابر دینا چاہئے مگر جمہور علماء کے نزدیک برابری مستحب ہے' واجب نہیں۔

(۷۸۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «العَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ، الَّذِيْ يَعُودُ فِي هِبَتِهِ كَالكَلْبِ يَقِيْءُ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْ قَيْئِهِ».

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "ہبہ کر کے اسے واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو خود قے کرتا ہے اور پھر اسے کھا لیتا ہے۔" (بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ "ہمارے لئے اس سے بری مثال اور کوئی نہیں کہ جو شخص اپنے ہبہ کو دے کر واپس لیتا ہے وہ اس کتے کی مانند ہے جو خود ہی قے کرتا ہے اور پھر اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

لغوی تشریح: یہ حدیث ھبہ کردہ چیز کو واپس لینے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے البتہ والد اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ اس سے آئندہ حدیث میں ہے۔ والد نے جو ھبہ اپنی اولاد کو کیا اسے مستثنیٰ قرار دیتی ہے۔ مگر حنفیہ کا مذھب ہے کہ ھبہ کردہ چیز کو واپس لینا حلال ہے اور بعض نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ آنحضور ﷺ کے ارشاد گرامی کا لفظ ﴿كالكلب﴾ اس کی عدم حرمت پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ کتا تو غیر مکلف ہے اور اس کی اپنی قے اس کیلئے حرام نہیں ہے۔ حالانکہ جب کتا غیر مکلف ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کی قے اس کیلئے حلال ہے یا حرام۔ کیونکہ تحلیل و تحریم ان فروع میں سے ہے جس کا کسی کو مکلف بنایا گیا ہو۔ جیسا کہ شجر و حجر (درخت اور پتھر) کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ اندھا اور بینا ہے اس لئے کہ وہ اندھے پن اور بصارت کا محل ہی نہیں۔ لہٰذا اس حدیث میں تشبیہ، تحلیل یا تحریم کے اعتبار سے ہی نہیں اور جب ان دونوں وجوہ میں سے کسی وجہ سے تشبیہ کا امکان نہیں تو پھر اصل میں تحلیل یا تحریم پر دلالت باقی ہی نہیں رہتی۔ تحریم تو نص صریح سے ثابت ہوتی ہے اور اس کا مرجع بھی متعین ہوتا ہے اور جہاں تک تشبیہ کا تعلق ہے اس سے حرام کو بہت قبیح صورت میں پیش کرنا اور اسے قابل نفرت بنانا اور اس کے نہایت برے منظر کو دکھانا مقصود ہے۔ کاش مجھے علم ہوتا کہ انسان کیسے راضی ہو جاتا ہے کہ وہ کتے کے درجہ میں گر جائے۔ پھر اس درجہ میں اتر جائے کہ پہلے قے کرے اور پھر اپنی قے چاٹ لے۔

(۷۹۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لاَ يَحِلُّ لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَنْ يُعْطِيَ العَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعَ فِيهَا، إِلاَّ الوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ "کسی مسلم مرد کیلئے حلال نہیں ہے کہ عطیہ دے کر واپس لے۔ بجز والد کے کہ وہ اپنی اولاد کو دیئے گئے عطیہ کو واپس لے سکتا ہے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور

وَلَدَهُ»۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام : عطیات دینا اسلامی معاشرے میں محبت و مؤدت کی علامت ہے۔ تحفہ تحائف آپس میں دینے چاہئیں۔ دے کر واپس لینا صرف والد کے سوا باقی کسی کیلئے جائز نہیں۔ جمہور کا مذہب تو یہی ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ذوی الارحام کے سوا باقی سے واپس لینا جائز ہے مگر یہ اور سابقہ حدیث ان کے موقف کے صراحتاً مخالف ہے۔

(۷۹۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْبَلُ الهَدِيَّةَ، وَيُثِيبُ عَلَيْهَا. رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ و تحفہ قبول فرما لیتے تھے اور اس کے بدلہ میں کچھ عنایت بھی فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری)

لغوی تشریح : ﴿ يثيب عليها ﴾ اس کے بدلہ و عوض میں کچھ عنایت فرماتے تھے۔ یہاں ثواب سے مراد ہے اس کے بدلہ میں دینا۔

حاصل کلام : یہ حدیث ثابت کر رہی ہے کہ تحفہ قبول کرنا اور اس کا بدلہ دینا سنت رسول مقبول ﷺ ہے بلکہ ابن ابی شیبہ میں ہے کہ آپ ہدیہ و تحفہ کا بدلہ بہتر صورت میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اگر کسی کے پاس ھدیہ دینے کی گنجائش نہ ہو تو کم از کم اس کیلئے جزاک اللہ خیراً کی دعا کا تحفہ ضرور دینا چاہئے۔ اگر کسی نے دوسرے کو تحفہ اس نیت و خیال سے دیا کہ وہ بھی ضرور تحفہ دے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ باطل ہے اور دوسرے کہتے ہیں کہ جائز ہے۔

(۷۹۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: وَهَبَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ نَاقَةً، فَأَثَابَهُ عَلَيْهَا، فَقَالَ: رَضِيتَ؟ قَالَ: لاَ، فَزَادَهُ، فَقَالَ: رَضِيتَ؟ قَالَ: لاَ، فَزَادَهُ، فَقَالَ: رَضِيتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک اونٹنی ہبہ کی۔ آپ نے اس آدمی کو کچھ ہدیہ عنایت فرمایا اور دریافت فرمایا کہ "کیا تو راضی ہے؟" اس نے جواب دیا' نہیں! پھر مزید کچھ مرحمت فرما کر پوچھا کہ "اب تو خوش ہے" اس نے پھر یہی کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے اسے مزید برآں دے کر دریافت فرمایا کہ "اب تو راضی ہے؟" بولا' ہاں۔ (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام : اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تحفہ و ہدیہ قبول کرنا اور اس کے عوض میں کوئی چیز دینا جائز

ہے۔

(۷۹۳) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «العُمْرَى لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "عمریٰ اسی کا ہے جسے ہبہ کیا گیا ہے۔" (بخاری و مسلم)

وَلِمُسْلِمٍ: أَمْسِكُوا عَلَيْكُمْ أَمْوَالَكُمْ، وَلاَ تُفْسِدُوهَا، فَإِنَّهُ مَنْ أَعْمَرَ عُمْرَى، فَهِيَ لِلَّذِيْ أُعْمِرَهَا، حَيًّا وَمَيِّتاً، وَلِعَقِبِهِ.

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ "تم اپنے اموال کو اپنے پاس محفوظ رکھو۔ ان کو ضائع نہ کرو۔ جس شخص نے کسی کو عمریٰ کیا۔ عمریٰ اسی کا ہے جسے ہبہ کیا گیا' زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی اور اس کی وفات کے بعد اس کے وارثوں کیلئے ہے۔"

وَفِيْ لَفْظٍ: إِنَّمَا العُمْرَى الَّتِيْ أَجَازَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَن يَقُولَ: هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ، فَأَمَّا إِذَا قَالَ: هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ، فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلَى صَاحِبِهَا.

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں جس عمریٰ کو رسول اللہ ﷺ نے جائز رکھا ہے وہ یہ ہے کہ عمریٰ دینے والا یہ الفاظ کہے کہ تیرے لئے ہے اور تیرے بعد تیری اولاد کیلئے ہے لیکن جب یہ کہے کہ جب تک تو زندہ ہے اس وقت تک تیرے لئے ہے تو' وہ اپنے دینے والے کی طرف پلٹ جائے گا۔

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ: لاَ تُرْقِبُوا، وَلاَ تُعْمِرُوْا، فَمَنْ أُرْقِبَ شَيْئاً، أَوْ أُعْمِرَ شَيْئاً، فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ.

ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ "تم نہ رقبیٰ کرو اور نہ عمریٰ۔ پس جس شخص نے کوئی چیز رقبی کی یا عمریٰ میں دی تو وہ اس کے ورثاء کیلئے ہے۔"

لغوی تشریح: ﴿العمری لمن وهبت له﴾ وهب له کا فعل صیغۂ مجہول ہے' مطلب یہ ہے کہ چیز کو لینے والا اپنے قبضہ میں پوری طرح لے گا اور پہلے کی طرف واپس نہیں کی جائے گی۔ ﴿فهی للذی اعمرها﴾ پس یہ چیز اس کی ملکیت ہوگی جس کیلئے عمریٰ کی گئی۔ اعمر اس جگہ بھی صیغۂ مجہول ہے یعنی جس کیلئے عمریٰ کیا گیا اسی کی ملکیت ہوگی۔ ﴿حیا و میتا﴾ جب تک زندہ رہے گا اس پر اس کا قبضہ ہوگا اور مرنے کے بعد اس کے وارث اس کے مالک ہوں گے یعنی اولاد وغیرہ اور دینے والے کی جانب کسی صورت بھی واپس نہیں ہوگی۔ ﴿ولعقبه﴾ عین پر فتحہ اور قاف کے نیچے کسرہ اور اسے ساکن پڑھنا بھی جائز ہے۔ انسان کی نسلی اولاد۔ یعنی اس کی وفات کے بعد وہ اس چیز کی وارث ہوگی ﴿انما العمری التی اجازها﴾ وہ عمریٰ جسے رسول اللہ ﷺ نے جائز قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عمریٰ حاصل کرنے والا اس کا

مکمل مالک ہوگا اس طرح کہ اب وہ پہلے کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گی۔ واضح رہے کہ عمریٰ کی تین اقسام ہیں۔ ہمیشہ ہمیش کیلئے دینا۔ وہ اس طرح کہ وہ یوں کہے کہ یہ مکان ہمیشہ کیلئے تمہارا ہے یا اس طرح کہے کہ یہ چیز تیرے اور تیرے وارثوں کیلئے ہے لہٰذا یہ اس کی ملکیت میں دینا یا ھبہ کرنا ہوگا جو پہلے کی طرف لوٹ کر نہیں آئے گا۔ دوسرا مقید وقت یعنی زندگی بھر کیلئے دینا۔ وہ اس طرح کہ وہ کہے یہ چیز تمہاری زندگی تک تمہاری ہے جب تو وفات پا جائے تو میری طرف واپس آجائے گی۔ پس اس صورت میں نہ یہ ھبہ شمار ہوگی اور نہ تملیک۔ بلکہ یہ عارضی طور پر ایک مخصوص مدت تک کیلئے عاریتاً دینا شمار ہوگا۔ مدت متعین کے اختتام پر یہ چیز پہلے کی طرف لوٹ جائے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس شرط کے ساتھ عمریٰ صحیح نہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس طرح مشروط طور پر عمریٰ کرنا صحیح ہے مگر شرط فاسد ہے اور پہلے کی طرف نہیں لوٹے گی۔ یہ دونوں اقوال مرجوح ہیں اور تیسرا بغیر کسی شرط کے دینا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں نے اپنا مکان تیرے لئے عمریٰ کیا۔ اس میں اس نے نہ تو ہمیشگی کی قید لگائی اور نہ زندگی بھر کی۔ جمہور نے اس صورت کو بھی رقبہ کی ملکیت پر محمول کیا ہے اور اس صورت میں بھی وہ پہلے کی طرف واپس نہیں ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منافع کی ملکیت کی صورت ہے' رقبہ کی ملکیت تو نہیں لہٰذا جسے یہ چیز عمریٰ کی گئی ہے اس کی موت کے بعد وہ پہلے کی طرف لوٹ آئے گی۔ جمہور کا قول راجح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عمریٰ تمام حالات میں گھر سے فوائد و منافع کی ملکیت پر منتج ہوگا اور گھر کو زندگی بھر کی شرط پر دینے سے اس کا مالک نہیں بن سکے گا۔ ﴿ لا ترقبوا ولا تعمروا ﴾ ترقبوا اور تعمروا دونوں باب افعال سے ماخوذ ہیں۔ رقبیٰ اور عمریٰ دونوں سے منع فرمایا ہے۔ ﴿ فمن ارقب ﴾ یہاں بھی ارقب اور اعمر دونوں باب افعال سے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے رقبیٰ کی صورت میں بھی ملکیت اسی طرح ہوتی ہے جس طرح عمریٰ میں ہوتی ہے اسے عاریتاً لینا نہیں کہتے اور جہاں تک نہی کا تعلق ہے تو وہ صرف مصالح کی طرف رہنمائی کیلئے ہے بایں معنی کہ اپنے مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا لیکن اگر تم ایسا کر گزرو تو صحیح ہوگا۔

(٧٩٤) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، فَأَضَاعَهُ صَاحِبُهُ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: «لاَ تَبْتَعْهُ، وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ» اَلْحَدِيْثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک گھوڑا اللہ کے راستہ میں ایک آدمی کو سواری کیلئے دیا۔ اس نے اسے ناکارہ کر دیا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ اسے سستے داموں بیچنے والا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں اسے خرید سکتا ہوں؟ آپ ؐ نے فرمایا "تمہیں اگر یہ گھوڑا ایک درھم کے عوض بھی دے تب بھی نہ خریدو۔" (الحدیث) (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ حملت الخ ﴾ میں نے گھوڑا دیا تا کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کیلئے اس پر سوار ہو۔ ﴿ فاضاعه ﴾ یعنی اس کی دیکھ بھال اور حفاظت میں بے پروائی و عدم توجہی کی وجہ سے وہ کمزور اور دبلا پتلا ہوگیا۔ ﴿ برخص ﴾ "را" پر ضمہ اور "خا" ساکن' غلاء کا متضاد۔ غلاء کے معنی گراں' مہنگا اور رخص کے معنی کم قیمت اور سستا۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے خیرات و صدقہ میں دی ہوئی چیز قیمتاً بھی واپس نہیں لینی چاہئے۔ بعض علماء نے اسے خریدنا حرام ٹھہرایا ہے لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ نھی تنزیہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے ان کا خیرات کردہ گھوڑا خریدنے سے منع فرمایا کہ ایسی خاص صورتوں میں فروخت کرنے والا خریدار سے تسامح اور چشم پوشی کر جاتا ہے جس سے فروخت کنندہ کو نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس طرح جتنی کمی اس چیز کی قیمت میں واقع ہوگی وہ گویا اپنی خیرات کو واپس لینے کے مترادف ہوگی جو جائز نہیں۔

(٧٩٥) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تَهَادُوا تَحَابُّوا». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ، وَأَبُو يَعْلَى بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔" (اسے بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے اور ابویعلیٰ نے حسن سند سے نقل کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ تهادوا ﴾ دال پر فتحہ۔ تھادیٰ سے امر کا صیغہ ہے یعنی باہمی طور پر ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو ﴿ تحابوا ﴾ "با" پر تشدید اور امر کے جواب میں ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے یعنی تمہارے درمیان محبت پیدا ہوگی۔

حاصل کلام: ایک دوسرے کو تحفہ دینا آپس میں محبت کا باعث ہے۔ اسلام محبت و مؤدت کا علمبردار ہے' عداوت و دشمنی کا اس میں کوئی تصور نہیں۔

(٧٩٦) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تَهَادُوا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تَسُلُّ السَّخِيمَةَ». رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تحفے تحائف کا باہمی تبادلہ کیا کرو کیونکہ یہ ہدیہ بغض و کینہ کو نکال دیتا ہے۔" (اسے بزار نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ تسل السخيمة ﴾ تسل باب نصر ينصر سے ہے اور سخیمۃ سین پر فتحہ اور "خا" کے نیچے کسرہ۔ یعنی کبر و نخوت اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سین پر ضمہ اور "خا" پر فتحہ یعنی کینہ' پوشیدہ دشمنی یعنی وہ دشمنی جو دل میں بیٹھ جائے۔ معنی یہ ہوئے کہ ہدیہ کے ذریعہ بغض و کینہ اور مخفی دشمنی کو نکال دیتا ہے۔

(۷۹۷) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی اپنی ہمسائی کیلئے ہدیہ بھیجنے کو حقیر ہرگز نہ سمجھے خواہ وہ ہدیہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ لا تحقرن ﴾ حقیر نہ سمجھے یعنی جو ہدیہ کسی کو دیا جائے اسے دینے والا حقیر تصور نہ کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ ہدیہ دینا ترک کر دیں گے اور جسے ہدیہ دیا گیا ہو وہ بھی اسے حقیر نہ سمجھے اگرچہ ہدیہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿ فرسن ﴾ "فا" کے نیچے کسرہ اور "را" ساکن اور پھر سین کے نیچے کسرہ۔ کھر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۷۹۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ وَهَبَ هِبَةً فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا، مَا لَمْ يُثَبْ عَلَيْهَا». رَوَاهُ الحَاكِمُ، وَصَحَّحَهُ، وَالمَحْفُوظُ مِن رِوَايَةِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَوْلُهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جو شخص کوئی چیز ہبہ کرے وہی اس کا زیادہ۔ مستحق ہے جبکہ اس کا بدلہ نہ دیا جائے۔" (اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے)

حاصل کلام: اسی معنی کی دو روایتیں حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ بعض نے ان روایتوں کی بنا پر یہ قید لگائی ہے کہ جب ہدیہ کا بدلہ دے دیا گیا تو پھر ہبہ واپس لینا حرام ہے۔ مگر علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ حضرات ابن عمر رضی اللہ عنہما ' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سمرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایات ضعیف ہیں۔ ان میں کوئی ایسی نہیں جسے صحیح قرار دیا جا سکے۔ طبرانی نے اپنی المعجم الکبیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ جس کسی نے کوئی چیز ہبہ کی وہ اس کا اس وقت تک زیادہ مستحق ہے جب تک اسے بدلہ نہ دے دیا جائے۔ اگر وہ اپنی ھبہ کردہ چیز کو واپس لے تو اس کی مثال اس جیسی ہے جو پہلے قے کرے اور پھر اسے کھائے۔ اگر یہ احادیث صحیح ہیں تو یہ اس بات میں پہلی حدیث کی مخالف ہیں۔ یعنی جو ایسے ھبہ کو واپس لینا حرام قرار دے رہی ہے جس کا بدلہ لے لیا گیا ہو۔ للذا بدلہ لینے سے پہلے ھبہ کردہ چیز کو واپس لینا جائز ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان احادیث کی صحت پر مطمئن نہیں کہ ان سے پہلی حدیث کی تخصیص درست قرار دی جائے۔

۱۹ - بَابُ اللُّقَطَةِ

لقطہ (گری پڑی چیز) کا بیان

(۷۹۹) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا

عَنْهُ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيْقِ، فَقَالَ: «لَوْلاَ أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لأَكَلْتُهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.	گزر راستہ میں گری پڑی ایک کھجور پر ہوا تو اسے دیکھ کر فرمایا: "اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ شاید یہ صدقہ کی ہو' تو میں اسے ضرور کھا لیتا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب اللقطة﴾ لقطہ کے لام پر ضمہ اور قاف پر فتحہ اور کہا گیا کہ اس کے ماسوا جائز نہیں۔ مگر خلیل نحوی نے بڑے دعوے کے ساتھ کہا ہے کہ "قاف" ساکن ہے اور زمخشری کے قول کے مطابق عام لوگوں کی رائے یہی ہے حالانکہ اہل عرب سے ہی سنا گیا ہے کہ اہل لغت اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ قاف پر فتحہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی اعراب نہیں ہے اور لقطہ زمین پر گری ہوئی چیز پکڑنے کو کہتے ہیں۔

حاصل کلام: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ راستے میں گری پڑی چیز اگر معمولی سی ہو تو اس سے انتفاع جائز ہے اور اسے اٹھانے والے کیلئے اس کا اعلان کرتے رہنا بھی ضروری نہیں۔ بے دھیان اور غفلت میں گری ہوئی چیز کی تین اقسام ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز بالکل معمولی سی ہو اور کھانے کے کام آنے والی ہو۔ اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اسے اٹھا کر صاف کر کے بسم اللہ پڑھ کر نوش کر لیا جائے۔ دوسری یہ کہ وہ چیز ہو تو معمولی نوعیت کی مگر کھانے کے کام آنے والی نہ ہو اس کو تین روز تک لوگوں کے اجتماع میں اعلان کرتا رہے مثلاً معمولی چاقو' چھری' چھڑی قسم کی چیز یا چابک وغیرہ۔ تیسری یہ کہ وہ چیز قیمتی ہو اس کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اس کا سال بھر اعلان کرائے۔ فی زمانہ اخبارات' ٹیلی ویژن' ریڈیو وغیرہ اور مساجد کے باہر بڑے بڑے جلسوں میں اعلان کرایا جا سکتا ہے اگر اشتہار کی صورت میں اسے کچھ مصارف کرنے پڑیں تو مالک لقطہ سے وصول کئے جا سکتے ہیں اگر وہ آجائے ورنہ اپنی جیب خاص سے۔ سال بھر اعلان کے بعد بھی اگر اس کا اصل مالک نہ ملے تو اسے استعمال میں لایا جا سکتا ہے پھر بھی اس کی علامات اور نشانیاں ذہن نشین کر لے یا نوٹ کر لے بعد میں بھی اگر اصل مالک آجائے تو اتنی قیمت ادا کرے یا مالک اسے خود چھوڑ دے۔

(٨٠٠) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: أعرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَآءَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَآءَ صَاحِبُهَا، وَإِلاَّ فَشَأْنُكَ بِهَا، قَالَ: فَضَالَّةُ الغَنَمِ؟ قَالَ: هِيَ لَكَ، أَوْ	حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے گری پڑی چیز کے بارے میں پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا "اس کا ڈاٹ اور تسمہ خوب پہچان کے رکھو۔ سال بھر اس کا اعلان کرتے رہو پھر اگر اس کا اصل مالک آجائے تو اس کے سپرد کر دو ورنہ جو چاہو کرو۔" پھر اس نے گم شدہ بکریوں کے بارے میں سوال کیا۔

لِأَخِيْكَ، أَوْ لِلذِّئْبِ ، قَالَ: فَضَالَّةُ الإِبِلِ؟ قَالَ: مَا لَكَ وَلَهَا؟ وَمعهَا سِقَآؤُهَا، وَحِذَآؤُهَا، تَرِدُ الْمَآءَ، وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ، حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

آپ نے فرمایا ”وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیئے کی۔“ پھر اس نے گم شدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا ”تجھے اس سے کیا سروکار اس کا پانی‘ اس کے جوتے اس کے پاس ہیں۔ گھاٹ پر آکر پانی پی لے گا‘ درختوں کے پتے کھا لے گا۔ یہاں تک کہ اس کا مالک اس کے پاس پہنچ جائے گا۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ اعرف ﴾ معرفت سے امر کا صیغہ ہے۔ ﴿ عفاصها ﴾ عین پر کسرہ۔ وہ برتن وغیرہ جس میں لقطہ ملے چمڑے کا ہو یا کپڑے وغیرہ کا۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عفاص دراصل اس چمڑے کو کہتے ہیں جو بوتل کے منہ پر اسے بند کرنے کیلئے چڑھایا جاتا ہے۔ ﴿ وکاء ها ﴾ وکاء میں ”واؤ“ کے نیچے کسرہ ہے یعنی وہ دھاگہ‘ رسی یا تسمہ جس سے تھیلے وغیرہ کا منہ باندھا جاتا ہے۔ ﴿ ثم عرفها ﴾ ”را“ پر تشدید۔ یہ تعریف سے امر کا صیغہ ہے یعنی لوگوں کے اجتماع گاہوں اور مجمعوں میں اس کا اعلان کرے۔ کہ جس کسی کی فلاں چیز گم ہوگئی ہو وہ مجھ سے طلب کرے۔ ﴿ فان جاء صاحبها ﴾ یہ شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے کہ وہ اطلاع دے کہ اس کی تعداد کتنی ہے‘ اس کا بندھن کیسا ہے‘ اس کا تھیلا کس طرح کا ہے؟ اگر وہ ساری نشانیاں صحیح بتا دے تو وہ گری ہوئی چیز اس کے سپرد کر دے۔ جیسا کہ دوسری روایات میں اس کی صراحت آئی ہے۔ ﴿ والا ﴾ یعنی اگر اس کا اصل مالک سال بھر کے اعلان تک نہ آئے۔ ﴿ فشانك بها ﴾ شانك منصوب ہے۔ یعنی پھر اسے اپنے قبضہ میں لے لے اور اگر ”شانک“ کو رفع حالت میں پڑھیں تو یہ مبتداء ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی یعنی اس کا استعمال کرنا جائز ہے‘ مباح ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ سال بھر کے اعلان کے اختتام پر اس سے انتفاع کا اسے اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اسے اپنے مصرف میں لائے اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ پھر اسے خرچ کر لے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ پھر اسے کھا لے اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اسے اپنے مال میں شامل کر کے اپنے قبضہ میں کر لے اور جب ”فشانك“ کی جگہ گری ہوئی چیز پانے والا اعلان کے بعد اسے خرچ کر چکے اور بعد میں اس کا مالک بھی آجائے اور اس کی علامات وغیرہ بتلا دے تو کیا ایسی صورت میں وہ لقطہ کو واپس کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟ روایات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے واپس کرنا واجب ہے چنانچہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ سال بھر اس کا اعلان و اشتہار دے پھر اس کا بندھن اور تھیلا اور اس کا سربند وغیرہ ذہن نشین کر لے پھر اسے خرچ کر لے۔ اب اگر اس کا مالک آجائے تو وہ چیز اسے لوٹا دے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ سال بھر اس کا اعلان کرتا رہ اگر اسے پہچان لیا جائے تو اسے واپس کر دے ورنہ پھر اس کا سربند‘ تھیلا اور تعداد یاد رکھ اور اسے استعمال کر لے۔ اس کے بعد اگر اس کا مالک

آجائے تو پھر بھی اسے واپس لوٹا دے۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت بعض لفظی اختلاف کے ساتھ مروی ہے اور یہ تمام الفاظ اس کے متقاضی ہیں کہ سال گزرنے کے بعد بھی اصل مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے اور جس نے وہ لقطہ اٹھایا ہو ضمانت و ذمہ داری کے بغیر اسے کھانا جائز نہیں ہے۔ ﴿ فضالة الغنم ﴾ یعنی گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ ضالة گم کردہ راہ۔ راستہ بھٹکی ہوئی۔ وہ حیوان جو آبادی سے دور ویران جگہ میں رہ گیا ہو ﴿ هی لك الخ ﴾ وہ تیرے لئے اور ترمذی کی روایت میں ہے اسے پکڑ لو۔ وہ تمہارے ہی لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سال بھر اعلان کے بعد اسے کھا سکتے ہو ﴿ او لاخیك ﴾ یعنی اگر تو نے اسے چھوڑ دیا تو تیرے جیسا تیرا کوئی دوسرا بھائی اسے پکڑ لے گا۔ پھر تو اسے کیوں چھوڑتا ہے حالانکہ تو اس کے پاس پہلے پہنچا ہے۔ ﴿ او للذئب ﴾ یعنی اگر تو نے اور تیرے جیسے دوسرے تیرے بھائی نے اسے چھوڑ دیا تو اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور بھیڑیے کے لئے اسے چھوڑنا اسے ضائع کرنا ہے۔ اس میں لقطہ کو لینے کی ترغیب ہے۔ ﴿ مالك ولها ﴾ یعنی تجھے اس سے کیا سروکار؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب تیرے لئے نہیں ہے تو پھر اسے نہ پکڑ۔ ﴿ سقاء ها ﴾ سین کے نیچے کسرہ مشکیزہ تھیلا۔ اس سے اس کا اندر کا خالی حصہ مراد ہے جہاں کوئی چیز رکھی یا ڈالی جاتی ہے یعنی جب یہ اونٹ پانی کے گھاٹ پر وارد ہو گا تو اتنا پانی پی لے گا کہ دوسرے روز آنے تک یہ پانی کافی رہے گا۔ اس کے باوجود اس کے پیٹ اور اس کی اوجھ میں اتنی رطوبیت ہوتی ہے جو اس کیلئے چند ایام تک پانی سے بے نیاز رکھتی ہے ﴿ حذاء ها ﴾ "حا" کے نیچے کسرہ۔ جوتی مراد ہے یعنی اس کے پاؤں موجود ہیں جو اسے چلنے میں قوت دیتے ہیں اور دور دراز کے علاقوں کو طے کرنے میں مد و معاون ثابت ہوتے ہیں اور دور دراز واقع پانی پر پہنچنے میں تقویت کا باعث ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اونٹ پانے والے کو اس کا تعرض کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ پانی کے گھاٹ پر وارد ہو جاتا ہے' درختوں کے پتے کھا لیتا ہے اور بغیر کسی نگران و محافظ کے زندہ رہ سکتا ہے اور اکثر درندوں سے اپنا دفاع بھی بخوبی کر لیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے کہ اس کا مالک آئے اور اسے پکڑ کر لے جائے۔

راوی حدیث: ﴿ زید بن خالد جھنی رضی اللہ عنہ ﴾ ان کی کنیت ابو عبدالرحمان یا ابو طلحہ تھی۔ مدینہ میں رہنے کی وجہ سے مدنی کہلائے۔ اکابر صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع بنو جہینہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ کوفہ چلے آئے اور وہیں پر ۶۸ھ ۷۸ھ کو ۸۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

(۸۰۱) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ آوَى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَا لَمْ يُعَرِّفْهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے گم شدہ چیز کو اپنے ہاں پناہ دی اور اس کا اعلان نہ کیا تو وہ خود گم راہ ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ من آوی ضالة ﴾ یعنی جو اس لقطہ کو اپنے ذاتی مال میں شامل کر لے۔ ﴿ فھو ضال ﴾

وہ راہ حق اور صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت یافتہ نہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس نے سال بھر اس کا اعلان نہ کیا ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں یہ تنبیہہ ہے کہ اگر کوئی آدمی گری پڑی چیز کو اعلان کرنے کیلئے اٹھائے یا اس نیت سے اٹھائے کہ شاید ایسے آدمی کے ہاتھ نہ لگ جائے جو اس کا اعلان ہی نہ کرے اور خود ہی ہڑپ کر جائے تو اسے اٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس کی اپنی نیت ہی ہضم کر جانے کی ہو اور اس کا اعلان وغیرہ بھی نہ کرے تو یہ آدمی خود گم کردہ راہ ہے۔ اسے چاہئے کہ گری پڑی چیز کو ہاتھ نہ لگائے' جہاں پڑی ہے پڑی رہے اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش رہے۔

(۸۰۲) وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَوَيْ عَدْلٍ، وَلْيَحْفَظْ عِفَاصَهَا، وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ لاَ يَكْتُمْ، وَلاَ يُغَيِّبْ، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا، فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا، وَإِلاَّ فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ إِلاَّ التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الجَارُودِ وَابْنُ حِبَّانَ.

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی کو کوئی گم شدہ چیز کہیں گری پڑی ملے تو اسے چاہئے کہ دو منصف و عادل آدمیوں کو اس پر گواہ بنا لے اور خود اس کے ڈاٹ اور سربند کو خوب یاد رکھے اور پھر اسے چھپانے اور غائب کرنے کی کوشش نہ کرے۔ پھر اگر اس چیز کا اصل مالک آجائے تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔ اگر نہ آئے تو وہ اللہ کا مال ہے وہ جسے چاہتا ہے عنایت فرما دیتا ہے۔" (اسے احمد اور ترمذی کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ' ابن جارود اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿فليشهد ذوى عدل﴾ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں امر تادیب کیلئے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان اپنے فریب کے جال میں پھانس لے اور امانت کے بعد خیانت کی طرف دعوت دے یا اس کی نیت میں خرابی پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے ورثاء کیلئے ترکہ چھوڑ جائے اور پھر ورثاء اسے اپنے مال میں ترکہ سمجھ کر شامل کر لیں۔ ﴿لايكتم﴾ یعنی اسے چھپائے نہیں۔ بایں طور کہ اس کا اعلان ہی نہ کرے۔ ﴿ولا يغيب﴾ باب تفعيل سے۔ یعنی اسے دوسری جگہ منتقل کر کے چھپانے کی کوشش نہ کرے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے لقطہ جب ملے اس وقت بھی اور جب مالک کے سپرد کرے اس وقت بھی گواہ بنانا واجب ہے مگر امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مستحب ہے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ خدانخواستہ یکے بعد دیگرے دو آدمی آکر اس کی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور علامات اور نشانیاں بھی بتا دیتے ہیں تو اب یہ کس کو دے؟ اسی جھگڑے سے محفوظ رہنے کیلئے گواہ بنانا ضروری ہے کیونکہ پوری اور صحیح علامات تو

صرف مالک اصلی ہی بتا سکے گا۔ گواہوں کی موجودگی میں واپس دے کر اس جھگڑے کو ختم کر سکے گا۔

راوی حدیث: ﴿ عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ ﴾ عیاض کے عین اور حمار کے "حا" کے نیچے کسرہ ہے۔ مشہور صحابی ہیں۔ تمیمی مجاشعی ہیں۔ انہوں نے بصرہ کو جائے سکونت قرار دے لیا تھا اور پچاس ہجری کے آخر تک زندہ رہے۔

(٨٠٣) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ لُقَطَةِ الحَاجِّ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حجاج کی گری پڑی چیز کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ نهى عن لقطة الحاج ﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ حاجی کا جو سامان مکہ میں گم ہو گیا ہو۔ اسے اٹھانے کی ممانعت صرف اسے اپنی ملکیت میں لینے کی بنا پر ہے ورنہ اگر وہ اعلان کرنے کیلئے اٹھائے گا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گری پڑی چیز صرف اس کیلئے اٹھانا حلال ہے جو اس کا اعلان کرنے کا عزم رکھتا ہو۔

راوی حدیث: ﴿ عبدالرحمن بن عثمان رضی اللہ عنہ ﴾ عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبیداللہ تیمی قرشی۔ یہ طلحہ بن عبیداللہ کے بھائی کے بیٹے ہیں۔ شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ تو پایا مگر شرف رؤیت حاصل نہیں۔ حدیبیہ کے روز اسلام قبول کیا اور ایک قول کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ٧٣ھ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔

(٨٠٤) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلاَ لاَ يَحِلُّ ذُو نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ، وَلاَ الحِمَارُ الأَهْلِيُّ، وَلاَ اللُّقَطَةُ مِنْ مَالِ مُعَاهِدٍ، إِلاَّ أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سن لو! درندوں میں سے کچلیوں والا جانور حلال نہیں اور نہ ہی گھریلو گدھا اور ذمی کی گم شدہ گری پڑی چیز اٹھانا بھی حلال نہیں ہے۔ الا یہ کہ مالک کے نزدیک اس کی خاص اہمیت و ضرورت نہ ہو۔" (ابوداؤد)

لغوی تشریح: ﴿ ذوناب ﴾ ناب وہ دانت جو رباعیہ کے پیچھے ہوتا ہے۔ ناب کی جمع انیاب۔ کچلیوں والے درندہ سے مراد وہ جانور ہے جو چیر پھاڑ کر کھاتا ہو اور شکار کرنے اور اسے کاٹنے کیلئے اپنی کچلیوں سے مدد لیتا ہو۔ ﴿ السباع ﴾ سین کے نیچے کسرہ۔ سبع کی جمع ہے۔ سبع کی سین پر فتحہ اور "با" پر ضمہ اور فتحہ دونوں طرح جائز ہے۔ چیرنے پھاڑنے والا درندہ۔ ﴿ من مال معاهد ﴾ معاہدہ وہ ہے جس کا مسلمان حکام

سے معاہدہ ہو کہ وہ اسے امان دیتے ہیں' وہ ذمی ہی ہے اس کا بالخصوص ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اسے زیادہ اہمیت دینا مقصود ہے۔

حاصل کلام: معاہد چونکہ اسلامی سلطنت میں باقاعدہ اجازت لے کر آتا ہے اور پر امن رہتا ہے' اسی لئے اس کے مال و جان کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے مال اور مسلمان کے لقطہ میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ البتہ اگر عرف عام میں کوئی معمولی چیز ہو تو اس کی اجازت ہے۔

راوی حدیث: ﴿ مقدام رضی اللہ عنہ ﴾ مقدام کے میم کے نیچے کسرہ۔ مقدام بن معدیکرب۔ کرب کے کاف پر فتحہ اور "را" کے نیچے کسرہ اور "با" اضافت کی وجہ سے اس کے نیچے کسرہ مع تنوین جائز ہے اور مبنی ہونے کی بنا پر اس پر فتحہ بھی جائز ہے۔ بن عمرو الکندی۔ ان کی کنیت ابوکریمہ تھی یا ابویحیٰی۔ مشہور صحابی ہیں۔ شام میں فروکش ہوئے۔ ان کی حدیث شامیوں میں مشہور ہے۔ صحیح قول کے مطابق ۸۷ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۹۱ برس تھی۔

۲۰ - بَابُ الْفَرَائِضِ — فرائض (وراثت) کا بیان

(۸۰۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "شریعت کے مقرر کردہ حصے ان کے مستحق حصہ داروں کو ادا کر دو اور پھر جو کچھ باقی بچ جائے اسے سب سے قریبی مرد وارث کو دے دو۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ باب الفرائض ﴾ فرائض فریضہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ مقرر حصہ وراثت ہے جو مرنے والے کی میراث سے کتاب و سنت کی رو سے وارثوں کو ملتا ہے' وہ حصہ آدھا' چوتھا' آٹھواں اور دو تہائی اور چھٹا حصہ ہے۔ یہ فرض سے ماخوذ ہے جس کے معنی قطعی کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں کے لئے فرض کر دیا گیا' یہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی کے لئے مال میں سے کوئی حصہ قطعی طور پر مقرر کر دیا گیا۔ ﴿ الحقوا ﴾ ہمزہ پر فتحہ اور "حا" کے نیچے کسرہ۔ پہنچا دو' ادا کر دو۔ ﴿ باھلھا ﴾ جن کے حصے مقرر ہیں۔ ان کو ان کے حصے دے دو اور "اھل فرائض" سے مراد وہ وہ لوگ ہیں جن کے حصے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بیان ہوئے ہیں۔ ﴿ فما بقی ﴾ حصہ داروں کے حصے ادا کر چکنے کے بعد جو کچھ باقی بچ رہے۔ ﴿ فھو لاولی رجل ﴾ نسب کے اعتبار سے جو شخص مرنے والے کے زیادہ قریب ہو۔ ﴿ ذکر ﴾ ذکر یعنی مذکر کی قید لگانے سے تاکید مقصود ہے یا پھر اس سے مخنث کو اس زمرے سے خارج کرنا مطلوب ہے اور اس پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ اس باقی ماندہ مال میراث کا استحقاق اسے صرف بحیثیت مرد کے ہے۔ مرنے والے کے سب سے زیادہ قریب مطلقاً تو اس کے بیٹے ہیں۔ پھر پوتے' پڑپوتے وغیرہ پھر باپ پھر

دادا وغیرہ پھر بھائی' پھر بھتیجے' پھر چچا اور ان کی اولاد یہ تمام نسبی عصبہ ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اہل فرائض سے جو کچھ باقی بچے وہ عصبات کیلئے ہے۔ اقرب فالاقرب کے ضابطہ کے تحت۔ جب قریبی رشتہ دار موجود ہو تو پھر اس کی موجودگی میں دور کا عصبی رشتہ دار وراثت کا استحقاق نہیں رکھتا۔

(٨٠٦) وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الكَافِرَ، وَلاَ يَرِثُ الكَافِرُ الْمُسْلِمَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمان' کافر کا وارث نہیں ہو گا اور نہ ہی کافر' مسلمان کا وارث ہو گا۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان اپنے مرنے والے کسی کافر عزیز کا وارث نہیں ہو سکتا اور اسی طرح کوئی کافر اپنے مسلمان رشتہ دار کا وارث قرار نہیں پا سکتا۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ مسلمان تو کافر کا وارث ہو سکتا ہے مگر کافر مسلمان کا کسی صورت بھی وارث نہیں ہو سکتا۔ یہ رائے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ' معاویہ رضی اللہ عنہ' مسروق رضی اللہ عنہ' سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ' ابراھیم نخعی رحمہ اللہ اور اسحق رحمہ اللہ وغیرہ کی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کیلئے حدیث الاسلام یعلو ولا یعلی کہ "اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا" سے استدلال کیا ہے نیز اس سے بھی استدلال کیا گیا ہے یزید ولا ینقص کہ "اسلام میں بڑھنے کی اہلیت و صلاحیت ہے اس لئے اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں ہے۔" مگر اس عمومی حکم سے میراث کا واضح اور صاف حکم اس سے مستثنیٰ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے جمہور کی رائے درست اور راجح ہے۔

(٨٠٧) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، فِي بِنْتٍ، وَبِنْتِ ابْنٍ، وَأُخْتٍ، فَقَضَى النَّبِيُّ ﷺ «لِلاِبْنَةِ النِّصْفُ، وَلاِبْنَةِ الاِبْنِ السُّدُسُ، تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، وَمَا بَقِيَ فَلِلأُخْتِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیٹی' پوتی اور بہن کی موجودگی میں فیصلہ فرمایا کہ دو تہائی پورا کرنے کیلئے بیٹی کو آدھا ترکہ اور پوتی کیلئے چھٹا حصہ ہو گا پھر جو کچھ باقی بچے وہ بہن کا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿تکملة الثلثين﴾ اس لئے کہ پوتی بمنزلہ بیٹی ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک بیٹی کی موجودگی میں یہ بمنزلہ دو بیٹیوں کے ہو گئیں اور دو بیٹیاں اگر ہوں تو ان کو ترکہ میں سے دو تہائی ترکہ ملتا ہے اور جب تنہا ایک بیٹی ہو تو وہ آدھا ترکہ کی مستحق ہوتی ہے اب دو تہائی پورا کرنے کیلئے چھٹا حصہ کی ضرورت ہے اور یہ اسے پوتی نے دے دیا۔ اس طرح دونوں کو جمع کر کے مجموعہ دو تہائی پورا ہو گیا جس کی دونوں

مستحق ہیں۔ ﴿وما بقی للاخت﴾ باقی جو بچے اس کی مستحق بہن ہے اس لئے کہ پوتی بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ بن گئی اور ذوالفرائض سے جو ترکہ بچ گیا اسے اس نے حاصل کرلیا۔

(۸۰۸) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ إِلاَّ التِّرْمِذِيَّ، وَأَخْرَجَهُ الحَاكِمُ بِلَفْظِ أُسَامَةَ، وَرَوَى النَّسَائِيُّ حَدِيثَ أُسَامَةَ بِهَذَا اللَّفْظِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”دو مختلف دین کے پیروکار ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔“ (اسے احمد اور ترمذی کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے ان الفاظ سے نقل کیا ہے جو اسامہ کی حدیث کے ہیں اور نسائی نے اسامہ کی حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے (یعنی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿اهل ملتین﴾ دو ملتوں سے مراد دو مختلف کافرانہ ملتیں ہیں یا کفر و اسلام مراد ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک اس سے مراد کفر اور اسلام ہے اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ صرف امام اوزاعی رحمہ اللہ حدیث کی عمومیت کی بنا پر تمام ملتوں کو اسی میں شامل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی عیسائی کا اور عیسائی یہودی کا بھی وارث نہیں بن سکتا۔ علامہ الیمانی نے السبل میں کہا ہے حدیث کا ظاہری مفہوم انہی کا مؤید ہے۔ واللہ اعلم۔

(۸۰۹) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ ابْنَ ابْنِي، مَاتَ، فَمَا لِي مِنْ مِيْرَاثِهِ؟ فَقَالَ: لَكَ السُّدُسُ، فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ، فَقَالَ: لَكَ سُدُسٌ آخَرُ، فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ السُّدُسَ الآخَرَ طُعْمَةٌ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الحَسَنِ البَصْرِيِّ عَنْ عِمْرَانَ، وَقِيلَ: إِنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرا پوتا وفات پا گیا ہے۔ اس کے ترکہ میراث میں میرا حصہ کتنا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ”تجھے چھٹا حصہ ملے گا۔“ پھر جب وہ جانے لگا تو اسے آپؐ نے بلایا اور فرمایا ”تیرے لئے مزید چھٹا حصہ ہے۔“ پھر جب وہ جانے لگا تو اس کو بلایا اور فرمایا کہ ”آخری چھٹا حصہ تیرے لئے رزق ہے۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے اور یہ روایت حسن بصری نے بھی عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے مگر یہ کہا گیا ہے کہ حسن بصری کا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے سماع ہی ثابت نہیں)

لغوی تشریح: ﴿لک السدس﴾ مقرر و طے شدہ حصہ میں سے چھٹا حصہ تجھے ملے گا۔ ﴿لک سدس

آخر ﴾ تیرے لئے مزید چھٹا حصہ ہے اور یہ عصبہ کی حیثیت سے اور آخر میں "خا" پر فتحہ ہے۔ ﴿ ان السدس الاخر ﴾ آخر کے "خا" کے نیچے کسرہ۔ ﴿ طعمۃ ﴾ رزق کے معنی میں۔ اصحاب فروض کے کم ہونے کی بنا پر تجھے مقررہ حصہ سے زائد بطور رزق دیا گیا ہے۔ یہ حصہ ہر حال میں تجھے نہیں ملتا۔ طیبی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کی یہ صورت اس وقت ہے کہ میت نے دو بیٹیاں اپنے پیچھے چھوڑی ہوں۔ اس سوال کرنے والے کی بھی دو بیٹیاں تھیں ان کیلئے دو تہائی طے شدہ تھا مگر باقی ایک تہائی بچ گیا پس وہ بھی نبی ﷺ نے اسی سائل کو دے دیا۔ فرض حصہ کے ساتھ چھٹا حصہ میت کے دادا ہونے کی حیثیت میں۔ وہ جانے لگا تو آپؐ نے اسے دوسرا چھٹا حصہ بھی عنایت فرما دیا یہ اس لئے کیا کہ اسے یہ گمان نہ ہو کہ اس کا مقررہ حصہ ایک تہائی ہے۔

راوی حدیث: ﴿ حسن بصری رحمہ اللہ ﴾ حسن بن ابی الحسن بصری انصاری۔ انصار کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے والد کا نام یسار تھا۔ رشد و ہدایت کے ائمہ میں سے تھے۔ بالاتفاق ثقہ' فقیہہ اور علم و فضل کے مالک تھے۔ عبادت گزار' گوشہ نشین' کثیر العلم' فصیح و بلیغ' حسین و جمیل' علوم کے جامع' بلند و بالا منصب علم پر فائز تھے۔ تابعین کے تیسرے طبقہ کے سرخیل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ابھی دو سال باقی تھے کہ ان کی پیدائش ہوئی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی چشم بینا سے دیکھا ہے مگر ان سے کسی حدیث کا سماع نہیں کیا۔ رجب ۱۱۰ھ میں نوے برس کے قریب عمر پا کر فوت ہوئے۔

(۸۱۰) وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهَا أُمٌّ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الجَارُودِ، وَقَوَّاهُ ابْنُ عَدِيٍّ.

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دادی کیلئے چھٹا حصہ مقرر فرمایا جبکہ درمیان میں اس کی ماں نہ ہو۔ (ابوداؤد' نسائی دونوں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ' ابن جارود نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن عدی نے اسے قوی قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ للجدۃ السدس ﴾ دادی کیلئے چھٹا حصہ۔ خواہ دادی' باپ کی ماں ہو یا ماں کی والدہ ہو۔ ایک ہی ہو یا زیادہ ہوں اوپر والی ہوں یا نیچے والی۔ قرابت کی وجہ سے بعد کی قسم ساقط ہو جائے گی اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دادی مطلقاً ماں کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی اور اہل علم نے اس کو بھی تسلیم کیا ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا' پڑدادا بھی ساقط ہو جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کی یہی رائے ہے۔

(۸۱۱) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الخَالُ

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ماموں اس کا وارث ہو گا جس کا کوئی وارث زندہ نہ بچا ہو۔" (اس حدیث کو

وَارِثُ مَنْ لاَ وَارِثَ لَهُ». وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، سِوَى التِّرْمِذِيِّ، وَحَسَّنَهُ أَبُو زُرْعَةَ الرَّازِيُّ وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ وَابْنُ حِبَّانَ.

تخریج احمد اور چاروں نے بیان کیا ہے سوائے ترمذی کے۔ ابوزرعہ رازی نے اسے حسن کہا' حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الخال وارث الخ ﴾ یہ حدیث دلیل ہے کہ ذوالارحام بھی وراثت پاتے ہیں۔ اکثر صحابہ کرامؓ کی یہی رائے ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے کہ یہ وراثت نہیں پاتے اور شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ پہلے گروہ کی دلیل یہی حدیث ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کے عموم سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد ہے "واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض" اور قرابت والے ایک دوسرے کے وارث ہونے میں زیادہ حقدار ہیں۔ نیز ارشاد ربانی ہے۔ للرجال نصیب مما ترك الوالدان والا قربون' وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون کہ جو کچھ ماں باپ اور قریبی چھوڑ گئے اس میں مردوں کا حصہ ہے اسی طرح عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں سے جو ماں باپ اور قریبی چھوڑ گئے ہیں۔ رجال' نساء اور اقربین کے الفاظ سب قریبی رشتہ داروں کو شامل ہیں اور یہ تخصیص کرنے والے کے دعویٰ کے خلاف دلیل ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے اگر ذوالفروض اور عصبہ وارثوں میں سے کوئی زندہ نہ ہو تو پھر ماموں وارث ہوگا۔ ذوالارحام کو وارث قرار دینے میں علماء میراث میں اختلاف ہے۔ ایک بڑی جماعت تو ان کو وارث قرار دیتی ہے اور خالہ کی حیثیت بھی وہی ہے جو ماموں کی ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر ترکہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ جو لوگ ذوالارحام کی وارثت کے قائل نہیں ان کے نزدیک تو عصبات کی عدم موجودگی میں ترکہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا مگر جمہور کی رائے ہی راجح ہے۔

(٨١٢) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ قَالَ: كَتَبَ مَعِي عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اللَّهُ وَرَسُولُهُ مَوْلَى مَنْ لاَ مَوْلَى لَهُ، والخَالُ وَارِثُ مَنْ لاَ وَارِثَ لَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، سِوَى أَبِي دَاوُدَ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے ذریعہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اللہ اور اس کا رسول ہر اس کا مولیٰ ہے جس کا کوئی مولیٰ نہ ہو اور جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہے۔" (احمد اور چاروں نے سوائے ابوداؤد کے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ مولی من لا مولی له ﴾ یعنی جس کا کوئی ولی و سرپرست نہ ہو' جس کا کوئی والی وارث نہ ہو اور ابوداؤد میں مقدام سے مروی ہے کہ جس کا کوئی مولیٰ و سرپرست نہیں میں اس کا ولی و سرپرست میں ہوں۔ میں اس کی وراثت لوں گا اور قرض سے اسے آزاد کراؤں گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ

اس کا مال بیت المال میں چلا جائے گا۔ یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی مؤید ہے جس سے ثابت ہوا کہ اولی الارحام وارث بن سکتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابوامامہ بن سہل﴾ ان کا نام اسعد اور ایک قول کے مطابق سعد تھا مگر یہ اپنی کنیت سے ہی مشہور و معروف تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابوامامہ بن سھل بن حنیف بن واھب انصاری' اوسی مدنی۔ یعنی مدینہ کے انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے مگر کچھ سماعت نہیں کر سکے۔ ۱۰۰ھ میں ۹۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

﴿ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ﴾ ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح بن ھلال قرشی فہری۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ دوسری ہجرت حبشہ میں شریک تھے۔ تمام غزوات بدر و احد تا تبوک میں شریک رہے۔ جنگ احد کے روز نبی ﷺ کے رخسار مبارک میں خود کے جو دو حلقے داخل ہوگئے تھے ان کو اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالتے وقت ان کے سامنے کے دونوں دانت گر گئے تھے۔ شام کی فتوحات میں لشکر اسلامی کی قیادت کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۸ھ میں طاعون عمواس کے موقع پر وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۵ برس کی تھی۔

(۸۱۳) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا اسْتَهَلَّ ٱلْمَوْلُودُ وَرِثَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جب نومولود بچہ آواز نکالے تو وہ وارث قرار پاتا ہے۔" (ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اذا استھل﴾ جب آواز بلند کرے۔ وہ چیخنے کی صورت میں ہو یا رونے کی صورت میں۔ "ورث" صیغہ مجہول۔ توریث سے ماخوذ ہے۔ یعنی یہ آواز اسے وارث بناتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب بچہ زندہ پیدا ہو پھر بعد میں فوت ہو جائے تو وہ وارث شمار ہوگا۔ پیدائش کے وقت اونچی آواز نکالنا وارث بننے کیلئے ضروری نہیں ہے۔ "استھلال" کا بالخصوص اس جگہ ذکر تو محض اس لئے کیا گیا ہے کہ عام طور پر بچہ پیدا ہونے کے بعد آواز نکالتا ہے اور یہ اس کی دلیل ہوتی ہے کہ بچہ زندہ ہے۔ للہذا اگر اس کے علاوہ دوسری کسی علامت سے اس کے زندہ ہونے کا علم ہو جائے تو مثلاً چھینک مارنا' زور سے سانس لینا یا ایسی کوئی حرکت کرنا جو اس کے زندہ ہونے پر دال ہو اس کے وارث قرار پائے جانے کیلئے بس کافی ہے۔

(۸۱٤) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ ٱلْمِيرَاثِ شَيْءٌ».

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قاتل کو مقتول کی میراث میں سے کچھ بھی نہیں ملتا۔" (اسے نسائی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَقَوَّاهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ، وَأَعَلَّهُ النَّسَائِيُّ، وَالصَّوَابُ وَقْفُهُ عَلَى عَمْرٍو.

اور ابن عبدالبر نے اسے قوی قرار دیا ہے۔ مگر نسائی نے اسے معلول کہا ہے۔ دراصل یہ روایت موقوف ہے یعنی عمرو پر موقوف ہونا صحیح کہا گیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے قاتل مقتول کی میراث میں سے کچھ بھی وصول کرنے کا مستحق نہیں۔ اکثر اہل علم کی رائے یہی ہے کہ قاتل کو نہ اصل مال میں سے کچھ ملے گا اور نہ دیت میں سے۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قاتل کو دیت میں سے تو کچھ نہیں ملے گا البتہ دوسرے مال میں سے میراث لے گا۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت القدر کے باوجود یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ ان کے پاس اپنی رائے کے حق میں کوئی مضبوط و قوی دلیل نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے خلاف فیصلہ دیتے رہے ہیں۔

(۸۱۵) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا أَحْرَزَ الْوَالِدُ أَوِ الْوَلَدُ فَهُوَ لِعَصَبَتِهِ مَنْ كَانَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِيِّ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے "والد یا اولاد جو کچھ جمع کر کے اپنے گھر میں لائے تو وہ اس کے عصبہ کیلئے ہے خواہ عصبہ کوئی بھی ہو۔" (اسے ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن مدینی اور ابن عبدالبر نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ما احرز الوالد الخ ﴾ جو کچھ والد یا اولاد نے جمع کیا اور حاصل کیا یا یہ معنی کہ اموال اور حقوق میں جس کا وہ استحقاق رکھتا ہے۔ ﴿ فھو ﴾ جمع کردہ مال یا جس حق کا وہ مستحق ہے۔ ﴿ لعصبته ﴾ اس شخص کے عصبہ مراد ہیں جس نے مال کو جمع کیا' حاصل کیا۔ ﴿ من كان ﴾ اس سے مراد وہی عصبہ ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ والد اور اولاد کے احراز سے مراد یہ ہے کہ حقوق میں جن کا یہ استحقاق رکھتا ہے وہ حقوق وغیرہ اس کے بعد اس کے عصبہ کے ہوں گے۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ولاء کو وراثت میں تقسیم نہیں کیا جائے گا مگر یہ حدیث اپنی دلالت میں واضح اور صریح نہیں ہے بلکہ ما احرز کے تحت جو جزئیات آتی ہیں وہ بسا اوقات اس استدلال کے خلاف ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے وہ دراصل اس واقعہ سے تعلق رکھتا ہے کہ ایک خاتون فوت ہوگئی۔ اس کے بیٹے اس کے وارث ہوئے پھر بیٹے بھی فوت ہوگئے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان لڑکوں کا عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان کے وارث بنے۔ پھر اس عورت کا آزاد کردہ غلام بھی فوت ہوگیا تو عمرو بن عاص نے اس غلام کا ورثہ بھی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس عورت کے بھائی نے عورت کے آزاد کردہ غلام کی میراث کا دعویٰ کر دیا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان فرمائی اور اس آزاد کردہ غلام کی میراث اس خاتون کے بھائی کو دلا دی۔ واضح رہے کہ ولاء (آزاد کردہ غلام کا ترکہ)

ذوالفروض میں ورثہ کی طرح تقسیم نہیں ہوتی بلکہ سب سے قریبی عصبہ کا حصہ ہے۔ اگرچہ بعض نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے تاہم صحیح یہی ہے کہ میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

(٨١٦) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ». رَوَاهُ الحَاكِمُ مِنْ طَرِيْقِ الشَّافِعِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنَ الحَسَنِ، عَنْ أَبِيْ يُوسُفَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَأَعَلَّهُ الْبَيْهَقِيُّ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ولاء کا تعلق نسب کے تعلق کی طرح ہے۔ جسے نہ فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔" (اسے حاکم نے بطریق شافعی محمد بن حسن سے اور انہوں نے ابویوسف سے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور بیہقی نے اسے معلول کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الـولاء﴾ "واو" پر فتحہ اور "لا" پر مد۔ یعنی آزادی کی ولاء اور وہ آزاد کرنے والے کی میراث کا آزاد کردہ سے زیادہ حق رکھتا ہے۔ ﴿لـحـمـة﴾ لام پر ضمہ اور "حا" ساکن معنی اس کے قرابت اور تعلق کے ہیں۔ عرب لوگ ولاء کو فروخت بھی کرتے تھے اور ھبہ بھی کر دیتے تھے جس سے منع فرما دیا گیا اور واضح کیا کہ ولاء کا تعلق نسب کے تعلق کی طرح ہے۔ یہ زائل کرنے سے بھی زائل نہیں ہوتا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ولاء کو نسب کے تعلق سے تشبیہہ دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ھبہ اور نذر کی جا سکتی ہے۔ عرب معاشرے میں لوگ اسے فروخت بھی کر دیتے تھے اور ھبہ اور نذر بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ممنوع قرار دے دیا۔

راوی حدیث: ﴿محـمـد بـن حـسـن﴾ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی۔ احناف کے ایک مشہور و معروف امام ہیں۔ ١٣٢ھ واسط میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشوونما پا کر پروان چڑھے۔ طلب علم کیلئے نکلے۔ بڑے بڑے اعلام سے ملاقات کی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس میں کئی سال تک رہے پھر ابویوسف پر فقہ کا درس لیا۔ بہت سی نادر کتب تصنیف کیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم کو خوب پھیلایا۔ یہ احناف کے تین علمی ستونوں کے درمیان ایک ستون ہیں۔ تین سال تک امام مالک رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے محمد بن حسن کی طرح موٹا آدمی کوئی نہیں دیکھا جو پھرتیلا اور مہربان اور اچھی صحبت والا ہو اور نہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو خیر خواہ پایا۔ حافظہ کے اعتبار سے ان کو حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ١٨٩ھ میں رے کی "برنبویہ" نامی بستی میں وفات پائی۔

﴿ابـويـوسـف﴾ ان کا نام امام یعقوب بن ابراھیم انصاری ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد ہیں اور اہل عراق کے مستند فقیہہ ہیں۔ قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے ہیں۔ ان کی نشوونما کوفہ میں ہوئی اور طلب علم میں زندگی کھپا دی۔ ان کے والد ایک غریب آدمی تھے۔ امام ابوحنیفہؒ قاضی ابویوسف کو وقتاً فوقتاً

سو' سو درہم دے کر ان کی اعانت کیا کرتے تھے۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ اصحاب الرائی میں امام ابویوسف سب سے زیادہ احادیث کا علم رکھنے والے اور سب سے زیادہ فن میں پختہ تھے اور یحییٰ بن یحییٰ تمیمی کا قول ہے کہ میں نے ابویوسف کو ان کی موت کے وقت یہ فرماتے سنا کہ میں نے اپنے تمام ان فتوؤں سے رجوع کیا جو کتاب و سنت سے موافقت نہیں رکھتے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو قرآن کے موافق ہیں اور جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ان کے علاوہ میں اپنے تمام فتوؤں سے رجوع کرتا ہوں۔ ربیع الآخر ۱۸۲ھ میں انہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۸۱۷) وَعَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَفْرَضُكُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، سِوَى أَبِي دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ. وَأُعِلَّ بِالإِرْسَالِ.

حضرت ابوقلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سب سے زیادہ میراث کو جاننے والا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہے۔" (اس حدیث کو احمد اور چاروں نے ماسوا ابوداؤد کے روایت کیا ہے۔ ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے لیکن اسے مرسل ہونے کی بنا معلول قرار دیا گیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اعل بالارسال ﴾ صیغہ مجہول۔ معلول اسے اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ابوقلابہ نے اگرچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سی احادیث سنی ہیں مگر ان سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اس وجہ سے یہ حدیث مرسل یعنی منقطع ہے۔

حاصل کلام: یہ دراصل ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ مکمل روایت یوں ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل اور شفیق انسان ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر رضی اللہ عنہ اور سب سے زیادہ حیا دار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ' حلال و حرام کا سب سے بڑا عالم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سب سے عمدہ اور اچھا قاری ابی بن کعب اور فرائض کا سب سے بڑا عالم زید بن ثابت ہے۔" یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے میراث کے اختلافی مسائل میں عموماً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے قابل ترجیح قرار دی۔

راوی حدیث: ﴿ ابوقلابہ ﴾ قلابہ میں "قاف" کے نیچے کسرہ اور لام مخفف۔ ان کا نام عبداللہ بن زید بن عمرو یا عامر جرمی بصری ہے۔ جلیل القدر تابعی' ثقہ ہیں' فاضل آدمی ہیں۔ کتب ستہ کے راویوں میں ارسال کا ارتکاب بہت کرتے ہیں۔ منصب قضاء کو چھوڑ کر شام میں چلے گئے۔ ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں فوت ہوئے۔

٢١ - بَابُ الوَصَايَا — وصیتوں کا بیان

(۸۱۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوَصِّيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلاَّ وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ﷺ نے فرمایا "کسی مسلمان کو یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی چیز کو وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہو مگر دو راتیں بھی اسی حالت میں گزار دے کہ اس کے پاس وصیت تحریری شکل میں موجود نہ ہو۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الوصایا﴾ وصایا' وصیت کی جمع ہے۔ جیسا کہ ہدایا ہدیہ کی جمع ہے وصیت شرعی طور پر خاص اس عہد کو کہتے ہیں جس کا تعلق مرنے کے بعد سے ہو۔ ﴿ما حق امری مسلم﴾ اس جملہ میں "ما" نافیہ ہے۔ یعنی مسلمان کیلئے یہ حزم و احتیاط کا تقاضا نہیں ہے اور اس کیلئے لائق و مناسب نہیں ہے۔ ﴿له شئی﴾ یہ "لامری" کی صفت ہے۔ یعنی اس کے پاس مال ہے یا کسی کا قرض ادا کرنا ہے یا اور کوئی حق ہے یا کسی کی امانت ہے۔ ﴿یرید﴾ یہ شئی کی صفت ہے۔ یعنی یہ شخص اس چیز میں کوئی وصیت کرنا چاہتا ہے ﴿یبیت لیلتین﴾ یہ ما کی خبر ہے مصدر کی تاویل کی صورت میں یعنی یہ کہ وہ دو راتیں بسر کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ صفت ہو تو اس صورت میں اس کے بعد والا استثناء خبر ہو۔ "واو" یہاں حالیہ بھی ہو سکتی ہے اور زائدہ بھی اور ایک دوسری روایت میں لیلۃ او لیلتین کے الفاظ بھی منقول ہیں اور ایک روایت میں "ثلاث لیال" بھی مروی ہے۔ الفاظ کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ وصیت میں جلدی کی جائے تاخیر نہ کی جائے۔ یعنی اس شخص کے لائق نہیں کہ اس پر ایک وقت گزرے خواہ وہ تھوڑا سا کیوں نہ ہو مگر اس کے پاس وصیت تحریری ہونی چاہئے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ موت کب آئے گی؟ (عون المعبود) اور ﴿یرید ان یوصی الخ﴾ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وصیت کرنا مستحب ہے۔ واجب نہیں اور جمہور اہل علم کی یہی رائے ہے۔ ہاں قرض کی ادائیگی کی وصیت اور امانتوں کے واپس کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وصیت ہروقت تحریری شکل میں موجود رہنی چاہئے۔ آیت میراث کے نزول سے پہلے وصیت کرنا ہر ایک کیلئے ضروری اور لازمی تھا۔ مگر جب میراث کی آیت نازل ہوئی تو یہ وصیت ختم ہو گئی۔ یعنی جو حصے قرآن میں متعین و مقرر کر دیئے گئے ہیں ان کیلئے وصیت ختم' البتہ میراث کے علاوہ اگر کوئی وصیت کرنا چاہے تو آج بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث ختم ہے مگر اس کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت اور دیکھ بھال کیلئے تہائی مال وصیت کر سکتا ہے۔

(۸۱۹) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا ذُو مَالٍ، وَلاَ يَرِثُنِي إِلاَّ ابْنَةٌ لِّي وَاحِدَةٌ،

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! میں مالدار آدمی ہوں اور میری وارث صرف میری ایک ہی بیٹی ہے۔ تو کیا میں دو تہائی مال کو صدقہ و خیرات کر دوں؟

أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِيْ؟ قَالَ: لاَ، قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهِ؟ قَالَ: لاَ، قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ؟ قَالَ: اَلثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيْر، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَآءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَآلَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

آپؐ نے فرمایا ''نہیں۔'' میں نے دوبارہ عرض کیا' کیا میں اپنے مال کا نصف حصہ خیرات کر دوں؟ فرمایا ''نہیں۔'' میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا' تو کیا میں تہائی مال صدقہ و خیرات کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں! مگر ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تیرا اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ تو ان کو محتاج چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿بشطره﴾ اپنا آدھا مال۔ ﴿قال الثلث﴾ الثلث" پر نصب اور رفع دنوں جائز ہیں یعنی تہائی حصہ دے دو یا یوں فرمایا کہ تہائی حصہ تیرے لئے خیرات کرنا کافی ہے۔ ﴿والثلث كثير﴾ ثلث بہت ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ اس سے کم کرو یا یہ کہ یہ تھوڑا نہیں بہت ہے۔ پس اس میں مزید اضافہ نہ کرو۔ ﴿ان تذر﴾ یعنی چھوڑنا اور کلمہ ''ان'' یا تو ھمزہ پر فتحہ کی صورت میں ہے اس صورت میں وہ ناصبہ ہوگا اور فعل منصوب ہوگا اور یا ھمزہ کے نیچے کسرہ ہو تو اس صورت میں ان شرطیہ ہوگا اور فعل مجزوم ہوگا اور اس کی جزاء ''خیر'' کا لفظ ہوگا اس صورت میں کہ خیر کو مقدر تسلیم کیا جائے۔ ﴿من ان تذرهم عالة﴾ یعنی ان کو محتاج و فقیر چھوڑ جاؤ گے۔ عالة عائل کی جمع ہے۔ ﴿يتكففون الناس﴾ یعنی وہ لوگوں سے فقیروں کی طرح اپنے ہاتھ پھیلا کر سوال کرتے پھریں گے۔ حضرت سعد کو یہ خیال مکہ مکرمہ میں حجة الوداع کے موقع پر آیا جبکہ ان کو گمان ہوا کہ وہ بیماری کی وجہ سے اب مر جائے گا۔ مگر اس کے بعد وہ صحت یاب ہوگئے اور زندہ رہے اور ان کے ہاں چار بیٹے ہوئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دس سے بھی زیادہ لڑکے اور تیرہ لڑکیاں عطا فرمائیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاحب مال زیادہ سے زیادہ اپنے تہائی مال کے بارے میں وصیت کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ الاّ یہ کہ ورثاء خود بخود اس سے زائد کی اجازت دے دیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ورثاء کو محروم رکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ان کا غنی رہنا اور دست سوال دراز کرنے سے بچنا بہرنوع بہتر ہے۔

(٨٢٠) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ أُمِّي اُفْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَلَمْ تُوْصِ، وَأَظُنُّهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! میری والدہ اچانک وفات پا گئی ہیں اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی۔ میرا اس کے

لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

بارے میں خیال ہے کہ اگر وہ کوئی گفتگو کرتی تو صدقہ (ضرور) کرتی۔ کیا اسے ثواب ملے گا اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کر دوں؟ آپ ؐ نے فرمایا "ہاں!" (بخاری و مسلم' یہ الفاظ مسلم کے ہیں

لغوی تشریح: ﴿ ان رجلا ﴾ سے مراد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ﴿ افتلتت نفسها ﴾ صیغہ مجہول۔ اچانک بیمار ہو گئیں اور فوراً ہی وفات پا گئیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کی وصیت کے بغیر بھی اولاد کی جانب سے صدقہ کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور بغیر وصیت صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

(٨٢١) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ. فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ، وَحَسَّنَهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَقَوَّاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ، وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَزَادَ فِي آخِرِهِ: «إِلاَّ أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ»، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ.

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے لہٰذا اب کسی وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں۔" (اسے احمد اور چاروں نے سوائے نسائی کے روایت کیا ہے۔ احمد اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے' ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے قوی قرار دیا ہے) اور دارقطنی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس کے آخر میں اتنا اضافہ بھی کیا ہے۔ " الاّ یہ کہ اس کے وارث چاہیں" (اور ان کی اسناد حسن ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ الا ان یشاء الورثہ ﴾ جمہور علماء نے اس اضافہ سے قابل استدلال ہونے کی بنا پر استثناء کیا ہے کہ اگر ورثاء ازخود چاہیں تو کسی ایک کیلئے وصیت ہو سکتی ہے۔ مگر اہل ظواہر کہتے ہیں یہ جائز نہیں۔ جیسے قاتل کے حق میں وصیت جائز نہیں خواہ ورثاء اس کی اجازت دے بھی دیں لیکن اس روایت کی بنا پر راجح ترین مسلک جمہور کا ہے۔

(٨٢٢) وَعَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ عِنْدَ وَفَاتِكُمْ، زِيَادَةً فِي حَسَنَاتِكُمْ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ. وَأَخْرَجَهُ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تم کو موت کے وقت تہائی مال کا صدقہ دینے کی اجازت دے کر تم پر احسان فرمایا ہے تاکہ تمہاری نیکیاں زیادہ ہو جائیں۔" (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور احمد اور

أَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ، وَابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَكُلُّهَا ضَعِيفَةٌ، لٰكِن قَدْ يُقَوِّي بَعْضُهَا بِبَعْضٍ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

بزار نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے۔ مگر ساری کی ساری روایتیں ضعیف ہیں اس کے باوجود بعض‘ بعض کیلئے باعث تقویت ہیں) واللہ اعلم

لغوی تشریح: ﴿ تصدق علیکم ﴾ یعنی تمام مال کو وراثت قرار نہیں دیا بلکہ اس میں سے تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت دے کر تم پر احسان کیا ہے کہ اگر تم چاہو تو اتنا مال فی سبیل اللہ خرچ کر کے اپنے لئے صدقہ جاریہ بنا سکتے ہو۔

٢٢ - بَابُ الْوَدِيعَةِ

ودیعت (امانت) کا بیان

(٨٢٣) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أُودِعَ وَدِيعَةً فَلَيْسَ عَلَيْهِ ضَمَانٌ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ نے اپنے والد سے‘ انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ ”نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی جائے تو اس پر ضمان (ذمہ داری) نہیں ہے۔“ (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے)

لغوی تشریح: ﴿ من اودع ﴾ صیغہ مجہول۔ ﴿ ودیعۃ ﴾ اس چیز کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک یا اس کا نائب و قائم مقام کسی دوسرے کے پاس حفاظت کیلئے کچھ عرصہ تک بطور امانت رکھے۔

حاصل کلام: یہ حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں مثنیٰ بن صباح ایسا راوی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ اور نسائی نے ضعیف کہا ہے لیکن ابن معین کا قول ہے کہ مثنیٰ صالح آدمی ہے اس کی حدیث لکھی جائے اسے ترک نہ کیا جائے۔ اس حدیث کے مطابق اجماع ہے کہ امانت کی حفاظت کرنے والے پر کوئی ضمان نہیں ہے البتہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر امانت رکھنے والے نے اس پر ضمان کی شرط لگائی تو پھر جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ ضامن ہو گا۔

وَبَابُ قِسْمِ الصَّدَقَاتِ تَقَدَّمَ فِي آخِرِ الزَّكَاةِ، وَبَابُ قِسْمِ الْفَيْءِ وَالْغَنِيمَةِ يَأْتِي عَقِبَ الْجِهَادِ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالَى.

صدقات کی تقسیم کا باب کتاب الزکاۃ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ مال فے اور مال غنیمت کی تقسیم کا باب کتاب الجہاد کے آخر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

۸ ۔ كِتَابُ النِّكَاحِ

نکاح کے مسائل کا بیان

(۸۲٤) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا "اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جسے نکاح کرنے کی استطاعت ہو اسے نکاح کرنا چاہئے کیونکہ نکاح نگاہ کو بچانے والا اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے والا ہے اور جسے اس کی استطاعت نہ ہو۔ اس کیلئے روزے کا اہتمام و التزام ضروری ہے اس لئے کہ روزہ اس کیلئے ڈھال ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿کتاب النکاح﴾ نکاح کے لغوی معنی ضم کرنا، ملانا، گانٹھنا، ایک دوسرے میں داخل ہونے کے ہیں اور شرعی معنی میاں بیوی کے مابین عقد جس سے وطی کرنا حلال ہوتا ہے نکاح درحقیقت عقد کا نام ہے اور مجازی طور پر وطی کے لئے مستعمل ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ ﴿الشباب﴾ شین پر فتحہ، شاب کی جمع۔ نوجوان کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ان کو مخاطب ہونے سے مقصود یہ تھا کہ یہ نوجوان ہی ہیں جو عورتوں کی جانب شہوت نفسانی کا خیال رکھتے ہیں۔ ﴿الباءۃ﴾ ہمزہ اور تاء تانیث ممدودہ لغت میں اس کے اصلی معنی تو جماع کے ہیں اور یہ مباءۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی منزل کے ہیں اس لئے کہ جو آدمی کسی خاتون سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس خاتون کو اپنی جائے قیام بنا لیتا ہے، اپنی منزل قرار دے لیتا ہے۔ اس مقام پر یا تو یہ جماع کے معنی میں ہے بایں صورت عبارت یوں ہوگی: من استطاع منکم الجماع رقدرتہ علی موتہ النکاح یعنی کہ تم میں سے جو کوئی نکاح کے مصارف و اخراجات کی استطاعت کی صورت میں جماع کی طاقت رکھتا ہو یا اس سے نکاح کے مصارف و اخراجات کی ہمت رکھنا مراد ہوگا اس صورت میں اس کے لوازمات کا نام نکاح رکھ دیا گیا ہے۔ ﴿اغض﴾ جھکانے والا،

بچانے والا اور شادی کرنے والے کی نگاہوں کو غیر عورت کی جانب اٹھنے سے روکنے والا۔ ﴿احصن﴾ زیادہ محفوظ رکھنے والا' حفاظت کرنے والا ﴿وجاء﴾ "واؤ" کے نیچے کسرہ۔ شہوت و ہوس نفسانی کو کچلنے والا' بند کرنے والا اور دراصل تو اس کا استعمال جانور کے خصیے کو دبا کر ناکارہ و بیکار کرنا اور خوب کچل دینا تاکہ نر کی قوت باہ ختم ہو جائے۔ معنی یہ ہوئے کہ روزہ سفلی جذبہ کو قطع کر دیتا ہے اور منی کے شر کو دور کر دیتا ہے۔ بس یوں سمجھئے جیسا کہ کسی جانور کو خصی کر دیا۔

(٨٢٥) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَمِدَ اللَّهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: «لَكِنِّي أَنَا أُصَلِّي، وَأَنَامُ، وَأَصُومُ، وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا "لیکن میں نماز بھی ادا کرتا ہوں' سوتا بھی ہوں' روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا جس کسی نے میری سنت سے منہ پھیرا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿لکنی﴾ اس سے پہلے جو کچھ بیان ہوا اس سے پیدا شدہ وہم کو دور کیا جا رہا ہے۔ مصنف نے اختصار کے پیش نظر اسے حذف کر دیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین صحابیوں میں سے ایک نے یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھے گا اور دوسرے نے کہا کہ وہ رات بھر قیام کیا کرے گا اور تیسرے نے کہا کہ وہ کبھی نکاح نہیں کرے گا۔ پس جب اس عزم کی خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ "تم ہی تھے جنہوں نے اس طرح کہا تھا؟ سن لو اللہ کی قسم! میں تمہارے مقابلہ میں اللہ سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہوں۔ اس کے باوجود میں روزے رکھتا بھی ہوں اور ترک بھی کر دیتا ہوں۔ رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ عورتوں سے شادیاں بھی کرتا ہوں۔ یہ میرا اسوہؑ ہے اب اگر کوئی ازخود اپنے اوپر پابندیاں لازم کرتا ہے اور میرے اسوہؑ سے روگردانی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

(٨٢٦) وَعَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُ بِالْبَاءَةِ، وَيَنْهَى عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْياً شَدِيْدًا، وَيَقُولُ: «تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ نکاح کرنے کا حکم ارشاد فرماتے اور تجرد کی زندگی سے سختی سے منع فرماتے اور فرماتے تھے کہ "بہت محبت کرنے اور چاہنے والی' بہت بچے جننے والی خواتین سے نکاح کرو۔ اس لئے کہ میں تمہاری کثرت کی بدولت قیامت کے روز دوسرے انبیاءؑ پر

وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ أَيْضاً مِنْ حَدِيْثِ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ.

فخر کرنے والا ہوں۔" (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے نیز اس حدیث کا ایک شاہد ابوداؤد' نسائی اور ابن حبان میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿التبتل﴾ عورتوں سے الگ تھلگ رہنے' نکاح نہ کرنے' ازدواجی تعلق سے کنارہ کش رہنے کو "تبتل" کہتے ہیں۔ ﴿الودود﴾ میں "واؤ" پر فتحہ ہے۔ ایسی عورت جو اپنے شوہر سے بے پناہ پیار و محبت کرتی ہے یا اس کا معنی ہے وہ محبوب و پسندیدہ عورت جو اپنے عمدہ اور بہترین اوصاف و خصائل' عادات و اطوار' حسن خلق کی مالک اور اپنے شوہر سے پیار کرنے والی ہو۔ ﴿الولود﴾ "واؤ" پر فتحہ۔ ایسی عورت جو بچے زیادہ جننے والی ہو۔ یہ چیز کنواری میں اس کے خاندان کی حالت سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ ﴿مکاثر﴾ میں اپنے متبعین کی کثرت تعداد کی وجہ سے انبیاء پر فخر کرنے والا ہوں۔

(٨٢٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ : لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا ، وَلِجَمَالِهَا ، وَلِدِينِهَا ، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ ، تَرِبَتْ يَدَاكَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ مَعَ بَقِيَّةِ السَّبْعَةِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "عورت سے نکاح چار اسباب و وجوہ سے کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے' اس کے خاندان کی وجہ سے' اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کے دین کی بنا پر۔ پس تو دین دار سے ظفر مند ہو۔ تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔" (بخاری و مسلم نیز باقی ساتوں نے بھی اسے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لحسبها﴾ "حا" اور سین دونوں پر فتحہ۔ وہ شرف و بزرگی جو قریبی رشتہ داروں کی وجہ سے کسی کو حاصل ہوتا ہے۔ ﴿فاظفر بذات الدین﴾ یعنی ایسی خاتون سے نکاح کرنے میں کامیابی حاصل کرو۔ ﴿تربت یداک﴾ تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔ کہا جاتا ہے "ترب الرجل" آدمی فقیر و محتاج ہوگیا۔ یہاں دعا مراد نہیں ہے بلکہ اس جگہ جدوجہد اور سعی و کوشش کیلئے ابھارنا اور برانگیختہ کرنا مقصود ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی کیلئے بہرنوع دین دار عورت کا انتخاب کرنا چاہئے' کسی کے مال و دولت' کسی کے حسن و جمال پر فریفتہ نہیں ہو جانا چاہئے کیونکہ عورت محض بیوی نہیں ہوگی۔ بچوں کی ماں بھی ہوگی ظاہر ہے۔ وہ اپنی اولاد کی تربیت بھی اسی وقت کر سکے گی جب خود نیک اور دین سے وابستہ ہوگی۔

(٨٢٨) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ

رَفَّأَ إِنْسَاناً، إِذَا تَزَوَّجَ، قَالَ: «بَارَكَ اللَّهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ.

جب کسی شخص کو دیکھتے کہ اس نے شادی کی ہے تو فرماتے "اللہ تعالیٰ برکت عطاء فرمائے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں کو بھلائی و خیر پر جمع رکھے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی' ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ رفا ﴾ "فا" پر تشدید اور همزہ اور کبھی بغیر همزہ کے بھی آجاتا ہے یعنی اسے مبارک باد دی اور اس کے حق میں دعا فرمائی اور دور جاہلیت میں دعا دینے کا یہی طریقہ مروج تھا کہ کہتے ﴿ بالرفاء والبنین ﴾ کہ مبارک ہو اللہ اولاد سے خوش نصیب کرے۔ آپؐ نے اسے منع فرمایا دیا اور رفاء انفاق' برکت اور بڑھوتری سبھی معنی میں آتا ہے۔

(٨٢٩) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ التَّشَهُّدَ فِي الحَاجَةِ «إِنَّ الحَمْدَ للهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَيَقْرَأُ ثَلاَثَ آيَاتٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالحَاكِمُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حاجت و ضرورت میں یہ تشہد سکھایا کہ "سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طلب گار ہیں اور اسی سے مغفرت و بخشش مانگتے ہیں اور اپنے نفسوں کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت سے نوازے اسے پھر کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ ہی گمراہ کرے اسے پھر کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔" پھر تین آیات تلاوت فرمائیں۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور حاکم نے اسے حسن کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ التشهد فی الحاجۃ ﴾ سبل السلام میں ہے کہ ابن کثیر نے الارشاد میں اتنا اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ آپؐ نے یہ خطبہ حاجت و ضرورت اور نکاح وغیرہ ہر کام کیلئے سکھایا ہے۔ ﴿ ان الحمد ﴾ میں "ان" تخفیف سے پڑھا جائے تو "الحمد" پر رفع ہوگا اور "ان" پر تشدید بھی جائز ہے۔ بایں صورت "الحمد" پر فتح ہوگی اعرابی صورت میں اور اس پر رفع حکایت کے طور پر ہے۔

حاصل کلام: یہ خطبہ صرف خطبہ نکاح نہیں بلکہ یہ خطبہ رسول اللہ ﷺ نے ہر حاجت و ضرورت کیلئے

سکھایا ہے۔ علامہ الیمانی نے تو فرمایا ہے کہ نکاح کرنے والے کو خود یہ خطبہ پڑھنا چاہئے۔ مگر یہ سنت متروک ہو چکی ہے۔ جن تین آیات کا ذکر ہے' وہ یہ ہیں۔ سورۂ نساء کی پہلی آیت رقیبا تک اور سورۂ آل عمران کے گیارہوں رکوع کی پہلی آیت مسلمون تک اور سورۂ احزاب کے آخری رکوع کی آیت عظیما تک۔ اہل ظواہر اس خطبہ کو واجب قرار دیتے ہیں اور شوافع میں سے ابو عوانہ نے بھی اسے واجب کہا ہے مگر باقی علماء امت کے نزدیک مسنون ہے۔ (سبل)

(۸۳۰) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ ٱلْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ. وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ المُغِيرَةِ، وَعِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ وَابْنِ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو پیغام نکاح دے اگر ممکن ہو تو اس کو کچھ دیکھ لے جو اس کیلئے نکاح کا باعث ہو۔" (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ترمذی اور نسائی میں مغیرہ کی روایت اس کیلئے شاہد ہے۔ ابن ماجہ اور ابن حبان میں محمد بن مسلمہ کی روایت شاہد ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مرد کو چاہئے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اسے خود ایک مرتبہ دیکھ لے۔ جمہور کے نزیک ایسا کرنا مستحب ہے لازمی اور ضروری نہیں۔ اگر کسی قابل اعتماد اپنی رشتہ دار خاتون کو بھیج کر عورت کے چہرے کے رنگ و روپ' عادات و خصائل کا پتہ کرا لے تب بھی یہ ٹھیک ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ام سلیم کو بھیج کر ایک خاتون کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں۔

راوی حدیث: ﴿محمد بن مسلمہ﴾ محمد بن مسلمہ کا شمار فضلاء صحابہ کرامؓ میں تھا۔ انصار کے قبیلہ حارث سے تھے اس لئے انصاری حارثی کہلاتے تھے۔ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے۔ مدینہ منورہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ۴۳ھ میں ستتر برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۸۳۱) وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ تَزَوَّجَ ٱمْرَأَةً: أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ قَالَ لاَ، قَالَ: ٱذْهَبْ فَٱنْظُرْ إِلَيْهَا.

مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے جو شادی کرنا چاہتا تھا فرمایا کہ "کیا تو نے اسے دیکھ لیا ہے؟" اس نے کہا: نہیں' آپؐ نے فرمایا "جاؤ اور اسے دیکھ لو۔"

حاصل کلام: اس حدیث میں امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ جواز کیلئے ہے جیسا کہ پہلے کی حدیث سے مترشح ہو رہا ہے۔ یہ دیکھنا پیغام نکاح سے پہلے ہونا چاہئے کیونکہ پیغام نکاح کے بعد اگر جواب دے گا تو لڑکی والوں کیلئے اذیت کا باعث ہو سکتا ہے۔

(۸۳۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَخْطُبْ أَحَدُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ، حَتَّى يَتْرُكَ الخَاطِبُ قَبْلَهُ، أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الخَاطِبُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے تاوقتیکہ کہ پیغام نکاح دینے والا اس سے پہلے اسے ازخود چھوڑ دے یا پیغام نکاح دینے والا اجازت دے دے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے پیغام نکاح پر پیغام نکاح دینا جائز نہیں مگر فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں دو تین پیغام دیئے جا سکتے ہیں کیونکہ اس خاتون کو دو پیغام نکاح پہنچے تو یہ مشورہ کیلئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور صورتحال بیان کر کے مشورہ طلب کیا مگر یہ اس روایت کے خلاف نہیں۔ ممکن ہے دوسری بار پیغام نکاح دینے والے کو پہلے پیغام کا علم نہ ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ منگنی طے ہو جانے کے بعد پیغام نکاح کی ممانعت ہے پہلے نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ ممانعت تحریمی ہے اور یہی بات راجح ہے۔

(۸۳۳) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِي، فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ، ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَتِ المَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئاً جَلَسَتْ، فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ لَّمْ تَكُنْ لَّكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا، قَالَ: فَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ: لاَ، وَاللهِ يَا

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں اپنے آپ کو آپ کیلئے ہبہ کرنے آئی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک نظر دیکھا پھر نظر اوپر نیچے کر کے ذرا غور سے دیکھا اور اپنا سر نیچا کر لیا۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ آپ نے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو وہ نیچے بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! اگر اس عورت کی آپ کو ضرورت نہیں تو اس سے میرا نکاح کر دیں۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ "تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟" اس

رَسُولَ اللهِ! فَقَالَ: **اَذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ، فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئاً؟** فَذَهَبَ، ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لاَ وَاللهِ، مَا وَجَدْتُ شَيْئاً. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **اُنْظُرْ وَلَوْ خَاتماً مِنْ حَدِيْدٍ،** فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لاَ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ! وَلاَ خَاتَماً مِنْ حَدِيْدٍ، وَلٰكِن هٰذَا إِزَارِيْ (- قَالَ سَهْلٌ: مَالَهُ رِدَآءٌ -) فَلَهَا نِصْفُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ؟ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْه شَيْءٌ، وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْه شَيْءٌ،** فَجَلَسَ الرَّجُلُ، حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ، فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُوَلِّياً فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ به، فَلَمَّا جَآءَ، قَالَ: **مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟** قَالَ: مَعِيَ سُورَةُ كَذَا، وَسُورَةُ كَذَا، عَدَّدَهَا، فَقَالَ: **تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ؟** قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: **اِذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.** مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. وَفِي رِوَايَةٍ لَّهُ: **«اِنْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْآنِ».** وَفِي رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ: **«أَمْلَكْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ».**

نے کہا: نہیں' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اللہ کی قسم کچھ بھی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا "اپنے گھر جاؤ اور تلاش کرو آیا کوئی چیز تجھے ملتی ہے؟" وہ چلا گیا اور پھر واپس آکر کہنے لگا' اللہ کی قسم مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا "تلاش کرو خواہ لوہے کی انگشتری ہی ہو۔" وہ آدمی پھر گیا اور واپس آکر عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! اللہ کی قسم لوہے کی انگوٹھی تک بھی میسر نہیں۔ لیکن میرا یہ ایک تہ بند ہے۔ (سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے اوپر کی چادر نہ تھی۔) آدھا حصہ میں اسے دے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پیشکش کو نامنظور کرتے ہوئے فرمایا "وہ خاتون تیرے اس تہ بند کو کیا کرے گی۔ اگر تو اسے زیب تن کرے گا تو اس کیلئے کیا بچے گا اور اگر وہ اسے پہنے گی تو پھر تیرے لئے اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔" یہ سن کر وہ آدمی نیچے بیٹھ گیا اور کافی دیر تک بیٹھا رہا بالآخر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے اسے رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا۔ آپؐ نے اسے واپس بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ واپس آگیا تو آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا "تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟" اس نے اسے گن کر بتایا کہ فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپؐ نے پوچھا "تم ان کو زبانی پڑھ سکتے ہو؟" وہ بولا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا "جا میں نے تجھے اس کا مالک بنا دیا۔ اس قرآن کے بدلہ جو تجھے یاد ہے۔" (بخاری و مسلم' یہ الفاظ مسلم کے ہیں) اور ایک روایت میں ہے "جا میں نے اسے تیری زوجیت میں دے دیا۔ پس تو اسے کچھ قرآن سکھا دو" اور بخاری

میں ہے کہ "ہم نے تجھے اس کا مالک بنا دیا اس قرآن کے عوض جو تجھے یاد ہے"

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: مَا تَحْفَظُ؟ قَالَ: سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَالَّتِيْ تَلِيْهَا، قَالَ: فَقُمْ، فَعَلِّمْهَا عِشْرِيْنَ آيَةً.

اور ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ؐ نے دریافت فرمایا "کتنا کچھ قرآن حفظ ہے؟ وہ بولا سورۃ البقرہ اور اس کے ساتھ والی سورۃ (آل عمران) آپ ؐ نے فرمایا "اٹھو اور اسے بیس آیات سکھا دو۔"

لغوی تشریح: ﴿ فصعد النظر فيها وصوبه ﴾ دونوں باب تفعیل کے صیغے ہیں یعنی اوپر نیچے سے اس عورت پر نظر دوڑائی اور پھر تھوڑا سا تامل کیا۔ "طا طا" سر نیچے جھکایا ﴿ قال سهل ماله رداء ﴾ یہ جملہ معترضہ ہے۔ ﴿ ان لبسته ﴾ پہلے میں یہ خطاب کا صیغہ ہے یعنی اگر تو اسے پہنے گا اور دوسرے میں غائب کا صیغہ ہے یعنی اگر وہ عورت پہنے گی۔ ﴿ موليا ﴾ تولية سے اسم فاعل ہے۔ پیٹھ پھیر کر واپس جانے لگا ﴿ عن ظهر قلبك ﴾ زبانی یاد ہے ﴿ ملكتها ﴾ میں نے اس عورت کا تجھے مالک بنایا اس کی عصمت کا اور اس سے فائدہ اٹھانے کا۔ معلوم ہوا کہ تمليك کا لفظ بھی نکاح کیلئے صحیح ہے۔ ﴿ بما معك ﴾ "با" یہاں بدل اور مقابلہ کے معنی میں مستعمل ہے۔ پس یہ دلیل ہے کہ تعلیم قرآنی بھی مہر ہو سکتی ہے۔ اگر یہ مہر نہ ہوتا تو آپ ؐ کا اس سے دریافت فرمانا کہ تمہیں کتنا قرآن حفظ ہے' کیا معنی رکھتا ہے؟ اس مرد کو چیزوں کے تلاش کا حکم دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ اشیاء مہر بن سکتی ہیں۔ یہ اس پر دال ہے کہ معمولی چیز بھی مہر بن سکتی ہے کیونکہ لوہے کی انگوٹھی نہایت ہی کم قیمت چیز شمار ہوتی ہے۔ اسی سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ نفع بخش چیز کا مہر مقرر کرنا درست ہے اور ﴿ ولو خاتما من حديد ﴾ کا جملہ اس کی دلیل ہے کہ کم سے کم چیز بھی مہر میں جائز ہے۔ ﴿ والتی تليها ﴾ یعنی اس سے متصل سورۃ اور وہ ہے سورۃ آل عمران۔ اس حدیث سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ غور و خوض اور تامل کرنے والے سے یہ مسائل پوشیدہ نہیں۔ یہ مقام تفصیل میں جانے اور شرح و بسط سے بیان کرنے کا نہیں۔

(٨٣٤) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «أَعْلِنُوا النِّكَاحَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت عامرؒ بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نکاح کا اعلان کرو۔" (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح علی الاعلان کیا جانا چاہئے خفیہ اور چھپے طور پر نہیں۔ اس لئے کہ یوں میاں بیوی کے تعلقات پر کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہیں ملتا۔

راوی حدیث: ﴿عامر بن عبدالله﴾ عامر بن عبداللہ بن زبیر بن عوام اسدی قرشی مدنی۔ اپنے والد اور دیگر حضرات سے احادیث سنی ہیں۔ بڑے عبادت گزار اور مشہور ثقہ تابعین میں سے ہیں۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

(۸۳۵) وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ عن أَبِي مُوْسَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسولُ اللهِ ﷺ: «لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ». رَوَاهُ أَحْمَد وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ المَدِينِيِّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ، وَأُعِلَّ بِالإِرْسَالِ.

وَرَوَى الإِمَامُ أَحْمَدُ، عَنِ الحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الحُصَيْنِ مَرْفُوعاً: لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْنِ.

حضرت ابوبردہ بن ابی موسیٰ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ولی و سرپرست کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ امام ابن مدینی' ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور مرسل ہونے کی وجہ سے اسے معلول قرار دیا گیا ہے)

اور امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سے اور انہوں نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ "نکاح ولی و سرپرست اور دو گواہوں کے بغیر منعقد نہیں ہوتا۔"

لغوی تشریح: ﴿اعل بالارسال﴾ یعنی اسے مرسل ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا ہے مگر یہ تعلیل درست نہیں کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں یہ ثابت کیا ہے کہ موصول روایت اقویٰ ہے اور راجح ہے۔ لہٰذا یہ ارسال حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا اور نہ اس کے قابل احتجاج ہونے میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو تیس کے قریب صحابہؓ نے روایت کیا ہے اور اس کے بعض طرق صحیح ہیں اور بعض ضعیف ہیں۔ جمہور علماء کی بھی رائے یہی ہے کہ ولی اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ولی سے مراد باپ ہے۔ باپ کی غیر موجودگی میں دادا پھر بھائی پھر چچا ہے اگر کسی کے دو ولی ہوں اور نکاح کے موقع پر اختلاف واقع ہو جائے تو ترجیح قریبی ولی کو ہو گی' اگر کوئی بھی ولی نہ ہو تو حدیث میں ہے کہ سربراہ مملکت اس کا ولی ہے اور اگر دونوں ولی برابر حیثیت کے ہوں اور ان میں اختلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں حاکم ولی ہو گا۔

(۸۳۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی خاتون نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا' اس کا نکاح باطل ہے۔ پھر اگر شوہر نے اس سے (مباشرت) کی ہے تو اس

فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لاَ وَلِيَّ لَهُ». أَخْرَجَهُ الأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَآئِيَّ، وَصَحَّحَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

عورت کیلئے حق مہر ہے' اس کی شرم گاہ کو حلال کرنے کے بدلہ میں۔ پھر اگر اولیاء میں جھگڑا ہو جائے تو پھر جس کا کوئی ولی نہیں اس کا ولی حاکم وقت ہے۔" (نسائی کے علاوہ اسے چاروں نایور اسے ابوعوانہ' ابن حبان اور حاکم تینوں نے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ایما امراۃ ﴾ کلمہ ﴿ ایما ﴾ ان الفاظ میں سے ہے جن میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ جس کی بنا پر عورتوں سے ولایت مطلقاً بغیر کسی تخصیص کے سلب ہو جاتی ہے (یعنی کوئی عورت کسی صورت میں ولی نہیں بن سکتی) اس میں مالکیہ کی اس رائے کا رد ہے کہ شریف و معزز عورت تو ولی بننے کا حق رکھتی ہے اور نچلے درجہ اور مرتبہ کی عورت اس کا استحقاق نہیں رکھتی۔ ﴿ نکحت ﴾ خود اپنا نکاح کرے اور ولی سے مراد جمہور کے نزدیک وہ شخص ہے جو عصبہ میں سے نسبی طور پر سب سے زیادہ قریب ہو۔ اس کے بعد سببی رشتہ دار پھر اس کے عصبی رشتہ دار۔ جن لوگوں کے حصہ مقرر ہیں وہ اور ذوالارحام اولیاء نہیں بن سکتے۔ ﴿ بما استحل ﴾ اس میں ما مصدری معنی میں مستعمل ہے۔ یعنی فرج عورت کو تمتع کیلئے حلال کرنے کی وجہ سے ﴿ اشتجروا ﴾ اولیاء میں تنازع اور شدید اختلاف پیدا ہو جائے جو عورت کے نکاح میں مانع بن جائے تو پھر ایسی صورت میں ان اولیاء کی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہو گئی اور کالعدم ہو جائیں گے اور ان کا حق ولایت ساقط ہو جائے گا اور یہ استحقاق حاکم وقت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ پس جب عقد میں اولیاء کا اختلاف و تنازع واقع ہو اور مرتبہ میں سب اولیاء مساوی ہوں تو اس کا عقد معتبر اور قابل تسلیم ہو گا جس نے پہلے عقد کرایا۔ یہ حدیث ولایت کو شرط قرار دینے کی دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح کسی صورت میں نہیں کر سکتی۔ جمہور کا یہی موقف ہے اور ان کی تائید اس باب کی احادیث سے ہوتی ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ حاکم نے کہا کہ اس بارے میں ازواج مطہرات کی نبی ﷺ سے روایت صحیح ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے اور کہا کہ اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لیا ہے۔ مگر حنفیہ تو ولی کی شرط کے سرے سے قائل ہی نہیں جب کہ وہ عورت اپنے کفو سے شادی کرے۔ انہوں نے اس مسئلہ کو بیع پر قیاس کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا ہے مگر یہ کسے معلوم نہیں کہ قیاس کی نص کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں۔ ان احادیث میں سے بعض پر انہوں (احناف) نے ایسی بے جا گفتگو اور کلام کیا ہے۔ بعض حضرات نے جنہیں دراصل فن میں کوئی بصیرت حاصل نہیں ان احادیث پر بے بنیاد اعتراضات کئے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔

(٨٣٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بیوہ عورت کا نکاح اس سے مشورہ

«لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلاَ تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: «أَنْ تَسْكُتَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لئے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس سے اجازت لئے بغیر نہ کیا جائے۔" انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! اس کی اجازت کیسے ہے؟ فرمایا "اس کا خاموش رہنا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ لا تنکح ﴾ صیغہ مجہول۔ یہ مبالغہ کی نفی ہے یا پھر نہی۔ ﴿ الایم ﴾ ھمزہ پر فتحہ اور "یاء" پر تشدید اور کسرہ۔ وزن اور معنی دونوں کے اعتبار سے ثیب کے ہم معنی ہے یعنی ثیب مراد ہے اور ثیب شوہر دیدہ عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند وفات پا گیا ہو یا اسے طلاق ہوگئی ہو۔ ایسی عورت کو "ایم" بھی کہتے ہیں اور ثیب بھی۔ ﴿ حتی تستامر ﴾ جب تک کہ اس سے مشورہ نہ کر لیا جائے۔ یعنی بالصراحت اس سے معلوم کیا جائے اور یہ اجازت و اذن لفظاً ہونی چاہئے اس میں خاموشی ناکافی رہے گی۔ ﴿ البکر ﴾ "باء" کے نیچے کسرہ اور کاف ساکن۔ باکرہ کنواری جس نے ابھی تک شادی نہ کی ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ شریعت کی نظر میں مرد و عورت کی بہت اہمیت ہے اور عورت جسے معاشرہ میں کوئی خاص مقام نہیں دیا جاتا تھا اسے پستی سے اٹھا کر بلند مقام پر پہنچایا ہے' اس کی اہمیت کو دوبالا کیا ہے۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں اس سے مشورہ لینا تو کجا اسے اپنے بارے میں کچھ کہنے کی اجازت تک نہ تھی۔ سربراہ و ولی اپنی مرضی سے جس سے چاہتے تھے نکاح کر دیتے تھے' اسے زبان پر لانے کی ہمت نہ تھی۔ نبی ﷺ نے عورت کو اس کا صحیح معاشرتی مقام و منصب دیا اور سرپرستوں کو حکم دیا کہ شوہر دیدہ سے مشورہ ضرور کیا جائے اور کنواری سے اس کی اجازت حاصل کی جائے۔

شوہر دیدہ کا اس کی رضا و مشورہ کے بغیر نکاح کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بغیر ولی کے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

(٨٣٨) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ، وَإِذْنُهَا سُكُوتُهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

وَفِي لَفْظٍ: «لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ وَالْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "شوہر دیدہ عورت اپنے دوبارہ نکاح کے بارے میں اپنے ولی کی بہ نسبت خود زیادہ استحقاق رکھتی ہے اور کنواری سے اجازت لی جائے گی اور اس کا اذن اس کی خاموشی ہے۔" (مسلم)

اور ایک روایت میں ہے کہ "شوہر دیدہ عورت کے بارے میں ولی کا کوئی اختیار نہیں اور یتیم بچیوں سے بھی مشورہ لیا جائے۔" (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الثیب احق بنفسھا من ولیھا ﴾ اس سے حنفیہ نے اپنے مذہب کی تائید میں استدلال کیا ہے کہ شوہر دیدہ کیلئے ولایت کی شرط نہیں ہے حالانکہ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ "احق" کا کلمہ صیغۂ تفضیل ہے اور تفضیل باہمی شرکت کا متقاضی ہے تو دوسرے کا بھی اسی طرح استحقاق ہے جس طرح خود اس کا حق ہے البتہ اس کا حق زیادہ مؤکد ہے اور راجح ہے پھر اس سے ان کے مذہب کی پوری تائید نہیں ہوتی کیونکہ یہ حضرات تو ولی کے حق کو مکمل طور پر ساقط کر دیتے ہیں۔ بجز اس کے کہ وہ عورت غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرے۔ ﴿ لیس للولی مع الثیب امر ﴾ یعنی ولی مجبور نہیں کر سکتا اور اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔

حاصل کلام: جمہور کے مذہب کی روشنی میں حدیث کا معنی واضح ہے کہ اگر ولی اس کے نکاح کا ارادہ کرتا ہے اور وہ عورت وہاں نہیں کرنا چاہتی تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ عورت کہیں نکاح کرنا چاہتی ہے اور ولی اسے روکتا ہے تو ولی کو مجبور کیا جائے گا کہ عورت کے فیصلہ کا احترام کرے۔ پھر اگر اولیاء عقد روکنے پر اصرار کریں تو ولی کا حق ولایت ساقط ہو جائے گا اور قاضی اس کا نکاح کر دے گا۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ عورت کا حق نہایت ہی مؤکد اور قابل ترجیح ہے۔

(٨٣٩) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «لاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نہ کوئی عورت دوسری عورت کا (ولی بن کر) نکاح کرے اور نہ خود اپنا نکاح کرے۔" (اسے ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

حاصل کلام: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت نہ دوسری کسی عورت کی ولی بن سکتی ہے اور نہ خود اپنی ولی بن کر اپنا نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہی ہے مگر احناف کہتے ہیں کہ ایک عاقلہ بالغہ خاتون اپنا بھی اور اپنی نابالغہ بچی کا نکاح بھی کر سکتی ہے اور دوسرے کی وکیل نکاح بھی بن سکتی ہے لیکن اگر کہیں غیر کفو میں نکاح کر لے تو ولی کو تنسیخ کا اختیار بھی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صرف کمین عورت کیلئے جائز ہے مگر اس بارے میں جمہور علماء کی رائے مضبوط ہے۔ (السبل)

(٨٤٠) وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ، وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الآخَرُ ابْنَتَهُ، وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا

حضرت نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے اور شغار کی تعریف یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی دوسرے آدمی سے اس شرط پر بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اس سے بیاہ دے گا اور دونوں کا کوئی مہر مقرر نہ ہو۔ (بخاری و

صَدَاقٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاتَّفَقَا مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَلَىٰ أَنَّ تَفْسِيرَ الشِّغَارِ مِنْ كَلَامِ نَافِعٍ.

مسلم) اور بخاری و مسلم دونوں اس پر متفق ہیں کہ شغار کی یہ تعریف نافع کی بیان کردہ ہے۔

لغوی تشریح: ﴿ الشغار ﴾ شین کے نیچے کسرہ۔ اصل میں تو اس پر رفع ہے۔ کہا جاتا ہے "شغر الکلب" جب کتا پیشاب کرنے کیلئے اپنا پاؤں اوپر اٹھاتا ہے اور اس مقام پر اس کا معنی ایک عورت کا عورت کے بدلہ میں نکاح جبکہ دونوں میں مہر مقرر نہ کیا جائے جیسا کہ حدیث میں اس کی تفسیر کی گئی ہے۔ یہ دور جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا جسے شارع نے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ تین ائمہ کرام یعنی امام مالک رحمہ اللہ' شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ اس کے باطل ہونے کے قائل ہیں اور ایک گروہ نے کہا ہے مہر مثل سے یہ نکاح صحیح ہے حالانکہ یہ ان احادیث کے خلاف ہے۔

(٨٤١) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ جَارِيَةً بِكْراً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ، وَأُعِلَّ بِالإِرْسَالِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے جبکہ اسے ناپسند تھا (یہ سن کر) نبی ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا۔ (اسے احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو مرسل ہونے کی بنا پر معلول کہا گیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ واعل بالارسال ﴾ مگر ارسال کی یہ علت درست نہیں کیونکہ یہ موصول بھی مروی ہے اور خود مصنف رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اس حدیث میں کسی قسم کا طعن بے معنی ہے اس لئے کہ اس حدیث کے ایسے طرق ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باپ ولی ہے۔ بغیر مشورہ لئے وہ نکاح تو کر سکتا ہے مگر ایسے نکاح میں اس لڑکی کو شرعاً اختیار حاصل ہے کہ وہ اگر اس نکاح سے ناخوش ہو تو فسخ کرنے کی مجاز ہے۔

(٨٤٢) وَعَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: **أَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلأَوَّلِ مِنْهُمَا**. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت حسن رضی اللہ عنہ' حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ "جس عورت کا نکاح دو ولی کر دیں تو یہ خاتون پہلے خاوند کی ہے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک خاتون کے دو ولی جب دو مختلف آدمیوں میں سے مختلف اوقات میں نکاح کر دیں تو وہ عورت اس آدمی کی بیوی قرار پائے گی جس سے پہلے نکاح کیا گیا ہو اور

دوسرا نکاح از خود باطل قرار پائے گا کیونکہ شریعت نے نکاح پر نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے اور اگر دونوں نکاح بیک وقت کئے جائیں تو دونوں باطل قرار پائیں گے کوئی بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(٨٤٣) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قال رَسُولُ اللهِ ﷺ أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيْهِ وَأَهْلِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَكَذٰلِكَ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس غلام نے اپنے مالکوں اور اپنے اہل کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ زانی ہے۔" (اسے احمد' ابوداؤد' نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور اسی طرح ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿عـاهـر﴾ زانی اور زنا باطل ہے لہٰذا یہ نکاح کے بطلان پر دلالت کرتی ہے خواہ مالک عقد کے بعد اجازت دے دے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ دونوں کی یہی رائے ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ دونوں کا قول ہے کہ اگر مالک عقد کے بعد اسے اجازت دے دے تو نکاح صحیح ہو جائے گا مگر پہلا قول راجح ہے۔

(٨٤٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لاَ يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلاَ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک مرد کے نکاح میں پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ و بھانجی کو جمع نہ کیا جائے۔" (بخاری و مسلم)

(٨٤٥) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ، وَلاَ يُنْكَحُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: «وَلاَ يَخْطُبُ». زَادَ ابْنُ حِبَّانَ «وَلاَ يُخْطَبُ عَلَيْهِ».

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "احرام والا آدمی نہ خود اپنا نکاح کرے اور نہ کسی دوسرے کا نکاح کرے۔" (مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے "اور نہ وہ پیغام نکاح دے" اور ابن حبان نے اتنا اضافہ نقل کیا ہے اور "نہ ہی اس کے پیغام نکاح پر پیغام دیا جائے۔"

لغوی تشریح: ﴿لاینکح﴾ ینکح میں "یاء" پر فتحہ یعنی خود نکاح نہ کرے کسی عورت کے ساتھ ﴿المحرم﴾ احرام بند خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا یا دونوں (حج اور عمرہ) کا۔ ﴿ولا ینکح﴾ یہاں "یا" پر ضمہ ہے یعنی نہ وہ شخص ولی یا وکیل بن کر دوسرے کا نکاح کرے ﴿ولا یخطب﴾ نہ اپنے لئے اور نہ کسی دوسرے کیلئے ﴿ولا یخطب علیہ﴾ صیغہ مجہول یعنی نہ اس کا کوئی ولی اسے پیغام نکاح دے اور

نہ ہی اس کی قریبی عزیز خاتون اس سے نکاح کا تقاضا و مطالبہ کرے۔ جمہور علماء کی رائے اس حدیث کے مطابق ہے مگر حنفیہ نے اختلاف کیا ہے۔

(٨٤٦) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلِمُسْلِمٍ عَنْ مَيْمُونَةَ نَفْسِهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب میمونہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا تو اس وقت آپؐ حالت احرام میں تھے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے نکاح کیا تو اس وقت آپؐ حلال تھے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز ہے حالانکہ اس حدیث میں ان کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ اکثر صحابہ کرامؓ کی روایت کے مخالف ہے۔ فرد واحد کی جانب وہم جماعت کی طرف وہم سے زیادہ قریب ہے۔ یعنی ایک آدمی کو وہم ہو جانا جماعت کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہے اور خود صاحبۂ قصہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور ابو رافع رضی اللہ عنہ جو اس رشتہ کرانے میں سفیر کے فرائض دیتے رہے ہیں' ان سے بھی منقول ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ اس وقت حلال تھے۔ خود صاحبۂ قصہ اور سفارت کے فرائض انجام دینے والا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ خبر رکھتا ہے اور صورت واقعہ سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ لہٰذا دونوں سے مروی روایت دوسروں کی روایت سے زیادہ لائق اعتبار ہے۔ پھر ان دنوں ابن عباس رضی اللہ عنہما نو دس برس کے بچے ہی تھے۔ پس ان دونوں کے مقابلہ میں ان کا واقعاتی صورت کو محفوظ نہ رکھنا زیادہ قرین قیاس اور لائق ہے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حضور ﷺ کو محرم کہنے کا مطلب یہ ہو کہ وہ حدود حرم میں تھے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نبی ﷺ نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہے تو پھر اسے ان کی خصوصیت پر محمول کیا جائے گا۔ الشیخ عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری نے تحفۃ الاحوذی (ج: ٢' ص: ٨٩) میں اس مسئلہ میں لمبی گفتگو کی ہے اور قابل ترجیح بہرحال جمہور کا قول ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں قانون کلی کا بیان ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایت میں نبی ﷺ کے فعل کی حکایت ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ایسے ہیں جو صحیح صورت حال کے قریبی راستہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

(٨٤٧) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ يُوَفَّى بِهِ، مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ شرط پورا کئے جانے کا زیادہ حق رکھتی ہے جس کے ذریعہ تم نے عورتوں کی شرم گاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شرائط سب سے زیادہ پوری کرنے کی مستحق ہیں وہ شروط

نکاح ہیں۔ کیونکہ اس کا معاملہ بڑا ہی محتاط اور نازک ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح میں شرط طے کرنا جائز ہے اور انہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ نکاح کی شرطوں سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ادائیگی مہر ہے کیونکہ مہروطی سے مشروط ہے اور ایک قول یہ ہے کہ زوجیت کے تقاضا میں عورت جس چیز کی مستحق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ وہ شرط ہے جو نکاح کیلئے آمادہ کرنے کیلئے مرد نے عورت سے طے کی ہو اور یہ شریعت میں ممنوع نہ ہو۔ سیاق حدیث کی رو سے یہی آخری رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

(٨٤٨) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: رَخَّصَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَامَ أَوْطَاسٍ فِيْ الْمُتْعَةِ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، ثُمَّ نَهى عَنْهَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اوطاس کے موقع پر تین روز کیلئے نکاح متعہ کی اجازت دی۔ پھر اسے منع فرما دیا۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿عام اوطاس﴾ یہ عام حنین کا دوسرا نام ہے اور یہ فتح مکہ کے سال کا ہی واقعہ ہے جو ۸ھ میں ہوا۔ "اوطاس" حنین کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ جب مسلمانوں پر وادی حنین میں قبائل ھوازن و ثقیف ٹوٹ پڑے تھے۔ اس وقت انہوں نے مال' مویشی اور آل اولاد سب کچھ اس مقام پر اکٹھا کر لیا تھا۔ جب شکست و ہزیمت سے پالا پڑا تو سب کچھ یہیں چھوڑ کر فرار ہوگئے تو مسلمانوں نے سب کچھ اپنے قبضہ میں لے لیا اور اسے مال غنیمت بنا لیا۔ اسی وجہ سے اس سال کا نام "عام حنین" یا "عام اوطاس" پڑ گیا۔ ﴿فی المتعة﴾ متعہ کہتے ہیں کسی عورت سے ایک مقرر وقت تک کیلئے نکاح کرنے کو۔ جب مقرر وقت پورا ہو جاتا ہے تو ان کے درمیان خودبخود جدائی ہو جاتی ہے۔ یہ معلوم رہے کہ متعہ دو مرتبہ حرام ہوا اور دو ہی مرتبہ مباح و جائز ہوا۔ چنانچہ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے حلال تھا پھر اسے غزوۂ خیبر کے موقع پر حرام کیا گیا جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر مباح کیا گیا اور "عام اوطاس" بھی اسی کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام کر دیا گیا۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے لیکن علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ متعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حرام نہیں کیا گیا بلکہ اس کی تحریم فتح مکہ کے سال ہوئی اور یہی رائے درست ہے اور اہل علم کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ متعہ خیبر کے موقع پر حرام ہوا ہے اور انہوں نے صحیحین میں مروی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو آگے آ رہی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ متعہ حرام قرار دیا گیا پھر حلال کیا گیا پھر حرام کیا گیا یعنی دو دفعہ منسوخ ہوا ہے مگر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے متعہ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جسے حرام کیا گیا ہو پھر حلال کیا گیا ہو پھر اسے حرام قرار دیا گیا ہو۔ مگر دوسرے لوگوں نے اس رائے کی مخالفت کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ صرف فتح مکہ کے سال ہی حرام کیا گیا ہے اور

اس سے پہلے مباح و جائز تھا۔ ان کا خیال یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے متعہ کی حرمت اور گھریلو پالتو گدھے کی حرمت کو جمع کر دیا کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں کو مباح و حلال سمجھتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں کی تحریم ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تردید میں بیان کی ہے اور پالتو گدھے کی تحریم یوم خیبر میں ہوئی تھی اور اسکی تحریم کیلئے خیبر کے دن کو بطور ظرف ذکر کیا ہے اور تحریم متعہ کو مطلق بیان کیا ہے کسی وقت و زمانہ سے مقید نہیں کیا۔ جیسا کہ مسند احمد میں صحیح سند سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گھریلو گدھے کو حرام قرار دیا نیز عورتوں کے متعہ کو بھی حرام کیا اور ایک روایت میں "حرم متعة النساء وحرم لحوم الحمر الاهلية يوم خيبر" کے الفاظ بھی ہیں۔ یعنی یوم خیبر میں عورتوں سے متعہ اور گھریلو گدھے کا گوشت کھانا حرام کر دیا۔ جیسا کہ امام سفیان بن عیینہ سے یہ مفصل روایت مروی ہے جس سے بعض راویوں نے سمجھا کہ ان دونوں کو خیبر کے روز ہی حرام کیا گیا ہے تو انہوں نے دونوں کو خیبر کے روز سے مقید کر دیا۔ پھر بعض راویوں نے دونوں میں سے ایک کی تحریم پر اقتصار کیا اور وہ ہے گدھے کی تحریم اور اسی سے اس کو مقید کر دیا بس یہیں سے وہم نے نشوونما پائی اور رہا قصۂ خیبر تو اس روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہودی عورتوں سے تو متعہ نہیں کرتے رہے اور نہ ہی انہوں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور نہ ہی کسی نے کبھی اس غزوہ میں اس کو نقل کیا ہے اور نہ ہی اس متعہ کے فعل یا اس کی تحریم کا حتمی ذکر ہے بخلاف فتح مکہ کے۔ فتح مکہ کے موقع پر متعہ کے فعل اور اس کی تحریم کا ذکر مشہور ہے اور اس کی روایت صحیح ترین روایت ہے۔ (تلخیص از زاد المعاد ج ۲ ص ۱۴۲۔ ۱۴۳) اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ متعہ کی حرمت مسلمانوں میں اجماعی ہے۔ بجز بعض روافض کے امت مسلمہ میں ایک بھی فرد ایسا نہیں جو اس کے خلاف ہے۔

(٨٤٩) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُتْعَةِ عَامَ خَيْبَرَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے سال متعہ سے منع فرما دیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

(٨٥٠) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ، وَعَنْ أَكْلِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ. أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ إِلاَّ أَبَا دَاوُدَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے روز منع فرمایا۔ (ابوداؤد کے علاوہ ساتوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے)

(٨٥١) وَعَنْ رَبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنِّي كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَى

حضرت ربیع بن سبرہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسے تا روز قیامت حرام

يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخْلِ سَبِيلَهَا، وَلاَ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئاً». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَأَحْمَدُ وَابْنُ حِبَّانَ.

قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا جس کسی کے پاس ان میں سے کوئی متعہ والی عورت ہو تو وہ اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔" (اس روایت کو مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ في الاستمتاع من النساء ﴾ عورتوں سے متعہ کے بارے میں ﴿ مما اتيتموهن ﴾ جو کچھ تم نے مہر و معاوضہ دیا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ ربيع بن سبره ﴾ ربیع بن سبرہ بن معبد جھنی مدنی۔ ان کو نسائی اور عجلی دونوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(٨٥٢) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُحَلِّلَ وَالمُحَلَّلَ لَهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيٍّ، أَخْرَجَهُ الأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کیلئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (اسے احمد' نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور پھر اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے جسے نسائی کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ المحلل ﴾ تحلیل سے یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ محلل وہ شخص ہے جو طلاق دینے کی نیت سے مطلقہ ثلاثہ سے نکاح و مباشرت کرے تاکہ وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے۔ ﴿ والمحلل له ﴾ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے اس سے وہ پہلا شوہر مراد ہے جس نے تین طلاقیں دیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ نکاح برائے تحلیل حرام ہے کیونکہ لعنت حرام فعل پر ہی کی جاتی ہے۔ حنفیہ کے ماسوا جمہور اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ اس باب میں انہوں نے خبیث عمل اور برے فعل کا ارتکاب کیا کہ نیک و ابرار مسلمان تو درکنار' عام فاجر و کفار تک اسے معیوب سمجھتے ہیں۔

(٨٥٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَنْكِحُ الزَّانِي المَجْلُودُ إِلاَّ مِثْلَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "زانی جس پر حد زنا کے کوڑے برس چکے ہوں اپنے جیسی حد لگی ہوئی عورت کے سوا کسی دوسری سے نکاح نہ کرے۔" (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ المجلود ﴾ مجلود اس شخص کو کہتے ہیں جسے سزائے زنا میں کوڑے لگ چکے ہوں۔

سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ عورت کیلئے حرام ہے کہ وہ اس شخص سے نکاح کرے جو زانی ہو اور زانی کیلئے مجلود کی صفت بطور اغلب ہے' اسی طرح مرد کیلئے بھی حرام ہے کہ وہ ایسی عورت سے شادی کرے جو زانیہ ہو اور یہ حدیث ارشاد باری کے موافق ہے وحرم ذلک علی المومنین اور یہ مومنوں پر حرام کر دی گئی (۲۴ : ۳) اس کے بعد علامہ الیمانی نے اس باب میں علماء کا اختلاف ذکر کیا ہے اور بآلاخر زانیہ سے نکاح کی حرمت کی تائید کی ہے۔

(٨٥٤) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلاَثاً، فَتَزَوَّجَهَا رَجُلٌ، ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا. فَأَرَادَ زَوْجُهَا الأَوَّلُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، فَسَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: **لاَ حَتَّى يَذُوْقَ الآخَرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا مَا ذَاقَ الأَوَّلُ**. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس عورت سے ایک دوسرے آدمی نے نکاح کر لیا اور اس سے ہم بستری کئے بغیر ہی اسے طلاق بھی دے دی۔ تو پہلے شوہر نے اس سے نکاح کرنا چاہا۔ اور رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق استفسار کیا تو آپ ؐ نے فرمایا "نہیں جب تک دوسرا خاوند اس سے اسی طرح لطف اندوز نہ ہو لے جس طرح پہلا خاوند ہوا تھا۔"
(بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿عسیلتھا﴾ عسل کی تصغیر ہے اور ﴿ذوق العسیلۃ﴾ جماع سے کنایہ ہے اور جماع کو شہد سے تشبیہہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح شہد کے استعمال سے لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے جماع سے بھی لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ جماع جس سے حد واجب ہوتی ہے اور مہر دینا واجب ٹھہرتا ہے وہ ہے جس میں مرد کا حشفہ عورت کی اندام نہانی میں غائب ہو جائے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مطلقہ ثلاثہ عورت دوسرے سے نکاح کر لے اور دونوں میں تعلق زن و شو بھی قائم ہو جائے اور یہ دوسرا خاوند اپنی آزاد مرضی سے اسے طلاق دے یا یہ دوسرا خاوند وفات پا جائے تو پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح عدت کے بعد ہو سکتا ہے۔ اگر دوسرے مرد سے نکاح تو ہوا مگر مباشرت و ہم بستری نہ ہوئی یا وہ مرد ہی مباشرت و مجامعت نہ کر سکا اور اس نے طلاق دے دی تو اس صورت میں پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح درست نہیں ہوگا اور اگر دوسرا نکاح صرف حلالہ کی نیت سے کیا تو دوسرے خاوند سے نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا۔ اس صورت میں محلل اور محلل لہ تو لعنتی قرار پاتے ہی ہیں ساتھ ہی پہلے مرد سے دوبارہ نکاح بھی حرام ہے۔

١ - بَابُ الْكَفَاءَةِ وَالْخِيَارِ کفو (مثل، نظیر اور ہمسری) اور

اختیار کا بیان

(٨٥٥) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «العَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ، وَالمَوَالِي بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ، إِلاَّ حَائِكاً أَوْ حَجَّاماً». رَوَاهُ الحَاكِمُ، وَفِي إِسْنَادِهِ رَاوٍ لَمْ يُسَمَّ، وَاسْتَنْكَرَهُ أَبُو حَاتِمٍ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ البَزَّارِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "عرب ایک دوسرے کیلئے کفو ہیں اور موالی بھی ایک دوسرے کیلئے کفو ہیں۔ بجز جولاہے اور حجام کے۔" (اس روایت کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایسا راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا اور ابوحاتم نے اسے منکر قرار دیا ہے اور اس کا ایک شاہد بزار میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر اس کی سند بھی منقطع ہے)

لغوی تشریح: ﴿ باب الکفاءة ﴾ کفاءة کے قاف پر فتحہ اور مدیفی مساوات، مماثلت، ہمسری اور یہ دین اور اخلاق میں معتبر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفو کا اعتبار چار چیزوں میں کیا گیا ہے۔ دین، نسب، آزادی اور پیشہ وصنعت کاری۔ اور ان میں پہلا قول راجح اور اس کے قابل ترجیح ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ﴿ اکفا ﴾ کفو کی جمع ہے کفو کے کاف پر ضمہ اور "فاء" ساکن اور اس کے بعد ھمزہ ہے، اس کے معنی ہیں مثل اور نظیر ﴿ الموالی ﴾ مولی کی جمع ہے۔ جو عرب نہ ہو اسے مولیٰ شمار کیا گیا ہے۔ ﴿ الاحائك ﴾ جولاہا جو کپڑا بننے کا پیشہ ور ہو۔ یہ حدیث باطل ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ یہ جھوٹ کا پلندا ہے اس کی کوئی اصل نہیں اور دوسرے مقام پر کہا ہے یہ باطل ہے اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے یہ حدیث منکر ہے اور موضوع و تصنیف کردہ ہے۔ اس کے بہت سے طرق ہیں سب کے سب واہی ہیں۔ ان سب کا ذکر مصنف نے اپنی کتاب التلخیص الجبیر میں کیا ہے۔

(٨٥٦) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: «انْكِحِي أُسَامَةَ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو مشورہ دیا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لو۔ (مسلم)

حاصل کلام: شائد مصنف نے اس حدیث کو یہاں اس لئے بیان کیا ہے کہ مسئلہ کفاءت میں دین کے سوا اور کسی چیز کا اعتبار نہیں کیونکہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا قریش کی شاخ فہر کی معزز خاتون تھیں اور اسامہ خود بھی غلام تھے اور ان کا باپ بھی غلام تھا۔

راوی حدیث: ﴿ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ﴾ فاطمہ بنت قیس بن خالد فہریہ۔ مشہور صحابی حضرت

ضحاک رضی اللہ عنہ کی مشہور صحابیہ بہن ہیں۔ سب سے پہلی ہجرت کرنے والی خواتین میں شمار ہوتی ہیں۔ ان سے ایک پورے گروہ نے روایت کیا ہے۔ بڑی حسین و جمیل' عقلمند و دانا اور کمال ہنر کی مالکہ تھیں۔ پہلے یہ ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' انہوں نے ان کو طلاق دے دی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کر دیا (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ زید کے بیٹے تھے) اور اس نکاح میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خیر پیدا فرمائی۔ ابن (فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا) کا اپنا قول ہے کہ لوگ مجھ پر رشک کرتے تھے۔

(٨٥٧) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يَا بَنِي بَيَاضَةَ أَنْكِحُوا أَبَا هِنْدٍ وَانْكِحُوا إِلَيْهِ، وَكَانَ حَجَّاماً». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالحَاكِمُ بِسَنَدٍ حَسَنٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے بنی بیاضہ! ابوہند کا نکاح کر دو اور اس کی لڑکیوں سے نکاح کرو۔" اور یہ یاد رہے کہ ابوہند حجام تھے۔ (اسے ابوداؤد' حاکم دونوں نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ انکحوا اباھند ﴾ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ ہے اپنی لڑکیاں اس کے ہاں بیاہ دو۔ ﴿ وانکحوا الیہ ﴾ باب فتح سے امر کا صیغہ۔ اس کا معنی ہے کہ اس کی لڑکیوں کو تم اپنے لئے پیغام نکاح دو۔ اسے محض اس وجہ سے خارج نہ کرو کہ وہ حجام ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ابوھند کا جو ذکر ہے ان کا نام یسار تھا۔ یہ بنو بیاضہ جو قبائل عرب میں ایک قبیلہ تھا ان کا آزاد کردہ غلام تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو بیاضہ کو فرما رہے ہیں کہ ابوھند کا نکاح اپنے قبیلہ کی کسی عورت سے کر دو۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب کے بت کو پاش پاش کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جلیل القدر غنی صحابی جن کا تعلق عرب کے سب سے معزز قبیلے قریش سے تھا نے اپنی ہمشیرہ ہالہ کو بلال حبشی کے عقد نکاح میں دے کر نسب کے فخر کو توڑا اور خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخلہ سے پہلے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر پیش کیا تھا۔ ان مثالوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ حسب و نسب اور حسن و جمال اپنی جگہ بڑے اہمیت کے حامل ہیں مگر دینداری کے مقابلہ میں ان کی حیثیت ثانوی ہے۔

راوی حدیث: ﴿ ابوھند رضی اللہ عنہ ﴾ ان کا نام یسار تھا اور ایک قول کے مطابق ان کا نام سالم بن ابی سالم اور ایک قول کے مطابق عبداللہ بن ھند تھا۔ یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگی لگائی تھی اور بنو بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' جابر رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کیا ہے۔

(٨٥٨) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: خُيِّرَتْ بَرِيرَةُ عَلَى زَوْجِهَا حِيْنَ عَتَقَتْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو جب آزادی ملی تو اس وقت ان کو خاوند کے بارے میں اختیار دیا گیا۔ (بخاری و مسلم۔ لمبی حدیث کا

حَدِيثٍ طَوِيلٍ.

ٹکڑا ہے)

وَلِمُسْلِمٍ عَنْهَا: «أَنَّ زَوْجَهَا كَانَ عبداً»، وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهَا: «كَانَ حُرًّا»، وَالأَوَّلُ أَثْبَتُ، وَصَحَّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما عِنْدَ البُخَارِيِّ: «أَنَّهُ كَانَ عَبْداً».

اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کا خاوند غلام تھا اور ان ہی سے ایک روایت میں ہے کہ وہ آزاد تھا۔ پہلی روایت زیادہ پختہ ہے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح قول یہ ہے کہ وہ غلام تھا۔

حاصل کلام: یہ حدیث دلیل ہے کہ آزاد ہونے کے بعد عورت جبکہ اس کا خاوند ہنوز غلام ہو۔ شوہر کے بارے میں خودمختار ہے۔ چاہے اس کی زوجیت میں رہے چاہے نہ رہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ وہ آزاد ہو۔ ایک قول کے مطابق عورت کیلئے کوئی اختیار نہیں' اسے اسی خاوند کی زوجیت میں رہنا ہوگا۔ یہ رائے جمہور کی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ آزاد ہے تو اختیار کا ثبوت اس کیلئے ہے۔ اسے ابن قیم رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ معلوم رہے کہ یہ حدیث بڑی عظیم الشان ہے۔ اپنی کتابوں میں علماء نے کئی مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے اور خود مصنف رحمہ اللہ نے اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ جن کی تعداد ایک سو بائیس تک پہنچتی ہے۔ (سبل السلام)

(٨٥٩) وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوْزَ الدَّيْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَسْلَمْتُ، وَتَحْتِي أُخْتَانِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ والأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالبَيْهَقِيُّ، وَأَعَلَّهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ضحاک بن فیروز دیلمی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! میں دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ان دونوں میں سے جس ایک کو چاہو' اسے طلاق دے دو۔" (اسے احمد اور چاروں نے نسائی کے علاوہ روایت کیا ہے۔ ابن حبان' دارقطنی اور بیہقی نے صحیح قرار دیا ہے۔ مگر بخاری نے اسے معلول کہا ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث کفار کے زمانہ کفر کے نکاح کے قابل اعتبار کی دلیل ہے۔ اگرچہ وہ نکاح' اسلامی نکاح کے مخالف ہو۔ اسلام میں نکاح کی حیثیت تو یہ ہے کہ عورت کو خاوند جب تک طلاق نہ دے وہ اس کی زوجیت کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتی اور یہ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تجدید نکاح کے بغیر ہی نکاح باقی رہتا ہے۔ یہ مذہب امام مالک رحمہ اللہ' امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور داؤد رحمہ اللہ کا ہے۔ (سبل السلام) فیروز دیلمی سے ترمذی میں منقول الفاظ ہیں کہ "ان دونوں میں سے جس کا چاہو' انتخاب کر لو" آنے والی حدیث کے موافق ہیں اس اعتبار سے کہ جب اس نے اپنی بیویوں میں سے بعض کا انتخاب کر لیا

کہ میں نے نکاح کیلئے فلاں فلاں عورت کو منتخب کر لیا ہے تو ان کا نکاح ثابت ہو گیا اور باقی ماندہ بیویوں کو بغیر طلاق دیئے جدائی حاصل ہو جائے گی۔ نیز یہ دونوں احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جدائی کے وقت ترتیب نکاح غیر مؤثر ہے۔ پس مرد کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ پہلی بیوی کو روک رکھے اور نہ یہ ضروری ہے کہ بیویوں میں سے پہلی چار کو روک رکھے بلکہ اسے اختیار ہے جسے چاہے روک لے اور جسے چاہے جدا کر دے۔ یہ دونوں احادیث حنفیہ کے خلاف حجت ہیں۔

راوی حدیث : ﴿ الضحاك ﴾ "حاء" پر تشدید۔ بن فیروز۔ "فاء" پر فتحہ "یاء" ساکن اور "راء" پر ضمہ۔ عجمہ اور علیت دونوں سببوں کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ الدیلمی۔ "دال" پر فتحہ دیلم فارس کے مشہور پہاڑ کی طرف منسوب اور ضحاک مشہور تابعی ہیں۔ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث بصریوں کے ہاں پائی جاتی ہے۔

﴿ عن ابیه ﴾ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ ابوعبداللہ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ۔ انہیں حمیری بھی کہا جاتا تھا حمیر میں فروکش ہونے کی وجہ سے۔ حمیر اہل فارس سے تھے اور صنعاء کے رہنے والے تھے اور یہ ان لوگوں کے وفد میں شامل تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور یہ یمن کے مدعی نبوت کذاب عنسی کے قاتل ہیں۔ انہوں نے عنسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام مرض الموت میں قتل کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر اس مرض کے دوران موصول ہوئی تھی جس میں آپؐ نے وفات پائی۔ ان کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔

(٨٦٠) وَعَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ أَسْلَمَ، وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ، فَأَسْلَمْنَ مَعَهُ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَتَخَيَّرَ مِنْهُنَّ أَرْبَعاً. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ، وَأَعَلَّهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو زُرْعَةَ وَأَبُو حَاتِمٍ.

حضرت سالم نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اس وقت اس کی دس بیویاں تھیں۔ ان سب نے غیلان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "ان میں سے چار کا انتخاب کر لو۔" (اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بخاری' ابوزرعہ اور ابوحاتم نے اسے معلول کہا ہے)

حاصل کلام : اس حدیث کی بنا پر ایک مسلمان کیلئے چار سے زائد بیویاں ایک ہی وقت میں رکھنا حرام ہے اور یہ حکم متعدد روایات میں منقول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں نو بیویاں تھیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص رعایت تھی۔ جس میں دینی اور سیاسی مصلحتیں تھیں اور یہ رعایت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دی تھی۔ اس لئے اس پر اعتراض کرنا سراسر حماقت ہے۔

راوی حدیث : ﴿ غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ ﴾ غین پر فتحہ "یا" ساکن۔ ثقیف کے سرداروں میں

سے تھے۔ فتح طائف کے بعد اسلام قبول کیا' ہجرت نہیں کی۔ خوش الحان شاعر تھے۔ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔

(٨٦١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: رَدَّ النَّبِيُّ ﷺ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي العَاصِ بْنِ الرَّبِيْعِ بَعْدَ سِتِّ سِنِيْنَ بِالنِّكَاحِ الأَوَّلِ، وَلَمْ يُحْدِثْ نِكَاحاً. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ وَالحَاكِمُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص کی طرف چھ سال بعد پہلے نکاح کے ساتھ واپس فرما دیا تھا۔ نیا نکاح نہیں کیا تھا۔ (اسے احمد اور چاروں نے سوائے نسائی کے روایت کیا ہے اور احمد اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ولم یحدث نکاحا ﴾ یحدث' احداث سے ماخوذ ہے۔ یعنی نیا اور جدید نکاح نہیں کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کو دو سال بعد واپس فرمایا اور ایک روایت میں تین سال اور چھ سال کی مدت سے مراد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت سے لے کر ابوالعاص کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے تک کا عرصہ ہے اور دو سال یا تین سال سے مراد وہ عرصہ ہے جب ﴿ لاھن حل لھم ﴾ کی آیت نازل ہوئی۔ اس وقت سے لے کر ابوالعاص کا مسلمان ہو کر واپس آنے تک کا وقفہ اور یہ عرصہ دو سال اور کچھ مہینے ہیں۔ لیکن اس کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دوسرے سن ہجری میں ہجرت کی یا تین ہجری کے آغاز میں اور ان کی وفات ۸ھ کے شروع میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو (سبل السلام' ج: ۲' ص: ۱۵۴) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت اور ان کی وفات کے درمیان پانچ برس اور چند ماہ کا وقفہ ہے۔ لہٰذا ابوالعاص کا قبول اسلام اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ان کو واپسی اسی مدت کے دوران عمل میں آئی۔ ابن ھشام نے بیان کیا ہے کہ ابوالعاص نے فتح مکہ سے تھوڑا پہلے اسلام قبول کیا نیز یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابوالعاص تاجروں کے اموال تجارت لے کر شام سے واپس آ رہے تھے۔ ان اموال میں مشرکین مکہ کی امانتیں بھی تھیں جن کو مسلمانوں کے سریہ نے چھین لیا تھا۔ ابوالعاص مدینہ میں رات کے وقت داخل ہوئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی۔ مسلمانوں نے چھینے ہوئے مال ابوالعاص کو واپس کر دیئے اور وہ مکہ واپس چلے گئے اور جن جن کی امانتیں تھیں ان کو واپس کر کے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ قصہ تو اس کا مقتضی ہے کہ یہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہو نہ کہ فتح مکہ سے پہلے کا۔ اگر یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا تسلیم کیا جائے پھر تو یہ میثاق حدیبیہ کو توڑتا ہے۔ حالانکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے معاہدۂ حدیبیہ کو نہیں توڑا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ۸ھ

کے اوائل میں ہوئی اور یہ معلوم شدہ حقیقت ہے کہ فتح مکہ ۸ھ کے آخر میں ہوئی ہے اگر ابوالعاص کے قبول اسلام کا وقت فتح مکہ کے قریب تسلیم کیا جائے تو پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ابوالعاص کے ہاں واپسی کیسے ممکن ہوگی جبکہ وہ اسی سال کے اوائل میں وفات پا چکی تھیں۔ پس صحیح وہی ہے جسے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ابوالعاص نے حدیبیہ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو الھدیٰ' ج: ۴' ص: ۱۴) جب یہ ثابت ہوا کہ ابوالعاص نے حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کیا ہے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی نکاح جدید سے نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ مشرکین پر مسلمان خواتین کو حرام قرار دینے کا معاہدہ' حدیبیہ کے مکمل ہونے کے بعد نازل ہونے والی آیت میں کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس مدت کے دوران نکاح فسخ نہیں ہوا کیونکہ اس بارے میں کوئی شرعی حکم ہی نہیں تھا۔ اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح ترین روایت یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی تین سال بعد ہوئی تھی یعنی تین سال مکمل اور چند ماہ اس کے علاوہ۔ اس تحقیق کے بعد بہت سے اشکالات ازخود رفع ہو جاتے ہیں اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث معنی اور متن کے اعتبار سے اسی طرح صحیح ہے جس طرح یہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور عمرو بن شعیب کی آنے والی روایت معنی اور متن کے اعتبار سے اسی طرح ضعیف ہے جس طرح یہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور یہ حدیث اہل علم کے اس خیال و رائے کی تردید نہیں کرتی اور نہ اس کے معارض ہے کہ جب عورت اسلام قبول کر لے پھر اسی عدت کے دوران اس کا شوہر بھی اسلام میں داخل ہو جائے تو وہی اپنی بیوی کا زیادہ مستحق ہے۔ لیکن جب عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر عدت کے دوران اسلام قبول نہ کرے اور عدت کی مدت بھی ختم ہو جائے تو دونوں میں جدائی واقع ہو جائے گی۔ اب اسے جدید نکاح کے ماسوا کسی صورت میں واپس نہیں کیا جائے گا۔ ہاں تو ہم یہاں ایک نہایت لطیف بحث ذکر کرتے ہیں جسے ابن قیم نے اپنی الھدیٰ' ج: ۴' ص: ۱۴' ۱۵ میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ احادیث میں تو کہیں عدت کا اعتبار مذکور نہیں اور نہ نبی ﷺ ہی نے کسی خاتون سے دریافت فرمایا کہ کیا اس کی عدت ختم ہوئی ہے یا نہیں اور اس میں کوئی شک و ریب نہیں کہ مجرد اسلام ہی فرقت و جدائی کا باعث ہو تو پھر یہ علیحدگی رجعی نہیں بلکہ بائنہ ہو۔ تو پھر نکاح کے باقی رکھنے میں عدت کا کوئی اثر نہ ہو۔ اس کا اثر تو پھر دوسرے سے نکاح کرنے کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔ اگر اسلام ان دونوں کے درمیان جدائی کو پورا کرنے والا ہو تو پھر شوہر عدت کے درمیان زیادہ استحقاق نہیں رکھتا۔ لیکن جس پر نبی ﷺ کا حکم دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ نکاح موقوف ہے۔ اگر شوہر نے اس کی عدت کے اختتام سے پہلے اسلام قبول کر لیا پھر یہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر عدت ختم ہو گئی تو پھر عورت خود مختار ہے چاہے تو نکاح کر لے اور اگر اسے انتظار کرنا پسند ہو تو انتظار کر لے۔ پھر اگر اس مرد نے اسلام قبول کر لیا تو بغیر تجدید نکاح وہ اس کی بیوی رہے گی۔ ہمارے علم میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں جس نے اسلام لانے کی وجہ سے لازماً تجدید نکاح کیا ہو بلکہ دونوں معاملوں میں سے ایک کا واقع ہونا ضروری ہے یا تو دونوں میں جدائی و علیحدگی ہوگی اور اس خاتون کا دوسرے سے نکاح ہوگا۔ یا پھر دونوں کا

نکاح برقرار رہے گا خواہ عورت پہلے اسلام لائی ہو یا مرد اور رہا جدائی و علیحدگی کی تکمیل اور عدت کا لحاظ تو ہمیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے فیصلہ فرمایا ہو جبکہ آپؐ کے عہد مبارک میں باکثرت مرد اور ان کی بیویوں نے اسلام قبول کیا۔ میاں بیوی میں سے کسی کا قبول اسلام ایک سے قریب بھی تھا اور بعید بھی۔ انتھی۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ کلام و گفتگو متانت و حسن کی انتہا تک پہنچی ہوئی ہے۔

راوی حدیث: ﴿ زینب رضی اللہ عنہا ﴾ زینب بنت رسول ﷺ۔ یہ حضور ﷺ کی بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ ان کی والدہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان سے ان کے ماموں زاد ابوالعاص بن ربیع نے نکاح کیا اور ایک بیٹا علی پیدا ہوا۔۔ وہ جب بلوغت کے قریب پہنچا تو فوت ہوگیا۔ فتح مکہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر سوار تھا۔ پھر ان سے امامہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضرت زینبؓ نے بدر کے بعد ہجرت کی۔ ۸ھ کو فوت ہوئیں۔ آپؐ نے خود ان کو قبر میں اتارا۔

﴿ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ ﴾ ان کا نام مقسم (میم کے نیچے کسرہ "قاف" ساکن) تھا۔ پورا نسب یوں بنتا ہے مقسم بن ربیع بن عبدالعزیٰ۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام لقیط تھا۔ وہ نبی ﷺ کے داماد تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں۔ یوم بدر میں حالت کفر میں یہ قیدی بنا۔ اسے فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا گیا اور اسے کہا گیا کہ زینب رضی اللہ عنہا کو بھی ساتھ لے جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد مدینہ ہجرت کی۔ آپؓ نبی ﷺ کے عزیز اور محبوب تھے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(٨٦٢) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي العَاصِ بِنِكَاحٍ جَدِيْدٍ. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ أَجْوَدُ إِسْنَاداً، وَالعَمَلُ عَلَى حَدِيْثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ.

حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص کے پاس جدید نکاح کر کے واپس بھیجا۔ (ترمذی نے کہا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سند کے اعتبار سے عمدہ ترین ہے مگر عمل عمرو بن شعیب سے مروی حدیث پر ہے)

(٨٦٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أَسْلَمَتِ امْرَأَةٌ، فَتَزَوَّجَتْ، فَجَاءَ زَوْجُهَا: فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي كُنْتُ أَسْلَمْتُ، وَعَلِمَتْ بِإِسْلَامِيْ، فَانْتَزَعَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ زَوْجِهَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے اسلام قبول کیا۔ پھر نکاح بھی کر لیا اتنے میں اس کا پہلا خاوند آگیا اور عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! میں نے اسلام قبول کر لیا تھا میرے قبول اسلام کا اسے علم بھی تھا۔ نبی ﷺ نے اس (دوسرے شوہر) سے چھین کر پہلے خاوند کی طرف

الآخَرِ، وَرَدَّهَا إِلى زَوْجِهَا الأَوَّلِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

اسے لوٹا دیا۔ (اسے احمد' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اختلاف دین کی وجہ سے جب میاں بیوی کے درمیان جدائی و علیحدگی واقع ہو جائے اور عورت کے ایام عدت میں مرد بھی مسلمان ہو جائے اور عورت پہلے ہی مسلمان ہو چکی ہو اور اس عورت کو مرد کے قبول اسلام کا علم بھی ہوگیا ہو تو ایسی صورت میں وہ دوسری جگہ نکاح کرنے کی قطعاً مجاز نہیں ہے۔ اگر کرے گی تو نکاح باطل قرار دیا جائے گا۔

(٨٦٤) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ العَالِيَةَ مِنْ بَنِي غِفَارٍ، فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ، وَوَضَعَتْ ثِيَابَهَا، رَأَى بِكَشْحِهَا بَيَاضاً، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: **اَلْبِسِيْ ثِيَابَكِ، وَالْحَقِيْ بِأَهْلِكِ،** وَأَمَرَ لَهَا بِالصَّدَاقِ. رَوَاهُ الحَاكِمُ، وَفِي إِسْنَادِهِ جَمِيلُ بْنُ يَزِيدَ، وَهُوَ مَجْهُولٌ، وَاخْتُلِفَ عَلَيْهِ فِي شَيْخِهِ اخْتِلافاً كَثِيراً.

حضرت زید بن کعب بن عجرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو غفار کی عالیہ نامی خاتون سے نکاح کیا۔ جب وہ حضور ﷺ کے پاس خلوت میں داخل ہوئی اور اس نے اپنا لباس اتارا تو آپؐ نے اس کے پہلو میں پھلبہری (برص) کے داغ دیکھے۔ تو نبی ﷺ نے اسے فرمایا "اپنے کپڑے پہن لے اور اپنے میکے چلی جا" اور آپؐ نے اس کیلئے حکم ارشاد فرمایا کہ مہر دے دیا جائے۔ (اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں جمیل بن زید ایسا راوی ہے جو مجہول ہے اس کے استاد میں بہت اختلاف کیا گیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿غفار﴾ غین کے نیچے کسرہ۔ مشہور و معروف قبیلہ۔ ﴿بکشحها﴾ کاف پر فتحہ اور شین ساکن۔ وہ حصہ جسم جو پہلو اور پسلی کے درمیان واقع ہے ﴿بیاضا﴾ سفیدی۔ برص کی سفیدی۔ ﴿الحقی﴾ اللحوق سے امر کا صیغہ ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ برص کے عیب کی وجہ سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طلاق بالکنایہ بھی معتبر ہے۔ آپؐ نے عالیہ کو الحقی باھلک کے الفاظ سے طلاق بالکنایہ دی۔ گویا طلاق بالکنایہ شریعت میں قابل اعتبار ہے۔ نیز یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ برص وہ عیب ہے جس سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چار عیوب ایسے ہیں جن کی وجہ سے عورتوں کو رد کیا جا سکتا ہے۔ جنون' جذام' برص' اندام نہانی کی بیماری یا آتشک و سوزاک وغیرہ۔ لیکن یہ حدیث منقطع ہے۔ جمہور علماء باعث نفرت بیماری کی بنا پر فسخ نکاح کے قائل ہیں مگر داؤد ظاہری اور ابن حزم وغیرہ تو کسی عیب کی وجہ سے فسخ کے سرے سے قائل ہی

نہیں۔

راوی حدیث : ﴿ زید بن کعب بن عجرہ ﴾ ایک قول کے مطابق ان کا تعلق بنو سالم بن عوف سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو سالم بن بلی' خزرج کے حلیف سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی طرف نسبت ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مستدرک کی تلخیص میں ابن معین کا قول نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے حالانکہ امام ابن معین رحمہ اللہ کا قول جمیل بن زید کے بارے میں ہے۔

﴿ عالیہ رضی اللہ عنہا ﴾ من بنی غفار کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بنی بکر بن کلاب سے تھیں اور وہ عالیہ بنت ظبیان ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کلابیہ اور ہے اور عالیہ اور ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالیہ کے پاس کافی عرصہ ٹھہرے پھر اسے طلاق دے دی۔

﴿ جمیل بن زید ﴾ قبیلہ طے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے طائی کہلائے۔ ابن معین اور نسائی دونوں نے کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں۔ نیز ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(٨٦٥) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ ٱمْرَأَةً، فَدَخَلَ بِهَا، فَوَجَدَهَا بَرْصَآءَ، أَوْ مَجْنُونَةً، أَوْ مَجْذُومَةً، فَلَهَا الصَّدَاقُ بِمَسِيْسِهِ إِيَّاهَا، وَهُوَ لَهُ عَلَى مَنْ غَرَّهُ مِنْهَا. أَخرَجَهُ سَعِيدُ ابْنُ مَنْصُورِ وَمَالِكٌ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر اس سے ہم بستری کرے اور اسے معلوم ہو کہ وہ مرض برص میں مبتلا ہے یا دیوانی ہے یا کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہے تو خاوند کے اسے چھونے کی بنا پر حق مہر کی وہ مستحق ہے اور اس مہر کی رقم اس سے وصول کی جائے گی جس نے اسے دھوکہ دیا۔ (اسے سعید بن منصور' مالک اور ابن ابی شیبہ نے نکالا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں)

وَرَوَى سَعِيدٌ أَيْضاً عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ، وَزَادَ: «وَبِهَا قَرَنٌ، فَزَوْجُهَا بِالْخِيَارِ، فَإِنْ مَسَّهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا».

اور سعید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ اس عورت کو مرض قرن ہو تو اس کا شوہر خود مختار ہو گا۔ اگر مرد نے اس عورت سے مباشرت کی ہو تو عورت کی شرم گاہ کو حلال کرنے کے بدلہ میں مہر دینا ہو گا۔

لغوی تشریح : ﴿ برصا ﴾ مرض برص میں مبتلا عورت۔ ﴿ مجذومہ ﴾ مرض جذام میں مبتلا عورت۔ یہ خبیث مرض فساد خون کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے اعضاء بدن بالخصوص ہاتھوں اور پاؤں کے

اطراف سے گوشت جھڑ جاتا ہے۔ ﴿ فلها الصداق ﴾ صداق کے صاد پر فتحہ اور کسرہ دونوں طرح جائز ہے۔ یعنی اس کے لئے ہے۔ ﴿ بمسیسه ایاها ﴾ عورت کے ساتھ مرد کی مباشرت و مجامعت ﴿ وهوله ﴿ یعنی مہر خاوند کیلئے۔ ﴿ علی من غره ﴾ غرہ، جس نے اسے دھوکہ دیا۔ ﴿ منها ﴾ عورت کے اس معاملہ میں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خاوند اس آدمی سے مہر کی رقم وصول کرے گا جس نے اس عورت کے معاملہ میں نکاح کی ترغیب دلا کر دھوکہ دیا اور اس کا عیب مخفی رکھا اور اسے بیان نہیں کیا ﴿ قرن ﴾ قاف پر فتحہ اور "را" ساکن۔ "عفلة" کو کہتے ہیں۔ لیث نے کہا ہے کہ عفلہ اس چیز کو کہتے ہیں جو عورتوں کی اندام نہانی اور اونٹنی کی شرم گاہ میں نکل آتی ہے۔ یہ چیز مردوں کے خصیوں میں پیدا ہونے والی آما میں خصیہ کے مشابہ ہوتی ہے۔ ابن الاعرابی کا قول ہے کہ العفل کے معنی گوشت کی پیدائش یعنی ایسا گوشت جو عورت کی اندام نہانی میں ابھر آتا ہے اس کو قرن کہتے ہیں اور ابن درید نے کہا ہے العفل مردوں کی دبر میں سخت گوشت کا ابھار اور عورتوں کے رحم میں رسولی قسم کی چیز اور ابو عمرو شیبانی نے کہا ہے کہ العفل ایک گول چیز ہے جو عورت کی شرم گاہ پر نکل آتی ہے اور کہا گیا ہے یہ گول چیز باکرہ عورتوں میں نہیں ہوتی یہ عورتوں میں پیدائش کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو (لسان العرب)

حاصل کلام: اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کا ولی و سرپرست دھوکہ سے کسی ایسے مرد کے ساتھ اس کا نکاح کر دے جو عورت دائمی مریضہ ہو' دیوانی ہو یا جذام و کوڑھ کے موذی مرض میں مبتلا ہو یا اسے پھلبہری ہو تو دھوکہ سے کرایا ہوا ایسا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا نکاح کسی ایسے مرد سے کر دیا جائے جو کسی موذی مرض کا شکار ہو یا کوئی دوسرا خطرناک عیب ہو تو عورت اس کا استحقاق رکھتی ہے کہ نکاح فسخ کر دے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وجوب مہر کیلئے صرف خلوت صحیحہ کافی ہے۔ تعلق زن و شو لازمی نہیں۔ احناف کا یہی مسلک ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد اگر ایسی عیب دار دھوکہ دہی کے ذریعہ سے نکاح میں دی گئی عورت نہ رکھنا چاہے تو اس پر ادائیگی مہر' ناحق بوجھ ہے اور اگر عورت کو نہ ملے تو اس کی حق تلفی ہے۔ اسی بنا پر حق مہر کی ادائیگی کا بوجھ عورت کے اولیاء پر ڈالا گیا ہے کیونکہ ان لوگوں نے دیدہ دانستہ دھوکہ دیا ہے۔

(٨٦٦) وَمِنْ طَرِيْقِ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَيْضاً قَالَ: قَضَى بِهِ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ فِيْ الْعِنِّيْنِ أَنْ يُؤَجَّلَ سَنَةً. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

اور سعید بن مسیب کے ہی واسطہ سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نامرد آدمی کیلئے ایک سال کی مدت کا فیصلہ کیا۔ (اس روایت کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ قضى به عمر ﴾ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کیلئے اختیار کا فیصلہ کیا۔ ﴿ في العنين ﴾ عنین کے عین کے نیچے کسرہ اور نون پر تشدید سکین کے وزن پر۔ اس آدمی کو کہتے ہیں جو قوت مردمی نہ ہونے کی وجہ سے عورت کے پاس جانے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور مباشرت و مجامعت بھی نہ

کر سکتا ہو۔ ﴿یوجل﴾ تاجیل سے ماخوذ ہے' صیغہ مجہول ہے۔ ڈھیل دینا' تاخیر کرنا' مؤخر کرنا۔ یہ آثار اور زید بن کعب بن عجرہ کی حدیث تمام اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر وہ عیب و نقص جو میاں بیوی کے درمیان نفرت کا موجب ہو اور نکاح کا مقصد بھی حاصل نہ ہو یعنی آپس میں مؤدت و رحمت پیدا نہ ہو یا وہ عیب و نقص وظیفہ زوجیت میں دخل انداز ہو' اختیار کو واجب قرار دے دیتا ہے اور فسخ نکاح کا سبب ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں اسی کو اختیار کیا ہے اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔

٢ - بَابُ عِشْرَةِ النِّسَآءِ

عورتوں (بیویوں) کے ساتھ رہن سہن و میل جول کا بیان

(٨٦٧) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، لٰكِن أُعِلَّ بِالإِرْسَالِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص عورت سے اس کی دبر میں جماع کرے وہ لعنتی ہے۔" (اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ نسائی کے ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مگر اس حدیث کو مرسل ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب عشرۃ النساء﴾ "عین" کے نیچے کسرہ اور "شین" ساکن۔ یعنی رہن سہن' میل جول اور باہمی مؤدت والفت کو کہتے ہیں اور اسی سے "معاشرہ" ہے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا۔ ﴿لکن اعل بالارسال﴾ یہ معلول ہے ارسال سے' مگر یہ علت اس اعتبار سے دور ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کا مفہوم شریعت کے اصول و فروع کا مؤید ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی بنا پر عورت کی دبر میں قوم لوط کا فعل کرنا حرام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے ائمہ کی جانب اس قبیح کام کو مباح قرار دینے کو منسوب کیا ہے اس نے ائمہ پر بدگمانی' غلط گوئی اور افترا پردازی کی ہے۔ انہوں نے تو دبر سے قبل میں جماع کی اجازت دی ہے نہ کہ خود دبر میں' سننے والے کو غلط فہمی ہوئی ہے اس نے بجانب کو دبر میں سمجھ لیا ہے۔

(٨٦٨) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جس نے کسی مرد یا

أَتَى رَجُلاً، أَوْ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَآئِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ، وَأُعِلَّ بِالوَقْفِ.

عورت سے قوم لوط کا فعل کیا ہو۔" (اسے ترمذی' نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اسے موقوف ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اتی رجلا ﴾ یعنی قوم لوط کا عمل کیا۔ ﴿ اعل بالوقف ﴾ موقوف ہونے کی بنا پر معلول کہا گیا ہے مگر سبل السلام میں ہے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے یہ اثر حکماً مرفوع ہے جبکہ اس میں وعید کا ذکر ہے اور وعید کا علم اجتہاد پر موقوف نہیں ہے۔

(٨٦٩) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يُؤْذِ جَارَهُ، وَاسْتَوْصُوا بَالنِّسَاءِ خَيْراً، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلاَهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْراً». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ. وَلِمُسْلِمٍ: «فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ، وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا، وَكَسْرُهَا طَلاَقُهَا».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسایہ کو اذیت نہ پہنچائے اور عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت قبول کرو' بے شک ان کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی کا زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر والا ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے حق میں ہمیشہ بھلائی کی وصیت قبول کرو۔" (بخاری و مسلم' یہ الفاظ بخاری کے ہیں) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ "اگر تو اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے ٹیڑھ پن کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکے گا اور اگر تو نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اس کا توڑنا اسے طلاق دینا ہے۔"

لغوی تشریح: ﴿ استوصوا ﴾ ان عورتوں کے حق میں میری بھلائی کی وصیت قبول کرو۔ ﴿ ضلع ﴾ ضاد کے نیچے کسرہ اور لام پر فتحہ بھی جائز ہے اور اسے ساکن رکھنا بھی درست ہے۔ اس صورت میں یہ عیب اور جذع کے وزن پر ہوگا۔ پہلو میں واقع ہڈی یعنی پسلی کو کہتے ہیں جو خمدار و ٹیڑھی ہوتی ہے۔ ﴿ اعوج شئی ﴾ زیادہ خمدار اور ٹیڑھا حصہ۔ ﴿ اعلاہ ﴾ اس کا بالائی حصہ جو ہنسلی سے متصل ہوتا ہے۔ اگر وہ گول ہو تو نصف دائرہ کی شکل میں ہوتی ہے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ عورتوں کی تخلیق میں دراصل بہت ہی ٹیڑھ ہے۔ وہ اس لئے کہ ان کی اصل تو حضرت حواء ہیں جن کو مشہور قول کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام

کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ عورتوں کی سرشت و جبلت میں ٹیڑھ ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ان کی فطری و جبلی عادت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ ﴿ تقیمه ﴾ تو اسے سیدھا کرنا چاہے گا۔ اس حدیث میں عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت و حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم ہے اور ان کی چھوٹی موٹی خامیوں اور کوتاہیوں پر چشم پوشی اور درگزر کرنے کی تلقین ہے اور ان کی کمزوریوں اور ناروا حرکتوں کو برداشت کرنے کی تاکید ہے۔

(٨٧٠) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ، ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ، فَقَالَ ﷺ: «أَمْهِلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلاً، يَعْنِي عِشَاءً، لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ، وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ، فَلاَ يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلاً».

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچ کر اپنے اپنے گھروں میں جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا "ذرا ٹھہر جاؤ۔ رات کے وقت گھروں میں داخل ہونا۔ رات سے آنجناب ﷺ کی مراد عشاء کا وقت تھا۔ تاکہ پراگندہ بالوں والی اپنے بالوں میں کنگھی وغیرہ کر لے اور جس کا خاوند گھر سے باہر غائب تھا وہ اپنے جسم کے زائد بالوں کی صفائی کر لے۔" (بخاری و مسلم)

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ "تم میں سے کوئی جب لمبی مدت کے بعد واپس آئے تو اچانک رات کے وقت گھر میں داخل نہ ہو۔"

لغوی تشریح: ﴿ امهلوا ﴾ ٹھہرو ﴿ تمتشط ﴾ سر کے بالوں میں کنگھی وغیرہ کر کے ان کو درست کر لے۔ ان کو سنوار لے۔ امتشاط کے معنی کنگھی استعمال کر کے بالوں کی اصلاح و درستگی کرنا اور "مشط" بالوں کو درست اور ٹھیک کرنے کا آلہ جس کے دندانے ہوتے ہیں جسے کنگھی یا کنگھا کہتے ہیں۔ ﴿ الشعثة ﴾ پہلے شین پر فتحہ اور عین کے نیچے کسرہ۔ ایسی عورت جس کے سر کے بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں اور ان میں کنگھی وغیرہ نہ کی گئی ہو۔ ﴿ تستحد ﴾ استحداد سے ماخوذ ہے۔ لوہے کے آلہ کو استعمال کر لے۔ جسے استرا کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زیر ناف زائد بال صاف کر لے۔ ﴿ المغيبة ﴾ جس عورت کا شوہر گھر سے باہر غائب ہو۔ سفر پر ہو۔ ﴿ فلا يطرق ﴾ طروق سے نہی کا صیغہ ہے باب نصر ینصر سے۔ سفر وغیرہ سے رات کے اوقات میں واپس آنے والا جبکہ اہل خانہ کو اس کی آمد کی اطلاع ہی نہ ہو اور اس حدیث میں اس شخص کو جو بہت دیر کے بعد گھر واپس لوٹا ہو حکم ہے کہ وہ گھر آنے سے پہلے اپنی آمد کی اطلاع اہل خانہ کو کرے تاکہ ان کی آمد کا پتہ چل جائے اور بیوی اپنی زیب و آرائش کر لے اور یہ اچانک آنے کی صورت میں ممکن نہیں۔ اس لئے کہ جن عورتوں کے شوہر باہر ہوتے ہیں وہ

عموماً پراگندہ اور ناپسندیدہ حالت میں ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ شوہر جب ایسی پراگندہ حالت میں اسے دیکھے گا تو اس سے نفرت پیدا ہو سکتی ہے۔ دور جدید میں تو ڈاک اور ٹیلیفون کے ذریعہ پیشگی اطلاع دی جا سکتی ہے۔ یہ اطلاع مقصد پورا کر دیتی ہے لہٰذا گھر کے قریب پہنچ کر ٹھہرنے کی اب ضرورت نہیں۔

(٨٧١) وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ القِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ. ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین انسان وہ ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس پہنچے اور عورت اس کی طرف پہنچے۔ پھر وہ اس کا بھید ظاہر کرے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ یفضی الی امراته ﴾ یعنی اپنی بیوی سے جماع کرے۔ ﴿ ثم ینشر سرها ﴾ رات کی تنہائی کی باتیں اور واقعات لوگوں میں بیان کرتا پھرے۔ وہ بات چیت کی صورت میں ہوئی ہوں یا عملی طور پر واقع ہوئی ہوں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے تنہائی کے لمحات میں ہونے والی باہمی گفتگو اور تعلقات زن و شو کے عملی واقعات دوستوں اور احباب کو بیان کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(٨٧٢) وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا حَقُّ زَوْجِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: «تُطْعِمُهَا إِذَا أَكَلْتَ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلاَ تَضْرِبِ الوَجْهَ، وَلاَ تُقَبِّحْ، وَلاَ تَهْجُرْ إِلاَّ فِي البَيْتِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، وَعَلَّقَ البُخَارِيُّ بَعْضَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

حضرت حکیم بن معاویہ نے اپنے باپ سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ ارشاد ہوا کہ "جب تو کھائے تو اسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے بھی پہنائے اور اس کے منہ پر نہ مارے اور نہ اسے گالی گلوچ دے اور گھر کے علاوہ اس سے الگ نہ رہے۔" (اسے احمد' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اس روایت کا بعض حصہ تعلیقاً بیان کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ زوج احدنا ﴾ زوج بغیر تا کے۔ مذکر اور مؤنث دونوں کیلئے مستعمل ہے اور تا کے ساتھ عورت کیلئے مخصوص ہے۔ ﴿ تکسوها ﴾ پہننے کیلئے لباس دے۔ ﴿ ولا تضرب الوجه ﴾ اور چہرے پر نہ مار کیونکہ چہرہ اعضاء انسانی میں سب سے معزز اور قابل تکریم و تشریف ہے اور لطیف اجزاء پر مشتمل ہے

﴿ ولا تقبح ﴾ تقبیح سے نھی کا صیغہ ہے۔ یعنی بیوی کو نہ تو برا بول بولے اور نہ اسے گالی گلوچ کرے اور نہ اسے قبحك الله وغیرہ کہے۔ ﴿ لاتھجر ﴾ باب نصر ینصر سے۔ معنی یہ ہے کہ نہ اسے چھوڑ اور نہ اس سے دور ہو ﴿ الا فی البیت ﴾ یعنی اپنے گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں نہ جائے یعنی جب عورت سے اظہار ناراضگی کرنا ہو تو اس کیلئے نہ خود گھر سے نکل کر دوسرے کسی مکان میں منتقل ہو اور نہ عورت ہی کو گھر سے نکالے بلکہ گھر ہی گھر میں اس سے قطع تعلق اور قطع کلام کرلے اور زن و شو کا تعلق بھی منقطع کرلے اور عورت کی طرف پشت کر کے سوئے۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ طریقہ ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و توبیخ کیلئے نہایت ہی اثر انگیز ہے اور درستگی اور اصلاح کیلئے بڑا زود اثر ہے اور نبی ﷺ کے واقعہ ایلاء سے استدلال کیا گیا ہے کہ بیویوں کو ان کے گھروں میں چھوڑ کر دوسرے مکان میں رہنا جائز ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں باہمی منافرت نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا موقعہ و محل ہے جو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

(۸۷۳) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ ٱمْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِيْ قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، فَنَزَلَتْ ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ الْآيَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود کہتے تھے کہ مرد جب اپنی بیوی سے پچھلی جانب سے قبل میں مجامعت و مباشرت کرتا ہے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں لہذا اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو' آؤ۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ من دبرھا فی قبلھا ﴾ خاوند مجامعت کرے بیوی کے پیچھے سے اس کی شرم گاہ میں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عورت کی دبر میں جماع کرے۔ یہ تو قطعی طور پر حرام ہے۔ ﴿ احول ﴾ بھینگا' ایک آنکھ یا دونوں کے ڈیلوں سے اصل مقام نگاہ سے ہٹ کر دائیں بائیں دیکھنا بھینگا پن کہلاتا ہے۔ ﴿ انی شئتمانی ﴾ کیف کے معنی میں مستعمل ہے یعنی اپنی بیوی سے جماع ہر حالت و صورت میں کر سکتا ہے کھڑے کھڑے' بیٹھ کر' لیٹ کر' آگے سے' پیچھے سے۔ خواہ کوئی ہیئت ہو ہر ہیئت میں جماع کرنا مباح و جائز ہے۔ تمہارے اختیار و تمیز پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس سے تمہارے لئے کسی قسم کا نقصان اور ضرر مترتب نہیں ہوتا۔ لیکن مقام کھیتی کے علاوہ دوسرے مقام سے بچنا اور پرہیز کرنا لازمی ہے۔ لہذا عورتوں کی دبر میں جماع کسی صورت میں حلال نہیں ہے کیونکہ کھیتی تو قبل ہے دبر نہیں اور یہ اس لئے بھی کہ کھیتی سے مطلوب تو کھیتی کی پیدائش ہے اور یہ مطلوب عورتوں سے اس صورت میں حاصل ہوتا ہے کہ اس کے اولاد پیدا ہو اور اولاد کی پیدائش کا محل قبل ہے' دبر نہیں۔

(۸۷٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ اللهِ، اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ، لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ أَبَداً». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اللہ ﷺ نے فرمایا "اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جاتے وقت یہ دعا پڑھے کہ اللہ کے نام کے ساتھ' الٰہی ہمیں شیطان سے کنارہ کش رکھ اور شیطان کو بھی اس سے دور رکھ جو تو ہمیں اولاد عطا فرمائے۔ تحقیق شان یہ ہے کہ اگر اس مجامعت سے ان کے مقدر و قسمت میں اولاد ہوگی تو شیطان اسے کبھی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ لو ان احدکم ﴾ لو' یہ کلمہ تمنی کیلئے آتا ہے اور مختار مذہب کے مطابق یہ جواب کا محتاج نہیں ہوتا۔ ابن صائغ اور ابن ھشام کی یہی رائے ہے اور اسے شرطیہ قرار دینا بھی جائز ہے۔ اس صورت میں اس کا جواب محذوف تسلیم کیا جائے گا جو اس طرح ہوگا لسلم من الشیطان وہ شیطان سے صحیح و سالم رہے گا۔ ﴿ جنبنا ﴾ ہمیں محفوظ رکھ اور دور رکھ۔ ﴿ مارزقتنا ﴾ اس وقت جو اولاد تو عطا فرمائے۔ ﴿ ان یقدر ﴾ صیغۂ مجہول تقدیر سے ماخوذ ہے۔ ﴿ لم یضرہ الشیطان ﴾ اس پر شیطانی تسلط نہیں ہو سکے گا اور نہ دین کے بارے میں فتنہ میں مبتلا کر کے کفر کی جانب کھینچ لے جائے گا۔ اس سے ہر قسم کے ضرر و نقصان کی نفی نہیں ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں زن شوئی کے وقت انسان کے ازلی و ابدی دشمن سے بچنے اور محفوظ رہنے کی دعا کا ذکر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ شیطان صرف ذکر الٰہی سے انسان سے جدا اور الگ ہوتا ہے بصورت دیگر وہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے اور کسی حالت میں بھی آدمی سے جدا اور الگ نہیں ہوتا۔

(٨٧٥) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَأَبَتْ أَنْ تَجِيءَ، فَبَاتَ غَضْبَانَ، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ. وَلِمُسْلِمٍ: «كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطاً عَلَيْهَا، حَتَّى يَرْضَى عَنْهَا».

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جب مرد اپنی بیوی کو جنسی خواہش کیلئے اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے اور خاوند ناراض ہو کر رات گزارے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت و پھٹکار بھیجتے رہتے ہیں۔" (بخاری و مسلم' یہ الفاظ بخاری کے ہیں) اور مسلم میں ہے کہ "جو آسمان میں ہے وہ اس پر ناراض رہتا ہے جب تک کہ خاوند بیوی سے خوش و راضی نہ ہو جائے۔"

لغوی تشریح: ﴿الی فراشه﴾ اپنے بستر پر بلانے سے مراد جنسی خواہش کیلئے بلائے۔ ﴿فابت﴾ وہ انکار کر دے اور بستر پر جانے سے رک جائے۔ ﴿غضبان﴾ بات سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ایسی حالت کہ ناراض و غصہ ہو۔ ﴿بات﴾ ناراضگی اور غصہ کی حالت میں رات بسر کی۔ ﴿ساخطا﴾ ناراض و غصہ کی حالت میں۔ ﴿حتی یرضی عنها﴾ تاوقتیکہ شوہر بیوی سے خوش اور راضی ہو جائے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے خاوند کی جنسی خواہش پوری کرنے سے بیوی کا (بلاوجہ) انکار کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ یہ مرد کا عورت پر ایسا حق ہے جس کو پورا کرنا عورت پر لازمی ہے۔ لیکن مرد کو بھی عورت کی صحت اور طبیعت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

(٨٧٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الوَاصِلَةَ وَالمُسْتَوْصِلَةَ، وَالوَاشِمَةَ وَالمُسْتَوْشِمَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "نبی ﷺ نے سر میں بال جوڑنے اور جڑوانے والی اور جسم پر گود کر نشان بنانے والی اور اس کی خواہش کرنے والی پر لعنت فرمائی ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الواصلة﴾ بالوں کے ساتھ دوسروں کے بال جوڑنے والی۔ خواہ اپنے لئے ایسا کرے یا کسی دوسرے کیلئے ﴿والمستوصلة﴾ وہ خاتون جو دوسرے کے بالوں کو اپنے سر کے بالوں میں جڑوانے اور لگانے کی خواہش مند ہو۔ ﴿الواشمة﴾ وشم سے فاعل کا صیغہ ہے۔ وشم کہتے ہیں جسم کے کسی حصہ میں سوئی سے گودے اور پھر ان سوراخوں میں سرمہ یا چونے کا پتھر یا نیل بھر کر اس جگہ کو رنگ دے تاکہ اس مقام پر نشانات اور لکیریں اور خطوط نمایاں ہو جائیں۔ ﴿المستوشمة﴾ جو عورت اس طرح کا کام اپنے جسم پر کروانے کی خواہش مند ہو۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ یہ امور حرام ہیں۔ رہا یہ کہ عورت اپنے بالوں کے ساتھ حیوانی بالوں کے علاوہ چٹیا بنانے کیلئے اون' دھاگہ اور کپڑے کے ٹکڑے باندھ سکتی ہے یا نہیں تو محققین نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ ان چیزوں کا رنگ بالوں کے رنگ سے ملتا نہ ہو۔

(٨٧٧) وَعَنْ جُذَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: حَضَرْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي أُنَاسٍ، وَهُوَ يَقُولُ: «لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الغِيْلَةِ، فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ، فَإِذَا هُمْ يُغِيلُونَ أَوْلاَدَهُمْ، فَلاَ يَضُرُّ ذٰلِكَ أَوْلاَدَهُمْ شَيئاً» ثُمَّ سَأَلُوهُ عَنِ العَزْلِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ

حضرت جدامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ اس وقت آپؐ کچھ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے اور فرما رہے تھے کہ "میں نے غیلہ سے منع کرنے کا ارادہ کیا۔ فوراً میری نظر روم و فارس پر پڑی جو اپنی اولاد سے غیلہ کرتے ہیں اور یہ غیلہ ان کی اولاد کو کچھ بھی ضرر نہیں دیتا۔" پھر ان لوگوں نے عزل کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا "یہ

ﷺ: «ذَلِكَ الْوَأْدُالْخَفِيُّ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ. **زندہ درگور کرنے کا خفیہ طریقہ ہے۔"** (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ھممت﴾ میں نے ارادہ کیا۔ ﴿الغیلۃ﴾ غین کے نیچے کسرہ۔ خاوند کا بیوی سے ایسی حالت میں مباشرت و مجامعت کرنا جبکہ وہ گود کے بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔ اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ غیلہ بچہ کیلئے ضرر کا سبب ہے اور اس کے اعصاب کیلئے ضرر رساں ہے اور یہ ضرر انسان کے ساتھ زندگی بھر رہتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں بسا اوقات انسان گھوڑے سے نیچے گر پڑتا ہے اور گھوڑے کی پشت پر ثابت نہیں رہ سکتا۔ اس لئے غیلہ کے بعد عورت کا دودھ پتلا ہو جاتا ہے اور اس میں تبدیلی واقعہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں اہل فارس و روم کے تجربات کی روشنی میں عرب کے اسی عقیدہ کا ابطال ہے۔ ﴿العزل﴾ عین پر فتحہ اور "زا" ساکن۔ عزل یہ ہے کہ مرد عورت سے جماع کرتا ہے جب انزال کے قریب پہنچتا ہے تو عضو مخصوص کو عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال لیتا ہے اور فرج سے باہر انزال کرتا ہے۔ ﴿ذلک الواد الخفی﴾ اس میں ھمزہ ساکن ہے۔ لڑکی کو زندہ درگور کرنا۔ یعنی عزل حقیقتاً تو درگور کرنا نہیں لیکن اس کے مشابہ ہے کیونکہ اس میں بھی حمل کو روکنے اور ضائع کرنے کی کوشش ہوتی ہے اور اس نطفہ کو تلف کرنے کی سعی ہوتی ہے جس کے جاندار نفس بننے کا امکان موجود تھا۔ لیکن یہ چونکہ حقیقی زندہ کو قطع کرنا نہیں اس لئے یہ حقیقی زندگی درگور کرنا نہیں۔ پس حدیث اس کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی۔

راوی حدیث: ﴿جدامہ رضی اللہ عنہا﴾ جیم پر ضمہ۔ جیم کے بعد دال ہے۔ تقریب میں ہے کہ جدامہ بنت وھب کے بارے میں یہ بھی قول ہے کہ وہ جدامہ بنت جندل ہے۔ اسد قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے اسدیہ کہلائی۔ عکاشہ بن محصن کی ماں جائی بہن تھی۔ مشہور صحابیہ ہے۔ سابقین میں سے ہے۔ ہجرت کے شرف سے بھی مشرف ہوئی ہیں۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ جس نے اسے ذال کے ساتھ پڑھا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ مکہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ انیس بن قتادہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔

(٨٧٨) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ لِيْ جَارِيَةً، وَأَنَا أَعْزِلُ عَنْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ، وَأَنَا أُرِيْدُ مَا يُرِيْدُ الرِّجَالُ، وَإِنَّ الْيَهُودَ تَحَدَّثُ أَنَّ الْعَزْلَ الْمَوْؤُدَةُ الصُّغْرَى، قَالَ: «كَذَبَتِ الْيَهُودُ، لَوْ أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَصْرِفَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میری ایک لونڈی ہے۔ میں اس سے عزل کرتا ہوں اور اس کا حاملہ ہونا مجھے پسند نہیں اور میں وہی چاہتا ہوں جو مرد چاہتے ہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ عزل تو چھوٹا زندہ درگور کرنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "یہود نے جھوٹ بولا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہے تو اسے تو پھیر نہیں سکتا۔" (اسے احمد' ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور نسائی اور طحاوی نے

دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَالنَّسَائِيُّ وَالطَّحاوِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ. بھی اسے روایت کیا ہے او اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ المـوء ودة الصـغـری ﴾ چھوٹا زندہ درگور کرنا' اس لئے کہ ایک جان کو ضائع کرنا اور اسے تلف کرنا ہے اگرچہ ابھی وہ وجود سے بہت دور ہے۔ ﴿ كـذبـت اليـهـود ﴾ یہود نے جھوٹ کہا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جس چیز میں نبی ﷺ نے یہود کو جھوٹا قرار دیا ہے وہ ان کا یہ خیال ہے کہ عزل کی صورت میں حمل کا تصور ہی نہیں اور انہوں نے اسے زندہ درگور کرنے کو قطع نسل کے مقام پر رکھا ہے۔ مگر میں ان کے اس نظریئے اور خیال کی تکذیب کرتا ہوں اور خبر دیتا ہوں کہ عزل حمل کو ہرگز نہیں روک سکتا جب کہ اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہے اور اس کا ارادہ ہی تخلیق کا نہ ہو تو پھر حقیقت میں تو وہ زندہ درگور کرنا نہیں۔ حدیث جدامہ میں بھی اسے خفیہ زندہ درگور کرنے کا نام اس لئے دیا گیا ہے۔ مرد حمل سے فرار کا راستہ اختیار کرتے ہوئے عزل کرتا ہے۔ اسی بنا پر اس کے ارادے اور قصد کو زندہ درگور کی جگہ نافذ کیا ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق ہے کہ زندہ درگور تو براہ راست ایک ظاہر عمل ہے اور اس میں قصد اور فعل دونوں جمع ہوتے ہیں مگر عزل کا تعلق صرف قصد و ارادے سے ہے اسی وجہ سے اسے وأد خفی کہا گیا ہے۔ اس سے دونوں احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ وہ یوں کہ جدامہ کی حدیث عزل کی تحریم پر دلالت نہیں کرتی اس میں صرف کراہت و ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ اس میں عزل کرنے والا تقدیر کو رد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دور جدید کے جو ڈاکٹر رگ کاٹ کر قوت تولید کو قطع کر دیتے ہیں تاکہ نسل کو محدود کر دیا جائے گو قوت جماع باقی رہنے دیتے ہیں۔ تو اس کو عزل پر قطعاً قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان میں عظیم فرق ہے۔ عزل تو وقتی اور ظنی سبب ہے نہ کہ منع حمل کیلئے حقیقی سب۔ اس کے باوجود عازل خود مختار ہے اگر چاہے تو یہ فعل کرے اور چاہے اسے ترک کرے اور جہاں تک رگ تولید کے کاٹ دینے کا تعلق ہے تو وہ ایسا سبب ہے جو قطعی ہے۔ نیز اس میں اللہ کی تخلیق کو بدل دینا اور جسمانی نظام کا تبدیل ہونا اور بعض قویٰ کے مطابق عمل کو باطل کرنا اور تباہ کن بیماری کی جانب پہنچا دینا ہے۔ جیسے سرطان کا مرض ہے جو کٹی ہوئی رگ کی جگہ' دل اور پھیپھڑے وغیرہ تک سرایت کر جاتا ہے۔ ہر باخبر آدمی پر اس کے برے نتائج اور آثار مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

(٨٧٩) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ يُنْهَى عَنْهُ، لَنَهَانَا عَنْهُ الْقُرْآنُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِمُسْلِمٍ: فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے اور قرآن اس وقت نازل ہو رہا تھا اگر کوئی چیز قابل ممانعت ہوتی تو قرآن ہمیں اس سے لازماً منع کر دیتا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے۔ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچ گئی مگر آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ.

حاصل کلام: اس روایت کی رو سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اہل کوفہ اور جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔

(٨٨٠) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَآئِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ. أَخْرَجَاهُ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک ہی غسل سے ساری بیویوں کے پاس چلے جایا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم' یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مباشرت کے بعد غسل جنابت ضروری اور واجب نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کیلئے آپؐ کی بیویوں میں باری کی تقسیم واجب نہ تھی اگر واجب ہوتی تو آپؐ ایک ہی رات میں تمام ازواج مطہرات کے پاس نہ جاتے۔ جمہور اسے واجب قرار دیتے ہیں اور اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ کام آپؐ نے اجازت لے کر کیا تھا۔ (سبل)

٣ - بَابُ الصَّدَاقِ — حق مہر کا بیان

(٨٨١) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور اس کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الصداق﴾ (صاد پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں) عورت کے مہر کو کہتے ہیں یعنی مرد نکاح کے وقت جو مال عورت کو دیتا ہے۔ یہ "صدق" سے ماخوذ ہے۔ یہ احساس و شعور دلانے کے لئے کہ مرد کو اپنی بیوی سے سچی محبت و رغبت ہے۔

حاصل کلام: یہ حدیث آزادی کو مہر مقرر کرنے کی صحت کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔ مگر انہوں نے اپنے موقف پر کوئی قابل اطمینان دلیل پیش نہیں کی۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی منفعت بخش چیز کو مہر مقرر کرنا درست ہے کیونکہ آزادی بھی منفعت ہے اور اس کی تائید میں وہ واقعہ بھی ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ آپؐ نے تعلیم قرآن کو مہر مقرر کیا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالیت کے علاوہ دوسری چیزیں بھی حق مہر مقرر کی جا سکتی ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ' امام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما کا یہی موقف ہے۔

راوی حدیث: ﴿حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا﴾ ام المومنین حضرت صفیہ حی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ ان کا رشتۂ نسب حضرت ہارون علیہ السلام برادر موسیٰ علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ یہ خاتون اسی خانوادۂ رسالت

سے تھیں۔ ابن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں۔ جو غزوۂ خیبر میں قتل ہو گیا تھا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا قیدی بن کر مدینہ آئیں تو انہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حرم کیلئے پسند فرمایا' آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور اسی آزادی کو مہر مقرر کر کے نکاح کیا۔

(۸۸۲) وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَي عَشَرَةَ أُوْقِيَّةً، وَنَشًّا، قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قَالَ: قُلْتُ: لاَ، قَالَت: نِصْفُ أُوْقِيَّةٍ، فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ، فَهٰذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ ﷺ لِأَزْوَاجِهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی بیویوں) کا مہر کتنا تھا؟ فرمایا آپؐ کی ازواج مطہرات کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش' پھر انہوں نے فرمایا' کیا تو جانتا ہے کہ نش کتنا ہوتا ہے؟ میں نے کہا نہیں' انہوں نے فرمایا آدھا اوقیہ۔ اس طرح یہ پانچ سو درہم ہوئے۔ بس یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا حق مہر۔
(مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ اوقیہ ﴾ ھمزہ پر ضمہ اور "یا" پر تشدید۔ چاندی کے سکہ کے چالیس درہم۔ وہ آج کل کے ایک سو سینتالیس گرام کے برابر ہے۔ ﴿ النش ﴾ نون پر فتحہ اور شین پر تشدید۔ نصف اوقیہ یعنی بیس درہم۔

راوی حدیث: ﴿ ابوسلمہ بن عبدالرحمن ﴾ یہ تھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف زھری قرشی۔ ایک قول کے مطابق یہ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء تابعین میں سے ایک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام تھا۔ کثیر الحدیث اور وسیع روایت کرنے والوں میں سے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سماع کیا اور ان سے بھی ایک بہت بڑی جماعت نے علم اخذ کیا۔ ۹۴ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۰ برس تھی۔

(۸۸۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَعْطِهَا شَيْئاً» قَالَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ، قَالَ: «فَأَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ؟» رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسے کچھ دو۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا "وہ تمہاری حطمی زرہ کہاں ہے؟" (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے

وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ. اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ لما تزوج علی فاطمۃ ﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہجرت مدینہ کے دوسرے سال ماہ رمضان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور رخصتی ذوالحجہ کے مہینے میں ہوئی۔ (تلقیح المفهوم' ص: ۱۵) ﴿ الحطمیۃ ﴾ "حاء" پر ضمہ اور "طاء" پر فتحہ۔ حطمہ بن محارب کی جانب منسوب ہے۔ یہ عبدالقیس قبیلہ کی شاخ تھی۔ یہ لوگ زرہیں بناتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حطم کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ تلواروں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ (ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وہ زرہ دے دی تھی پھر تعلق زن و شو قائم کیا تھا۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ اور منذری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے مسئلہ مہر کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان وما یکون حاصل نہیں تھا' اسی لئے آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرما رہے تھے کہ تمہاری حطمی زرہ کہاں ہے؟ ورنہ یوں فرماتے کہ تمہاری حطمی زرہ جو فلاں مقام پر تم نے رکھی ہوئی ہے وہ لا کر دے دو۔ نیز معلوم ہوا کہ سسر حق مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے البتہ اس سے وہی چیز طلب کی جائے جو اس کے پاس ہو ایسی چیز کا تقاضا و مطالبہ نہ کیا جائے جو اس کے بس میں نہ ہو۔

(٨٨٤) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نُكِحَتْ عَلَى صَدَاقٍ أَوْ حِبَاءٍ أَوْ عِدَةٍ قَبْلَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لَهَا، وَمَا كَانَ بَعْدَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لِمَنْ أُعْطِيَهُ، وَأَحَقُّ مَا أُكْرِمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ ابْنَتُهُ أَوْ أُخْتُهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ إِلاَّ التِّرْمِذِيَّ.

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے' انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو عورت مہر' عطیہ یا نکاح سے پہلے کسی وعدہ کی بنا پر نکاح کرے تو یہ اس عورت کا حق ہے اور جو عطیہ نکاح کے بعد دیا جائے تو وہ اسی کا ہے جسے دیا جائے اور وہ چیز جس کی وجہ سے مرد زیادہ تکریم کا مستحق ہے اس کی بیٹی یا اس کی بہن ہے۔" (اسے احمد اور ترمذی کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ حباء ﴾ "حاء" کے نیچے کسرہ اور "باء" تخفیف مد کے ساتھ۔ اصل میں عطیہ کو کہتے ہیں اور یہاں مراد وہ چیز ہے جو مرد مہر کے علاوہ عورت کو دیتا ہے۔ ﴿ عدۃ ﴾ عین کے نیچے کسرہ اور "دال" مخفف ہے۔ جس چیز کا خاوند نے وعدہ کیا ہو اور ابن ماجہ میں عدۃ کی جگہ ھبۃ ہے۔ ﴿ قبل عصمہ النکاح ﴾ یعنی عقد نکاح سے پہلے ﴿ فھولھا ﴾ پس وہ اسی عورت کا ہے یعنی وہ بالخصوص عورت کا ہے۔ اس میں کسی کا کچھ نہیں نہ عورت کے والد کا اور نہ دوسرے کسی ولی و سرپرست کا کوئی حق ہے۔ ہاں اگر عورت اپنی خوشی و رضامندی سے دینا چاہے تو ایسا کرنا جائز ہے اور ولی کا لینا بھی جائز

ہے۔ ﴿ فھو لمن اعطیه ﴾ پس وہ اس کا حق ہے جسے دیا گیا ہو یعنی عورت کے والد یا اس کے بھائی کا یا ان دونوں کے علاوہ کسی دوسرے ولی کا ﴿ احق ما اکرم ﴾ فعل صیغۂ مجہول ہے۔ ﴿ علیه ﴾ لاجله کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ (یعنی اس کی اس حیثیت کی بنا پر) ﴿ ابنته اواخته ﴾ یہ خبر ہے اور اس موصول کا بیان ہے جو احق ما اکرم کے قول میں ہے اور اس میں ترغیب ہے کہ عورت کے ولی کی عزت افزائی کیلئے اسے کچھ مال دینا چاہئے اور یہ حدیث دلیل ہے کہ اگر مرد عورت کے ولی کو کچھ مال دے یا اس سے کوئی وعدہ کرے اگر تو یہ نکاح سے پہلے ہو پھر ولی اس مال کا مستحق نہیں ہے اور خواہ ولی نے اس مال کی اپنے لئے شرط لگائی ہو۔ پھر بھی عورت ہی اس کا استحقاق رکھتی ہے۔ البتہ جب نکاح کے بعد اگر کوئی چیز دی گئی ہے تو وہ اسی کا حق ہے جسے وہ دی گئی ہے خواہ وہ اس کا ولی ہو یا کوئی اور رشتہ دار یا خود وہ عورت ہی ہو اور یہ گفتگو اس کے متعلق ہے جو مہر کے علاوہ ہے۔ رہا مہر کا معاملہ تو وہ قطعی طور پر عورت ہی کا حق ہے۔

(۸۸۵) وَعَنْ عَلْقَمَةَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقاً، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا، حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا، لاَ وَكْسَ، وَلاَ شَطَطَ، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَلَهَا الْمِيْرَاثُ، فَقَامَ مَعْقَلُ بْنُ سِنَانٍ الأَشْجَعِيُّ، فَقَالَ: قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا مِثْلَ مَا قَضَيْتَ، فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ جَمَاعَةٌ.

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ایسے شخص کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کیلئے مہر مقرر نہیں کیا تھا اس سے دخول بھی نہیں کیا اور وہ فوت ہو گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس عورت کو مہر اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر ملے گا۔ اس میں نہ کمی ہوگی اور نہ زیادتی۔ اس پر عدت گزارنا بھی لازمی ہے اور اس کیلئے میراث بھی ہے۔ یہ سن کر معقل بن سنان رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا کہ ہماری ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں حضور ﷺ نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا جیسا آپ نے کیا ہے۔ اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور ایک جماعت نے اسے حسن قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ لم یفرض ﴾ "یا" پر فتحہ اور "را" کے نیچے کسرہ۔ مقرر اور طے نہیں کیا۔ ﴿ ولم یدخل بھا ﴾ اس سے جماع نہیں کیا اور نہ اس سے خلوت صحیحہ ہوئی۔ ﴿ مثل صداق نسائھا ﴾ اس کی قوم و برادری کی عورتوں کے طے شدہ مہر کی مثل ﴿ لاوکس ﴾ "واو" پر فتحہ اور کاف ساکن، یعنی نہ

کم ہوگا۔ ﴿ ولا شطط ﴾ شین اور "طا" پر فتحہ یعنی اور نہ زیادہ۔ ﴿ وعلیھا العدۃ ﴾ اس پر عدت ہے۔ وفات کی صورت میں عدت چار ماہ دس دن ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ وفات کی صورت میں عورت مکمل مہر کی حقدار ہے خواہ اس کا تعین شوہر نے نہ کیا ہو اور نہ شوہر نے اس سے مجامعت کی ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ و امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔

راوی حدیث: ﴿ علقمہ ﴾ یہ علقمہ بن قیس ابی شبل بن مالک ہیں۔ بنو بکر بن نخع میں سے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے انہوں نے روایت کیا ہے۔ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ابن مسعود کی حدیث اور ان کے تلمذ کی وجہ سے مشہور ہوئے اور اسود نخعی کے چچا تھے۔ ۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

﴿ معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ ﴾ ان کی کنیت ابومحمد ہے۔ معقل کی میم پر فتحہ اور قاف کے نیچے کسرہ۔ بن سنان۔ سین کے نیچے کسرہ۔ مشہور صحابی ہیں۔ فتح مکہ میں شریک تھے۔ کوفہ میں فروکش ہوئے۔ ان کی حدیث کوفیوں میں مشہور ہے۔ حرہ کی لڑائی کے روز ان کو باندھ کر قتل کیا گیا۔

﴿ بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا ﴾ بروع میں "با" کے نیچے کسرہ۔ محدثین کے نزدیک اور اہل لغت کے نزدیک "با" کے فتحہ سے۔ بنت واشق۔ واشق کے شین پر کسرہ۔ مشہور صحابیہ ہیں۔ ان کے خاوند کا نام ہلال بن مرہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جو اس سے مجامعت سے پہلے ہی فوت ہوگیا۔

(٨٨٦) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْطَى فِي صَدَاقِ امْرَأَةٍ سَوِيقاً أَوْ تَمْراً فَقَدِ اسْتَحَلَّ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَأَشَارَ إِلَى تَرْجِيحِ وَقْفِهِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے مہر میں عورت کو ستو یا کھجوریں دے دیں اس نے حلال کر لیا۔" (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے موقوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور ترجیح بھی اسی کو دی ہے)

لغوی تشریح: ﴿ سویقا ﴾ گندم کا آٹا جو بھونا ہوا ہو یا مکئی یا جو کا آٹا۔ ابوداؤد کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں "ملا کفیہ سویقا" ہے جس کے معنی ہیں ایک مٹھی بھر۔ ﴿ فقد استحل ﴾ اس نے حلال کر لیا۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ جب نکاح کرنے والے مرد و عورت کسی مقدار مہر پر راضی ہو جائیں خواہ وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر' اس کی قیمت ہو تو یہ جائز ہے اور جو مہر کی مقدار پر کم از کم دس درہم قرار دیتا ہے وہ اس حدیث کو دخول سے پہلے جو کچھ دیا جائے اس پر محمول کیا گیا ہے۔ مگر یہ باطل ہے اس کی تردید فقد استحل کے جملہ سے ہوتی ہے۔ نیز عورت کو اپنے لئے حلال کرنے کیلئے دخول سے پہلے کچھ مال ادا کرنا شرط نہیں ہے۔

(٨٨٧) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ ابْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَجَازَ نِكَاحَ امْرَأَةٍ عَلَى نَعْلَيْنِ:

حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے دو جوتیوں کے عوض ایک عورت کے نکاح کو برقرار رکھنے کی اجازت دی۔

أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَخُولِفَ فِي ذٰلِكَ.

(اسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے اور اس کے صحیح قرار دیئے جانے میں مخالفت کی گئی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ مرد و عورت جس چیز کے بدلہ میں باہم مناکحت پر راضی ہو جائیں بس وہی ان کا مہر ہوگا۔ اس حدیث میں جس خاتون کا ذکر ہے وہ بنو فزارہ کی عورت تھی۔ حضور ﷺ نے خود اس سے دریافت فرمایا کہ "کیا تو نے جوتیوں کے بدلہ میں اپنا آپ مرد کے سپرد کر دینا پسند کر لیا ہے؟" اس نے کہا ہاں! تو آپؐ نے اس نکاح کو جائز رکھا۔

راوی حدیث: ﴿عبدالله بن عامر بن ربیعه رضی اللہ عنہ﴾ یہ صاحب ابو عمران عبداللہ بن عامر بن ربیعہ العدوی العنزی ہیں۔ اس کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ جب نبی ﷺ کی روح مبارک قبض کی گئی تو اس وقت ان کی عمر ۱۴ یا ۱۵ سال تھی۔ ۸۵ھ ایک قول کے مطابق ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۸۸۸) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: زَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلاً امْرَأَةً بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيْدٍ. أَخْرَجَهُ الحَاكِمُ، وَهُوَ طَرَفٌ مِنَ الحَدِيْثِ الطَّوِيْلِ المُتَقَدِّمِ فِي أَوَائِلِ النِّكَاحِ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرد کا نکاح ایک عورت کے ساتھ کیا لوہے کی ایک انگوٹھی مہر میں دے کر۔ (اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ یہ کتاب النکاح کے آغاز میں مذکور طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے)

حاصل کلام: حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مروی لمبی روایت پہلے گزر چکی ہے جس میں ایک خاتون نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ اس میں یہ نہیں تھا کہ نبی ﷺ نے لوہے کی انگشتری کے بدلہ میں اس خاتون کا نکاح کر دیا تھا۔ بلکہ اس میں یہ ہے کہ آپؐ نے نکاح کے خواہش مند کو لوہے کی انگوٹھی لانے کا حکم ارشاد فرمایا تھا اور جب وہ انگوٹھی بھی اسے نہ ملی تو اس عورت کے ساتھ اس کا نکاح قرآن پاک کی کچھ سورتوں کی تعلیم پر کر دیا۔ اگر یہ حدیث وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے خود اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا تو پھر ان کی یہ بات کہ یہ طویل حدیث کا ٹکڑا ہے وہم سے خالی نہیں۔ الآ یہ کہ اس کی تاویل کی جائے کہ آپؐ نے لوہے کی انگوٹھی پر نکاح کی اجازت دی تھی۔ اگرچہ اس کے نہ ملنے پر عقد نہ ہوا بلکہ تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

(۸۸۹) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لاَ يَكُونُ المَهْرُ أَقَلَّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ. أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْقُوفاً، وَفِي سَنَدِهِ مَقَالٌ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مہر دس درہم سے کم نہیں۔ (اسے دار قطنی نے موقوف روایت کیا ہے اور اس کی سند میں بھی کلام ہے)

لغوی تشریح: ﴿وفی سنده مقال﴾ اور وہ یہ کہ اس کی سند میں داؤداودی ضعیف راوی ہے۔ دارقطنی ہی میں یہ روایت اور طرق سے منقول ہے مگر کوئی طریقہ بھی ضعف سے خالی نہیں۔

(٨٩٠) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بہترین حق مہروہ ہے جس کا ادا کرنا نہایت آسان و سہل ہو۔" (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿خیر الصداق ایسرہ﴾ آدمی پر اس کا ادا کرنا آسان و سہل ہو۔ یعنی وہ انسان کے مناسب حال ہو اور یہ دلیل ہے کہ مہر کی کم مقدار مستحب ہے اور جس کا ادا کرنا آسان و سہل نہ ہو وہ غیر مستحسن و غیر مستحب ہے۔

(٨٩١) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ عَمْرَةَ بِنْتَ الجَوْنِ تَعَوَّذَتْ مِن رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، حِيْنَ أُدْخِلَتْ عَلَيْهِ، تَعْنِي لَمَّا تَزَوَّجَهَا، فَقَالَ: «لَقَدْ عُذْتِ بِمَعَاذٍ، **فَطَلَّقَهَا وَأَمَرَ أُسَامَةَ فَمَتَّعَهَا بِثَلاَثَةِ أَثْوَابٍ**». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَفِي إِسْنَادِهِ رَاوٍ مَتْرُوكٌ، وَأَصْلُ القِصَّةِ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عمرہ بنت الجون نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جب وہ آپؐ کی خلوت گاہ میں آئی یعنی جب آپؐ سے نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تو نے ٹھیک پناہ دینے والے کی پناہ طلب کی ہے۔" پھر آپؐ نے اسے طلاق دے دی اور اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو فائدے کے طور پر تین کپڑے دے دو۔ (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں متروک راوی ہے۔ اس کا اصل قصہ صحیح بخاری میں ابواسید ساعدی سے مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿تعوذت﴾ اس نے پناہ لی۔ صحیح بخاری میں ابواسید سے مروی ہے کہ جونیہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ جب اسے حضور ﷺ کی خلوت گاہ میں داخل کیا گیا تو آپؐ نے اسے فرمایا کہ "اپنے آپ کو مجھے ہبہ کر دے" تو وہ بولی ملکہ اپنے آپ کو اپنی رعایا کے ایک مرد کے سپرد کیسے کر سکتی ہے؟ آپؐ نے اپنا دست مبارک اس کی طرف بڑھایا کہ اس کا جوش ٹھنڈا ہو جائے تو وہ بولی میں تجھ سے اللہ کی پناہ پکڑتی ہوں۔ گفتگو کا یہ سیاق اس کا تقاضا کر رہا ہے کہ اس نے یہ بات یا تو اس لئے کہی کہ وہ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے اعلیٰ و ارفع تصور کرتی تھی اور آپؐ کو اپنا ہم پلہ اور کفو نہ سمجھتی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے نبی ﷺ کو پہنچانا ہی نہ ہو اور نہ آپؐ کے ارادے کو پہچان سکی کہ آپؐ نے اس کی جانب ہاتھ کس لئے بڑھایا۔ (بخاری کتاب الاشربہ، باب:٣٠) میں ہے لوگوں نے اس سے پوچھا تجھے معلوم ہے کہ یہ کون تھے؟ وہ بولی مجھے تو معلوم نہیں۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ تھے تیرے پاس تشریف لائے تھے کہ پیغام نکاح دیں۔ وہ بولی پھر تو میں اس وجہ سے بدبخت و

بد قسمت ہوں۔ (الحدیث) ﴿ لقد عزت ﴾ صیغۂ مونث مخاطب۔ ﴿ بمعاذ ﴾ میم پر فتحہ کی صورت میں جس سے پناہ طلب کی جائے۔ یعنی تو نے اس سے پناہ طلب کی ہے جو اس پناہ دینے کا اھل ہے کہ اس سے پناہ مانگی جائے اور وہ ہے اللہ تعالی کی ذات گرامی۔ ﴿ فمتعها ﴾ تمتیع سے ماخوذ ہے۔ یعنی اسے تین کپڑے بطور فائدہ کے عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل میں۔ لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره، متاعا بالمعروف، حقا على المحسنين (۲۳۶:۲) کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے مہر اور ان کو کچھ خرچ دو۔ صاحب مقدرت پر اس کے موافق اور تنگی والے پر اس کے موافق، جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے۔ لازم ہے نیکی کرنے والے پر۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت کو دخول سے پہلے ہی طلاق ہو جائے ایسی مطلقہ قبل الدخول کو جس کا مہر بھی معین نہ ہوا ہو اسے کچھ مال دینا مسنون و مشروع ہے۔ علماء کی اکثریت اسے واجب کہتی ہے۔ آیت کا ظاہر بھی اسی کا مؤید ہے۔

راوی حدیث: ﴿ عمرة بنت الجون ﴾ عمرہ میں عین پر فتح اور میم ساکن، جون میں جیم پر فتح اور واؤ ساکن۔ اس جونیہ کے بارے میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس روایت میں واقعی عمرہ ہی کا ذکر ہے۔ ابن جوزی اپنی کتاب "التلقیح" (ص: ۱۳) میں کہتے ہیں کہ یہ اسماء بنت نعمان بن ابی الجون بن حارث کندیہ ہیں۔ میں ابو اسید کی حدیث کے بعض طرق اس بات پر کرتے ہیں کہ یہ امیمہ بنت نعمان بن شراجیل ہے۔ امام زھری کے نزدیک یہ فاطمہ بنت ضحاک ہے۔ (التلقیح، ص: ۱۲) اور ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سبھی ایک ہی عورت ہے۔ اور یہ اختلاف راویوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے بڑے اور مختلف استعمال کی وجہ سے ہے۔ اور درست بات یہ ہے کہ اس کا نام امیمہ ہے۔

﴿ ابواسید رضی اللہ عنہ ﴾ اسد کی تصغیر۔ یہ صاحب مالک بن ربیعہ بن بدن ہیں۔ (با اور دال دونوں پر فتحہ) جو نام کی بجائے اپنی کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ غزوۂ بدر وغیرہ میں شریک ہوئے۔ ۳۰ھ میں وفات پائی اور ایک قول کے مطابق اس کے بعد وفات پائی۔ یہاں تک کہ مدائنی کے قول کے مطابق ۶۰ھ میں وفات پائی اور بدری صحابہ میں سے وفات پانے والے سب سے آخری صحابی ہیں۔

٤ - بَابُ الْوَلِيمَةِ — ولیمہ کا بیان

(٨٩٢) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر زرد رنگ لگا ہوا دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا "یہ کیا ہے؟"

صُفْرَةٍ، فقال: «ما هذا؟» قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّيْ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلٰى وَزْنِ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ، قَالَ: «فَبَارَكَ اللَّهُ لَكَ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے ایک عورت سے ایک گھٹلی کے مساوی سونا دے کر نکاح کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے' ولیمہ ضرور کرو خواہ ایک بکری ہی ہو۔" (بخاری و مسلم' اور الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ باب الوليمة ﴾ شادی بیاہ کے موقع پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ ﴿ الولم ﴾ سے مشتق ہے۔ "ولم" میں "واوٗ" پر فتحہ اور "لام" ساکن۔ اس کے معنی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کے ہیں' میاں بیوی چونکہ اکٹھے ہوتے ہیں اس لئے اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔ ولیمہ سنت ہے اور بعض نے اسے واجب بھی کہا ہے' اور ولیمہ کا صحیح وقت خلوت صحیحہ کے بعد ہے۔ ﴿ اثر صفرة ﴾ زرد رنگ کا اثر و نشان۔ یہ زرد رنگ زعفران سے تھا جو ان کی بیوی پر بطور خوشبو لگا ہوا تھا۔ ایسا نہیں کہ انہوں نے دیدہ دانستہ و عمداً زعفران کا رنگ لگایا تھا کیونکہ مردوں کیلئے زعفرانی رنگ اور اس کی خوشبو کا استعمال شرعاً ویسے ہی ممنوع ہے بلکہ یہ عورتوں کا (مخصوص) شعار ہے اور مردوں کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ عورتوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔ ﴿ على وزن نواة من ذهب ﴾ ایک قول یہ ہے نواۃ سونے کا معروف و مشہور وزن جو پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے کھجور کی گٹھلی مراد ہے یعنی کھجور کی گٹھلی کے برابر وزن۔ پہلا قول صحیح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے نواۃ کا وزن تین درہم کے برابر ہوتا ہے اور نواۃ لغت میں تو کھجور کے بیج یعنی گٹھلی وغیرہ کو کہتے ہیں ﴿ اولم ولو بشاة ﴾ یہاں "لو" تقلیل کیلئے مستعمل ہے یعنی کم از کم بکری ذبح کرو۔ لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج کا ایک بکری سے کم کا ولیمہ بھی کیا ہے لہٰذا مستحب یہ ہے کہ شوہر کی مالی حیثیت و حال کے حسب حال ہو۔ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مالی حالت کے پیش نظر ایک بکری کا ولیمہ کرنا قلیل تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مطلقاً ایک بکری کم ہے۔

(٨٩٣) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قال: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلِمُسْلِمٍ: «إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُجِبْ»، عُرْساً كَانَ أَوْ نَحْوَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو دعوت ولیمہ پر مدعو کیا جائے تو اسے وہاں پہنچنا چاہئے۔" (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے "جب تم میں سے کسی کو اس کا بھائی مدعو کرے تو اسے اس کی دعوت کو قبول کرنا چاہئے خواہ وہ شادی ہو یا اسی طرح کی

کوئی اور دعوت۔"

حاصل کلام: یہ حدیث شادی کے موقع پر کی جانے والی دعوت ولیمہ کو منظور و قبول کرنے کو واجب قرار دیتی ہے اور جمہور کی رائے یہی ہے۔ انہوں نے یہ شرط ضرور لگائی ہے کہ وہاں تک پہنچنے میں کوئی امر مانع نہ ہو۔ مثلاً کھانا ہی مشتبہ نہ ہو یا مالداروں کو بالخصوص مدعو کیا گیا ہو یا باطل کام کیلئے تعاون و استعانت کیلئے اسے دعوت دی گئی ہو یا وہاں ایسا کام ہو جو غیرپسندیدہ اور شرعاً منکر کی تعریف میں آتا ہو۔

(٨٩٤) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الوَلِيمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا، وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بدترین کھانا ولیمہ کا کھانا ہے جو آنے والے (مستحقین) کو روکتا ہو اور جو آنے سے انکاری ہو اسے مدعو کرتا ہو اور جس نے دعوت ولیمہ کو قبول و منظور نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿یمنعھا﴾ صیغہ مجہول۔ معنی ہیں کہ اس سے روکتا ہو۔ ﴿من یاتیھا﴾ جو برضا و رغبت شمولیت کرنا چاہتا ہو اور وہ ہیں فقراء لوگ۔ ﴿من یاباھا﴾ یعنی جو اس میں شامل ہونے سے انکاری ہو اس سے مراد مالدار ہیں۔ یہ ہے کہ جس دعوت طعام میں فقراء اور اغنیاء دونوں کو مدعو کیا ہو۔ اس میں شر نہیں۔

(٨٩٥) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِماً فَلْيُصَلِّ، وَإِنْ كَانَ مُفْطِراً فَلْيَطْعَمْ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ أَيْضاً.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم میں سے کسی کو دعوت ولیمہ پر مدعو کیا جائے تو اسے منظور کرنا چاہئے۔ اگر وہ روزے سے ہو تو دعا کرے اور اگر روزے سے نہ ہو تو پھر اسے کھانا کھانا چاہئے۔" (مسلم)

وَلَهُ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ نَحْوُهُ، وَقَالَ: «فَإِنْ شَآءَ طَعِمَ، وَإِنْ شَآءَ تَرَكَ».

اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے اور اس میں آپ ؐ کا ارشاد ہے کہ "اگر وہ چاہے تو کھانا کھا لے اور اگر وہ چاہے تو چھوڑ دے یعنی نہ کھائے۔"

لغوی تشریح: ﴿فان كان صائما فليصل﴾ اگر روزے سے ہو تو پھر اسے چاہئے کہ مہمان نوازوں کیلئے مغفرت و برکت کی دعا کرے اور یہ جمہور کا قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نماز میں مشغول ہو

جائے تاکہ اس نماز کی برکت میں اہل خانہ اور دیگر حاضرین سب ہی شامل ہو جائیں۔

(٨٩٦) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «طَعَامُ الوَلِيمَةِ أَوَّلَ يَوْمٍ حَقٌّ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ، وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ». رَوَاهُ التِّرمِذِيُّ، وَاسْتَغْرَبَهُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ، وَلَهُ شَاهِدٌ عَنْ أَنَسٍ عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ولیمہ کا کھانا پہلے روز حق ہے اور دوسرے روز سنت ہے اور تیسرے روز کھانا تو محض نمود و نمائش اور شہرت و ریاکاری ہے۔ جو شخص ریاکاری کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس ریاکاری کی سزا دے گا۔" (اس روایت کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے غریب بھی قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس حدیث کے راوی صحیح کے راویوں کے ہم پلہ ہیں اور ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی صورت میں اس کا ایک شاہد بھی موجود ہے)

لغوی تشریح: ﴿ حق ﴾ کا معنی ثابت شدہ یا واجب۔ ﴿ وطعام یوم الثانی سنة ﴾ اس فقرہ میں سنة کا معنی مروج طریقہ' لوگوں میں معروف و مشہور رواج جو منکر و ناپسندیدہ نہ ہو۔ ﴿ سمعة ﴾ سین پر ضمہ اور میم ساکن ریاء و دکھاوا کے معنی۔ تاکہ لوگوں دکھائے اور ان سے ریاکاری کرے۔ ﴿ ومن سمع سمع الله به ﴾ سمع میں میم پر تشدید (دونوں جگہ) یعنی جو شخص سخاوت وغیرہ کے ذریعے اپنی شہرت اور ریاکاری یا تکبر کا اظہار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز محشر کے کھلے میدان میں اسے اس عنوان سے مشہور کرے گا کہ یہ جھوٹا اور شہرت پسند ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولیمہ دو دن تک تو درست ہے مگر تیسرے دن بھی اس کا اہتمام نمود و نمائش اور ریاکاری کا باعث ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ تیسرے دن کی ممانعت تب ہے جب کھانے والے وہی لوگ ہوں لیکن اگر ہر روز نئے لوگ مدعو ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ تو سات دن تک بھی ولیمہ کے قائل ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اس کے راوی الصحیح کے راوی ہیں یہ بات محل نظر ہے بلکہ اس باب کی دوسری احادیث بھی کلام سے خالی نہیں۔ (سبل)

(٨٩٧) وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ: أَوْلَمَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى بَعْضِ نِسَآئِهِ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيرٍ. أَخرَجَهُ البُخَارِيُّ.

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے کیا۔ (بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مختلف شادیوں کی صورت میں ضروری نہیں کہ ولیمہ ایک ہی جیسا ہو۔ حسب حال ولیمہ کرنا چاہئے۔ آپؐ نے ولیمہ میں بکری بھی ذبح کی اور ستو اور کھجور بھی ولیمہ میں کھلائے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں صرف دو مد جو پر اکتفا فرمایا۔

راوی حدیث: ﴿صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا﴾ صفیہ بنت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ الحجی بنو عبد الدار میں سے تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے اور ایک قول کے مطابق ان کی رؤیت ثابت نہیں ہے۔ ابن سعد نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ تابعیہ تھیں۔

(٨٩٨) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلاَثَ لَيَالٍ، يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ، فَدَعَوتُ الْمُسْلِمِيْنَ إِلٰى وَلِيْمَتِهِ، فَمَا كَانَ فِيْهَا مِنْ خُبْزٍ وَلاَ لَحْمٍ، وَمَا كَانَ فِيْهَا إِلاَّ أَنْ أَمَرَ بِالأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ، فَأَلْقَى عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالأَقِطَ وَالسَّمْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین روز تک قیام کیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا سے اسی مقام پر شب باشی کی تو میں نے مسلمانوں کو حضور ﷺ کے ولیمہ کی دعوت دی۔ بس اس دعوت میں نہ روٹی تھی اور نہ گوشت۔ اس تقریب میں بس یہی تھا کہ آپؐ کے ارشاد گرامی کے مطابق چٹائیاں بچھائی گئیں اور ان پر کھجوریں' پنیر اور مکھن چن دیا گیا۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿یبنی علیه بصفیة﴾ فعل صیغۂ مجہول۔ یہ کنایہ ہے بیوی سے شب باشی و ہم بستری کا۔ ﴿بالانطاع﴾ نطع کی جمع ہے۔ ھمزہ کے نیچے کسرہ اور "طا" پر فتحہ اور دوسری صورت میں "ھمزہ" اور "طاء" دونوں پر فتحہ اور "طاء" ساکن بھی منقول ہے۔ چٹائی یا پھر چرمی چادر۔ ﴿الاقط﴾ ھمزہ پر فتحہ اور قاف پر کسرہ یا دونوں یعنی ھمزہ اور قاف دونوں کے نیچے کسرہ اور اس میں ایک اور لغت بھی ہے اور اس کا معنی سخت جما ہوا دودھ جسے پنیر کہتے ہیں اور کھجور اور پنیر اور مکھن کے مجموعے کو حیس کہتے ہیں اور ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ آپؐ کے ولیمہ میں ستو اور کھجور تھے۔ اس میں ستو ملا لئے۔ اس طرح وہ حیس نامی چیز سے اسے خارج نہیں کر دیتی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران سفر شادی کرنا جائز ہے تو سب رشتہ داروں کا شامل کرنا بھی لازمی اور ضروری نہ رہا۔ نیز ثابت ہوا کہ ولیمہ میں ایک سے زائد کھانے کی اشیاء بھی جائز ہیں۔ البتہ اس میں اسراف سے بہرنوع اجتناب ضروری ہے۔

(۸۹۹) وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: إِذَا اجْتَمَعَ دَاعِيَانِ فَأَجِبْ أَقْرَبَهُمَا بَاباً، فَإِنْ سَبَقَ أَحَدُهُمَا فَأَجِبِ الَّذِي سَبَقَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ.

اصحاب نبی ﷺ میں سے ایک صحابی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جب دو آدمیوں نے دعوت طعام دی ہو تو جس کا دروازہ متصل و قریب ہو اس کی دعوت قبول کرو اور ان میں سے جو پہلے دعوت دے اس کی دعوت قبول کر لو۔" (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے' اس کی سند ضعیف ہے)

(۹۰۰) وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ آكُلُ مُتَّكِئاً». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں ٹیک لگا کر نہیں کھایا کرتا۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ متكئا ﴾ متكئا کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چوکڑی مار کر ٹیک لگا کر ہموار زمین پر بیٹھنا اور ایک قول یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ سے زمین پر ٹیک لگانا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اپنے کسی ایک پہلو کے بل جھک جانا اور ایک قول یہ ہے کہ کسی طرح مضبوطی سے جم کر بیٹھ جانا۔ خطابی کا قول یہ ہے کہ عوام تو متكئا اسے سمجھتے ہیں کہ کھانے والا اپنے کسی ایک پہلو کے بل بیٹھ جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد ہموار زمین پر مضبوطی سے ٹیک لگا کر بیٹھنا ہے اور کراہت و ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ ٹیک لگا کر چوکڑی مار کر کھانا دنیا کے متکبرین اور مختلف اقسام کے کھانے کثرت سے کھانے والوں کی عادت ہے۔

(۹۰۱) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا غُلاَمُ سَمِّ اللَّهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا "اے بچے! اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو اور اپنے سیدھے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: معلوم ہوا کہ کھانا ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانا چاہئے البتہ اگر کھانے کی اشیاء مختلف ہیں تو دل پسند چیز جہاں ہو لے سکتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ عمر بن ابی سلمه رضی اللہ عنہ ﴾ عمر بن ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال مخزومی۔ یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر تھے اور نبی ﷺ نے ان کی تربیت و پرورش فرمائی تھی۔

حبشہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے درمیانی عرصہ میں ہوئی تھی۔ ۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۹۰۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى بِقَصْعَةٍ مِّنْ ثَرِيْدٍ، فَقَالَ: «**كُلُوا مِنْ جَوَانِبِهَا، وَلاَ تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهَا، فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِي وَسَطِهَا**». رَوَاهُ الأَرْبَعَةُ، وَهٰذَا لَفْظُ النَّسَائِيِّ، وَسَنَدُهُ صَحِيْحٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ثرید سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ "پیالے کے کناروں سے کھاؤ' درمیان سے نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ برکت کا نزول درمیان میں ہوتا ہے۔" (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ نسائی کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے)

لغوی تشریح: ﴿بقصعة من ثريد﴾ قصعة بڑے پیالہ کو کہتے ہیں اور ثرید کہتے ہیں چورا کی ہوئی روٹی پر گوشت اور اس کا شوربا ڈال کر یکجا کر لینے کو۔

(۱/۹۰۲) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: مَا عَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهٰى شَيْئًا أَكَلَهُ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ جب کسی چیز کی خواہش ہوتی تو تناول فرما لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو چھوڑ دیتے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہئے۔ اگر طبیعت مائل ہو تو کھا لیا جائے اور اگر طبائع کے موافق نہ ہو تو چھوڑ دے۔ عیب نکالنے سے کھانا تیار کرنے والے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور مہمان نواز پر اچھا اثر نہیں پڑتا نیز پکی ہوئی نعمت کی ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔

(۹۰۳) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**لاَ تَأْكُلُوا بِالشِّمَالِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِالشِّمَالِ**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا "بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔" (مسلم)

(۹۰٤) وَعَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ: «إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلاَ يَتَنَفَّسْ فِي الإِنَاءِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِأَبِيْ دَاوُدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوُهُ وَزَادَ: «أَوْ يَنْفُخْ فِيْهِ» وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی مشروب پی رہا ہو تو برتن میں سانس نہ لے۔ (بخاری و مسلم) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح کی روایت ابوداؤد میں بھی ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ "اس میں پھونک

نہ مارے۔" (اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ فلا یتنفس ﴾ مبنی للمعلوم۔ سانس لینے سے ممانعت ہے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ سانس برتن میں لینے سے اندیشہ ہے کہ مشروب میں سانس کے ذریعہ سانس لینے والے کا تھوک یا رال ٹپک جائے اور یہ دوسرے آدمی کی طبیعت پر ناگوار گزرے اور اس لئے بھی کہ سانس کے ذریعہ پھیپھڑے میں سے ہوا ایسی چیز خارج کر کے مشروب میں ڈال دے جو تندرست آدمی کی صحت کیلئے مضر ہو۔ یعنی جراثیم مشروب میں داخل ہو کر اسے خراب کر دیں اور مفید کے ساتھ غیر مفید شامل ہو کر یہ آمیزش شدہ مخلوط مواد صحت کی خرابی کا باعث بن جائے۔

٥ - بَابُ الْقَسْمِ - بیویوں میں باری کی تقسیم کا بیان

(٩٠٥) عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْسِمُ لِنِسَآئِهِ، فَيَعْدِلُ، وَيَقُولُ: «اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلاَ تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ، وَلاَ أَمْلِكُ». رَوَاهُ الأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ، لٰكِنْ رَجَّحَ التِّرْمِذِيُّ إِرْسَالَهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری تقسیم کرتے تھے اور عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے تھے۔ "الٰہی جو میرے بس میں ہے اس کے مطابق میں نے یہ تقسیم کی ہے اور جو میرے بس میں نہیں تیرے اختیار میں ہے' اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔" (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے لیکن ترمذی نے اس روایت کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے)

لغوی تشریح: ﴿ باب القسم ﴾ "قاف" پر فتحہ اور "سین" ساکن۔ بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا اور وہ اس طرح کہ خاوند اپنی بیویوں کے ہاں ایک ایک دن جانے کو مقرر کر دے۔ ﴿ فیعدل ﴾ عدل سے ماخوذ ہے جو جور کے مقابلہ میں آتا ہے۔ ﴿ ھذا قسمی فیما املك ﴾ بیویوں کے ہاں رہنے میں حتی المقدور یہ میری تقسیم ہے۔ ﴿ فلا تلمنی ﴾ مجھے ملامت نہ کر اور نہ میرا مؤاخذہ فرمایا جس میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں۔ ﴿ فیما تملك ولا املك ﴾ یعنی قلبی میلان اور محبت کے بارے میں جو ایک دوسری کیلئے کم و بیش ہوتی ہے جو انسان کی مقدرت میں نہیں اس میں میرا مؤاخذہ اور جواب طلبی نہ فرمانا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل و انصاف پر قائم رہنا چاہئے۔ البتہ دلی میلان اگر کسی کی طرف ہو تو اس میں کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورتیں سیرت و کردار'

اخلاق اور حسن و جمال اور عادات و خصائل کی وجہ سے مختلف ہوتی ہیں جس عورت میں حسن و جمال اور اخلاق و اوصاف اور شوہر کی فرمانبرداری زیادہ ہوگی' شوہر کا میلان قدرتی طور پر اس کی جانب زیادہ ہوگا۔

(٩٠٦) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَسَنَدُهُ صَحِيْحٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور خاوند کا میلان ایک کی طرف رہا تو قیامت کے روز وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہو گا۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے)

لغوی تشریح: ﴿ شقه ﴾ اس کا ایک پہلو۔ ﴿ مائل ﴾ یعنی مفلوج' ترمذی میں ﴿ ساقط ﴾ کا لفظ ہے یعنی گرا ہوا۔ تحفۃ الاحوذی کے مطابق بعض روایات میں ہے کہ ایسا شوہر قیامت کے روز ایسی حالت میں آئے گا کہ وہ اپنے ایک مفلوج لٹکے ہوئے پہلو کے ساتھ آئے گا۔ دونوں بیویوں میں سے ایک کی طرف میلان و رجحان سے مراد باری کی تقسیم اور اخراجات و مصارف میں ناانصافی کرنا ہے جن میں وہ برابری کا اختیار رکھتا ہے۔

(٩٠٧) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: «مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ، أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعاً، ثُمَّ قَسَمَ، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلاَثاً، ثُمَّ قَسَمَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب مرد شوہر دیدہ پر کنواری بیاہ کر لائے تو اس نئی دلہن کے پاس پہلے سات روز قیام کرے پھر باری تقسیم کرے اور جب شوہر دیدہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین روز قیام کرے پھر باری تقسیم کرے۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ اذا تزوج الرجل البكر على الثيب ﴾ یعنی جب آدمی کے پاس پہلے سے بیوی موجود ہو پھر کنواری سے شادی کرے۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نئی بیوی سے شب عروسی اس کا حق ہے اور دوسریوں پر اسے ترجیح دی جائے گی۔ یہ مدت ختم ہونے کے بعد پھر جدیدہ و قدیمہ نئی و پرانی بیویاں باریوں کی تقسیم میں مساوی استحقاق رکھتی ہیں۔

(٩٠٨) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا تَزَوَّجَهَا، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلاَثاً، وَقَالَ: «إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ، إِنْ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب ان سے نکاح کیا تو ان کے پاس تین روز قیام کیا اور فرمایا کہ "اپنے اہل کے نزدیک تو ذلیل نہیں ہے۔ اگر چاہے تو میں تیرے لئے سات روز مقرر کر

شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ، وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَآئِي». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

کے قیام کرتا ہوں۔ پھر میں اپنی باقی سب عورتوں کے ہاں بھی سات سات روز قیام کروں گا۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿لیس بک علی اھلک ھوان﴾ میں "باء" سببیہ ہے اور اھل سے مراد اس عورت کا اپنا قبیلہ مراد ہے اور ھوان سے مراد حقیر و ذلیل۔ معنی یہ ہوا کہ تیرے سبب یا تیری وجہ سے تیرا قبیلہ ذلیل نہیں ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس اھل سے مراد خود نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوا کہ میں نے تین روز کا عرصہ اس لئے مختصر نہیں رکھا کہ تیری ذات میری نظر میں ذلیل و حقیر ہے اور تیری ذات میں میری دلچسپی اور رغبت کم ہے بلکہ اس لئے کہ دراصل حکم یہی ہے۔ آپؐ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ اس لئے فرمایا کہ جب حضور ﷺ ان کے ہاں سے نکل کر تشریف لے جانے لگے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کا دامن پکڑ لیا۔ ﴿سبعت لک﴾ تسبیع سے ماخوذ ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ میں تیرے ہاں سات روز تک قیام کر سکتا ہوں اور دارقطنی کی روایت میں ہے اگر تیری منشا ہو تو یہ تین دن صرف تیرے ہاں قیام کر سکتا ہوں اور اگر تو چاہے تو سات روز مقرر کر کے قیام کروں اور اس کے آخر میں ہے میں نے عرض کیا تین روز میرے پاس خالصتاً قیام فرمائیں۔ اس حدیث میں دلیل ہے اس امر کی کہ اگر مدت مقررہ میں مزید اضافہ عورت کی طلب پر ہو تو اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ ساری بیویوں کا اس طرح استحقاق ہو گا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب ایک آدمی کے پاس پہلے بیوی موجود ہو اور اب نئی دلہن لانا چاہتا ہو تو اگر اس نے ایسی عورت سے شادی کی جو شوہر دیدہ ہے تو اس کے ہاں تین روز قیام کرنا ہو گا اور اگر کنواری ہے تو اس کے پاس سات روز قیام کرنا ہو گا۔ اس کے بعد دونوں کے ہاں باری باری سے قیام کرنا ہو گا۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اہلحدیث کا مسلک ہے۔ کنواری کیلئے سات روز اس لئے مقرر فرمائے کہ اس کا دل لگ جائے اور اس کی اجنبیت دور ہو جائے جبکہ شوہر دیدہ جلدی مانوس ہو جاتی ہے اور ماحول میں گھل مل جاتی ہے۔ اس لئے اس کیلئے تین روز مدت مقرر کر رکھی ہے۔ اس باب میں اور بھی صحیح احادیث منقول ہیں مگر احناف نے ان احادیث کی مخالفت کی ہے۔ قرآن مجید کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اور کون جانتا اور سمجھتا ہے۔ احناف نے "فان خفتم ان لاتعدلوا" کی آیت سے دلیل لی ہے۔ حالانکہ یہ عدل کے منافی نہیں ہے۔ اس باب کی احادیث مشہور ہیں اور متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ لہٰذا کتاب اللہ کا تخصص ان سے جائز ہے۔

(۹۰۹) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَآئِشَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ لِعَآئِشَةَ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا اور نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے ان کا اپنا دن بھی اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا دن بھی تقسیم کرتے

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

تھے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بیوی اپنی باری دوسری بیوی کو دے سکتی ہے یہ بخشش ناقابل رجوع اور ناقابل واپسی ہوگی۔ بشرطیکہ مقرر ایام کی تعیین نہ کی گئی ہو۔

(۹۱۰) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: يَا ابْنَ أُخْتِيْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لاَ يُفَضِّلُ بَعْضَنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْقَسْمِ، مِنْ مُكْثِهِ عِنْدَنَا وَكَانَ قَلَّ يَوْمٌ إِلاَّ وَهُوَ يَطُوفُ عَلَيْنَا جَمِيعاً، فَيَدْنُو مِنْ كُلِّ امْرَأَةٍ، مِنْ غَيْرِ مَسِيْسٍ، حَتَّى يَبْلُغَ الَّتِيْ هُوَ يَوْمُهَا، فَيَبِيْتُ عِنْدَهَا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى العَصْرَ دَارَ عَلَى نِسَائِهِ، ثُمَّ يَدْنُو مِنْهُنَّ. اَلْحَدِيْثَ.

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' اے میری بہن کے لخت جگر! (بھانجے) رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کی باری کی تقسیم میں کسی کو کسی پر فوقیت و فضیلت نہیں دیتے تھے۔ ہمارے پاس آپ ؐ کے قیام کے اعتبار سے آپ ؐ کا معمول تھا اور کم ہی ایسا کوئی دن ہوگا جس میں آپ ؐ ہمارے پاس گھومتے پھرتے نہ ہوں اور ہر بیوی کے پاس جاتے ضرور مگر کسی کو چھوتے تک نہ تھے۔ گھومتے گھومتے اس بیوی کے پاس پہنچ جاتے جس کی باری ہوتی تو رات اس کے پاس بسر فرماتے۔ (احمد وابوداؤد اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر ادا فرما کر اپنی ساری بیویوں کے ہاں تشریف لے جاتے پھر ان سے قرب بھی حاصل کرتے۔

لغوی تشریح: ﴿ يا ابن اختى ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عروہ کو یوں مخاطب کرنا اس بنا پر تھا کہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر کے فرزند تھے۔ ﴿ لا يفضل ﴾ تفضیل سے ماخوذ ہے ﴿ فيدنو ﴾ پھر قرب حاصل کرتے یعنی ان سے محبت کا اظہار کرتے۔ ﴿ مسيس ﴾ جماع ﴿ دار ﴾ گھومے' طواف کرے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہر روز اپنی ازواج مطہرات کی قیام گاہوں میں حالات معلوم کرنے کی غرض سے چکر ضرور لگاتے اور باہمی محبت و پیار کا اظہار کرتے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر بیوی کی قیام گاہ الگ الگ ہونی چاہئے۔ اس سے پردہ داری بھی رہتی ہے۔ کم عمر بچوں کو پیار سے بلانا بھی ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے کو يا ابن اختى کہہ کر

بلایا جس سے محبت اور پیار جھلکتا نظر آتا ہے۔

(٩١١) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ: أَيْنَ أَنَا غَداً؟ يُرِيْدُ يَوْمَ عَآئِشَةَ، فَأَذِنَ لَهُ أَزْوَاجُهُ، يَكُونُ حَيْثُ شَآءَ، فَكَانَ فِيْ بَيْتِ عَآئِشَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس مرض میں وفات پائی اس میں دریافت فرماتے تھے کہ "کل میری باری کس کے ہاں ہے؟" ان کے پیش نظر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دن ہوتا تھا۔ آپؐ کی ازواج مطہرات نے اس کی اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں رہیں۔ پس بعد میں آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہی رہے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: ایک روایت میں ہے کہ آنحضور ﷺ کے مرض الموت کا آغاز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے شروع ہوا تھا۔ آخر بیماری نے اتنا کمزور اور ضعیف کر دیا کہ سب بیویوں کے گھر میں جانا دشوار ہو گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سب ازواج مطہرات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مستقل قیام کی اجازت لے لی۔ انہوں نے برضا و رغبت آپؐ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت اس لئے طلب کی گئی کہ کسی کے ذہن میں کوئی نامناسب خیال پیدا نہ ہو جائے۔

(٩١٢) وَعَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَراً أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَآئِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا، خَرَجَ بِهَا مَعَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے۔ پس جس بیوی کے نام کا قرعہ نکلتا وہ آپؐ کی ہم سفر ہوتی۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے کسی مبہم معاملہ کے تصفیہ کیلئے قرعہ اندازی کا ثبوت ملتا ہے۔

(٩١٣) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَجْلِدْ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی بھی اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح نہ مارے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿لایجلد﴾ کوڑے نہ مارے۔ ﴿جلد﴾ باب ضرب یضرب ہے۔ "جلد" کہتے ہیں کوڑے سے مارنے کو۔ "جلد العبد" جس طرح غلام کو مارا پیٹا جاتا ہے کوڑوں سے۔ مصدر منصوب تشبیہ کیلئے لایا گیا ہے اس حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے۔ ثم یجامعها کہ پھر اس سے جماع کرے۔ یہ مارنے کے فعل سے نفرت پیدا کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔ ہر عقلمند اس جیسے سلوک کو پسند نہیں کرتا کہ

بیوی کو مارے پیٹے بھی اور اس سے شب باشی بھی کرے۔ البتہ اس حدیث کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہلکی و خفیف مار جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿ عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ ﴾ عبد اللہ بن زمعہ بن اسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ الاسدی حضرت سودہ بنت زمعہ کا بھائی۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے۔ یوم الدار میں شہید ہوئے۔

٧ - بَابُ الخُلْعِ

خلع کا بیان

(٩١٤) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ ٱمْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعِيبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلاَ دِينٍ، وَلٰكِنِّي أَكْرَهُ الكُفْرَ فِي الإِسْلاَمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟**» فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**اقْبَلِ الحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً**». رَوَاهُ البُخَارِيُّ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: «وَأَمَرَهُ بِطَلاَقِهَا».

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے اخلاق اور دین میں کوئی عیب نہیں لگاتی۔ لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا "کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی؟" وہ بولی ہاں! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "(اے ثابت)! اپنا باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔" (بخاری)

وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ - وَحَسَّنَهُ -: أَنَّ ٱمْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ ٱخْتَلَعَتْ مِنْهُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ عِدَّتَهَا حَيْضَةً.

ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے خلع کیا اور نبی ﷺ نے اس کیلئے عدت خلع ایک حیض مقرر فرمائی اور ابن ماجہ میں عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت بیان کی ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بدصورت کالے رنگ کا آدمی تھا اور اس کی بیوی نے کہا اگر مجھے خدا کا خوف و ڈر نہ ہوتا تو جس وقت وہ میرے پاس آیا تھا میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔

وَفِي رِوَايَةِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ. عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ: أَنَّ ثَابِتَ بْنِ قَيْسٍ كَانَ دَمِيماً، وَأَنَّ امْرَأَتَهُ قَالَتْ: لَوْلاَ مَخَافَةُ اللهِ إِذَا دَخَلَ عَلَيَّ لَبَصَقْتُ فِي

وَجْهِهِ.

وَلأَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ: «وَكَانَ ذٰلِكَ أَوَّلَ خُلْعٍ فِي الإِسْلاَمِ».

اور مسند احمد میں سہل بن ابی حثمہ سے مروی ہے کہ اسلام میں یہ پہلا خلع تھا۔

لغوی تشریح: ﴿باب الخلع﴾ خلع کے "خاء" پر ضمہ اور "لام" ساکن۔ عورت کا مہر میں دیا ہوا معاوضہ واپس دیکر شوہر سے جدا اور الگ ہونا خلع کہلاتا ہے۔ یہ "خلع الثوب" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں لباس اتارنا۔ کپڑا اتارنا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ عورت مرد کے لئے اور مرد عورت کے لئے لباس ہے اور اس کا مصدر "خاء" کے ضمہ کے ساتھ آتا ہے جس کا معنی اجسام اور معانی میں جدائی اور علیحدگی کے ہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ "خلع الثوب" خلعا سے ہے اور خلع امراته' خلعا وخلعة یعنی "خاء" پر ضمہ کے ساتھ بھی آتا ہے۔ ﴿ان امراة ثابت بن قيس﴾ ثابت بن قیس کی بیوی۔ اکثر روایات میں اس کا نام حبیبہ بنت سھل ہے اور بعض نے صحیح نام جمیلہ قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ صحیح نام مریم تھا۔ مگر پہلا قول ہی صحیح ہے اور اس کا احتمال بھی ہے کہ خلع کے واقعات متعدد ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بعض راویوں کو وہم ہوا ہو۔ ﴿ما اعيب﴾ عیب سے ماخوذ ہے اس صورت میں "یاء" کے ساتھ ہوگا اور یہ بھی مروی ہے کہ "یاء" کی بجائے "تاء" ہے اور اعیب کی بجائے اعتب ہے۔ ﴿خلق﴾ میں "خاء" اور "لام" دونوں پر ضمہ اور لام ساکن بھی منقول ہے یعنی خلق اور خلق جس کے معنی عادت اور طبیعت کے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ میں یہ نہیں کہتی کہ ثابت بد خلق اور دین کے اعتبار سے برا ہے ﴿ولكنی اكره الكفر فی الاسلام﴾ یعنی مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ خاوند سے بغض اور بے رخی کے سبب میں حدود کو قائم نہ رکھ سکوں گی جو کہ سراسر اخلاق اسلام اور اس کے اوامر کے منافی ہیں اور یوں میں خاوند کی ناشکری کا ارتکاب کر بیٹھوں گی۔ اس نے یہ گفتگو اور خوف و اندیشہ کا اظہار اس لئے کیا کہ وہ دین کے ساتھ شدید پختہ عمل کے ساتھ ساتھ بہت خوبصورت تھی جبکہ ثابت بن قیس پست قامت اور نہایت کالے رنگ کے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ طبیعتاً سخت تھے اور عورتوں کو بہت مارنے والے تھے۔ ایک بار انہوں نے اپنی اسی بیوی کو اتنا مارا پیٹا کہ اس کا ہاتھ توڑ دیا۔ اسی وجہ سے اس کے دل میں اپنے خاوند کے بارے میں نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ ﴿حديقته﴾ ثابت بن قیس کا باغ' یہ باغ ثابت نے حبیبہ کو حق مہر میں دیا تھا۔ ﴿وطلقها﴾ تطليقة سے۔ ایک طلاق دے دو۔ "طلقها" میں امر کا صیغہ ہے۔ ﴿الدميم﴾ بدصورت۔ قبیح چہرے والا۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ عورت سے فدیہ قبول کرنے کے بعد طلاق دینے سے خلع واقع ہوگا اور ایک روایت میں ہے ﴿خذهما﴾ دونوں لے لو۔ یعنی دونوں باغ جو حق مہر میں دیئے تھے واپس لے لو اور اسے جدا کر دو اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک باغ اس عورت سے واپس لے لیا اور وہ اپنے میکے جا بیٹھی اور یہ

دلیل ہے کہ جب خاوند علیحدگی کیلئے اپنا دیا ہوا حق مہر واپس لے لے تو جدائی واقع ہو جائے گی اور بغیر طلاق دیئے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اسی سے اختلاف واقع ہوگیا کہ خلع طلاق ہے یا فسخ۔ ظاہر بلکہ بالکل نمایاں ہے کہ یہ فسخ ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے خلع کرنے والی کو صرف بطور عادت ایک حیض کا حکم فرمایا ہے اور طلاق کی عدت ایک حیض تو قطعاً نہیں ہے بلکہ اس کی عدت تین حیض ہے اور رہا طلاق کا حکم فرمانا' تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جس عورت سے وطی کی گئی ہو طلاق کی وجہ سے مہر کی واپسی ایسی طلاق کو خلع بنا دیتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ طلاق لفظاً تو طلاق ہے مگر حقیقتاً فسخ ہے۔

حاصل کلام : اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر بیوی کو معقول عذر ہو تو وہ حق مہر خاوند کو واپس دے کر خلع کرا سکتی ہے۔ ائمہ میں سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ' امام مالک رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خلع طلاق ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک خلع فسخ ہے۔ حق مہر سے زیادہ مال لینے میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ بلکہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ جب نفرت کا اظہار عورت کی جانب سے ہو تو مرد کیلئے زیادہ لینا جائز ہے۔ مگر امام احمد رحمہ اللہ' اسحٰق رحمہ اللہ وغیرہ زیادہ لینے کے قائل نہیں۔

راوی حدیث : ﴿ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ﴾ انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اسی لئے انصاری خزرجی کہلائے۔ اکابر صحابہ کرام؄ میں شمار ہوتے تھے۔ انصار اور رسول اللہ ﷺ کے خطیب تھے۔ احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور نبی ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی۔ ۱۲ھ میں یمامہ کی معرکہ آرائی میں شہید کئے گئے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

٧ - بَابُ الطَّلَاقِ — طلاق کا بیان

(٩١٥) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَبْغَضُ الحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَرَجَّحَ أَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بری چیز طلاق ہے۔" (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابوحاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے)

لغوی تشریح : ﴿ باب الطلاق ﴾ طلاق کے "طاء" پر فتحہ۔ لغت میں طلاق کے معنی بندھن کو کھولنا اطلاق سے مشتق ہے' جس کے معنی ہیں ارسال یعنی چھوڑ دینے اور ترک کر دینے کے بعد شرعاً نکاح کی گرہ (تعلق) کھول دینے کو کہتے ہیں۔ امام الحرمین کا قول ہے کہ جاہلیت میں بھی اس کو طلاق کہا جاتا تھا اور شرع نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔

حاصل کلام : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام اشیاء عنداللہ پسندیدہ نہیں۔ بعض باوجود حلال

کے بھی ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ انہی میں سے ایک طلاق ہے۔ طلاق حلال ہے مگر اس لئے کہ بسا اوقات انسان مجبور ہوتا ہے اور مصلحت اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ طلاق واقع ہو جائے اور بری اور ناپسندیدہ اس وجہ سے ہے کہ اس کی وجہ سے باہمی دشمنی اور بسا اوقات دیرینہ رقابت پیدا ہو جاتی ہے جو شیطان کی خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ اس سے نہ ثواب ملتا ہے اور نہ ہی قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے حتی الوسع اس سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ احوال و ظروف کی بنا پر اس کی مختلف قسمیں ہیں اور مستحب و جائز بھی اور مکروہ و حرام بھی۔ جس کی تفصیل شروح احادیث اور کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(٩١٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ حَائِضٌ، فِيْ عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَسَأَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: «مُرْهُ، فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ، ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، فَتِلْكَ العِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو عہد نبوی ﷺ میں طلاق دے دی جبکہ وہ حالت حیض میں تھی۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا' آپؐ نے فرمایا کہ "اسے کہو کہ رجوع کر لے اور اسے اس وقت تک روک لے کہ طہر شروع ہو جائے۔ پھر ایام آئیں پھر طہر شروع ہو پھر اگر چاہے تو اس کے بعد روک لے اور اگر چاہے تو طلاق دے۔ صحبت و مجامعت کرنے سے پہلے۔ پس یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔" (بخاری و مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: «مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِراً أَوْ حَامِلاً».

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اسے کہو "کہ اس سے رجوع کر لے پھر اسے چاہئے کہ طلاق ایسی حالت میں دے کہ وہ پاک ہو یا حاملہ ہو"

وَفِيْ رِوَايَةٍ أُخْرَى لِلْبُخَارِيِّ: «وَحُسِبَتْ عَلَيْهِ تَطْلِيقَةً».

اور بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ "یہ ایک طلاق شمار ہوگی"

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَمَا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً أَوِ اثْنَتَيْنِ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمَرَنِي أَنْ أُرَاجِعَهَا، ثُمَّ أُمْسِكَهَا حَتَّى تَحِيضَ

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اگر تو نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم ارشاد فرمایا کہ اس سے رجوع کر لوں۔ پھر اسے دوسرے حیض تک

حیضۃً أُخْرَی، ثُمَّ أُمْهِلَهَا حَتَّی تَطْهُرَ، ثُمَّ أُطَلِّقَهَا قَبْلَ أَنْ أَمَسَّهَا، وَأَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلاَثاً، فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ فِيْمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلاَقِ امْرَأَتِكَ.

ا۔پنے پاس رکھوں اور پھر اسے طہر تک مہلت دوں تب میں اسے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دوں اور اگر تو نے اسے تین طلاقیں دے ڈالیں تو تو نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے معاملہ میں اپنے اللہ کی نافرمانی کی۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ أُخْرَى: قَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ: فَرَدَّها عَلَيَّ، وَلَمْ يَرَهَا شَيْئاً، وَقَالَ: إِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْ، أَوْ لِيُمْسِكْ.

اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ عورت کو مجھے واپس کر دیا گیا اور اس طلاق کو کچھ بھی نہ سمجھا گیا اور فرمایا گیا کہ جب عورت ایام سے پاک ہو جائے تو (ابن عمر رضی اللہ عنہما) طلاق دے یا روک لے۔

لغوی تشریح: ﴿ طلق امراتہ ﴾ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ جس خاتون کو طلاق دی اس کا نام آمنہ بنت غفار ہے یا آمنہ بنت عمار تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام نوار تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا نام آمنہ ہو اور نوار اس کا لقب ہو۔ ﴿ مرہ فلیراجعھا ﴾ اسے کہو کہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور ایک روایت کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رجوع کو واجب قرار دیا ہے جبکہ اس نے طلاق حیض کے ایام میں دی ہو۔ جمہور کے نزدیک یہ رجوع مستحب ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور یہ ناراضگی ایام حیض میں طلاق دینے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ ﴿ ثم لیمسکھا حتی تطھر ﴾ پھر اسے چاہئے کہ عورت کو روکے رکھے کہ ایام حیض سے پاک ہو جائے یعنی اس حیض سے پاک ہو جائے جس میں طلاق دی ہے۔ ﴿ ثم تحیض ﴾ پھر دوسرا حیض آئے اور ﴿ ثم تطھر ﴾ دوسرے حیض سے پاک ہو جائے۔ اس کے بعد چاہے تو اسے روک لے یعنی طہر کے بعد دوسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد۔ ﴿ وان شاء طلق ﴾ اگر چاہے تو جماع کرنے سے پہلے دوسرے طہر میں طلاق دے۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ پہلے طہر میں نہیں دوسرے طہر میں طلاق دے گا۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ پہلے طہر میں طلاق سے حرام ہو جائے گی اور ایک گروہ کا قول ہے کہ دوسرے طہر تک مؤخر کرنا مندوب ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ﴿ ثم لیطلقھا طاھرا او حاملا ﴾ سے استدلال کیا۔ پس اس میں اول اور ثانی کی قید کے بغیر مطلقاً حالت طہر میں طلاق کا جواز ہے۔ اس لئے کہ طلاق کی ممانعت تو حیض کی وجہ سے ہے۔ للہذا جب عورت نے طہارت جنابت حاصل کر لی تو تحریم کا سبب زائل ہو گیا تو اسی طہر میں طلاق دینا جائز ہوا۔ ﴿ فتلک العدۃ التی امر اللہ ان تطلق لھا النساء ﴾ یہ وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ اس کیلئے عورتوں کو طلاق دی جائے۔ اس کا ذکر ارشاد باری تعالیٰ ﴿ فطلقوھن لعدتھن ﴾ میں

ہے۔ عدۃ کے ایک معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اس سے مراد مدت' وقت ہے۔ آپؐ کے فرمان میں ﴿ لھا ﴾ فی کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ طہر جس میں مباشرت اور جماع نہ کیا گیا ہو۔ یہ وقت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس وقت میں عورتوں کو طلاق دی جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدت سے معروف عدت ہی مراد ہے اور لام اس میں ابتدایہ ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ عورتوں کو طلاق دو ان کی عدت کے اوقات کے آغاز و ابتداء میں۔ ﴿ وحسبت علیه تطلیقة ﴾ فعل صیغۂ مجہول ہے اور حاسب سے مراد نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ ایام حیض میں دی گئی طلاق واقع ہوگی۔ ممنوع قرار دی جانے کے باوجود وہ شمار کی جائے۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما کا آخر میں مذکور قول اس کے معارض ہے ﴿ فردھا علی ولم یرھا شیئا ﴾ یہ قول حیض میں طلاق کے واقع نہ ہونے پر صریح و واضح دلیل ہے۔ اسی بنا پر اس طلاق کے حکم کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ اکثر علما کا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق واقع ہوگئی اور انہوں نے کہا ہے کہ ﴿ لم یرھا شیئا ﴾ کا قول منکر ہے کیونکہ اسے ابوالزبیر کے سوا اور کسی نے بیان نہیں کیا اور اس حکم میں دوسرے راویوں نے اس کے مخالف کہا ہے لہٰذا جب دوسرے راوی اس سے زیادہ ثقہ ہوں تو ابوالزبیر کا قول دلیل کیسے بنے گا۔ جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نافع رحمۃ اللہ علیہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے میں ابوالزبیر کے مقابلہ میں زیادہ پختہ ہے اور دونوں احادیث میں جو زیادہ پختہ ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور ابوداؤد کا قول ہے کہ تمام حدیثیں ابوزبیر کے قول کے خلاف ہیں اور خطابی نے کہا ہے کہ اہل حدیث کا قول ہے کہ ابوزبیر نے اس حدیث سے منکر حدیث اور کوئی روایت نہیں کی۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اسے کوئی مستقیم چیز نہیں سمجھا جو سنت میں جائز ہو اور حکم کے اختیار کرنے میں لازمی ہو۔ اگرچہ علی سبیل کراہت اس کیلئے لازمی ہے مگر ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جو کوئی ان دونوں کے دلائل سے واقفیت بہم پہنچانا چاہے اسے المحلی لابن حزم اور زاد المعاد لابن القیم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

(۹۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِي أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ اور دور خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک تین طلاقیں' ایک طلاق ہی شمار ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے ایسے معاملہ میں جلدی کی جس میں ان کیلئے سہولت دی گئی تھی پس چاہیئے کہ ہم اس کو نافذ کر دیں۔ لہٰذا آپؓ نے اس

عَلَيْهِمْ. فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ. کو ان پر جاری کر دیا۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ اناة ﴾ ڈھیل' سہولت۔ یعنی مراجعت کے انتظار کیلئے باقی ماندہ سہولت سے فائدہ اٹھانا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لوگوں کیلئے گنجائش تھی کہ وہ یکے بعد دیگرے حالت طہر یعنی تین طہروں میں طلاق دیں مگر انہوں نے جلدی مچائی اور دفعتاً و یکدم تین طلاقیں دینا شروع کر دیں۔ ﴿ فلو امضیناه علیهم ﴾ اگر ہم ان کے جلدی کرنے کی بنا پر اس کو نافذ کر دیں اور لازم قرار دے دیں تو پے درپے تین طلاقیں دینے کے مقابلہ میں یہ ان کیلئے سود مند اور نفع بخش رہے گا۔ یہ روایت دلیل ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنہا رائے تھی جبکہ حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو ایک ہی واقع ہوتی ہے ۔اس مسئلہ میں علماء کے چار اقوال ہیں۔ جمہور جس میں ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین بھی شامل ہیں' کی رائے یہ ہے کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں' تین ہی واقع ہوں گی اور خاوند کیلئے رجوع کا موقع اب باقی نہیں رہے گا اور ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی وقت و مجلس میں اکٹھی دی گئی تین طلاقیں ایک واقع ہوں گی اور یہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خلافت صدیقی میں نافذ و جاری رہی ہے تاآنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر اجتہاد کر کے لوگوں کو سزا دینے کیلئے تین کو تین ہی نافذ کر دیا۔ یہی فتویٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما' زبیر بن عوام رحمہ اللہ' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ' ابن مسعود رضی اللہ عنہ' عکرمہ رحمہ اللہ' طاؤس رحمہ اللہ وغیرھم سے بھی منقول ہے اور اس کے مطابق بعض مالکی علماء نے اور کچھ حنفی علماء اور کچھ حنبلی اصحاب نے فتویٰ دیا ہے اور یہی مذہب صاحب مغازی محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ کا ہے۔ مشائخ قرطبہ کی ایک جماعت بھی اسی طرف گئی ہے جیسے محمد بن بقی بن مخلد اور محمد بن عبدالسلام الخشنی۔ فقہاء طلیطلہ کی ایک جماعت سے بھی یہی حکایت کیا گیا ہے اور اسی جماعت کی مدد و نصرت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پھر ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کی ہے اور صحیح بھی یہی ہے اس پر ہی یہ حدیث دلالت کرتی ہے اور عنقریب آنے والی رکانہ کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے۔ اس دور میں کثیر تعداد میں اسلامی ممالک اسی پر عمل پیرا ہیں۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ مطلقہ سے اگر دخول ہو چکا ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس سے اگر دخول نہ ہوا ہو تو تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوں گی۔ یہ ایسا مسلک ہے جس کے حق میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس کی طرف نظر التفات کی جا سکے اور چوتھا مذہب یہ ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں اصلاً تو واقع نہیں ہوں گی اس لئے کہ یہ بدعت ہے لہٰذا اس کے ساتھ حکم شرعی لٹکا ہوا نہیں ہے یہ تو تمام مذاہب سے کمزور ترین مذہب ہے اور بطور استدلال سب سے ردی اور بے کار ہے۔

(٩١٨) وَعَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعاً، فَقَامَ

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ آپ غضبناک ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا "کیا اللہ کی

غَضْبَانَ، ثُمَّ قَالَ: **أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ، وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟** حَتَّى قَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلاَ أَقْتُلُهُ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَرُوَاتُهُ مُوَثَّقُونَ.

کتاب سے کھیلا جا رہا ہے جبکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں۔" اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! کیا میں اسے قتل نہ کر ڈالوں؟ (نسائی اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

حاصل کلام: یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ دفعتاً تین طلاق دینا حرام ہے۔ اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو رجوع کی اجازت دی یا نہیں؟ اس حدیث سے طلاق کے بارے میں مختلف مذاہب میں سے کسی کی تائید نہیں ہوتی۔

راوی حدیث: ﴿ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ ﴾ محمود بن لبید بن ابی رافع انصاری اشہلی۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ وہ صحابی ؓ تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ہم اس کی صحابیت کو نہیں جانتے تھے۔ امام مسلم نے تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کا شمار بڑے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔ ۹۶ھ کو وفات پائی۔

(۹۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: طَلَّقَ أَبُو رُكَانَة، أَمَّ رُكَانَة، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«رَاجِعِ امْرَأَتَكَ»**. فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلاَثاً، قَالَ: **«قَدْ عَلِمْتُ، رَاجِعْهَا»**. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابورکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ "ام رکانہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کر لو۔" ابورکانہ رضی اللہ عنہ بولے میں نے اسے تین طلاق دے دی ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا "مجھے معلوم ہے، تم اس سے رجوع کر لو۔" (ابوداؤد)

وَفِي لَفْظٍ لأَحْمَدَ: طَلَّقَ أَبُو رُكَانَةَ امْرَأَتَهُ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ ثَلاثاً، فَحَزِنَ عَلَيْهَا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«فَإِنَّهَا وَاحِدَةٌ»**. وَفِي سَنَدِهِمَا ابْنُ إِسْحَاقَ، وَفِيهِ مَقَالٌ.

اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ ابورکانہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں۔ پھر اس پر پشیمان ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابورکانہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "وہ تینوں طلاقیں ایک ہی ہیں۔" (ان دونوں روایتوں میں ابن اسحٰق ہے جس کے متعلق کلام ہے)

وَقَدْ رَوَى أَبُو دَاوُدَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ، أَحْسَنَ مِنْهُ، أَنَّ أَبَا رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ، فَقَالَ: وَاللهِ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلاَّ وَاحِدَةً، فَرَدَّهَا إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ.

اور ابوداؤد نے ایک دوسرے طریق سے اسے روایت کیا ہے جو اس سے بہتر ہے وہ یہ کہ ابورکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی مسماۃ سہیمہ کو بالکل طلاق دے دی اور پھر کہا کہ بخدا میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی تو نبی ﷺ نے ام رکانہ رضی اللہ عنہا کو واپس

لوٹا دیا۔

لغوی تشریح: ﴿ ابورکانہ ﴾ راجح بلکہ صحیح یہ ہے کہ صاحب قصہ آدمی کا نام رکانہ تھا ابو رکانہ نہیں اور اس کے باپ کا نام عبد یزید تھا۔ مسند احمد میں بھی "رکانہ ہے نہ کہ ابو رکانہ" البتہ ابوداؤد میں یہ قصہ ابو رکانہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ وہم ہے جو مصنف کو نقل میں ہو گیا ہے۔ ﴿ طلاق البتۃ ﴾ یہ ہے کہ طلاق دینے والا ﴿ انت طالق البتۃ ﴾ کہے اور البتۃ' البت سے ماخوذ ہے جس کا معنی قطع کرنے اور کاٹنے کے ہیں۔ گویا وہ اس طرح کہتا ہے کہ میں نے تجھے ایسی طلاق دی جس نے نکاح کو قطع کر دیا ہے' کاٹ کے رکھ دیا ہے' اب اس نے رجوع کا موقع نہیں چھوڑا۔ یہ لفظ بول کر طلاق دینے والا تین طلاقیں مراد لیتا ہے اور مراد دراصل ایک طلاق بائن ہوتی ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ اگر طلاق دینے والے کی نیت میں ایک ہی طلاق تھی تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اور قسم لینے کامقصد تو یہ تھا کہ اگر اس نے تین کی نیت کی ہوگی تو تین بھی واقع ہو جائیں گی۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں اضطراب بھی پایا جاتا ہے۔ نیز مضطرب ہونے کے ساتھ ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی دو احادیث کے معارض بھی ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال قائم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قصہ رکانہ والی حدیث کئی طرق سے منقول ہے اور مصنف نے وہ سارے طرق بیان کر دیئے ہیں جیسا کہ اوپر ان کا ذکر ہوا جنہیں ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں ہی ضعیف ہیں پہلی اس بنا پر کہ اسے ابن جریج کے واسطہ سے روایت کیا گیا ہے اس نے قال اخبرنی بعض بنی رافع عن عکرمۃ سے روایت کیا ہے اور بنو رافع کے بعض مجہول اور نامعلوم ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے اور تیسرے نمبر والی وہ ہے جس میں طلاق البتۃ کا ذکر ہے اسے جریر بن حازم عن الزبیر بن سعید' عن عبداللہ بن علی بن زید بن رکانہ عن ابیہ عن جدہ اور اسی طرح یہ نافع بن عجیر عن رکانہ ابن عبد یزید الخ کی سند سے بھی مروی ہے' اس میں زبیر بن سعید ضعیف ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ ﴿ لیس بشئی ﴾ اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور التقریب میں ہے یہ لین الحدیث ہے اور عبداللہ بن علی بن یزید بھی ضعیف ہے۔ التقریب میں کہا ہے کہ وہ لین الحدیث اور میزان میں ہے کہ عقیلی نے کہا کہ اس کی سند میں اضطراب ہے۔ اس کی حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے۔ رہا اس کا باپ علی بن یزید تو "الخلاصۃ" میں ہے کہ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں اور ترمذی نے امام بخاری رحمہ اللہ سے ذکر کیا کہ اس میں اضطراب ہے اور نافع بن عجیر بھی ضعیف ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے الھدیٰ میں کہا ہے کہ نافع بن عجیر مجہول ہے۔ اس کے حالات کا قطعی علم کسی کو نہیں اور نہیں علم کہ وہ کون تھا اور کیا تھا؟ اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ ۳۳ / ۱۵ پر کہا ہے علل حدیث کے ماہر علماء اور ائمہ فقہ مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ' امام بخاری رحمہ اللہ وغیرھما اور ابو عبید' ابو محمد بن حزم وغیرہ نے حدیث البتۃ کو قطعی ضعیف قرار دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس کے

راوی ایسے لوگ ہیں جن کی نہ عدالت معلوم ہے اور نہ ضبط۔ جب اس طریق کا یہ حال ہے تو پھر وہ ضعیف ہی ہے اس کے ضعف میں کیا شک و ریب باقی رہ گیا ہے۔ رہا دوسرا طریق جسے ابوداؤد نے بیان بھی نہیں کیا۔ صرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے تو اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ قابل حجت ہیں۔ ہاں محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ کے متعلق ضرور کلام ہے اور یہ معلوم ہی ہے کہ محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ میں تدلیس کے ماسوا اور کوئی قابل ذکر کمزوری نہیں ہے۔ اس سند میں اس نے سماع کی صراحت کر دی ہے۔ پس تدلیس کا شبہ بھی ختم ہوگیا۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سب سے عمدہ اور صحیح ترین طریق وہی ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے لیکن ابوداؤد نے جب یہ طریق روایت نہیں کیا تو اس نے دونوں اول اور ثالث طرق کو ملا دیا اور ثالث کو اول پر ترجیح دی اور فرمایا کہ یہ ابن جریج کے طریق سے زیادہ صحیح ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ یہ اس کے گھروالے ہیں اور اہل خانہ کو زیادہ معلومات ہوتی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے نزدیک یہ صحیح ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دونوں ضعیف احادیث میں قابل ترجیح ہے اور اس میں ضعف کم ہے اور نافع بن عجیر کی روایت کا مسند احمد کی روایت سے امامُ ابوداؤد رحمہ اللہ کے ہاں راجح ہونا امام ابوداؤد کے کلام سے ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ امام ابوداؤد نے اسے ذکر ہی نہیں کیا۔ اس ضروری وضاحت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں مصنف کی گفتگو دو وجہ سے مخدوش ہے۔ پہلی یہ کہ پہلے اور دوسرے طریق کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان دونوں احادیث کی سند میں محمد بن اسحٰق راوی ہے جس کے متعلق کلام کیا گیا ہے باوجودیکہ محمد بن اسحٰق پہلے طریق میں سرے سے موجود ہی نہیں وہ تو صرف دوسرے طریق میں ہے اور دوسری وجہ یہ کہ اس نے تیسرے طریق کو ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ابوداؤد نے ایک اور طریق سے بیان کیا ہے جو اس سے بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ یہ طریق ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بالاطلاق بہتر ہے یا دوسرے طریق سے بہترین ہے۔ جسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اس لئے کہ ذکر کے اعتبار سے دونوں طریقوں سے زیادہ قریب ہے مگر آپ یہ معلوم کر آئے ہیں کہ صحیح اور قوی ترین طریق دوسرا ہی ہے۔ اگر مؤلف کی مراد یہ ہے کہ ابوداؤد کے نزدیک یہ ہے مگر آپ دیکھ آئے ہیں کہ ابوداؤد کے کلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ احسن ہے تو سابقہ تفصیل کی روشنی میں یہ بھی درست نہیں۔

راوی حدیث: ﴿ ابو رکانہ رضی اللہ عنہ ﴾ رکانہ میں راء پر ضمہ ہے۔ یہ ابو رکانہ بن عبد یزید بن ھاشم بن مطلب بن عبد مناف مطلبی فتح مکہ میں شامل تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی تھی۔ اور یہی کشتی ہی اس کے اسلام لانے کا باعث بنی۔ مدینہ چلے آئے۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے شروع میں فوت ہوئے۔ بعض کے نزدیک ۴۱ھ میں فوت ہوئے' اور ان کی بیوی سہیمہ بنت عویمر مزنیہ ہے۔

﴿ محمد بن اسحاق ﴾ اس کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ پورا نام محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی ہے۔ قیس بن مخزمہ مدنی کے غلام تھے۔ جہاد و سیر کے امام تھے۔ ۱۵۱ ھ میں وفات پائی۔

(٩٢٠) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «ثَلاَثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ، وَالطَّلاَقُ، وَالرَّجْعَةُ». رَوَاهُ الأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَآئِيَّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ لاِبْنِ عَدِيٍّ، مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ضَعِيْفٍ: «الطَّلاَقُ، وَالعِتَاقُ، وَالنِّكَاحُ».

وَلِلْحَارِثِ بْنِ أَبِيْ أُسَامَةَ، مِنْ حَدِيْثِ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ، رَفَعَهُ: «لاَ يَجُوْزُ اللَّعِبُ فِيْ ثَلاَثٍ: الطَّلاَقِ، وَالنِّكَاحِ، وَالعِتَاقِ، فَمَنْ قَالَهُنَّ فَقَدْ وَجَبْنَ». وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تین امور ایسے ہیں کہ ان کا قصد کرنا بھی قصد ہے اور ہنسی مذاق سے ان کا کہنا بھی قصد ہے۔ نکاح' طلاق اور رجوع کرنا۔" (اسے چاروں نے روایت کیا ہے بجز نسائی کے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے) اور ابن عدی کی ایک دوسری ضعیف روایت میں ہے "طلاق' آزادی اور نکاح۔" اور حارث بن ابی اسامہ کی روایت جو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوع مروی ہے' میں ہے کہ "تین چیزوں میں مذاق کرنا جائز نہیں طلاق' نکاح اور آزادی۔ جو آدمی ان امور کو مذاق سے بھی کہے گا تو یہ واجب ہو جائیں گے۔" (اس کی سند ضعیف ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الھزل ﴾ کھیل مذاق اور ہنسی کے طور پر کچھ کہنا یا کرنا۔ جس سے حقیقت مراد نہیں ہوتی۔ ﴿ الجد ﴾ جیم کے نیچے کسرہ۔ ھزل کی ضد یعنی سنجیدگی۔ ﴿ والرجعۃ ﴾ "را" کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ۔ اپنی مطلقہ بیوی سے بغیر کسی شرط وغیرہ کے رجوع کرنا۔

(٩٢١) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ، أَوْ تَكَلَّمْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل کے وسوسہ (پر گرفت و مؤاخذہ) سے درگزر فرما دیا ہے۔ اور یہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کوئی زبان سے نہ کہے اور عمل نہ کرے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ تجاوز ﴾ معاف و درگزر کیا۔ ﴿ ماحدثت به انفسھا ﴾ جو وسوسے اور خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور گزرنے والے وسوسے قابل مؤاخذہ نہیں۔ مثلاً کسی کے دل میں عورت کو طلاق دینے کا خیال آیا یا لڑکی سے نکاح کا ارادہ کرے تو محض خیالات اور ارادے سے یہ باتیں واقع نہیں ہو جاتیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ زبردستی مار پیٹ کر کسی سے طلاق لے لی جائے جسے طلاق مکرہ کہتے ہیں یا اسی طرح زبردستی نکاح کرا لیا جائے تو نہ طلاق واقع ہو گی

اور نہ نکاح ہی منعقد ہو گا۔ البتہ احناف طلاق مکروہ کے قائل ہیں اور اس حدیث سے ان کے مسلک کی تردید ہے۔ اس طرح بھول اور غلطی کی طلاق بھی نہیں ہوتی۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

(٩٢٢) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ. وَالحَاكِمُ. وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: لاَ يَثْبُتُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا' بھول چوک اور جس پر اسے مجبور کیا گیا ہو معاف فرما دیا ہے۔" (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے)

لغوی تشریح: ﴿ وضع ﴾ ساقط کر دیا۔ ﴿ استکرھوا ﴾ صیغۂ مجہول۔ استکراہ سے ماخوذ ہے یعنی کسی کام کے انجام دینے پر جبر و قہر کیا گیا ہو۔ یہ دونوں احادیث اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ بتلایا جائے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(٩٢٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: إِذَا حَرَّمَ اْمرأته، لَيْسَ بِشَيْءٍ وَقَالَ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کو حرام قرار دے تو یہ کوئی چیز نہیں اور فرمایا: تمہارے لئے یقیناً رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ (بخاری)

وَلِمُسْلِمٍ: إِذَا حَرَّمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ اْمْرَأَتَهُ، فَهُوَ: يَمِيْنٌ، يُكَفِّرُهَا.

اور مسلم میں ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو حرام قرار دے لیا تو وہ قسم شمار ہو گی۔ اس کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

لغوی تشریح: ﴿ لیس بشئی ﴾ یعنی حرام قرار دینے سے بیوی اس پر حرام نہیں ہو جاتی اور نہ یہ تحریم طلاق ہوتی ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ اس تحریم کا کوئی اصل حکم نہیں کیونکہ اس پر انہوں نے قرآن سے استدلال کیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (٢١:٣٣) اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے مگر تمام اقوال میں سے عمدہ ترین قول وہی ہے جو بیان کیا گیا ہے اور اس کی تائید مسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مرد کا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کو "کچھ بھی نہیں" سے ذکر کیا گیا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ یہ رجعی طلاق ہے اور نہ بائن اور نہ ظہار ہی۔ بلکہ یہ قسم ہے جس کا کفارہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ بخاری میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مرد پر قسم کا کفارہ ہو گا۔ اس مسئلہ کے بارے میں اہل علم کے تیرہ اقوال منقول ہیں۔ راجح قول یہی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو کفارہ نہیں بلکہ وہ اسے لغو قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے قسم قرار دیتے ہیں اور قسم کا کفارہ اس پر ضروری ہے۔

(٩٢٤) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ ابْنَةَ الجَوْنِ لَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَدَنَا مِنْهَا: قَالَتْ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ، فَقَالَ: «لَقَدْ عُذْتِ بِعَظِيمٍ، اِلْحَقِي بِأَهْلِكِ». رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جون کی بیٹی جب نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خلوت گاہ میں داخل کی گئی اور آپؐ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا میں آپؐ سے اللہ کی پناہ پکڑتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "تو نے بڑی عظیم الشان ذات کی پناہ طلب کی ہے۔ تو اپنے گھر والوں کے ساتھ جا مل۔" (بخاری)

لغوی تشریح: اس حدیث کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ "الحقی باھلک" کہہ کر اگر طلاق مراد رکھی ہو تو طلاق شمار ہوگی۔ یہی حدیث پہلے حق مہر کے باب میں گزر چکی ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے کہ آپؐ نے اسے طلاق دی ہے لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ طلاق کس طرح دی ہے مگر اس حدیث میں اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے بصراحت طلاق نہیں دی بلکہ کنایہ سے طلاق دی اور کنایہ میں صراحت نہیں ہوتی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طلاق کنایہ بھی ہوتی ہے ایک تو طلاق صریح ہوتی ہے کہ طلاق دینے والا صریح الفاظ میں طلاق کہے کہ میں نے طلاق دی۔ یہ طلاق واقع ہو جائے گی خواہ طلاق دینے والے کی نیت طلاق کی نہ ہو کیونکہ اس میں لفظ طلاق بالکل واضح ہے اور طلاق بالکنایہ یہ ہے کہ طلاق دینے والا ایسے الفاظ کہے جن کا معنی و مفہوم طلاق بھی ہو سکتا ہے اور نہ بھی ہو سکتا ہے مثلاً شوہر نے کہہ دیا کہ تو آزاد ہے یا اس طرح کہے کہ جا اپنے میکے چلی جا وغیرہ ایسی صورت میں اس طرح کے الفاظ کہنے والے کی نیت پر منحصر ہوگا اگر اس کا ارادہ و نیت طلاق ہوگا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر ایسے الفاظ بول کر اس کا ارادہ طلاق نہ ہوگا تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی اگر مرد کی نیت طلاق کی ہوگی تو اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اس میں کسی کا اختلاف نہیں سب اس پر متفق ہیں۔

(٩٢٥) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ طَلاَقَ إِلاَّ بَعْدَ نِكَاحٍ، وَلاَ عِتْقَ إِلاَّ بَعْدَ مِلْكٍ». رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَهُوَ مَعْلُولٌ، وَأَخْرَجَ ابْنُ مَاجَهْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نہیں طلاق، مگر نکاح کے بعد اور اسی طرح آزادی نہیں مگر ملکیت کے بعد۔" (اسے ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے حالانکہ یہ معلول ہے اور ابن ماجہ نے حضرت مسور بن مخرمہ کے

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ مِثْلَهُ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ، لٰكِنَّهُ مَعْلُوْلٌ أَيْضاً .

واسطہ سے اسی جیسی ایک حدیث روایت کی ہے کہ جس کی اسناد تو اچھی ہیں لیکن وہ بھی معلول ہے۔

حاصل کلام: یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ آدمی نے جب طلاق اور عتق کو معلق کیا مثلاً یوں کہا کہ وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے یا یوں کہے کہ ہر وہ غلام جسے میں خریدوں تو وہ آزاد ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وقوع کے بعد ان پر عمل نہ ہو گا یعنی نکاح کے بعد عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور خریداری کے بعد غلام بھی آزاد نہیں ہو گا بلکہ اس کا قول لغو اور ضائع ہو جائے گا۔ اس مسئلہ کی بے شمار صورتیں ہیں یہ حدیث تمام اقسام پر مطلقاً مشتمل ہے۔ اسے عام رکھا جائے گا اور ایک حال سے دوسرے حال کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا اور یہ مسئلہ ان اختلافی مسائل میں سے ہے جو مشہور و معروف ہیں۔ جمہور تو کہتے ہیں مطلقاً یہ طلاق واقع نہ ہوگی اور حنفیہ کہتے ہیں بہرنوع یہ واقع ہو جائے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کھول کر بیان کر دیا جانا اور ایک حال سے دوسرے حال میں فرق واضح کر دینے کی صورت میں واقع ہو جائے گی۔ پس اگر کسی عورت کا نام لیا گیا ہو یا کسی گروہ کی عورت یا قبیلہ کی نشان زدگی یا مکان و زمان کی قید ہو تو طلاق اور عتاق لازم ہو جائیں گی۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر نہیں۔ پس ظاہر یہی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ طلاق مطلقاً واقع نہ ہوگی۔

(٩٢٦) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ نَذْرَ لاِبْنِ آدَمَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ، وَلاَ عِتْقَ لَهُ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ، وَلاَ طَلاَقَ لَهُ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَنَقَلَ عَنِ الْبُخَارِيِّ أَنَّهُ أَصَحُّ مَا وَرَدَ فِيهِ .

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس نذر کی کوئی حیثیت نہیں جس کا انسان مالک نہیں اور نہ ایسے غلام کا آزاد کرنا کوئی حیثیت رکھتا ہے جس کا انسان مالک ہی نہیں اور نہ طلاق واقع ہو گی جو اس کے دینے والے کے اختیار میں نہ ہو۔'' (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ وارد ہے' یہ اس میں صحیح ترین ہے)

لغوی تشریح: ﴿ لا نذر لابن آدم الخ ﴾ آدم زادہ کی نذر صحیح نہیں۔ مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا ''اگر کوئی یوں کہے کہ اس غلام کا آزاد کرنا مجھ پر لازم ہے حالانکہ جب اس نے نذر مانی تھی وہ غلام اس کی ملکیت میں نہیں تھا۔ اگر اس کا مالک بن بھی جائے تب بھی اسے آزاد نہیں کر سکتا۔''

حاصل کلام: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ انسان جس چیز کا مالک ہی نہیں اس میں مالکانہ اختیارات استعمال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ان اختیارات کا استعمال ناقابل تسلیم ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے

کہ اجنبی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی مثلاً ایک آدمی کسی دوسری منکوحہ یا غیر منکوحہ خاتون سے کہتا ہے کہ تو مطلقہ ہے اور وہی شخص بعد ازاں کسی وقت اسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ وہ عورت مطلقہ تصور نہیں ہوگی لیکن کسی عورت کو اس طرح کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق۔ اس صورت میں علماء و فقہاء کے تین اقوال ملتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ' امام احمد رحمہ اللہ اور داؤد ظاہری رحمہ اللہ اور چند دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ ایسی عورت مطلقہ نہیں ہوگی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بائیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قول نقل کیا ہے اور دلیل میں یہی حدیث بیان کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایسی عورت مطلقہ ہو جائے گی اور تیسرا قول امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے کہ اگر کسی خاص قبیلہ یا شہر کی عورت سے کہے یا کسی دن یا مہینے کے ساتھ مخصوص کرے تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر عمومی طور پر کہے تو واقع نہیں ہوگی۔ غلام کے آزاد کرنے اور نذر کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ ان اقوال میں سے اقرب الی الصواب پہلا قول ہی ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

(٩٢٧) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتَّى يَكْبَرَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ، أَوْ يُفِيقَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ إِلاَّ التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ سونے والا جب تک بیدار نہ ہو' بچہ جب تک بالغ نہ ہو' دیوانہ جب تک صحیح العقل نہ ہو۔" (بروایت امام احمد اور ابوداؤد' ابن ماجہ و نسائی۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن حبان نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اويفيق ﴾ افاقة سے ماخوذ ہے۔ مرض جنون سے افاقہ اور صحت یابی ہو جائے۔ بایں صورت کہ اس کی عقل ٹھکانے پر آجائے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ان حضرات کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

٨ - بَابُ الرَّجْعَةِ — (طلاق سے) رجوع کرنے کا بیان

(٩٢٨) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ. ثُمَّ يُرَاجِعُ، وَلاَ يُشْهِدُ، فَقَالَ: أَشْهِدْ عَلَى طَلاَقِهَا، وَعَلَى رَجْعَتِهَا. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ هٰكَذَا مَوْقُوفاً، وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ وَأَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ بِلَفْظِ: (أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سُئِلَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا کہ جو طلاق دیتا ہے پھر رجوع کر لیتا ہے اور اس پر گواہ نہیں بناتا۔ آپؓ نے فرمایا "کہ عورت کو طلاق دیتے اور اس سے رجوع کرتے وقت گواہ مقرر کر۔" (اسے ابوداؤد نے اسی طرح موقوف روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے امام بیہقی نے اس روایت کو ان الفاظ سے

عَمَّنْ رَاجَعَ امْرَأَتَهُ وَلَمْ يُشْهِدْ، فَقَالَ فِيْ غَيْرِ سُنَّةٍ؟ فَلْيُشْهِدِ الآنَ) وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ (ويستغفر الله).

ذکر کیا ہے: ”عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو اپنی بیوی سے رجوع کرے مگر گواہ نہ بنائے؟ تو انہوں نے فرمایا: ”غیر مسنون ہے اور اسے چاہیے کہ اب گواہ بنا لے۔“ طبرانی نے ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ: اسے اللہ سے معافی بھی مانگنی چاہیے۔)

لغوی تشریح: ﴿ باب الرجعة ﴾ رجعة کی ”را“ کے نیچے کسرہ اور اوپر فتحہ و رجعت اور رجوع سارے معنی میں مستعمل ہے یعنی مرد کا طلاق دینے کے بعد دوران عدت بغیر نکاح کے اپنی اہلیہ کی طرف رجوع کرنا۔ ﴿ اشهد على طلاقها وعلى رجعتها ﴾ طلاق دیتے اور رجوع کرتے وقت گواہ بنانا۔ اس امر میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ مندوب و مستحب ہے۔

(٩٢٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّهُ لَمَّا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعُمَرَ: «مُرْهُ، فَلْيُرَاجِعْهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب انہوں نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی تو نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”اسے کہو: ”اپنی اہلیہ سے رجوع کر لے۔“ (بخاری و مسلم)

٩ - بَابُ الْإِيلَاءِ وَالظِّهَارِ وَالْكَفَّارَةِ

ایلاء، ظہار اور کفارہ کا بیان

(٩٣٠) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: آلَىٰ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ، وَحَرَّمَ، فَجَعَلَ الْحَلَالَ حَرَاماً، وَجَعَلَ لِلْيَمِيْنِ كَفَّارَةً. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَرُوَاتُه ثِقَاتٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایلاء کیا اور (ان کے پاس جانا) حرام کر دیا۔ چونکہ آپؐ نے حلال کو حرام کیا اس لئے قسم کا کفارہ مقرر فرمایا گیا۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: ﴿ باب الایلاء ﴾ ایلاء الیة سے مشتق ہے۔ الیة میں ”یا“ پر تشدید ہے فعیل کے وزن پر۔ اس کے معنی قسم کھانے کے ہیں اور اس کی جمع ”الایا“ آتی ہے اور شرعاً ایلاء یہ ہے کہ شوہر قسم کھائے کہ وہ اپنی اہلیہ سے چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک وطئی نہیں کرے گا اس پر ائمۂ اربعۃ سب متفق ہیں کہ اگر خاوند نے قسم کھائی کہ وہ اپنی اہلیہ سے چار ماہ سے کم مدت تک تعلق زن و شو نہیں کرے گا تو اسے ایلاء کرنے والا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ﴿ الی رسول الله صلی الله علیه وسلم من نسائه ﴾ رسول اللہ ﷺ نے قسم کھائی کہ وہ ایک مہینہ بھر اپنی بیویوں کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔ اس کیلئے بہت سے اسباب تھے اور وہ یہ کہ کسی اہلیہ نے آپؐ کی راز کی بات کو فاش کر دیا جسے آپؐ

نے راز رکھنے کی ہدایت فرمائی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر آپؐ کو متنبہ فرمایا اور نان و نفقہ کے مطالبہ و تقاضا کیلئے سب بیویاں متفق ہوگئیں اور آپؐ سے اس کا مطالبہ کیا بلکہ اظہار ناراضی سے صبح سے شام تک آپؐ سے بات چیت منقطع کر لیتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بعض ازواج کو اپنے ساتھ ملایا اسی کے نتیجہ میں تحریم شہد کا واقعہ پیش آیا۔ یہاں تک کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرمائی۔ ﴿ ان تتوبا الی الله ﴾ اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرتی ہو مزید یہ کہ ان ہی ایام میں آپؐ گھوڑے سے نیچے گر گئے اور آپؐ کے دائیں پہلو میں خراشیں اور چوٹیں آئیں۔ جب یہ تمام اسباب جمع ہوگئے اور آپؐ ان کی طرف سے کبیدہ خاطر ہوگئے تو آپؐ نے قسم کھائی کہ ایک مہینہ اپنی بیویوں کے قریب نہ جائیں گے۔ چنانچہ آپؐ اپنے بالاخانہ میں الگ ہو کر بیٹھ گئے مگر جب انتیس دن پورے ہوئے تو آیت تخییر نازل ہوئی۔ آپؐ نیچے ازواج مطہرات کی طرف تشریف لے آئے اور سب کو ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دے دیا۔ مگر سب ازواج مطہرات نے آپؐ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ یہ اختیار دیا جانا کسی قسم کی طلاق شمار نہیں کیا گیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ایلاء چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کا نہیں تھا تو ایسے ایلاء کو شرعی ایلاء نہیں کہا گیا اور اس پر کفارہ بھی واجب نہیں کیا۔ ﴿ وجعل الحلال حراما ﴾ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیوی زینب بنت جحش کے ہاں شہد نوش فرماتے تھے اور کافی دیر اس کے ہاں ٹھہرتے۔ پس میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس آپؐ تشریف لائیں تو ہمیں آپؐ سے کہنا چاہئے کہ کیا آپؐ نے مغافیر کھایا ہے؟ میں آپ سے مغافیر کی بساند (بو) محسوس کر رہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ”نہیں میں نے مغافیر نہیں کھایا میں نے تو زینب کے ہاں شہد پیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں آئندہ اس کا اعادہ نہیں کروں گا اور میں نے قسم کھالی ہے۔ کسی کو اس کی خبر نہ دینا۔ (بخاری) اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا اشارہ اس آیت میں کیا ہے۔ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل الله لک (٦٦:١-٢) پس اللہ تعالیٰ نے اس تحریم کو قسم قرار دے دیا اور اس میں کفارہ کی ادائیگی فرض کر دی۔

(٩٣١) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وقفَ المُوْلِيْ، حَتَّى يُطَلِّقَ، وَلاَ يَقَعُ عَلَيْهِ الطَّلاَقُ حَتَّى يُطَلِّقَ. أَخرَجَهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو ایلاء کرنے والے کو حاکم وقت کے پاس لا کھڑا کیا جائے اور اس وقت تک اسے چھوڑا نہ جائے جب تک وہ عدالت کے روبرو طلاق نہ دے اور طلاق دیئے بغیر اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ وقف المولی ﴾ صیغہ مجہول۔ اس سے مطالبہ و تقاضا کیا جائے گا کہ یا تو وہ بیوی سے تعلق زن و شو استوار کر لے یا پھر طلاق دے۔

(٩٣٢) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: أَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، كُلُّهُمْ يَقِفُونَ ٱلْمُوْلِي. رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ.

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دس سے زائد صحابہ کو پایا ہے کہ وہ ایلاء کرنے والے کو کھڑا کر کے پوچھتے تھے۔ (اسے شافعی نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ بضعة عشر ﴾ بضعة باء کے کسرہ کے ساتھ۔ تین سے لے کر نو تک کی تعداد بضعة کہلاتی ہے۔ اس اثر اور اس سے پہلی والی حدیث کی طرف عام صحابہ کرام اور جمہور ائمہ ثلاثہ میں امام مالک رحمہ اللہ ' امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرھم گئے ہیں کہ صرف چار ماہ کی مدت گزرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی تاوقتیکہ ایلاء کرنے والا خود طلاق نہ دے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ مجرد مدت ایلاء گزرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ بعض صحابہ کرام ؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ آیت ایلاء کے ظاہر سے تو وہی معلوم ہو رہا ہے جس طرف جمہور کا رجحان ہے۔

(٩٣٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ إِيْلاَءُ الجَاهِلِيَّةِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ، فَوَقَّتَ اللّٰهُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَلَيْسَ بِإِيْلاَءٍ. أَخرَجَهُ البَيْهَقِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جاہلیت کا ایلاء سال دو سال تک ہوتا تھا۔ اللہ عزوجل نے اس کی مدت چار ماہ مقرر فرما دی۔ اب اگر چار ماہ سے کم مدت ہو تو وہ ایلاء شمار نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

لغوی تشریح: "فوقت الله" توقیت سے ماخوذ ہے۔ وقت مقرر کیا۔

(٩٣٤) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلاً ظَاهَرَ مِنِ امْرَأَتِهِ، ثُمَّ وَقَعَ عَلَيْهَا، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي وَقَعْتُ عَلَيْهَا قَبْلَ أَنْ أُكَفِّرَ، قَالَ: «فَلاَ تَقْرَبْهَا، حَتَّى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللّٰهُ». رَوَاهُ الأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرمِذِيُّ، وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ إِرْسَالَهُ، وَرَوَاهُ البَزَّارُ مِنْ وَجهٍ آخَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَزَادَ فِيْهِ: «كَفِّرْ وَلاَ تَعُدْ».

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر اس سے جماع کر لیا۔ پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے کفارہ کی ادائیگی سے پہلے ہی اپنی بیوی سے مباشرت کر لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اب اس وقت تک اس کے پاس نہ جا جب تک اللہ کا ارشاد نہ پورا کر لو۔" (اسے چاروں نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور نسائی نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے) اور بزار نے ایک اور سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس

میں اتنا اضافہ ہے کہ "کفارہ ادا کر اور پھر اس کا اعادہ نہ کر۔"

لغوی تشریح: ﴿قبل ان اکفر﴾ تکفیر سے ماخوذ ہے یعنی ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے۔ ﴿فلا تقربھا﴾ اس سے جماع نہ کر۔ ﴿کفر ولا تعد﴾ تکفیر سے کفر امر کا صیغہ ہے مطلب ہے کہ کفارہ ادا کر اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے مباشرت نہ کر۔ اکثر اہل علم اس حدیث کے ظاہر کی طرف گئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں ایک ہی کفارہ ادا کرنا ہوگا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ایسی صورت میں دو کفارے ہیں۔ یہ قول اس حدیث کے برعکس ہے۔

(٩٣٥) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَمَضَانُ، فَخِفْتُ أَنْ أُصِيبَ ٱمْرَأَتِيْ، فَظَاهَرْتُ مِنْهَا، فَانْكَشَفَ لِيْ شَيْءٌ مِّنْهَا لَيْلَةً، فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا فَقَالَ لِيْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «حَرِّرْ رَقَبَةً». فَقُلْتُ: مَا أَمْلِكُ إِلاَّ رَقَبَتِيْ. قَالَ: «فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ»، قُلْتُ: وَهَلْ أَصَبْتُ الَّذِيْ أَصَبْتُ إِلاَّ مِنَ الصِّيَامِ، قَالَ: «أَطْعِمْ عَرَقاً مِنْ تَمْرٍ سِتِّينَ مِسْكِيناً». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَآئِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الجَارُودِ.

حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان المبارک شروع ہوا۔ مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ میں اپنی بیوی سے مباشرت کر بیٹھوں گا۔ اس اندیشہ کے پیش نظر میں نے بیوی سے ظہار کر لیا۔ ایک چاندنی رات میں اس کے بدن کی کوئی چیز میرے سامنے کھل گئی تو میں اس سے مجامعت کر بیٹھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ "(غلام) آزاد کر۔" میں نے عرض کیا میں تو اپنی گردن کے سوا دوسری کسی گردن کا مالک نہیں ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "تو پھر پے درپے دو ماہ کے روزے رکھ۔" میں نے عرض کیا اس مصیبت میں روزے ہی کی وجہ سے تو مبتلا ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "اچھا تو پھر کھجوروں کا ایک ٹوکرا ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔" (اسے احمد اور چاروں نے ماسوا نسائی کے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿حرر رقبۃ﴾ تحریر سے امر کا صیغہ ہے۔ غلام آزاد کر۔ خواہ غلام ہو یا لونڈی۔ ﴿اطعم عرقا من تمر﴾ عرق عین اور را دونوں پر فتحہ اور "را" کا سکون بھی جائز ہے۔ بڑا ٹوکرا جس میں پندرہ صاع اناج کے آنے کی گنجائش ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کیلئے ایک مد ہونا چاہئے اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ ظہار کا کفارہ بالترتیب ہے۔ اس کفارہ سے دوسرے کی جانب عدول جائز نہیں

تاوقتیکہ پہلا کفارہ ادا نہ کر سکتا ہو۔

راوی حدیث: ﴿ سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ ﴾ سلمہ بن صخر بن سلیمان بن صمہ بیاضی۔ بیاضی میں "با" پر فتحہ بنی بیاضہ کی جانب منسوب ہے جو خزرج قبیلہ کی شاخ تھی۔ یہ صاحب ان صحابہ کرامؓ میں سے تھے جو بہت رونے والے تھے۔

١٠ - بَابُ اللِّعَانِ

لعان کا بیان

(٩٣٦) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَ فُلَانٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ أَنْ لَو وَجَدَ أَحَدُنَا ٱمْرَأَتَهُ عَلَىٰ فَاحِشَةٍ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ، وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَىٰ مِثْلِ ذٰلِكَ. فَلَمْ يُجِبْهُ، فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَتَاهُ، فَقَالَ: «إِنَّ الَّذِي سَأَلْتُكَ عَنْهُ قَدِ ابْتُلِيتُ بِهِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ الآيَاتِ فِي سُورَةِ النُّورِ، فَتَلاهُنَّ عَلَيْهِ وَوَعَظَهُ، وَذَكَّرَهُ، وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الآخِرَةِ»، قَالَ: لاَ، وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالحَقِّ، مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا، ثُمَّ دَعَاهَا فَوَعَظَهَا كَذٰلِكَ، قَالَتْ: لاَ، وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالحَقِّ، إِنَّهُ لَكَاذِبٌ، فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ، فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ، ثُمَّ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ، ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فلاں صاحب نے سوال کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! بتائیے اگر ہم میں سے کوئی اپنی اہلیہ کو فاحشہ فعل میں مبتلا پائے تو وہ کیا کرے؟ اگر وہ اسے دوسروں سے بیان کرتا ہے تو یہ نہایت قبیح فعل ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو یہ بھی نہایت مشکل کام ہے۔ آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر بعد میں جب وہ آیا تو اس نے کہا کہ تحقیق جو کچھ میں نے آپؐ سے پوچھا ہے' میں خود ہی اس میں مبتلا ہوا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیات نازل فرمائیں۔ آپؐ نے وہ آیات اس کے سامنے پڑھیں اور اسے نصیحت فرمائی اور اللہ کی سزا یاد کرائی اور فرمایا کہ "دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔ وہ بولا نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' میں نے اس پر جھوٹا الزام نہیں لگایا ہے۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بلوایا اور اسے بھی اسی طرح نصیحت فرمائی۔ وہ بھی بولی نہیں اس خدا کی قسم! جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے یقیناً وہ مرد جھوٹا ہے۔ پھر آپؐ نے اس مرد سے آغاز فرمایا۔ اس مرد نے چار قسمیں کھائیں پھر آپؐ نے عورت سے بھی

قسمیں لیں اور دونوں کے درمیان تفریق فرما دی۔
(مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ باب اللعان ﴾ لام کے کسرہ کے ساتھ لاعن' یلاعن' ملاعنة سے مصدر ہے۔ لعان کی صورت اس طرح ہوتی ہے کہ شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور بیوی اس سے انکار کرتی ہے شوہر کے پاس نہ تو گواہ ہوتے ہیں اور نہ کوئی ثبوت۔ بس اب شوہر چار مرتبہ اپنی بیوی کے خلاف اللہ کی قسم اٹھا کر شہادت دیتا ہے کہ اس نے جو الزام لگایا ہے اس میں وہ بالکل سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہتا ہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور عورت کے لئے یہ صورت کہ وہ مرد کی شہادتوں کی تردید کرے اپنی طرف سے شہادتیں دے کر یعنی وہ بھی چار مرتبہ اللہ کے نام کی قسم کھا کر شہادت دے کہ وہ یقیناً جھوٹا آدمی ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ مجھ پر الزام لگانے میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے پس اگر عورت نے یہ شہادتیں دے دیں تو اس پر زنا ثابت نہیں ہو گا اور اس کے شوہر پر حد قذف نہیں ہو گی اور ان کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدائی واقع ہو جائے گی اور اگر عورت ان قسموں سے انکار کرے تو مرد کو سچا قرار دے کر عورت پر حد رجم جاری کی جائے گی اور اس کا نام لعان اس لئے رکھا گیا ہے کہ میاں بیوی دونوں اپنے آپ پر لعنت کرتے ہیں۔ خواہ دوسرا سچا ہی ہو لفظ غضب عورت کی جانب سے اختیار کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ کہ یہ فعل لعنت کو مستلزم ہے۔ پس عورت کی طرف جو گناہ منسوب ہے۔ وہ زنا ہے اس دوران مرد کا گناہ قذف (تہمت زنا) ہے۔ ﴿ سال فلان ﴾ اکثر روایات میں اس کی صراحت ہے کہ فلاں سے مراد عویمر عجلانی ہے اور سیاق کلام بھی اس کا مقتضی ہے کہ یہ آیات اسی کے حق میں نازل ہوئی ہیں لیکن بہت سی روایات میں ہے کہ یہ آیات ھلال بن امیہ ضمری کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لعان کیا۔ پس ﴿ انزل فیك ﴾ کے قول کی یہ تاویل کی جائے گی کہ ایسے مسئلہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا تیرا مسئلہ ہے۔ ﴿ واخبره ان عذاب الدنیا ﴾ عذاب دنیا سے مراد حد قذف ہے۔ جس میں اسی کوڑے سزا ہے۔ ﴿ اھون ﴾ آسان و سھل ترین ﴿ ثم ثنی بالمراۃ ﴾ تثنیة سے ماخوذ و مشتق ہے۔ ایک فعل و کام کے بعد دوبارہ اسی کو کرنا۔ یعنی پہلے مرد نے قسمیں کھائیں پھر عورت نے اس کے بعد ﴿ ثم فرق بینھما ﴾ پھر دونوں میں تفریق کرا دی۔ بہت سے علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ لعان کرنے والے میاں بیوی کے درمیان تفریق حاکم وقت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس جمہور علماء اسلام مثلاً امام مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ اور ان کے ہم خیال علماء و متبعین نے کہا ہے کہ فقط لعان سے تفریق واقع ہو جائے گی اور فرق بینھما کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس تفریق کو نمایاں اور ظاہر فرمایا اور حکم شرع بیان فرمایا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نئے سرے سے فرقت و جدائی ڈالی۔ دلیل کے اعتبار سے جمہور کا قول ہی بہتر ہے۔

(۹۳۷) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ

عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ: «حِسَابُكُمَا عَلَى اللَّهِ، أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ، لاَ سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَالِيْ؟ فَقَالَ: «إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا، فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا، وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا، فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ﷺ نے لعان کرنے والے زوجین سے فرمایا "تم دونوں کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ دونوں میں سے ایک تو جھوٹا ہے' اب تیرا اس عورت پر کوئی حق نہیں۔" اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میرا مال مجھے دلوا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا "اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو پھر یہ مال اس لذت صحبت کا معاوضہ ہے جو حلال کر کے تو نے اس سے حاصل کی ہے اور اگر تو نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو مال تجھ سے اور بھی دور ہو گیا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ لا سبیل لک علیھا ﴾ یعنی اب تیرے لئے اس کے ساتھ ہونا حلال ہی نہیں بلکہ وہ تو تیرے لئے ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی ہے۔ اس سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ صرف لعان ہی فی نفسہٖ فرقت کا باعث ہے۔ تفریق کرانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ﴿ مالی ﴾ میرا مال سے مراد وہ مال ہے جو مہر میں دیا تھا۔

(۹۳۸) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَبْيَضَ، سَبِطاً، فَهُوَ لِزَوْجِهَا، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ، جَعْداً، فَهُوَ لِلَّذِي رَمَاهَا بِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "عورت پر نظر رکھو اگر اس نے سفید رنگ کا سیدھے بالوں والا بچہ جنم دیا تو وہ اس کے شوہر کا ہے اور اگر اس نے ایسا بچہ جنم دیا جس کی آنکھیں سرمگیں اور بال گھنگھریالے ہوں تو پھر وہ بچہ اس کا ہو گا جس کے متعلق شوہر نے اس پر تہمت لگائی۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ فان جاءت بہ ﴾ بہ میں ضمیر مجرور اس بچہ کی جانب راجع ہے جو لعان کے موقع پر عورت کے رحم میں پرورش پا رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر اس عورت نے بچے کو جنم دیا تو اس پر نظر رکھنا۔ ﴿ ابیض سبطا ﴾ سفید رنگ والا۔ ﴿ سبطا ﴾ سین پر فتحہ اور "با" کے نیچے کسرہ اور ساکن بھی جائز ہے۔ ایسا آدمی جس کے بال سیدھے ہوں خمدار یا گھنگھریالے نہ ہوں۔ ﴿ فھولزوجھا ﴾ کیونکہ اس کا خاوند اسی وصف والا تھا۔ ﴿ اکحل ﴾ سرمگیں چشم۔ ایسا شخص جس کی آنکھیں سرمہ لگائے بغیر ہی سرمگیں نظر آئیں۔ ﴿ جعدا ﴾ جیم پر فتحہ عین ساکن۔ ایسا شخص جس کی بال گھنگھریالے ہوں۔ ﴿ فھو

للذی رماھابہ ﴾ پھر یہ بچہ اس مرد کا ہے شوہر نے عورت پر جس کی تہمت لگائی ہے اور متہم کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پھر وہ بچہ زانی کا ہوگا۔ کیونکہ زانی مرد سرمگیں آنکھوں والا' گھنگھریالے بالوں والا' پتلی پنڈلیوں والا تھا جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے اور روایات میں یہ بھی صراحت ہے کہ اس عورت نے ایسی مکروہ اوصاف والا بچہ ہی جنا تھا۔ اس سے یہ دلیل معلوم ہوئی کہ قیافہ قابل اعتبار و لحاظ ہے جبکہ کوئی مانع اس پر عمل کرنے میں رکاوٹ کا باعث نہ ہو اور لعان تو موانع سے زبردست مانع ہے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے "اگر وہ چیز نہ ہوتی جو کتاب اللہ میں گزری ہے تو اس کی خوب خبر لیتا۔"

(٩٣٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمَرَ رَجُلاً أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ الخَامِسَةِ عَلىٰ فِيهِ، وَقَالَ: «إِنَّهَا مُوجِبَةٌ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ "وہ پانچویں قسم کے وقت قسم کھانے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دے" اور آپؐ نے فرمایا "یہ پانچویں قسم ہلاکت و بربادی کی موجب ہے۔" (ابوداؤد و نسائی اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح : ﴿ عند الخامسۃ ﴾ یعنی پانچویں شہادت کے وقت۔ ﴿ انھا موجبۃ ﴾ جدائی اور عذاب الٰہی کو واجب کر دینے والی ہے۔ اگر اس نے جھوٹ بولا اور جھوٹا بیان دیا۔

(٩٤٠) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ المُتَلاَعِنَيْنِ - قَالَ: فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ تَلاَعُنِهِمَا، قَالَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلاَثاً قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے لعان کرنے والوں کے قصہ میں مروی ہے کہ جب دونوں لعان سے فارغ ہوگئے تو مرد بولا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اور اگر میں اب اسے روک لوں گویا میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے پھر اس نے اس سے پہلے کہ رسول اللہ ﷺ اسے حکم ارشاد فرماتے' تین طلاقیں دے دیں۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام : اس مرد نے اپنی لعان شدہ بیوی کو تین طلاقیں اس لئے دیں کہ اسے علم نہیں تھا کہ لعان بذات خود ہمیشہ کی جدائی کا موجب ہے۔ پس اس نے بیوی کو بذریعہ طلاق ہی حرام کرنا چاہا۔ لہٰذا طلاق لغو ہوئی۔ کیونکہ طلاق اپنے مقام پر واقع ہی نہیں ہوئی۔ اگر ہم کہیں کہ جدائی صرف لعان سے ہو جاتی ہے تو یہ ظاہر بات ہے اور اگر کہیں کہ تفریق حاکم و عدالت کے ذریعہ واقع ہوتی ہے تو پھر یہ معلوم شدہ ہے کہ لعان کے بعد نکاح کے باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں اور نہ اس کے ہمیشہ رہنے کی کوئی سبیل بلکہ لعان نکاح کے تعلق کو منقطع کر دیتا ہے اور عورت ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے' اس لئے تین طلاقیں

مقصد لعان کو مؤکد کرنے کیلئے ہیں۔ اس قسم کے نکاح میں طلاق کا نافذ ہونا لازم نہیں کرتا کہ اس کا نفوذ اس نکاح میں بھی ہو جس نکاح کا قائم رکھنا ہمیشہ کیلئے ہو۔ لہٰذا اس شخص کا استدلال باطل ہوا جس نے اس حدیث سے طلاق ثلاثہ کے جواز پر اور ان کے یکبارگی وقوع پر استدلال کیا ہے اور جب یہ طلاق غیرت و حمیت کی بنا پر دی گئی اور ایسے مقام پر اس کا اظہار مطلوب بھی ہے اور قابل ستائش و تعریف بھی ہے اس لئے دراصل نبی ﷺ نے مجرد یہ خبر دے کر یہ طلاق لغو ہے اس ارشاد سے مدد لی کہ لا سبیل لک علیھا یعنی اب تجھے اس عورت پر کوئی اختیار نہیں تیری طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ وہ لغو ہو جائے گی۔ آپ اس پر ناراض و غضبناک نہیں ہوئے جس طرح اس شخص پر ہوئے تھے جس کا قصہ محمود بن لبید نے بیان کیا ہے جو کہ طلاق کے باب میں بیان ہوا ہے۔

(٩٤١) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلاً جَآءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِيْ لاَ تَرُدُّ يَدَ لاَمِسٍ، قَالَ: **«غَرِّبْهَا»**، قَالَ: أَخَافُ أَنْ تَتْبَعَهَا نَفْسِيْ، قَالَ: **«فَاسْتَمْتِعْ بِهَا»**. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالْبَزَّارُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ. وَأَخْرَجَهُ النَّسَآئِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، بِلَفْظِ «قَالَ: **«طَلِّقْهَا»** قَالَ: لاَ أَصْبِرُ عَنْهَا، قَالَ: **«فَأَمْسِكْهَا»**.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میری بیوی کسی کا ہاتھ نہیں جھٹکتی۔ آپؐ نے فرمایا "اسے دور کر دو۔" مجھے اندیشہ اور خوف ہے کہ میرا نفس اس کے پیچھے لگے گا۔ تو فرمایا "اس سے فائدہ اٹھاتا رہ۔" (اسے ابوداؤد اور بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نسائی نے دوسرے طریق سے اسے روایت کیا ہے اس کے الفاظ ہیں کہ "اسے طلاق دے دو۔" وہ مرد بولا میں تو اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "پھر اسے روکے رکھو۔"

لغوی تشریح: ﴿لا ترد ید لامس﴾ اس کا ایک معنی تو یہ کیا گیا کہ یہ زنا سے کنایہ ہے اور دوسرا یہ معنی کیا گیا ہے کہ تبذیر مراد ہے اور یہ دوسرا معنی تو انتہائی بعید قول ہے۔ مؤلف موصوف نے تلخیص میں کہا ہے بظاہر لاترد ید لامس کا یہ معنی ہے کہ وہ جو اس سے چھیڑ چھاڑ سے تلذذ حاصل کرنا چاہتا وہ خاتون کسی کا ہاتھ نہیں روکتی تھی۔ اگر اس سے جماع مراد لیا جائے تو اسے قاذف شمار کیا جائے گا یا پھر اس خاتون کے شوہر نے اس کے حال سے یہ سمجھ لیا کہ جو اس سے زنا کا ارادہ رکھتا ہو یہ اسے منع نہیں کرتی۔ یوں نہیں کہ کوئی اجنبی مرد اس سے جرم کا مرتکب ہو جاتا تھا۔ ﴿غربھا﴾ تغریب سے امر کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ اسے اپنے سے دور کر دے اس سے آپؐ کی مراد یہ تھی کہ اسے طلاق دے کر فارغ کر دے۔ ﴿اخاف ان تتبعھا نفسی﴾ مجھے خوف ہے کہ میرا نفس اس کا اشتیاق رکھے گا اور میں صبر نہ

کر سکوں گا۔ ﴿فاستمتع بھا﴾ پھر اس کو بچانے کی غرض سے اس سے نباہ کر مبادا کہ وہ فعل زنا کا ارتکاب کر بیٹھے۔

(٩٤٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ حِيْنَ نَزَلَتْ آيَةُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ عَلَى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ، وَلَنْ يُدْخِلَهَا اللَّهُ جَنَّتَهُ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ، وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، احْتَجَبَ اللَّهُ عَنْهُ، وَفَضَحَهُ عَلَى رُؤُوسِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لعان کرنے والوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے تھے ”جو عورت کسی قوم میں ایسا بچہ لا داخل کرے جو اس میں سے نہ ہو تو اس عورت کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی عورت کو ہرگز اپنی جنت میں داخل نہیں کرے گا اور جس مرد نے اپنے بچہ کا انکار کیا جبکہ وہ بچہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے پردہ فرما لے گا اور اسے اپنی پہلی اور پچھلی ساری مخلوق کے سامنے رسوا و ذلیل کرے گا۔“ (اسے ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ایما امراۃ ادخلت الخ﴾ جو عورت زنا سے حاملہ ہو جائے اور شوہر کو اس کا شعور ہی نہ ہو اور وہ یہ سمجھتا رہے کہ بچہ اس کے نطفہ سے ہے۔ یہ حرمت زنا کی غلاظت پر دلیل ہے کیونکہ یہ سبب ہے بچے کو ایسی قوم میں لاگھسانے کا جو دراصل اس قوم کا نہیں ہے۔ ﴿فلیست من اللہ﴾ اس کا اللہ کی رحمت اور اس کے دین سے کوئی تعلق نہیں۔ ﴿جحد ولدہ﴾ اپنے بچہ کا خود انکار کرے اور اس کی نفی کرے۔ ﴿وھو ینظر الیہ﴾ جبکہ وہ بچہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو یعنی اسے اس کا علم ہو کہ وہ اسی کا بچہ ہے یا یہ معنی کہ وہ بچہ اس مرد کی جانب دیکھ رہا ہو۔ یہ کنایہ ہے قلت شفقت اور قساوت قلبی سے۔ ﴿احتجب اللہ عنہ﴾ اللہ تعالیٰ اس سے حجاب فرمائے گا اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا۔ وفضحہ اور اسے رسوا و ذلیل و خوار کرے گا۔

(٩٤٣) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: مَنْ أَقَرَّ بِوَلَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ. أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَهُوَ حَسَنٌ مَوْقُوفٌ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے ایک لمحہ بھر اپنے بچہ کا اقرار کیا پھر اسے اس کی نفی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ (اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ روایت حسن موقوف ہے)

لغوی تشریح: ﴿طرفۃ عین﴾ ”طا“ پر فتحہ' را ساکن۔ پلکوں کو بند کر کے کھولنے تک کا وقت۔ یعنی

بس اتنی مقدار کے مساوی۔

حاصل کلام: اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی لحہ بھر کیلئے کسی بچے کو اپنا بچہ تسلیم کر لے اور اقرار کر لے کہ یہ بچہ واقعتاً اسی کا ہے تو پھر وہ واقعتاً ساری عمر کے لئے اسی کا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ضمضم بن قتادہ صحابی بعض شبہات کی بنا پر اپنے بچہ کا انکار کرنا چاہتا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے انکار نہیں کرنے دیا تھا۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

(٩٤٤) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ آمْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلاماً أَسْوَدَ، قَالَ: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟» قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: «هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَأَنَّى ذَلِكَ؟» قَالَ: لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ، قَالَ: «فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: «وَهُوَ يُعَرِّضُ بِأَن يَنْفِيَهُ» وَقَالَ فِي آخِرِهِ: «وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الانْتِفَاءِ مِنْهُ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میری بیوی نے کالے رنگ کا بچہ جنا ہے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا "کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟" تو اس نے کہا ہاں! آپؐ نے دریافت فرمایا "ان کے رنگ کیا ہیں؟" اس نے کہا سرخ۔ آپؐ نے دریافت فرمایا "ان میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟" اس نے کہا ہاں! آپؐ نے دریافت فرمایا "وہ رنگ کہاں سے آ گیا؟" وہ بولا کوئی رگ اسے کھینچ لائی ہوگی۔ تو آپؐ نے فرمایا "پھر تیرے اس بیٹے کو بھی کوئی رگ کھینچ لائی ہوگی۔" (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ وہ اس بچے کی نفی کی طرف اشارہ کر رہا تھا اور اس روایت کے آخر میں ہے کہ آپؐ نے اسے نفی کی رخصت و اجازت نہ دی۔

لغوی تشریح: ﴿ حمر ﴾ "حا" پر ضمہ اور میم ساکن۔ احمر کی جمع۔ اس کے معنی سرخ۔ ﴿ اورق ﴾ جس میں سیاہی مائل سفیدی ہو یا جس میں سیاہی تو ہو مگر سخت سیاہی نہ ہو اس طرح کہ مائل بہ خاکستر ہو۔ ﴿ لعله نزعه ﴾ ممکن ہے اس نے اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔ ﴿ عرق ﴾ عین کے نیچے کسرہ اور را ساکن۔ اصل کے معنی میں۔ یعنی یہ اپنے اصلی رنگ پر پیدا ہوا ہے یعنی اس کی دور کی جڑ اور اصل کا رنگ یہی تھا۔ ﴿ یعرض بان ینفیه ﴾ تعریض سے ماخوذ ہے یعنی وہ بچہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ یہ اس کا بچہ نہیں ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ایک مغالطہ کی تصحیح کی گئی ہے کہ کالے رنگ نے صحابی کو مغالطہ اور اشتباہ میں مبتلا کر دیا کہ ہم میاں بیوی تو سیاہ رنگ نہیں پھر یہ بچہ اس رنگ کا کہاں سے پیدا ہوگیا۔ رسول اللہ

ﷺ کے پاس جب اس نے عندیہ اور مافی الضمیر ظاہر کیا تو آپؐ نے اسے ڈانٹ پلائی اور نہ اس کی بیوی کی صریح الفاظ میں صفائی پیش فرمائی۔ بلکہ عربوں کی ذہنی سطح پر اتر کر آپؐ نے سمجھانے کی کوشش فرمائی اور کامیاب رہے کہ سفید رنگ کے زوجین کے ہاں سیاہ رنگ بچے کی پیدائش بچے کی ماں کی بدکاری و بدچلنی پر دلالت نہیں کرتی' یہ خاندانی اثرات ہوتے ہیں جو کبھی بہت دور نسل میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جس سے بچے کے نسب پر درحقیقت کوئی عیب اور نقص واقع نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سائل کو جواب حکمت سے دینا چاہئے اور اس کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھ کر دینا چاہئے۔ فلسفیانہ جواب کی بجائے عام روزمرہ کی مثالوں سے دینا تفہیم مدعا کیلئے زیادہ مفید اور کارگر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کی حقیقت کا علم نہ ہو اسے صاحب علم سے دریافت کر لینا بہت بڑے فتنہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

١١ - بَابُ العِدَّةِ وَالإِحْدَادِ وَالاسْتِبْرَاءِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

عدت' سوگ اور استبراء رحم کا بیان

(٩٤٥) عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَنَّ سُبَيْعَةَ الأَسْلَمِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ، فَجَاءَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ تَنْكِحَ، فَأَذِنَ لَهَا، فَنَكَحَتْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ. وَفِي لَفْظٍ: أَنَّهَا وَضَعَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً.

وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَلاَ أَرَى بَأْساً أَنْ تَزَوَّجَ وَهِيَ فِي دَمِهَا، غَيْرَ أَنَّهُ لاَ يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتَّى تَطْهُرَ.

حضرت مسور بن مخرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی وفات کے چند روز بعد بچہ جنا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور نکاح کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے اسے نکاح کی اجازت دے دی اور اس نے نکاح کر لیا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے) اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی وفات کے چالیس روز بعد بچے کو جنم دیا۔

اور مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں کہ زہری نے کہا میں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ حالت نفاس میں ہی نکاح کر لے مگر اس کا شوہر اس کے قریب اس وقت تک نہ جائے جب تک کہ وہ نفاس سے غسل کر کے پاک و صاف نہ ہو جائے۔

لغوی تشریح: ﴿ باب العدة ﴾ عدة کے عین کے نیچے کسرہ اور دال پر تشدید ہے۔ یہ عدت اس مدت انتظار کو کہتے ہیں جو عورت اپنے شوہر کی جدائی کے بعد طلاق کی وجہ سے یا فسخ نکاح یا خاوند کی وفات کی وجہ سے گزارتی ہے اور سوگ منانے کا نام ہے اور احداد مصدر ہے "احدت المراة علی زوجہا تجد فھی محدة " یعنی عورت اپنے شوہر کا سوگ مناتی ہے وہ سوگ منانے والی ہوتی ہے جب وہ خاوند کی

وفات کی وجہ سے غمزدہ اور غمگین ہوتی ہے اور حزن وملال والا لباس پہنتی ہے اور جسمانی' بدنی زیب وزینت اور آرائش ترک کر دیتی ہے۔ یہ حدت تحد فھی حادۃ سے بھی ماخوذ ہے۔ حد کے معنی دراصل تومنع کرنے اور روکنے کے ہیں اور جامع معنی یہ ہیں کہ جس خاتون کا شوہر وفات پاجائے وہ اپنے آپ کو زیب و آرائش سے روک لیتی ہے اور خوشبوؤں کا استعمال ترک کردیتی ہے۔ ﴿ نفست ﴾ صیغۂ مجہول۔ یعنی اس نے وضع حمل کیا اور نفاس والی بن گئی۔ ﴿ وھی فی دمھا ﴾ دمھا سے مراد ہے کہ وہ ہنوز نفاس کی حالت میں تھی۔ ﴿ لا یقربھا زوجھا ﴾ اس کا شوہر اس کے قریب بھی نہ پھٹکے سے مراد ہے کہ اس حالت میں اس سے لطف اندوز نہ ہو۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے لمبی اور طویل ہو یا مختصر اور تھوڑی۔ عام اہل علم کی یہی رائے ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے حاملہ کی عدت کی مدت جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو' ثابت ہو رہی ہے کہ وضع حمل ہے۔ اس حدیث میں جس خاتون کا ذکر ہے وہ سبیعہ رضی اللہ عنہا نامی مشہور صحابیہ ہیں۔ اس کا پہلا شوہر سعد ابن خولہ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع سے چند روز بعد مکہ مکرمہ میں وفات پا گیا تھا سبیعہ رضی اللہ عنہا نے سعد رضی اللہ عنہ کی وفات کے چالیس یا پچاس روز بعد یا اس سے بھی پہلے بچہ کو جنم دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اس کی عدت بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے خواہ وہ مدت چار ماہ دس دن سے کم ہو یا زیادہ۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔ ان کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اس آیت میں جس طرح حاملہ مطلقہ کی مدت عدت بیان ہوئی ہے اسی طرح بیوہ حاملہ عورت کی عدت بھی بیان ہوئی ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمائی ہے جسے امام عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور ضیاء نے المختارہ میں بیان کیا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ سبیعہ رضی اللہ عنہا ﴾ (تصغیر کے ساتھ) بنت حارث اسلمیہ۔ بنو اسلم کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے اسلمیہ کہلاتی ہیں۔ مشہور و معروف صحابیہ ہیں۔ ابن سعد کے بقول یہ مہاجرات میں سے ہیں۔ یہ خاتون سعد بن خولہ کے عقد نکاح میں تھیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں اس کا چچا وفات پا گیا پھر اس نے اپنی قوم کے ایک نوجوان سے نکاح کرلیا۔ جس کا نام ابوالسنابل تھا۔

﴿ الزھری ﴾ محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب القرشی الزہری۔ بہت بڑے عالم و فاضل۔ حجاز و شام دونوں کے مشترکہ عالم تھے۔ چوتھے طبقہ کے سرکردہ علماء کرام میں سے تھے۔ ان کی جلالت شان اور اتقان پر سب متفق ہیں۔ لیث کا قول ہے میں نے ابن شہاب ایسا جامع الصفات عالم کبھی نہیں دیکھا اور امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابن شہاب بہت سخی انسان تھے۔ انسانوں میں ان کی نظیر و مثال نہیں ملتی۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

(۹٤٦) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: أُمِرَتْ بَرِيْرَةُ أَنْ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بریرہ کو حکم دیا گیا کہ وہ تین حیض عدت گزارے۔ (اسے ابن ماجہ

تَعْتَدَّ بِثَلاَثِ حِيَضٍ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ، لٰكِنَّهُ مَعْلُولٌ.

نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ روایت معلول ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ذکر ہے کہ ان کو عدت تین حیض گزارنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت بریرہ کے شوہر کا نام مغیث تھا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزادی کی نعمت مل گئی اور مغیث ابھی تک غلامی کی زنجیر میں جکڑا ہوا تھا۔ آزادی کے بعد بریرہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا گیا تو اس نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نکاح فسخ کر دیا اب اسے بھی آزاد خواتین کی طرح عدت ماہواری گزارنی پڑی۔

(۹۴۷) وَعَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلاَثاً لَيْسَ لَهَا سُكْنَى، وَلاَ نَفَقَةَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

شعبی نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مطلقہ ثلاثہ کے متعلق فرمایا ہے کہ "اس کیلئے نہ رہائش ہے اور نہ نان و نفقہ۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿المطلقة ثلاثا﴾ جسے متفرق طور پر تین طلاقیں ہوئی ہوں۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اسی طرح طلاق ہوئی تھی اور یہ حدیث اس بات میں بالکل صریح ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کیلئے نہ نفقہ ہے اور نہ رہائش۔ امام احمد رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کیلئے رہائش اور نفقہ دونوں ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ دونوں کی رائے ہے کہ ایسی عورت رہائش کا استحقاق تو رکھتی ہے مگر نفقہ کا نہیں۔ ان حضرات نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بہت سے عذر تراشے ہیں مگر ان میں سے ایک بھی قابل اعتناء نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "مرد پر عورت کا نان و نفقہ اور رہائش اس صورت میں ہے جب طلاق رجعی ہو اور جب طلاق رجعی نہ ہو تو پھر مرد کے ذمہ نہ اس کا نان و نفقہ ہے اور نہ رہائش۔" اور نسائی کی ایک روایت میں ہے جب اس کی صورت یہ ہو کہ جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی' ایسی عورت کیلئے نان و نفقہ ہے اور نہ رہائش۔ یہ دونوں روایتیں اس معاملہ میں بالکل واضح اور صریح ہیں کہ رہائش اور نفقہ اس صورت میں ساقط ہوتا ہے جب عورت کو طلاق بائنہ ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ دوسری کسی صورت میں نہیں۔ ان احادیث سے حق واضح ہو جاتا ہے اور وہ تمام عذر باطل ہو جاتے ہیں جو احناف وغیرہ نے کئے ہیں۔ پس تمام عذر باطل ہوگئے اور صریح حق صاف اور واضح ہوگیا۔

(۹۴۸) وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لاَ تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثٍ، إِلاَّ عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً، وَلاَ تَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبُوغاً، إِلاَّ ثَوْبَ عَصْبٍ، وَلاَ تَكْتَحِلُ، وَلاَ تَمَسُّ طِيباً، إِلاَّ إِذَا

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی عورت کسی میت پر تین روز سے زیادہ سوگ نہ منائے۔ سوائے خاوند کے' اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے۔ زمانہ سوگ میں رنگ دار لباس نہ پہنے لیکن رنگے ہوئے سوت کا کپڑا پہن سکتی ہے۔ سرمہ نہ لگائے' خوشبو استعمال نہ کرے۔

طَهُرَتْ، نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ، وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ مِنَ الزِّيَادَةِ: «وَلاَ تَخْتَضِبُ». وَلِلنَّسَائِيِّ: «وَلاَ تَمْتَشِطُ».

مگر جب ایام حیض سے پاک ہو تو تھوڑی سی عود ھندی (ایک خوشبو دار لکڑی) یا اظفار (مشک استعمال کر سکتی ہے۔" (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں) اور ابوداؤد اور نسائی میں اتنا اضافہ ہے کہ مہندی و خضاب نہ لگائے اور نسائی میں ہے کنگھی بھی نہ کرے۔

لغوی تشریح: ﴿ ثوب عصب ﴾ فتحہ اور سکون کے ساتھ۔ یہ ترکیب اضافی ہے۔ یعنی یمنی چادریں۔ جن کا سوت بننے سے پہلے ہی اکٹھا یا جمع کر دیا جاتا ہے اور کئی جگہوں میں مضبوطی سے باندھ دیا جاتا ہے تو اس طرح بعض مقام سے سفید ہوتا ہے اور بعض جگہ سے رنگ دار۔ پھر ان چادروں کو ان دھاگوں کے ساتھ بنا جاتا ہے تو یہ دھاری دار تیار ہو جاتا ہے۔ ﴿ نبذۃ ﴾ نون پر ضمہ اور "با" ساکن۔ کسی چیز کا ٹکڑا' یہ معمولی چیز کیلئے بولا جانے لگا۔ ﴿ قسط ﴾ قاف پر ضمہ اور سین ساکن۔ خوشبو دار لکڑی جس سے دھونی دی جاتی ہے۔ ہندوستان سے عرب میں لے جائی جاتی ہے۔ ﴿ اظفار ﴾ ھمزہ پر فتحہ۔ خوشبو کی ایک قسم۔ اس کا واحد نہیں آتا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا واحد ظفر آتا ہے۔ وہ عطر کی کالی رنگ کی چیز اس کا ٹکڑا ناخن کے مشابہ ہوتا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس خوشبو کی رخصت ایام حیض سے غسل کرنے والی کیلئے ہے تاکہ مکروہ بو کا ازالہ کیا جا سکے۔ اس کا استعمال خوشبو کیلئے نہیں۔

(۹۴۹) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: جَعَلْتُ عَلَى عَيْنِيْ صَبِراً، بَعْدَ أَنْ تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ، فَلاَ تَجْعَلِيهِ إِلاَّ بِاللَّيْلِ، وَانْزِعِيهِ بِالنَّهَارِ، وَلاَ تَمْتَشِطِي بِالطِّيبِ، وَلاَ بِالْحِنَّاءِ فَإِنَّهُ خِضَابٌ»، قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ أَمْتَشِطُ؟ قَالَ: «بِالسِّدْرِ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوسلمہ کی وفات کے بعد میں نے اپنی آنکھوں پر مصبر (ایک قسم کی دوائی) کا لیپ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مصبر چہرے کو صاف کرتا اور چمکاتا ہے۔ اسے صرف رات کے اوقات میں استعمال کر اور دن کو منہ سے اتار دیا کر۔ خوشبو اور مہندی والی کنگھی نہ کر۔ مہندی تو ایک قسم کا خضاب ہے۔" میں نے عرض کیا۔ تو پھر کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں؟ فرمایا "بیری کے پتوں کو پانی میں ڈال کر اس کے ساتھ۔" (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے)

لغوی تشریح: ﴿ صبرا ﴾ صاد کے فتحہ اور با کے نیچے کسرہ اور کبھی ساکن بھی ہوتی ہے۔ ایک درخت کا

سوت ہے جو انتہائی کڑوا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی کڑواہٹ زہر کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ بطور دوا دونوں آنکھوں کے اطراف پر اس کا لیپ کیا جاتا ہے۔ اگر آنکھوں کے اندر لگایا جائے تو نظر ضائع ہو جاتی ہے۔ ﴿ انه يشب الوجه ﴾ يشب باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے۔ رنگت کو نکھارتا ہے' صاف کرتا ہے' رنگ میں اضافہ کرتا ہے۔ چہرے پر رونق' جمال و خوبصورتی اس طرح نمایاں کر دیتا ہے جس طرح نوجوان کا چہرہ خوبرو اور مزین ہوتا ہے اور سوگ کے ایام گزارنے والی عورت کیلئے یہ چیزیں مستحسن نہیں اور نہ اسے زیب ہی دیتی ہیں۔

(٩٥٠) وَعَنْهَا أَنَّ ٱمْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ ابْنَتِي مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا، وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنَهَا، أَفَنَكْحُلُهَا؟ قَالَ: لاَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میری بیٹی کا شوہر وفات پا گیا ہے اور بیٹی آشوب چشم میں مبتلا ہو گئی ہے کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا سکتی ہوں؟ فرمایا "نہیں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ وقد شتكت عينها ﴾ عينها پر فاعل ہونے کی بنا پر رفع ہے اور نصب اس کے مفعول ہونے کی وجہ سے۔ دوسری صورت میں فاعل کی ضمیر بنت (بیٹی) کی جانب راجع ہے۔ ﴿ افنكحلها ﴾ باب نصر اور فتح دونوں سے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ سوگ منانے والی عورت کیلئے سرمہ کا استعمال حرام ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک عورت نے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے کہا رات کے وقت لگا لو اور دن کے وقت اسے دھو ڈالو۔ جیسا کہ مؤطا وغیرہ میں ہے اور ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔ پس تو رات کو سرمہ لگا لے اور دن میں اسے دھو ڈال۔ اس سے معلوم ہوا کہ رات میں سرمہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔ تاہم اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔ سرمہ کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ یہ خوبصورتی کا موجب ہے لہٰذا اگر سرمہ سفید ہو جس میں زینت بھی نہ ہو تو اس کا دن کے اوقات میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(٩٥١) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: طُلِّقَتْ خَالَتِي، فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا، فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ، فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «بَلْ جُدِّي نَخْلَكِ، فَإِنَّكِ عَسَى أَنْ تَصَدَّقِي، أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفاً». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی اور اس نے دوران عدت اپنی کھجور کا پھل اتارنے کے ارادہ سے باہر جانا چاہا تو ایک آدمی نے ان کو ڈانٹا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں تم اپنے درختوں کا پھل توڑ سکتی ہو۔ عین ممکن ہے کہ تم صدقہ کرو یا اس ذریعہ سے کوئی دوسرا عمل خیر تمہارے ہاتھ سے

انجام پا جائے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ان تجد نخلها﴾ یہ کہ تم اپنے پھل توڑ لو۔ تجد کا فعل جیم اور دال کے ساتھ باب نصر ینصر سے ہے اور اس امر کا صیغہ و مخاطب جدی آتا ہے۔ جدی کے جیم پر ضمہ اور دال پر تشدید۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو عورت ایام عدت میں ہو وہ ضرورت کیلئے گھر سے باہر جا سکتی ہے اور کام کاج کر کے واپس گھر آجائے تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(٩٥٢) وَعَنْ فُرَيْعَةَ بِنْتِ مَالِكٍ، أَنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَّهُ، فَقَتَلُوهُ، قَالَتْ: فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلَىٰ أَهْلِي، فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْ لِي مَسْكَناً يَمْلِكُهُ، وَلاَ نَفَقَةً، فَقَالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا كُنْتُ فِي الحُجْرَةِ نَادَانِي، فَقَالَ: اُمْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الكِتَابُ أَجَلَهُ، قَالَتْ: فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً، قَالَتْ: فَقَضَى بِهِ بَعْدَ ذٰلِكَ عُثْمَانُ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالذُّهْلِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ وَغَيْرُهُمْ.

حضرت فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس کا شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ فریعہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے میکے لوٹ جانے کے متعلق دریافت کیا کیونکہ میرے شوہر نے اپنی ملکیت میں کوئی گھر نہیں چھوڑا اور نہ ہی نفقہ۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں! (تم اپنے میکے جا سکتی ہو)" جب میں حجرے میں پہنچی تو آپؐ نے مجھے آواز دی اور فرمایا "تم اپنے پہلے مکان ہی میں اس وقت تک رہو جب تک کہ تمہاری عدت پوری نہ ہو جائے۔" فریعہ کا بیان ہے کہ میں نے پھر عدت کی مدت چار ماہ دس دن اسی سابقہ مکان میں پوری کی۔ فرماتی ہیں کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے بعد اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔ (اسے احمد اور چاروں نے بیان کیا ہے۔ ترمذی، ذہلی، ابن حبان اور حاکم وغیرہم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث دلیل ہے کہ جس خاتون کا شوہر وفات پا جائے تو وہ عورت اسی مکان میں عدت وفات پوری کرے گی جس میں وہ خاوند کے ساتھ رہائش پذیر تھی اور جہاں اسے خاوند کی وفات کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ مدت عدت کے اتمام و اختتام تک اسی مکان میں رہے گی۔ محققین علماء کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسری جگہ منتقل ہونا بھی اس کیلئے جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿فریعہ بنت مالک بن سنان خدریہ رضی اللہ عنہا﴾ مشہور صحابی رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ بیعت رضوان میں حاضر تھیں۔

(٩٥٣) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ زَوْجِي طَلَّقَنِي ثَلَاثاً، وَأَخَافُ أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيَّ، قَالَ: فَأَمَرَهَا فَتَحَوَّلَتْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اور مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ کوئی میرے پاس بے جا طور پر گھس نہ آئے اور ظلم کرے۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت مرحمت فرما دی اور وہ وہاں سے منتقل ہو گئی۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ ان يقتحم علی ﴾ صیغہ مجہول۔ زبردستی بعض اجنبی شریر لوگ گھس آئیں اور اس سے کوئی حادثہ یا فتنہ برپا ہو جائے ﴿ فتحولت ﴾ منتقل ہو گئی۔ یعنی اپنے شوہر کے مکان سے اپنے چچا زاد بھائی عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ہاں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی خطرے اور اندیشے کے پیش نظر عورت دوسرے قریبی رشتہ دار کے ہاں عدت گزارنے کیلئے منتقل ہو سکتی ہے مثلاً مکان غیر محفوظ ہو۔ مکان کے گر جانے کا خوف ہو' ہمسائیوں سے اذیت رسانی کا اندیشہ ہو۔ تنہائی سے ڈرتی اور خوف کھاتی ہو وغیرہ۔

(٩٥٤) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَا تُلْبِسُوا عَلَيْنَا: سُنَّةُ نَبِيِّنَا، عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ، إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا سَيِّدُهَا، أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَعَلَّهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِالِانْقِطَاعِ.

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہم پر خلط ملط نہ کرو کہ جب ام ولد کا سردار وفات پا جائے تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ (اس روایت کو احمد' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور دارقطنی نے اسے انقطاع سے معلول کیا ہے)

حاصل کلام: اس روایت میں ام الولد کی عدت کا بیان ہے مگر یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اسے قبیصہ بن ذویب' عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں مگر ان کا سماع عمرو سے ثابت نہیں۔ امام اوزاعی اور ظاہریہ ام الولد کی عدت چار ماہ دس دن کے قائل ہیں مگر امام شافعی رحمہ اللہ' امام احمد رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی عدت ایک حیض ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عدت تین حیض۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرھم کہتے ہیں کہ اس کی عدت صرف ایک ماہواری اس لئے ہے کہ نہ تو وہ زوجہ ہے اور نہ مطلقہ۔ اسے تو صرف استبراء رحم کی ضرورت ہے اور وہ محض ایک ہی حیض سے ہو جاتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا چار ماہ دس دن کا قول سن کر تعجب کرتے اور فرماتے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی سنت ہے؟ اور فرماتے تھے کہ چار ماہ دس روز تو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آزاد عورت کی عدت ہے۔ ام ولد تو لونڈی

ہے۔ منذری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے قول کی سند میں مطر بن طہمان ابو رجاء وراق ہے جسے بہت سے علماء محققین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ضعیف کے علاوہ یہ مضطرب بھی ہے۔ اس لئے یہ قابل احتجاج و استناد نہیں۔

(٩٥٥) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: إِنَّمَا الأَقْرَآءُ ٱلأَطْهَارُ. أَخرَجَهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ، فِي قِصَّةٍ، بِسَنَدٍ صَحِيحٍ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اقراء سے طہر ہی مراد ہیں۔ (اسے مالک' احمد اور نسائی نے ایک قصہ میں سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ انما الاقراء الا طہار ﴾ قرآن حمید میں والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء مذکور ہے اس میں لفظ قروء سے مراد طہر ہیں تو اس اعتبار سے مطلقہ عورت تین طہر عدت گزارے گی۔ یہ فتویٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے جو قابل استدلال نہیں۔ بالخصوص جب کہ دیگر دلائل اس کے خلاف ہیں اور "قرء" بمعنی حیض بھی آتا ہے اور طہر کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور زیادہ دلائل اسی طرف ہیں کہ اس سے حیض مراد ہے طہر نہیں۔

(٩٥٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: طَلاَقُ الأَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ، وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَأَخرَجَهُ مَرْفُوعاً، وَضَعَّفَهُ، وَأَخرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيْثِ عَآئِشَةَ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَخَالَفُوهُ، فَٱتَّفَقُوا عَلَىٰ ضَعْفِهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لونڈی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض۔ (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اسے مرفوع بھی روایت کیا ہے مگر اسے ضعیف کہا ہے۔ نیز اس روایت کی تخریج ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے کی ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے مگر دوسرے محدثین نے ان کی مخالفت کی ہے' وہ اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں)

(٩٥٧) عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لاَ يَحِلُّ لاِمْرِىءٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ». أَخرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَحَسَّنَهُ البَزَّارُ.

حضرت رویفع بن ثابت سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔" (اس کی تخریج ابوداؤد اور ترمذی نے کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور بزار نے اسے حسن کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ان یسقی ماء ہ ﴾ یسقی السقی سے ماخوذ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنا نطفہ رحم

میں داخل کرے۔ ﴿ زرع غیرہ ﴾ غیر کی کھیتی میں اور زرع سے مراد حمل لیا ہے اور بچہ جب رحم کے ساتھ معلق ہوتا ہے تو اسے کھیتی سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ جیسے کھیتی اگتی ہے اور زمین میں پختہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ یعنی جب عورت دوسرے مرد کے نطفہ سے حاملہ ہو چکی ہو تو ایسی عورت سے وطی و جماع کرنا حلال نہیں اور اس کی مثال اس لونڈی کی سی ہے جسے ایک آدمی نے خریدا تو اس وقت وہ دوسرے مالک سے حاملہ تھی یا یوں سمجھیں کہ اسیر ہونے سے پہلے وہ حاملہ تھی اب ایسی لونڈی کے خریدار یا مالک و آقا کیلئے اس کے ساتھ وطی و جماع کرنا حلال نہیں ہے۔ جب تک کہ اس کا حمل وضع نہ ہو جائے۔

راوی حدیث: ﴿ رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ ﴾ رویفع تصغیر ہے رافع سے۔ انصار کے قبیلہ بنو مالک بن نجار سے تھے۔ ان کا شمار مصریوں میں ہوتا ہے۔ ۴۶ ھ کو وفات پائی۔

(۹۵۸) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، فِي ٱمْرَأَةِ ٱلْمَفْقُودِ، تَرَبَّصُ أَرْبَعَ سِنِيْنَ، ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً. أَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گم شدہ' مفقود الخبر مرد کی عورت کیلئے فرمایا' اس کیلئے چار سال انتظار کرنا ہے۔ اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت گزارے۔ (مالک و شافعی نے نکالا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ المفقود ﴾ غائب ایسا کہ جس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں کہ آیا وہ زندہ ہے یا نہیں؟ اس اثر کے مطابق امام مالک و شافعی رحمہ اللہ اور اکثر فقہاء و محدثین کا فیصلہ ہے اور ایک قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق رحمہ اللہ وغیرھم بھی اسی طرف گئے ہیں۔ مگر حنفیہ اور شیعہ میں سے ھادویہ فرقہ کے لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ ایسی عورت اس مرد کی زوجیت سے نہیں نکل سکتی جب تک کہ اس کی موت کی خبر کی صحت یا اس کی طلاق کا ثبوت یا اس کے مرتد ہونے کا ثبوت نہ مل جائے اور موت سے ان کے نزدیک موت طبعی کی مقدار مراد ہے۔ اس میں پھر ان میں اختلاف واقع ہوا ہے ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد ساٹھ سال ہے اور ایک قول ہے کہ ستر سال اور ایک قول کے مطابق نوے برس اور ایک قول ۱۲۰ برس کا ہے اور ۱۵۰ برس سے دو سو برس تک کا قول بھی ہے اور ایک تیسری رائے بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر غائب آدمی نے بیوی کیلئے نان و نفقہ اور دیگر حاجات و ضروریات کا سامان چھوڑا ہے تو اسے حاضر ہی سمجھا جائے گا۔ ورنہ حاکم و عدالت اس کا نکاح جب عورت عدم نان و نفقہ کی صورت میں فسخ نکاح کا مطالبہ کرے گی' فسخ کرائے گی۔ یہ بہترین و عمدہ قول ہے اور قابل توجہ ہے۔ مگر پہلا قول محققین کے نزدیک راجح ہے۔

(۹۵۹) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «امْرَأَةُ الْمَفْقُودِ امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ». أَخْرَجَهُ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مفقود الخبر مرد کی بیوی' اس کی بیوی ہے جب تک کہ گم شدہ کے متعلق واضح طور پر اطلاع موصول نہ ہو جائے۔" (دار قطنی نے اسے

الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

ضعیف سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ حتی یاتیها البیان ﴾ یعنی جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہوگیا ہے۔ ابھی مسلمان ہے یا مرتد ہوگیا ہے۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے اسی بنا پر محققین نے اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا۔ اس کی سند میں صالح بن مالک اور محمد بن فضل دونوں مجہول الحال ہیں۔ نیز سوار بن مصعب متروک اور محمد بن شرجیل بھی متروک ہے۔ یہ صاحب مغیرہ بن شعبہ سے مناکیر اور اباطیل روایتیں بیان کرتا ہے۔

(٩٦٠) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَبِيتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ نَاكِحاً، أَوْ ذا مَحْرَمٍ». أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص کسی عورت کے پاس رات بسر نہ کرے۔ الاّ یہ کہ وہ مرد اس کا شوہر ہو یا محرم ہو۔" (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے کسی اجنبی عورت کے پاس خلوت و تنہائی میں رہنا حرام ہے۔ محرم کے پاس رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ محرم اسے کہتے ہیں جس سے کسی صورت میں کسی وقت نکاح درست اور جائز نہ ہو۔

(٩٦١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ». أَخرَجَهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص بھی کسی عورت کے ساتھ تنہائی و خلوت اختیار نہ کرے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو۔" (بخاری)

(٩٦٢) وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي سَبَايَا أَوْطَاسٍ: «لاَ تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ، وَلاَ غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ، حَتَّى تَحِيضَ حَيْضَةً». أَخرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَلَهُ شَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي الدَّارَقُطْنِيِّ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اوطاس کے قیدیوں کے متعلق فرمایا "حاملہ عورت جب تک وضع حمل نہ کر لے' اس سے جماع نہ کیا جائے نیز غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک وطی نہ کی جائے جب تک اسے ایک ماہواری نہ آجائے۔" (اس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دارقطنی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا شاہد مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿ سبایا اوطاس ﴾ سبایا سبیی اور سبیہ کی جمع ہے۔ سبیہ اس عورت کو کہتے

ہیں جو جنگ میں اسیر ہو جائے اور اوطاس حنین کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ یہاں قبائل ثقیف و ھوازن کی عورتیں غزوۂ حنین کے موقع پر قید ہوئی تھیں۔

(٩٦٣) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ اَلْحَجَرُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيْثِهِ، وَمِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا فِي قِصَّةٍ، وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عِنْدَ النَّسَائِيِّ وَعَنْ عُثْمَانَ عِنْدَ أَبِيْ دَاوُدَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر۔" (بخاری و مسلم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ایک قصہ کے متعلق بھی اسی طرح روایت ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نسائی نے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد نے یہی روایت بیان کی ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الولد للفراش ﴾ فراش ایسی خاتون ہے جس سے شوہر مجامعت و مباشرت کر چکا ہو خواہ وہ بیوی ہو یا لونڈی لیکن فراش سے یہاں اس کا صاحب و مالک مراد ہے۔ بخاری میں ہے الولد لصاحب الفراش یہاں صاحب الفراش سے مراد خاوند اور مولیٰ ہے کیونکہ یہ دونوں عورت کو بستر پر لٹاتے ہیں اور اس کے ساتھ سوتے ہیں۔ ﴿ وللعاھر الحجر ﴾ العاھر زانی اور العھر زنا کے معنی میں مستعمل ہے۔ یعنی زانی کیلئے ناکامی و نامرادی ہے۔ بچے میں اس کا کوئی حق نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زانی کیلئے پتھر اور اس کے منہ میں مٹی۔ یعنی اس کیلئے سوائے ناکامی و نامرادی اور ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ الحجر سے مراد یہ ہے کہ اسے سنگسار کیا جائے گا۔ مگر یہ قول کمزور و ضعیف ہے کیونکہ سنگسار تو صرف شادی شدہ کو کیا جاتا ہے۔

حاصل کلام: حدیث کا معنی یہ ہے کہ عورت جب بچے کو جنم دے گی وہ کسی کی بیوی یا لونڈی ہو گی' اس بچے کا نسب اس آدمی کے ساتھ ملحق کیا جائے گا اور وہ اس کا بچہ شمار کیا جائے گا۔ میراث اور ولادت کے دیگر احکام ان کے درمیان جاری ہوں گے خواہ کوئی دوسرا اس عورت کے ساتھ ارتکاب زنا کا دعویٰ کرے اور یہ دعویٰ بھی کرے کہ یہ بچہ اس کے زنا سے پیدا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس بچے کی مشابہت بھی اس کے ساتھ ہو اور صاحب فراش کے ساتھ نہ ہو۔ اس ساری صورتحال کے باوجود بچہ کو صاحب فراش کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔ اس میں زانی کا کوئی حق نہیں ہوگا اور یہ اس صورت میں ہے جب صاحب فراش اس کی نفی نہ کرے۔ اگر مرد نے انکار کر دیا تو پھر بچہ ماں کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا اور اس بچہ کا نسب ماں کے ساتھ ہوگا' زانی کے ساتھ نہیں۔ جمہور نے کہا ہے کہ عورت تو صرف نکاح ہی سے فراش بن جاتی ہے۔ پھر جب چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچے کو جنم دیتی ہے اس امکان کے ساتھ کہ خاوند نے اس کے ساتھ وطی و جماع کیا ہوگا جب فراش کا ثبوت مل جائے گا تو بچہ خاوند کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور اگر وطی کا امکان نہ ہو تو پھر بچہ کو اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ حنفیہ کہتے ہیں مجرد عقد کے بعد ہی ملا دیا جائے گا خواہ وطی کی ہو یا نہ کی ہو۔ پھر اگر مغرب کے رہنے والے نے مشرق

میں رہنے والی خاتون سے نکاح کیا اور دونوں میں سے کسی نے بھی اپنا وطن مالوف نہ چھوڑا یا عقد نکاح کے بعد طلاق دے دی پھر چھ ماہ بعد اس عورت نے بچہ کو جنم دیا تو اس صورت میں بچہ اسی مرد کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔ یہ قول ایسا ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ عورت سے دخول محقق کی معرفت ضروری اور لابدی ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ اور صاحب المنار نے ان کی تائید کی ہے اور یہ بات لفظ فراش سے لغوی' عرفی اور عقلی طور پر سمجھی جا سکتی ہے۔

١٢ - بَابُ الرَّضَاعِ — دودھ پلانے کا بیان

(٩٦٤) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلاَ الْمَصَّتَانِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایک دو دفعہ دودھ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔" (مسلم)

لغوی تشریح: "باب الرضاع" رضاع اور رضاعت کی "را" پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہے عورت کے پستان سے بچے کا مخصوص وقت میں دودھ چوس کر پینا اور وہی سبب ہے' دودھ پینے اور پلانے والی کی حرمت کے ثبوت کا اور وہ بچہ اس کا بچہ قرار پاتا ہے۔ اب اس عورت سے ہمیشہ کے لئے اس کا نکاح حرام ہے۔ پھر یہ حرمت دودھ پینے اور پلانے والی کی اولاد میں اور دودھ پینے اور پلانے والی کی اولاد اور اس کے شوہر کی اولاد یا اس کے آقا کی اولاد جس نے اس سے وطی کی ہو گی' پر مشتمل گی۔ ﴿ لاتحرم ﴾ تحرم تحریم سے ماخوذ ہے۔ ﴿ المصۃ ﴾ مص سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی چوسنے کے ہیں۔ ایک دو مرتبہ چوسنا۔ یعنی تھوڑا سا پینا اور ایک روایت میں ہے ایک دفعہ پینے یا دو مرتبہ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ سبل السلام میں ہے۔ رضعۃ کی حقیقت یہ ہے کہ جب بچہ ماں کے پستان منہ میں لے کر چوستا ہے پھر بغیر عارضہ کے اپنی خوشی و مرضی سے پستان کو چھوڑ دیتا ہے اسے رضعۃ کہتے ہیں۔ پستان چھوڑنا کسی عارض کی بنا پر جیسے سانس لینے کیلئے یا معمولی سا آرام حاصل کرنے کیلئے یا کسی اور چیز کیلئے جو اسے دوسری طرف مشغول کر دے پھر جلد ہی دوبارہ پینا یا چوسنا شروع کر دے' یہ دورانیہ ایک مرتبہ پینے کے عرصہ سے خارج نہیں ہو گا۔ ایک مرتبہ پینے کے ثبوت میں امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مذہب ہے اور یہ لغت کے موافق ہے۔

حاصل کلام: رضاعت کا حکم کتنا دودھ پینے سے ثابت ہوتا ہے' اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ یہ حکم دودھ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ' ثابت ہو جاتا ہے۔ امام داؤد ظاہری اور ایک قول میں امام احمد' امام اسحٰق' ابوعبیدہ وغیرھم نے اس حدیث کے مفہوم کے مطابق کہا ہے کہ رضاعت کا حکم تین مرتبہ پینے سے ثابت ہوتا ہے دو دفعہ پینے سے نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پانچ مرتبہ پینے سے رضاعت ثابت

ہوتی ہے اور انہوں نے آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ سے استدلال کیا ہے اور ظاہر ہے کہ منطوق مفہوم سے زیادہ قوی ہوتا ہے کیونکہ عرف عام میں لوگوں میں مروج ہے کہ جب وہ یہ بولتے ہیں کہ یہ ایک یا دو سے ثابت نہیں ہوتا تو اس کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ تین مرتبہ سے ثابت ہو جائے گا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ مطلق تعداد و کثرت کا مقتضی ہے۔ رہا جمہور کا مذہب کہ حکم رضاعت قلیل و کثیر دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد

وامھاتکم اللاتی ارضعنکم (۴ : ۲۳) سے استدلال کیا ہے حالانکہ اس میں ان کیلئے کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ ماں کا لفظ اس کا تقاضا کر رہا ہے کہ دودھ پلانے والی کی حرمت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اس نے تین مقدار میں دودھ پلایا ہو جس سے وہ ماں کہلانے کی مستحق بن جائے۔ اس وصف سے متصف وہی ہو سکتی ہے جس نے بچہ کو جنم دیا ہو یا جو اس کے بدن کا جز بن گیا ہو اور وہ دودھ ہے جو کہ بدن کا جز بنتا ہے اور یہ صرف مجرد رضاعت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے ثبوت کیلئے کافی مقدار ناگزیر ہے۔ پھر کس قدر دودھ بچے کا جزو بدن بنتا ہے' اس کی مقدار معلوم نہیں۔ اس لئے شارع نے جو مقدار مقرر کی ہے اس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور جب میں نے گہری اور عمیق نظر سے غور کیا تو دیکھا کہ رضاعت کے سلسلہ کی تمام احادیث اسی علت و سبب کے گرد گردش کرتی ہیں اور اس کیلئے بھوک کی شرط اور آنتوں کو کھولنے کی شرط اور ہڈیوں کی نشوونما اور موٹا کرنے کی شرط اور گوشت اگانے اور پیدا کرنے کی شرط اور اس رضاعت کا دو سال کے دوران ہونا اور بڑے آدمی کی رضاعت کا کوئی اعتبار نہ کیا جانا یہ تمام اسی علت و سبب کی وجہ سے ہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ آیت قرآنیہ جمہور کے مذہب کی تائید نہیں کرتی بلکہ اس مسلک کی تائید کرتی ہے جسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور یہاں حدیث اور آیت قرآن میں باہم تعارض نہیں ہے بلکہ دونوں میں کلی توافق اور ہم آہنگی اور موافقت ہے۔ اگر مطلق رضاعت ہی مراد ہوتی تو پھر اس طرح کہنا چاہئے تھا النساء اللاتی ارضعنکم وہ عورتیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا۔

(۹٦٥) وَعَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ضرور غور کر لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں کیونکہ رضاعت اس وقت معتبر ہے جب دودھ بھوک کے وقت پیا جائے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ انظرن من اخوانکن ﴾ انظرن امر کا صیغہ ہے مطلب ہے رضاعت کے معاملہ میں پوری تحقیق' پوری احتیاط اور بالغ نظری سے کام لیا جانا چاہئے اور اس کی علت و وجہ "فانما الرضاعۃ من المجاعۃ" سے بیان کر دی۔ یعنی وہ رضاعت جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ہے جو بچپن میں

ہو اور دودھ اس بچے کی بھوک ختم کر دے اور اس کے ذریعہ گوشت پیدا ہو تو پھر اس عورت کی اولاد کے ساتھ حرمت میں شریک ہو جائے گا۔ پس آنے والی دونوں احادیث ہم معنی ہیں۔ "لارضاع الا ما انشز العظم وانبت اللحم" رضاعت ہڈیوں کو مضبوط بنانے اور گوشت جسم پر پیدا کرنے کا نام ہے۔ رضاعت سے حرمت اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ وہ رضاعت انتڑیوں کو کھول دے۔ جیسا کہ امام ابوعبید نے کہا ہے۔ (سبل السلام)

حاصل کلام : اس حدیث میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے ۔ اس وقت میرے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بات آپؐ کی طبع مبارک پر گراں گزری اور میں نے چہرۂ انور پر ناراضگی کے آثار ملاحظہ کئے تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! یہ تو میرا رضاعی بھائی ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا غور سے دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں؟

(٩٦٦) وَعَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ سَالِماً مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ مَعَنَا، فِي بَيْتِنَا، وَقَدْ بَلَغَ مَا يَبْلُغُ الرِّجَالُ، فَقَالَ: «أَرْضِعِيهِ، تَحْرُمِي عَلَيْهِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سھلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا آئیں اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! سالم ابوحذیفہ کا آزاد کردہ غلام ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ ہی رہتا ہے وہ مرد کی حد بلوغت کو پہنچ گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اسے اپنا دودھ پلا دو' تو اس پر حرام ہو جائے گی۔ (مسلم)

لغوی تشریح : ﴿ ارضعیہ ﴾ قاضی عیاض نے کہا ہے ممکن ہے سھلہ نے اپنا دودھ نکال کر پلایا ہو اور پستان کو چھونے کی نوبت ہی نہ آئی ہو اور نہ دونوں کے جسم باہم ملے ہوں۔ جیسا کہ نووی رحمہ اللہ نے ان سے یہ ذکر کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ سھلہ نے پانچ بار دودھ پلایا پس وہ اس کے بچے کی جگہ ہوگیا۔ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے کہ اس میں پانچ بار دودھ پلانے کا بیان ہے یہ پانچ بار پلایا جانا پہچانا اور ثابت شدہ ہے۔ یہ حدیث بڑی عمر کے آدمی کے دودھ پینے پر حرمت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے اور یہی رائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور داؤد ظاہری کی ہے۔ لیکن یہ پہلی حدیث کے معارض ہے نیز ام سلمہ رضی اللہ عنہا' ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنے والی حدیث کے بھی معارض ہے اور یہ احادیث اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ رضاعت دو سال کے دوران کی حرمت ثابت کرتی ہے اس کے بعد کی رضاعت نہیں۔ جمہور نے اس قصہ کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ان کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس کے سوا دوسروں کی طرف اس کا حکم متعدی نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رضاعت کے معاملہ میں بچپن کا اعتبار کیا جائے گا الاّ یہ کہ جب کوئی حاجت و ضرورت اس کی داعی ہو۔ جیسا کہ بڑی عمر کے آدمی کی رضاعت کا مسئلہ جسے عورت کے پاس جانا ناگزیر ہے اور عورت کا اس سے

(پردہ) کرنا بھی دشوار ہے۔ جیسا کہ سالم کا ابوحذیفہ کی بیوی کے ساتھ مسئلہ تھا اس طرح کے بڑی عمر کے آدمی کو جب ضرورت و حاجت کیلئے عورت نے دودھ پلایا تو اس مرد کا دودھ پینا موثر ہوگا اور ایسی صورت کے علاوہ دودھ پینے کی مدت بچپن کی عمر ہے۔ (سبل السلام)

راوی حدیث: ﴿ سهلة رضی اللہ عنہا ﴾ سهلہ بنت سهيل بن عمرو القرشیۃ بنو عامر بن لوی میں سے تھیں۔ قدیم الاسلام تھیں۔ اپنے شوہر ابوحذیفہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور ان کے ہاں محمد بن ابی حذیفہ پیدا ہوئے۔

﴿ سالم رضی اللہ عنہ ﴾ سالم بن معقل۔ ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام۔ ان کو ایک انصاری خاتون نے خریدا تھا۔ ان کا نام لیلیٰ بتایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ثبیۃ تھا۔ ان سے پھر ابوحذیفہ نے نکاح کر لیا تھا اور سالم ان کے ساتھ ہی آیا تھا۔ ابوحذیفہ نے اسے اپنا لے پالک بنالیا تھا اور اسے اپنا حلیف قرار دے لیا تھا۔ سالم معرکہ بدر میں حاضر تھے۔ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو جن چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم دیا تھا سالم مولی ابو حذیفہ ان چاروں میں سے ایک تھے۔ نبی ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے قبا میں یہی مہاجرین کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے حالانکہ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ان مہاجرین میں شامل تھے۔

﴿ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ ﴾ ایک قول کے مطابق ان کا نام مھشم تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہاشم بن عتبہ بن عبد شمس تھا۔ یہ بڑے فضلاء صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔ غزوات بدر و احد اور ان کے بعد والے غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ جنگ یمامہ کے روز قتل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے' اس وقت ان کی عمر ۵۳ برس تھی۔

(۹۶۷) وَعَنْهَا أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا بَعْدَ الْحِجَابِ ، قَالَتْ: فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَخْبَرْتُهُ الَّذِي صَنَعْتُهُ ، فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ ، وَقَالَ: إِنَّهُ عَمُّكِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابوالقعیس کا بھائی افلح حجاب کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آنے کیلئے اجازت طلب کرتا رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے کہ میں نے انہیں اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے سارا واقعہ آپؐ کو سنایا جو میں نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ ''میں ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیا کروں اور فرمایا کہ وہ تمہارا چچا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت کا دودھ پی لیا جائے اس کا شوہر اس کا باپ ہوگا۔ اب جو رشتے ماں' باپ کی جانب سے حرام ہوتے ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جائیں گے۔ افلح حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا اس لئے ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوالقعیس کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ دودھ کی پیدائش میں مرد و عورت دونوں کے نطفہ کا دخل ہوتا ہے' اس لئے رضاعت بھی دونوں کی جانب سے ہوئی۔ اس لئے حرمت بھی ثابت ہو گئی۔

راوی حدیث: ﴿ افلح ﴾ ابوالجعد ان کی کنیت اور نام افلح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا بھائی ابوالقعیس تھا۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام جعد تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وائل بن افلح اشعری ان کا نام تھا اور ان کے بھائی کا نام افلح تھا۔ اس طرح اس کا نام اس کے باپ کا ہم نام ہوا۔ معلوم رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا دو تھے۔ ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا' دوسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دودھ پلانے والی کا دیور' جیٹھ تھا۔ ان کا نام افلح تھا۔ ابوالقعیس کا بھائی اور ابوالقعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی باپ تھا۔

(٩٦٨) وَعَنْهَا قَالَتْ: كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَشْرَ رَضَعَاتٍ مَّعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَّعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قرآن میں یہ حکم نازل کیا گیا تھا کہ دس بار دودھ پینا جبکہ اس کے پینے کا یقین ہو جائے نکاح کو حرام کرتا ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ پانچ بار (یعنی دودھ پینے کے حکم) سے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی' اس وقت پانچ کی تعداد قرآن میں پڑھی جاتی تھی۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ معلومات ﴾ محقق و ثابت شدہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب رضاعت مشکوک ہو تو حرمت کا فائدہ نہیں دیتی۔ ﴿ وهي فيما يقرا من القرآن ﴾ يقرا صیغۂ مجہول ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ پانچ کی تعداد کا نسخ اتنی تاخیر سے ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا واقع پیش آ گیا اور بعض لوگ پھر بھی ان پانچ کی تعداد کو قرآن سمجھ کر تلاوت کرتے رہے کیونکہ آپؐ کی وفات کے بالکل ساتھ ہی ان کا منسوخ ہونا نازل ہوا تھا اور لوگوں کو اس کی خبر نہ ہوئی تھی۔ آپؐ کی وفات کے بعد جب ان کو نسخ کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے رجوع کر لیا اور سب متفق ہو گئے کہ اب اس کی تلاوت نہیں کی جائے گی۔ پھر اس کا ذکر کیا کہ نسخ کی تین انواع ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ جس کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوں جیسے دس مرتبہ دودھ پینے والی آیت' دوسری یہ کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہو مگر اس کا حکم باقی رہے۔ جیسے پانچ مرتبہ دودھ پینے کی آیت اور آیت رجم اور تیسری یہ کہ جس کا حکم تو منسوخ ہو چکا ہو مگر تلاوت اس کی باقی ہو اور ایسا تو اکثر ہے' جیسے آیت وصیت ہے۔

(٩٦٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُرِيدَ عَلَى ابْنَةِ حَمْزَةَ، فَقَالَ: «إِنَّهَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آمادہ کیا گیا کہ آپؐ اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔ تو آپؐ نے فرمایا "وہ میرے لئے

لاَ تَحِلُّ لِي، إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حلال نہیں اس لئے کہ وہ میرے رضائی بھائی کی بیٹی ہے۔ جو عورت رشتہ و نسب سے حرام ہے وہی رضاعت سے بھی حرام ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ اريد على ابنه حمزة ﴾ اريد فعل، صیغہ مجہول۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے کہا گیا کہ اس لڑکی سے نکاح کر لیں۔ نیل الاوطار میں ہے کہ وہ شخص جس نے اس لڑکی کا نبی ﷺ سے نکاح کے ارادہ کا اظہار کیا ہے وہ علی بن ابی طالب تھے اور حمزہ کی اس صاحبزادی کے نام میں کئی اقوال ہیں۔ مثلاً امامہ، سلمیٰ، فاطمہ، عائشہ، امۃ اللہ، عمارہ اور یعلیٰ۔ یہ لڑکی نبی ﷺ کے رضاعی بھائی کی بیٹی اس طرح بنتی تھی کہ نبی ﷺ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ثویبہ نے اپنا دودھ پلایا تھا اس طرح حضور ﷺ اور حمزہ رضی اللہ عنہ چچا بھتیجا ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بھائی بھی تھے اور ثویبہ ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔

(٩٧٠) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلاَّ مَا فَتَقَ الأَمْعَاءَ، وَكَانَ قَبْلَ الفِطَامِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ هُوَ وَالحَاكِمُ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دودھ پینے کو کوئی تقسیم حرام نہیں کرتی مگر وہ قسم جو انتڑیوں کو کھول دے اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور حاکم دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿ لا يحرم ﴾ يحرم میں "را" پر تشدید مکسورہ۔ ﴿ الا مافتق الامعاء ﴾ اس جملہ میں ما موصولہ مرفوع ہے کیونکہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور امعاء مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رضاعت یا دودھ جو بچے کی آنتوں کو کھول دے اس کے علاوہ اور کوئی غذا حرمت ثابت نہیں کرتی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دودھ بچے کی آنتوں میں رواں ہوتا ہے اور غذا کی جگہ واقع ہوتا ہے۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ دودھ ان اوقات میں پلایا جائے جو اس کی غذا بننے کے اوقات ہوں اور "امعاء" معی کی جمع ہے۔ (معی کے میم کے نیچے کسرہ عین پر فتحہ اور "یا" ساکن) پیٹ میں خوراک کی جگہ ﴿ الفطام ﴾ "فا" کے نیچے کسرہ۔ بچے کو دودھ چھڑانا۔

(٩٧١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: لاَ رِضَاعَ إِلاَّ فِي الحَوْلَيْنِ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَابْنُ عَدِيٍّ مَرْفُوعاً وَمَوْقُوفاً، وَرَجَّحَا المَوْقُوفَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کوئی رضاعت معتبر نہیں سوائے اس رضاعت کے جو دو سال کے دوران میں ہو۔ (اسے دارقطنی اور ابن عدی نے مرفوع اور موقوف روایت کیا ہے مگر ترجیح دونوں نے موقوف کو دی ہے)

(۹۷۲) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لاَ رَضَاعَ إِلاَّ مَا أَنْشَزَ الْعَظْمَ، وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ» .أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "رضاعت وہی معتبر ہے جو ہڈیوں کی نشوونما کرے' بڑھائے اور گوشت پیدا کرے۔" (ابوداؤد)

لغوی تشریح: ﴿ما انشز العظم﴾ جو ہڈی کو مضبوط و قوی کرے۔ پختہ کرے اور اس کا حجم بڑھائے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ وہی رضاعت حرمت ثابت کرتی ہے جو دو سال کی عمر میں پی گئی ہو۔ اس لئے کہ بچہ اسی سے نشوونما پاتا ہے۔ اس کی ہڈیاں مضبوط اور قوی ہوتی ہیں اور گوشت بنتا ہے۔

(۹۷۳) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الحَارِثِ أَنَّهُ تَزَوَّجَ أُمَّ يَحْيَى بِنْتَ أَبِي إِهَابٍ، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا، فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: كَيْفَ؟ وَقَدْ قِيلَ، فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَنَكَحَتْ زَوْجاً غَيْرَهُ. أَخْرَجَهُ البُخَارِيُّ.

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ عقبہ نے نبی ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا "اب تم اسے کس طرح اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو جبکہ رضاعت کی اطلاع دے دی گئی ہے۔" چنانچہ عقبہ نے اس عورت کو جدا کر دیا اور اس خاتون نے دوسرے آدمی سے نکاح کر لیا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿کیف؟ وقد قیل﴾ مطلب یہ ہے کہ اب تو اس سے لطف صحبت کیسے اٹھا سکتا ہے اور اس کے قریب کیونکر جا سکتا ہے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ جو کچھ بیان کی گئی ہے اور ایک روایت میں ہے نبی ﷺ نے عقبہ کو اس عورت سے ممانعت کر دی۔ اس حدیث کی رو سے سلف کی ایک جماعت جس میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ہیں کہتے ہیں کہ رضاعت کے مسئلہ میں صرف ایک عورت کی شہادت قبول کی جائے گی مگر جمہور اس کے قائل نہیں۔ ان میں بعض نے کہا ہے کہ دودھ پلانے والی کی گواہی مزید تین عورتوں کی شہادت کے ساتھ قبول کی جائے گی بشرطیکہ معاوضہ کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تو مخفی نہیں ہے کہ نہی حقیقت حرمت پر دلالت کرتی ہے اور اسے حقیقی معنی سے اسی وقت خارج کیا جائے گا جبکہ کوئی قرینہ صارفہ ہوگا اور دودھ پلانے والی عورت کی شہادت کو قبول نہ کرنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے لی گئی ہے: واستشهد واشهيدين من اجالكتم (۲: ۲۸۲) لیکن یہ دلیل مفید نہیں کیونکہ عام کی بنا خاص پر واجب ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس حدیث نے قرآن پاک کے عام حکم کو خاص کر دیا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ ﴾ ابو سروعہ' سروعہ کے سین کے نیچے کسرہ۔ "را" ساکن اور "واؤ" پر فتحہ۔ عقبہ بن حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف مکی۔ مشہور صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والوں میں سے ہیں۔ اس کے بعد وہ پچاس برس تک زندہ رہے۔

﴿ ام یحیی ﴾ ان کا نام غنیہ ہے۔ غین پر فتحہ' نون کے نیچے کسرہ اور "یاء" پر تشدید۔ غنیہ بنت ابی اھاب بن عویر تمیمی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام زینب تھا۔

(۹۷٤) وَعَنْ زِيَادٍ السَّهْمِيِّ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تُسْتَرْضَعَ الْحَمْقَى. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ. وَهُوَ مُرْسَلٌ، وَلَيْسَتْ لِزِيَادٍ صُحْبَةٌ.

حضرت زیاد سہمی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے احمق و کم عقل عورتوں کا دودھ پلانے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے ابوداؤد نے نکالا ہے اور یہ مرسل ہے کیونکہ زیاد کو صحابی ہونے کا شرف حاصل نہیں)

لغوی تشریح: ﴿ تسترضع الحمقی ﴾ صیغہ مجہول۔ اس سے دودھ پلانے کا مطالبہ و تقاضا کرنا اور حمقیٰ احمق سے فعلیٰ کے وزن پر زیادہ بیوقوف۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غبی' کم عقل اور بیوقوف عورتوں سے دودھ نہ پلوایا جائے۔ اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ دودھ میں طبیعت اور مزاج کا اثر ہوتا ہے۔ لڑکا یا لڑکی بھی اسی وجہ سے اگر کم عقل اور احمق بن جائے تو اس سے بڑی آفت اور مصیبت کیا ہوگی۔ یہ تو دین و دنیا دونوں کیلئے مضر اور نقصان دہ ہے۔ علماء اسلام میں سے امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ نے تو بدکار اور بے دین عورت کے دودھ پلانے سے بھی منع کیا ہے اور اس سے تو انکار مشکل ہے کہ دودھ کے اپنے طبعی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگر مرضعہ صحت مند' تنومند' سیرت و کردار اور اخلاق حسنہ کی حامل ہوگی تو اس کے اثرات دودھ پینے والے بچوں پر لازماً پڑیں گے۔ اس لئے اس پہلو سے یہ بھی ارشاد گرامی بڑا قابل قدر ہے۔

راوی حدیث: ﴿ زیاد سہمی ﴾ تقریب میں ہے کہ یہ تیسرے طبقہ کا آدمی ہے۔ مرسل حدیث بیان کرتا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام ہے۔ صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے اس کا ذکر صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہیں کیا۔

۱۳ - بَابُ النَّفَقَاتِ

نفقات کا بیان

(۹۷۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَتْ هِنْدٌ بِنْتُ عُتْبَةَ، امْرَأَةُ أَبِي سُفْيَانَ، عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، لَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہند بنت عتبہ' ابوسفیان کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے۔ مجھے وہ اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کیلئے کافی ہو مگر

يُعْطِينِيْ مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِيْنِيْ، وَيَكْفِي بَنِيَّ، إِلاَّ مَا أَخَذْتُ مِنْ مَّالِهِ بِغَيْرِ عِلْمِهِ، فَهَلْ عَلَيَّ فِيْ ذٰلِكَ مِنْ جُنَاحٍ؟ فَقَالَ: «خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ، وَيَكْفِي بَنِيكِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ کہ میں پوشیدہ طور پر کچھ لے لوں تو ایسا کرنے میں مجھ پر کوئی گناہ ہو گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "بھلے طریقے سے تم اتنا مال لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کیلئے کافی ہو۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب النفقات﴾ نفقہ کی جمع ہے "نون' فا اور قاف" تینوں پر فتحہ' انفاق سے اسم ہے نفقہ کہتے ہیں انسان کا نقدی خورد ونوش اور پینے کی اشیاء پر جو خرچ کرنا ہے۔ ﴿شحیح﴾ شح سے ماخوذ ہے۔ وہ لالچ و حرص جس کے ساتھ بخل بھی شامل ہو اور ﴿معروف﴾ سے مراد اپنی وسعت و طاقت کے مطابق خرچ کا جو اندازہ لوگوں میں متعارف ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند اگر استطاعت کے باوجود اخراجات پورے ادا نہ کرے تو بیوی اس کو بتائے بغیر اتنا خرچہ اس کے مال سے لے سکتی ہے جو معروف کے درجہ میں آتا ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنا جائز حق جس طرح وصول ہو سکتا ہو' کیا جا سکتا ہے۔ ناانصافی کے ازالے کی غرض سے شکوہ و شکایت غیبت کے زمرہ میں نہیں آتی۔ خواہ وہ نقص و برائی متعلقہ شخص میں پائی جاتی ہو۔ بیوی عدالت میں اپنے شوہر کی شکایت لے جانے کی مجاز ہے۔ یہ شکایت بھی غیبت میں شمار نہیں اگر یہ غیبت کی تعریف میں آتا تو رسول اللہ ﷺ ہند کو منع فرما دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ عورت عدالت کے ذریعہ اپنے حقوق حاصل کرنے کی شرعاً مجاز ہے۔

راوی حدیث: ﴿ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہا﴾ اس نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے شوہر ابوسفیان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسلام قبول کیا۔ اس کا والد عتبہ' چچا شیبہ اور بھائی ولید غزوۂ بدر کے روز قتل ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ اس کی طبیعت پر بڑا شاق گزرا۔ پس جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تو اس نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبایا مگر نگل نہ سکی اور باہر پھینک دیا۔ ۱۴ھ کو محرم میں وفات پائی اور اس کے علاوہ بھی مختلف سنوں کا ذکر کیا ہے۔

﴿ابوسفیان رضی اللہ عنہ﴾ صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔ نبی ﷺ کے ساتھ معرکہ آرائی میں کفار کے علمبردار' قائد اور سپہ سالار فوج تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام اس وقت قبول کیا جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی پناہ و حفاظت میں ان کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے جانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ دخول مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے قبول اسلام کو بہت عمدہ اور اچھا ثابت کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔

(۹۷۶) وَعَنْ طَارِقٍ الْمُحَارِبِيِّ، قَالَ: قَدِمْنَا المَدِينَةَ، فَإِذَا رَسُولُ اللهِ

حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم مدینہ میں آئے تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے لوگوں سے

ﷺ قَآئِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَخْطُبُ النَّاسَ، وَيَقُولُ: «يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، أُمَّكَ، وَأَبَاكَ، وَأُخْتَكَ، وَأَخَاكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ». رَوَاهُ النَّسَآئِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

خطاب فرما رہے تھے۔ فرماتے تھے "دینے والا ہاتھ بالا و بلند ہوتا ہے۔ اور ان سے شروع کر جو تمہاری کفالت میں ہیں۔ ان میں تیری ماں' تیرا باپ' تیری بہن اور تیرا بھائی شامل ہیں پھر درجہ بدرجہ اپنے سب سے زیادہ قریبی کو دے۔" (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور دارقطنی نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿ وابدا بمن تعول ﴾ یعنی خرچ کا آغاز ان سے کرو جن کا خرچہ تم پر واجب ہے۔ جب وہ خورد و نوش اور لباس وغیرہ کے محتاج ہوں۔ ﴿ امک واباک ﴾ منصوب فعل مقدر کی وجہ سے یعنی ان کا نان و نفقہ ضرور مہیا کر اور اپنے مال میں سے ان کو دے۔ ﴿ ادناک فادناک ﴾ درجہ بدرجہ قرابت کے اعتبار سے۔

راوی حدیث: ﴿ طارق بن عبداللہ محاربی رضی اللہ عنہ ﴾ صحابی ہیں۔ محارب بن خصفہ جو بنو غطفان کا قبیلہ ہے کی طرف نسبت کی وجہ سے محاربی کہلائے۔ ان سے چند احادیث مروی ہیں۔ انہوں نے ذوالمجاز میں ہجرت سے پہلے نبی ﷺ کو دیکھا تھا۔

(٩٧٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلاَ يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلاَّ مَا يُطِيقُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "غلام کا کھانا پینا اور لباس مہیا کرنا مالک پر واجب ہے اور طاقت سے بڑھ کر کام کی تکلیف نہ دی جائے۔" (مسلم)

(٩٧٨) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا حَقُّ زَوْجَةِ احَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: «أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلاَ تُقَبِّحْ» - اَلْحَدِيثُ - وَتَقَدَّمَ فِي عِشْرَةِ النِّسَآءِ.

حضرت حکیم بن معاویہ قشیری کی اپنے باپ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم میں سے ہر ایک پر اس کی اہلیہ کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا "جب خود کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ۔ جب خود پہنو تو اس کو بھی پہناؤ اور اس کے منہ پر نہ مارو اور اسے قبیح نہ کہو۔" (لمبی حدیث ہے جو عشرۃ النساء کے باب میں پہلے گزر چکی ہے۔)

(٩٧٩) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے حج کے بارے میں لمبی

تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فِي حَدِيْثِ الحَجِّ بِطُوْلِهِ، قَالَ فِيْ ذِكْرِ النِّسَآءَ: «وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالمَعْرُوفِ». أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے عورتوں کے بارے میں فرمایا "تم پر تمہاری بیویوں کا یہ حق ہے کہ ان کو کھانا پینا اور لباس بھلے طریقہ سے دیا کرو۔" (مسلم)

(۹۸۰) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ؛ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَفَى بِالمَرْءِ إِثْماً أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ». رَوَاهُ النَّسَآئِيِ، وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ بِلَفْظِ «أَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوْتَهُ».

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک انسان کیلئے یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی روزی کا ذمہ دار و کفیل ہے ان کو ضائع کر دے۔" (نسائی) اور مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ "جس کی روزی کا مالک ہے اسے روک لے۔"

لغوی تشریح: ﴿كفى بالمرء اثما﴾ اس کے گنہگار و خطا کار ہونے کیلئے کافی ہے یا یہ معنی کہ اس کیلئے یہی گناہ کافی ہے۔ ﴿ان يضيع﴾ "تضيع" سے ماخوذ ہے۔ اسے چھوڑ دے۔ ایسی حالت میں کہ اسے ہلاک و ضائع کرنے والا ہو۔ ﴿من يقوت﴾ جس کی عیال داری کا ذمہ دار ہے، جسے روزی دیتا ہے، کھانے پینے کا بندوبست و انتظام کرتا ہے اس میں من موصولہ یضیع کا مفعول واقع ہو رہا ہے۔

(۹۸۱) وَعَنْ جَابِرٍ، يَرْفَعُهُ، فِي الحَامِلِ ٱلْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، قَالَ: لاَ نَفَقَةَ لَهَا. أَخرَجَهُ البَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، لَكِن قَالَ: المَحْفُوظُ وَقْفُهُ، وَثَبَتَ نَفْيُ النَّفَقَةِ فِيْ حَدِيْثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، كَمَا تَقَدَّمَ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس حاملہ کے بارے میں جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اس کیلئے نفقہ نہیں ہے۔ (اس کو بیہقی نے نکالا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس کا موقوف ہونا ہی محفوظ ہے۔ نفقہ کی نفی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں دلیل ہے کہ جس حاملہ خاتون کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کیلئے نفقہ نہیں، تو جو غیر حاملہ ہو بالاولیٰ اس کیلئے نفقہ نہیں اور مطلقہ ثلاثہ غیر حاملہ کیلئے نہ نفقہ ہے اور نہ رہائش اور مطلقہ ثلاثہ حاملہ کیلئے نفقہ ہے رہائش نہیں۔ بیوہ غیر حاملہ کیلئے نفقہ نہیں رہائش ہے اور بیوہ حاملہ کیلئے رہائش ہے مگر نفقہ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس کیلئے نفقہ نہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ نفقہ و رہائش کی بحث اس وقت تک ہے جب کہ عورت عدت میں ہو۔ عدت گزرنے کے بعد تو وہ کسی چیز کا استحقاق نہیں رکھتی۔

(۹۸۲) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اليَدُ العُلْيَا خَيْرٌ مِنَ اليَدِ السُّفْلَى، وَيَبْدَأُ أَحَدُكُمْ بِمَنْ يَعُولُ، تَقُولُ المَرْأَةُ: أَطْعِمْنِي أَوْ طَلِّقْنِي». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ تم میں ہر کوئی اس سے آغاز و ابتدا کرے جس کی وہ عیالداری کرتا ہے۔ ایسا نہ ہو بیوی کہنے لگے کہ نان و نفقہ دو یا طلاق دو۔" (اس کو دارقطنی نے حسن سند سے روایت کیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند اگر بیوی کا نفقہ دیدہ و دانستہ پورا نہ کرے یا مالی حالت کی کمزوری کی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو بیوی شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہو گی۔

(۹۸۳) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ المُسَيَّبِ، فِي الرَّجُلِ لاَ يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلَىٰ أَهْلِهِ، قَالَ: يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا. أَخْرَجَهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيْ الزِّنَادِ، عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ لِسَعِيْدٍ: سُنَّةٌ؟ فَقَالَ: سُنَّةٌ. وَهٰذَا مُرْسَلٌ قَوِيٌّ.

اور حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے ایسے آدمی کے متعلق مروی ہے جو اپنی بیوی کو نان و نفقہ نہ دے سکے کہ ان کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی۔ اس روایت کو سعید بن منصور نے سفیان سے اور انہوں نے الزناد سے روایت کیا ہے کہ میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا: کیا یہ سنت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں سنت ہے۔ (یہ روایت مرسل قوی ہے۔)

حاصل کلام: اس روایت کی رو سے شوہر نان و نفقہ نہ دے تو میاں بیوی کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت اور فقہاء ائمہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ فسخ نکاح کا اختیار عورت کو دیتے ہیں۔ ظاھریہ کا بھی یہی قول ہے لا ضرر ولا ضرار والی حدیث کو بھی اس کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ احناف کا قول ہے کہ نفقہ نہ ہونے کی صورت میں فسخ نکاح کا اختیار عورت کو نہیں۔ انہوں نے دلیل میں قرآن حمید کی آیت ومن قدر علیه رزقه پیش کی ہے۔ مگر علامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب عورت نے مرد سے نکاح کیا اس وقت مرد تندرست تھا اور مرد کی تنگ دستی کا عورت کو علم بھی تھا یا نکاح کے وقت مرد کی مالی حالت تسلی بخش تھی مگر بعد میں کسی وجہ سے تنگ دستی کا شکار ہو گیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ کیونکہ حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ آج تنگ دستی ہے تو کل فراخ دستی بھی ہو سکتی۔ بصورت دیگر عورت کو حق ہو گا کہ وہ فسخ نکاح کا اختیار رکھے اور اسے استعمال کرنا چاہے تو استعمال بھی کرے۔ جن علماء و فقہاء نے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے ان میں سے امام مالک رحمہ اللہ خاوند کو ایک ماہ کا وقت دیتے ہیں اور امام

شافعی رحمہ اللہ صرف تین دن اور حماد نے ایک سال کی میعاد دی ہے۔

راوی حدیث : ﴿ **سفیان** ﴾ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری۔ ابوعبداللہ کوفی۔ بڑے ائمہ کرام میں سے ایک ہیں۔ ان کے امام ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اتقان' ضبط حفظ' معرفت اور زھد و ورع کے اوصاف سے متصف تھے۔ ۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

﴿ **ابوالزناد** ﴾ عبداللہ بن ذکوان اموی۔ ان کے مولیٰ مدنی تھے۔ بڑے ائمہ میں شمار ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے ثقہ ہیں۔ امیرالمومنین ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابوالزناد عن الاعرج عن ابی ھریرہ صحیح ترین سند ہے۔ ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

(٩٨٤) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ كَتَبَ إِلَىٰ أُمَرَآءِ الأَجْنَادِ، فِي رِجَالٍ غَابُوا عَنْ نِّسَآئِهِمْ: أَنْ يَأْخُذُوهُمْ بِأَنْ يُنْفِقُوا، أَوْ يُطَلِّقُوا، فَإِنْ طَلَّقُوا بَعَثُوْا بِنَفَقَةِ مَا حَبَسُوا. أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ ثُمَّ الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے امراء لشکر کو ایسے مردوں کے بارے میں تحریر فرمایا جو فوج میں شریک رہنے کی وجہ سے اپنی بیویوں سے غائب تھے کہ وہ اپنی بیویوں کو نفقہ روانہ کریں ورنہ طلاق دے دیں۔ اگر طلاق دیں تو جتنی مدت انہوں نے روکے رکھا ہے اس کا نفقہ روانہ کریں۔ (اسے امام شافعی رحمہ اللہ اور بیہقی نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح : ﴿ **امراء الاجناد** ﴾ قائدین لشکر۔ اجناد جند کی جمع ہے لشکر کو کہتے ہیں۔ یہ روایت اور پہلی دونوں احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ شوہر پر بیوی کا خرچہ واجب ہے۔ پھر اگر تنگ دست ہو یا ٹال مٹول سے کام لے تو عورت کو اختیار ہے اس سے علیحدگی اور فرقت کا۔ جمہور اہل علم امام مالک رحمہ اللہ' امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور اہل ظواہر اسی کے قائل ہیں۔ یہ جدائی اور علیحدگی فسخ ہوگی یا طلاق۔ اس میں دو قول ہیں۔ جس نے اسے طلاق ہی قرار دیا ہے اس نے کہا کہ یہ مقدمہ حاکم کے پاس لے جایا جائے گا تاکہ وہ شوہر پر لازم کرے کہ وہ نفقہ دے یا طلاق۔ پھر اگر وہ انکار کرے تو حاکم اسے طلاق رجعی دے دے۔ پھر اگر اس نے بیوی سے رجوع کر لیا تو عدالت دوسری طلاق دے دے گی۔ اب پھر اگر اس نے رجوع کر لیا تو عدالت تیسری طلاق دے گی اور جس نے اسے فسخ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں بھی مقدمہ حاکم وقت کی عدالت میں لے جانا ناگزیر ہے تاکہ وہ اپنی تنگ دستی کا ثبوت پیش کر سکے اس کے ثبوت پیش کرنے کے بعد نکاح فسخ کیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقدمہ حاکم کی عدالت میں لے جایا جائے گا تاکہ حاکم شوہر کو طلاق پر مجبور کرے یا نکاح فسخ کرے یا فسخ کی اس سے اجازت لے پھر اگر اس نے نکاح فسخ کیا یا فسخ کی اجازت دی تو اسے فسخ قرار دیا جائے گا طلاق نہیں۔ اس صورت میں رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ یہ بحث الھدیٰ اور سبل السلام سے ماخوذ ہے۔ اس مقام پر اور بھی بہت سے اقوال ہیں مگر اس تفصیل کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

حاصل کلام: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تحریری فرمان کا پس منظر یہ ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ گشت پر تھے۔ ایک ایسے خیمہ پر سے آپ کا گزر ہوا جس میں ایک خاتون شوہر کی جدائی کی طوالت پر دردناک شعر پڑھ رہی تھی۔ وہ اشعار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سن لئے۔ اس کا شوہر فوج میں ملازم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ ایک عورت خاوند کے بغیر کتنا عرصہ تک گزار سکتی ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ چار ماہ تک۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کے سپہ سالاروں کو حکم تحریر فرمایا کہ فوجیوں کو حکم دو کہ وہ چار ماہ بعد ضرور گھر آیا کریں ورنہ اپنی بیویوں کو طلاقیں دے دیں اور ساتھ ہی ان کا سابقہ نان و نفقہ بھی بھیج دیں۔

(٩٨٥) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! عِنْدِيْ دِيْنَارٌ؟ قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلَىٰ نَفْسِكَ»، قَالَ: عِنْدِيْ؟ آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلَىٰ وَلَدِكَ»، قَالَ: عِنْدِيْ آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلَىٰ أَهْلِكَ»، قَالَ: عِنْدِيْ آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلَىٰ خَادِمِكَ»، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْتَ أَعْلَمُ». أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَخْرَجَهُ النَّسَآئِيُّ وَالحَاكِمُ بِتَقْدِيمِ الزَّوْجَةِ عَلَى الوَلَدِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اپنے آپ پر خرچ کرو۔" اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا "اپنی اولاد پر خرچ کرو" وہ پھر بولا میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا "اپنی بیوی پر خرچ کرو۔" اس نے عرض کیا میرے پاس اور ہے۔ فرمایا "اپنے خادم پر خرچ کرو۔" وہ بولا میرے پاس اور ہے۔ فرمایا "تجھے خوب علم ہے کہ تو اسے کہاں خرچ کرے۔" (اس کی شافعی اور ابوداؤد نے تخریج کی ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور نسائی اور حاکم نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ اس میں ولد سے پہلے زوجہ کا ذکر ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت خاص سے نوازے اور اس کے پاس خرچ کرنے کی گنجائش ہو تو اس کے مصارف کی ترتیب کیا ہونی چاہئے۔ چنانچہ فرمایا کہ سب سے پہلا حق انسان پر اس کی اپنی جان کا ہے۔ اس کے بعد اسی ترتیب کے مطابق خرچ کرے۔ جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں جو یہ فرمایا کہ انت اعلم اور ایک دوسری روایت میں انت البصربہ بھی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ تو اس کے خرچ کرنے کی جگہ کا زیادہ علم رکھتا ہے کہ کہاں اور کس کو کتنا دینا چاہئے۔

(٩٨٦) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ، عَنْ

حضرت بھز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے باپ کے واسطہ

أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: «أُمَّكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أُمَّكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أُمَّكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أَبَاكَ، ثُمَّ الأَقْرَبَ فَالأَقْرَبَ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ.

سے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں حسن سلوک اور بھلائی کس کے ساتھ کروں؟ آپؐ نے فرمایا "اپنی والدہ کے ساتھ۔" میں نے پھر عرض کیا۔ پھر کس سے؟ آپؐ نے پھر فرمایا "اپنی والدہ سے" میں نے پھر عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا "اپنی والدہ سے" میں نے پھر عرض کیا۔ پھر کس سے؟ فرمایا "اپنے والد سے اس کے بعد پھر درجہ بدرجہ زیادہ قریبی رشتہ دار سے۔" (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے تخریج کیا اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ابر﴾ بر سے ماخوذ ہے۔ متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی احسان اور نیکی و بھلائی کے ہیں۔
حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا درجہ والد سے زیادہ ہے۔ ماں بچے کی وجہ سے جو تکلیفیں اور دکھ برداشت کرتی ہے اس وجہ سے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے۔ عورت کمزور اور صنف نازک ہے۔ بچے بڑے ہو کر ماں کے قابو اور کنٹرول میں بہت کم رہتے ہیں۔ ماں کی بے قدری کی جاتی ہے۔ شریعت نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی شدت سے تاکید کی ہے اور اولاد کو احساس دلایا ہے کہ ماں کو ہر ممکن طریقہ سے زیادہ سے زیادہ آرام اور راحت پہنچانی چاہئے۔ اس کے حکم کو بے چون و چرا ماننا اور تسلیم کرنا چاہئے۔ بشرطیکہ خلاف شرع حکم نہ دے۔

١٤ - بَابُ الحِضَانَةِ

پرورش و تربیت کا بیان

(٩٨٧) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ ابْنِي هٰذَا، كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً، وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً، وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً، وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي، وَأَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنِّي، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ، مَا لَمْ تَنْكِحِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ،

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! یہ جو میرا لخت جگر ہے میرا پیٹ اس کیلئے برتن تھا۔ میری چھاتی (پستان) اس کیلئے مشکیزہ اور میری آغوش اس کیلئے ٹھکانہ تھی۔ اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب وہ مجھ سے اس بچہ کو بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "جب تک تو دوسرا

وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

نکاح نہیں کرتی اس وقت تک تو ہی اس کی زیادہ حقدار ہے۔" (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ باب الحضافة ﴾ "حضافة" کی حا کے نیچے کسرہ حضانة کہتے ہیں بچے کی نگہبانی اور تربیت وپرورش کو اور مہلک و مضر چیزوں اور حالات سے بچانے اور ان سے محفوظ رکھنے کو اور یہ ماخوذ ہے۔ حضن الصبی یحضنه' سے۔ یہ باب نصر ینصر سے ہے معنی یہ ہے کہ جب بچے کو اپنے سینے سے لگایا اور اسے گود میں لیا اور اس کی تربیت کا انتظام واہتمام کیا اور حضن "حاء" کے نیچے کسرہ اور "ضاد" ساکن کی صورت میں بغل سے نیچے پسلی تک کے حصے کو کہتے ہیں۔ (جسے کوکھ کہتے ہیں) یا پھر سینے اور بازوؤں کے مابین حصہ کو کہتے ہیں۔ ﴿ وعاء ﴾ واؤ کے نیچے کسرہ اور مد۔ برتن اس حال میں کہ اس نے پیٹ میں بچے کو اٹھائے رکھا۔ ﴿ سقاء ﴾ سین کے نیچے کسرہ اور مد چمڑے سے ساختہ برتن یعنی مشکیزہ جس میں پانی اور دودھ محفوظ رکھتے ہیں یعنی دودھ پلانے کی وجہ سے اس نے اسے مشکیزہ کا نام دیا۔ ﴿ حجری ﴾ آغوش انسان' انسانی گود۔ ﴿ حواء ﴾ حواء کی "حا" کے نیچے کسرہ اور مد ہر اس چیز کا نام ہے جو دوسری چیز کو اپنی لپیٹ میں لے یا گود میں لے اور اسے اپنے ساتھ ملا لے یا جمع کر لے۔ یہ تین اوصاف وہ ہیں جو صرف ماں کے ساتھ مخصوص ہیں باپ سے ان کا کوئی تعلق نہیں تا کہ ان اوصاف و ممیّزات کے توسل سے ماں کا بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے استحقاق اور اس کی برتری و اولیت کا اثبات ہو۔ نبی ﷺ نے اس خاتون کیلئے اس بچہ کو برقرار رکھا اور اس پر حکم مرتب فرمایا۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے "الھدی" میں کہا ہے کہ اس میں دلیل ہے کہ احکام میں معانی اور علل کا اعتبار کیا جاتا ہے اور ان احکام کو ان معانی و علل کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے۔ یہ چیز فطرت سلیمہ میں جاگزیں ہوتی ہے حتیٰ کہ نسوانی فطرت و جبلت میں بھی پائی جاتی ہے اور نیل الاوطار میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ والدہ باپ کی نسبت بچے کی زیادہ مستحق ہے۔ اس وقت تک کہ کوئی مانع ماں کی طرف سے حاصل نہ ہو جیسے نکاح۔ ابن منذر نے اس پر اجماع بیان کیا ہے۔ (تلخیص) ابن حزم کے نزدیک نکاح سے تربیت و پرورش ساقط نہیں ہوتی۔ حالانکہ اس کا سقوط ہی قرین صواب ہے اور جمہور کی یہی رائے ہے۔

(۹۸۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ زَوْجِي يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِيْ، وَقَدْ نَفَعَنِيْ، وَسَقَانِيْ مِنْ بِئْرِ أَبِيْ عِنَبَةَ، فَجَآءَ زَوْجُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا غُلَامُ! هٰذَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت آئی اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میرا شوہر مجھ سے میرا بچہ چھیننا چاہتا ہے اور یہ بچہ میرے کام کاج میں مددگار ہے اور میرے لئے ابوعنبہ کے کنوئیں سے پانی لا کر دیتا ہے۔ اسی اثنا میں اس کا شوہر بھی آگیا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا "اے لڑکے! یہ

أَبُوكَ، وَهَذِهِ أُمُّكَ، فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ، فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

تیرا باپ ہے اور یہ تیری والدہ۔ ان دونوں میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے۔" اس بچہ نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے کر چلتی بنی۔ (اسے احمد اور چاروں نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ بئر ابی عنبۃ ﴾ عنبۃ کے عین کے نیچے کسرہ اور نون پر فتحہ۔ ماں نے اپنی حاجت و ضرورت کو بچہ کی طرف ظاہر کیا اور ماں اس بارے میں بچہ ہی سے زیادہ حق رکھتی تھی اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس بچہ پر دونوں قرعہ ڈالو" خاوند بولا میرے بچہ کے بارے میں مجھ سے کوئی نہیں جھگڑ سکتا۔ تو نبی ﷺ نے بچے کو مخاطب کر کے فرمایا "یہ تیرا باپ ہے الخ۔" اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث سے حاصل ہوا کہ بچہ جب صغر سنی میں ہو تو ماں اس کی زیادہ حقدار ہے اور جب سن شعور کو پہنچ جائے اور تربیت و پرورش کی اسے چنداں ضرورت نہ رہے تو اس صورت میں والدین کے درمیان اس بچے کو اختیار دیا جائے گا (جس کے ساتھ چاہے چلا جائے) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ' احمد رحمۃ اللہ علیہ' اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ اور عام اہلحدیث اسی طرف گئے ہیں اور انہوں نے استغناء کی عمر سات یا آٹھ سال مقرر کی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہل الرائے اختیار دینے کی طرف نہیں گئے۔ بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ماں بچیوں کی زیادہ حقدار ہے تاوقتیکہ ان کا نکاح ہو جائے اور باپ لڑکوں کا زیادہ حق رکھتا ہے تاوقتیکہ وہ جوان و بالغ ہو جائیں اور اہل الرائے کا قول ہے کہ جب بچہ مستغنی ہو جائے تو باپ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے مگر یہ حدیث اختیار کو واجب قرار دے رہی ہے جو ان کے خلاف حجت ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بچے کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس کے پاس رہنا پسند کرے اس کے پاس رہے اور اس سے پہلی حدیث میں والدہ کو زیادہ حق دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جس بچہ کا ذکر ہے وہ بڑا ہو گا اور سمجھدار ہو گا۔ اسی وجہ سے اسے اختیار دیا گیا کہ خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بچہ بڑی عمر کا ہو اور اپنی حفاظت میں والدین کا محتاج نہ ہو تو اسے شریعت نے اختیار دیا ہے کہ ماں باپ دونوں میں سے جس کے پاس چاہے رہے۔ یہ اختیار کتنی عمر کے بچے کو دیا جائے گا۔ فقہاء نے سات یا آٹھ سال مقرر کی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس امر میں بچے کی مصلحت اور خیر خواہی ہو اسے اختیار کرنا چاہئے۔ اگر ماں باپ کے مقابلہ میں زیادہ صحیح تربیت و پرورش اور حفاظت کرنے والی ہو اور نہایت غیرت مند خاتون ہو تو ماں کو باپ پر مقدم کیا جائے گا۔ اس موقع پر قرعہ اندازی یا اختیار میں سے کسی کا لحاظ نہیں کیا جائے گا کیونکہ بچہ تو نادان' کم عقل' ناعاقبت اندیش ہوتا ہے۔ ماں باپ میں سے جو بچہ کا زیادہ خیال رکھنے والا ہو' بچہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر باپ میں یہ اوصاف ماں کی بہ نسبت زیادہ ہوں تو بچہ باپ کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔ وہی اس کی پرورش و تربیت کا ذمہ دار ہو گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں ماں کے پاس رہیں گے اور احناف نے کہا کہ

لڑکی ماں کے پاس اور لڑکا باپ کے پاس رہے گا۔ قرین انصاف بات علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی معلوم ہوتی ہے۔

(٩٨٩) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ سِنَانٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ، وَأَبَتِ امْرَأَتُهُ أَنْ تُسْلِمَ، فَأَقْعَدَ النَّبِيُّ ﷺ الأُمَّ نَاحِيَةً، وَالأَبَ نَاحِيَةً، وَأَقْعَدَ الصَّبِيَّ بَيْنَهُمَا، فَمَالَ إِلَىٰ أُمِّهِ، فَقَالَ: «**اللَّهُمَّ اهْدِهِ، فَمَالَ إِلَى أَبِيهِ، فَأَخَذَهُ**». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

حضرت رافع بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خود مسلمان ہوگیا اور اس کی بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تو نبی ﷺ نے ماں کو ایک طرف اور باپ کو دوسرے گوشے میں بٹھا دیا اور بچے کو دونوں کے درمیان میں بٹھا دیا۔ تو بچہ ماں کی جانب مائل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی ”الٰہی اس بچہ کو ہدایت دے۔“ اس پر وہ بچہ باپ کی جانب مائل ہوگیا تو باپ نے بچے کو پکڑ لیا۔ (اس کی تخریج ابوداؤد اور نسائی نے کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: حدیث کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بچہ چھوٹا تھا ابھی تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ ”صبی“ کا لفظ اسی کا مقتضی ہے بلکہ ابوداؤد میں صاف طور پر منقول ہے کہ یہ جھگڑا ایک چھوٹے بچے کے بارے میں تھا اور وہ عورت دودھ چھڑانے والی یا اس کے مشابہ تھی۔ جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ بچہ چھوٹا تھا اور تمیز کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو پھر تنازع و جھگڑا بچہ کی حق حضانت کے بارے میں تھا۔ ولایت و سرپرستی میں نہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ کافر ماں کیلئے حضانت کا حق ثابت ہے لیکن اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ بچے کو تمیز کی اہلیت کے بعد والدین کے انتخاب میں اختیار دیا جائے گا خواہ والدین میں سے ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو۔

راوی حدیث: ﴿ رافع بن سنان رضی اللہ عنہ ﴾ ابوالحکم انصاری اوسی مدنی رضی اللہ عنہ۔ مشہور صحابی ہیں۔ الانساب میں ابوالقاسم بن سلام نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ عطبون کی اولاد میں سے ہیں اور وہ عامر بن ثعلبہ ہیں۔

(٩٩٠) وَعَنِ البَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى فِي ابْنَةِ حَمْزَةَ لِخَالَتِهَا، وَقَالَ: «**الخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الأُمِّ**». أَخْرَجَهُ البُخَارِيُّ.

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: وَالجَارِيَةُ عِنْدَ خَالَتِهَا فَإِنَّ الخَالَةَ وَالِدَةٌ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حمزہ کی بیٹی کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں فرمایا کہ ”خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔“ (بخاری) اور احمد نے اس کی تخریج حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کی ہے اور کہا ہے کہ ”لڑکی اپنی خالہ کے پاس ہوگی کیونکہ خالہ ماں ہے۔“

لغوی تشریح: ﴿ فان الخالة والدة ﴾ یعنی خالہ بمنزلہ ماں۔ اس بچی کی خالہ کا نام اسماء بنت عمیس تھا اور مذکورہ بچی کا نام عمارہ تھا اور امامہ بھی کہا گیا ہے۔ ان کی کنیت ام الفضل تھی۔ یہ فیصلہ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور زید کے درمیان جھگڑا کھڑا ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ اس کا زیادہ استحقاق میں رکھتا ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ یہ میری چچا زاد بہن بھی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ ساری روداد و قصہ سماعت فرما کر آپؐ نے اس بچی کا فیصلہ خالہ کے حق میں دے دیا۔ مشکل یہ پیش آئی کہ یہ خالہ شادی شدہ تھیں اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ نکاح کے بعد حق حضانت نہیں رہتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق حضانت نکاح کی صورت میں اس وقت ساقط ہوتا ہے جبکہ والدین کے مابین جھگڑا پیدا ہو کہ بچہ کس کے پاس رہے کیونکہ مطلقہ کا بغض و ناراضگی پہلے شوہر کے بارے میں زیادہ سخت و شدید ہوتا ہے پھر اکثر اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ دوسرے شوہر سے عورت کی محبت و دلچسپی اور شوہر کی بچے کے متعلق سختی بچے کی طرف توجہ کو کم کر دیتی ہے جس سے بچہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی واقع ہو جاتی ہے۔

(۹۹۱) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا پیش کرے تو اگر وہ اس خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا نہ کھلائے تو پھر ایک یا دو لقمے اسے دے۔" (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

(۹۹۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ، فَدَخَلَتِ النَّارَ فِيهَا، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا، وَسَقَتْهَا، إِذْ هِيَ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ایک عورت کو بلی کے قید کرنے میں عذاب دیا گیا جس نے بلی کو اتنی دیر تک باندھے رکھا کہ وہ مرگئی۔ اس عورت کو جہنم میں ڈال دیا گیا کہ نہ تو اس عورت نے بلی کو کچھ کھلایا اور نہ پلایا بلکہ باندھ رکھا اور نہ اسے آزاد چھوڑا کہ وہ زمین کے جانور کھا لیتی۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ عذبت امراة فی هرة ﴾ اس جملہ میں "فی" سببیہ ہے یعنی بلی کی وجہ سے۔ ﴿ سجنتها ﴾ روکے رکھا اسے اور باندھے رکھا۔ ﴿ فدخلت النار فیها ﴾ اس کو باندھے رکھنے کی وجہ سے اسے آگ میں داخل کیا گیا۔ ﴿ خشاش ﴾ "خا" کے نیچے کسرہ کے ساتھ اور فتحہ بھی جائز ہے اور ضمہ بھی۔ حشرات الارض۔ زمین کے جانور، چڑیا وغیرہ۔

حاصل کلام: سیاق تقاضا کرتا ہے کہ اس عورت کو عذاب بلی کے کھانے پینے سے روکے رکھنے کی وجہ سے دیا گیا اور اسے بھوکا پیاسا مارنے کی وجہ سے۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کہ بلی کو قتل کرنا حرام ہے اور نہ اس کے جواز پر اس میں بحث ہے بلکہ اس مسئلہ میں تو سکوت ہے۔ بہترین قول یہ ہے کہ جب بلی دشمنی پر اتر آئے تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔ مصنف رحمہ اللہ اس حدیث کو اور اس سے پہلی حدیث کو اس باب میں اس لئے لائے ہیں تاکہ متکفل اور ضامن کو ان کی ذمہ داری کی عظمت اور گراں باری پر متنبہ کریں اور اس پر خبردار کریں کہ جس کی کفالت کی ذمہ داری اس پر ہے' اس کی ضروریات زندگی کا خیال و لحاظ اور اس سے ملاطفت اور حسن سلوک کفیل کے واجبات اور اس کے آداب میں ہے۔ اس کو اہمیت نہ دینا' معمولی سمجھنا اور اسے ضائع کرنا اللہ کے ہاں کبیرہ گناہ ہے۔ جس کا اس کے ہاں مؤاخذہ ہو گا اور اس وجہ سے سزا و عذاب دیا جائے گا۔

٩ ـ كِتَابُ الْجِنَايَاتِ

جنایات (جرائم) کے مسائل

(٩٩٣) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلاَّ بِإِحْدَى ثَلاَثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود و الٰہ نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں مگر تین شخص اس سے مستثنیٰ ہیں۔ شادی شدہ زانی اور جان کے بدلہ میں جان اور اپنے دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہونے والا۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿كتاب الجنايات﴾ جنایات کے جیم کے نیچے کسرہ۔ جنایۃ کی جمع ہے۔ جنایہ کہتے ہیں جرم وگناہ کے ارتکاب کو۔ اسے جمع اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جرائم کے مختلف اقسام وانواع ہیں۔ یہ جرم دیدہ دانستہ وعمداً بھی کیا جاتا ہے اور بھول وخطا اور نادانستگی میں بھی ہو سکتا ہے' یہ جرم اعضاء بدن واطراف جسم میں بھی ہو سکتا ہے اور نفس وجان میں بھی۔ ﴿الثيب﴾ شادی شدہ' جس کی بیوی ہو۔ ایسا آدمی جب زنا کا مرتکب ہوگا تو اسے سنگسار و رجم کیا جائے گا۔ ﴿النفس بالنفس﴾ ایسے آدمی کا بطور قصاص قتل کرنا کہ جس نے دشمن کے طور پر کسی کو قتل کیا ہو اور یہ خون کا بدلہ لینے والے کے ساتھ مخصوص ہے۔ ﴿التارك لدينه﴾ تارک دین سے مراد مرتد آدمی ہے جو قبول اسلام کے بعد پھر گیا ہو۔ ﴿المفارق للجماعة﴾ مسلمانوں کی جماعت سے فارغ ہونے والا۔

(٩٩٤) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «لاَ يَحِلُّ قَتْلُ مُسْلِمٍ إِلاَّ فِي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کسی مسلمان آدمی کا قتل حلال و جائز نہیں بجز تین صورتوں میں سے کسی ایک کے۔ شادی

إِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ: زَانٍ مُحْصَنٌ فَيُرْجَمُ، وَرَجُلٌ يَقْتُلُ مُسْلِماً مُتَعَمِّداً فَيُقْتَلُ، وَرَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ الإِسْلَامِ، فَيُحَارِبُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَيُقْتَلُ، أَوْ يُصْلَبُ، أَوْ يُنْفَى مِنَ الأَرْضِ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

شدہ زانی' پس اسے سنگسار کیا جائے اور وہ آدمی جو دیدہ و دانستہ کسی مسلمان بھائی کو قتل کرے پس اسے قتل کیا جائے گا اور ایک وہ آدمی جو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے اور اللہ اور اس کے رسول سے (لڑائی) شروع کر دے۔ پس اسے قتل کیا جائے گا یا سولی دی جائے گی یا اسے جلا وطن کیا جائے گا۔'' (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ فیقتل ﴾ تینوں افعال صیغۂ مجہول ہیں اور نفی من الارض سے مراد جلاوطنی ہے۔ یہ سزا ہر ایک مرتد کیلئے نہیں ہے بلکہ اس مرتد کیلئے ہے جو مرتد ہونے کے بعد عملاً لڑائی شروع کر دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلون اویصلبوا اوتقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف اوینفوا من الارض (۵: ۳۳) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ (لڑائی) کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی سعی و کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا پھانسی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا جلا وطن کئے جائیں۔ رہا وہ مرتد جو ارتداد کے بعد محاربہ نہیں کرتا اسے صرف سزائے قتل ہی دی جائے گی۔

(۹۹۵) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ، يَوْمَ القِيَامَةِ، فِي الدِّمَاءِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے جن مقدمات کا فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کے مقدمات ہوں گے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ فی الدماء ﴾ دم کی جمع ہے اور جار (حرف جر) ان کی خبر ہے۔ یہ حدیث آپؐ کے ارشاد اول ﴿ ما یحاسب بہ العبد صلاتہ ﴾ کہ سب سے پہلے نماز کے بارے میں محاسبہ ہو گا' کے معارض نہیں ہے اس لئے کہ یہ اللہ کا حق ہے اور پہلا اس سے متعلق ہے جو بندوں کے درمیان ہے کیونکہ یہ محاسبہ کے متعلق ہے۔ پہلے کا تعلق حکم اور قضا سے ہے اور محاسبہ تو حکم سے پہلے ہوتا ہے پس پہلا درحقیقت نماز ہے۔

(۹۹۶) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ، وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الحَسَنِ البَصْرِيِّ عَنْ سَمُرَةَ، وَقَدِ اخْتُلِفَ فِيْ سَمَاعِهِ مِنْهُ.

وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيِّ: «وَمَنْ خَصٰى عَبْدَهُ خَصَيْنَاهُ». وَصَحَّحَ الحَاكِمُ هٰذِهِ الزِّيَادَةَ.

ﷺ نے فرمایا ”جس مالک نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اسے قتل کریں گے اور جس نے اس کا ناک' کان کاٹا ہم اس کا ناک' کان کاٹ دیں گے۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ یہ سمرہ سے حسن بصری کی روایت ہے اور سمرہ سے حسن بصری کے سماع میں اختلاف ہے) اور ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ ”جس مالک نے اپنے غلام کو خصی کیا ہم اسے خصی کر دیں گے۔“ (اس اضافہ کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ جدع عبده ﴾ جس مالک نے اپنے غلام کے کان' ناک' ہونٹ وغیرہ کاٹے۔ جدع دراصل ناک کاٹنے سے مخصوص ہے۔ ﴿ خصی عبده ﴾ جس مالک نے اپنے غلام کے خصیے کھینچ کر نکال دیئے اور کاٹ دیئے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ مالک و آقا سے غلام کے جسم اور اعضاء کا قصاص لیا جائے گا۔ البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے' ایک قول تو یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں مطلقاً قتل کیا جائے۔ اس میں کوئی فرق و امتیاز نہیں کہ غلام اس کا اپنا ہو یا دوسرے کا۔ یہ اس حدیث پر عمل کرنے کیلئے کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں قتل کیا جائے گا جبکہ غلام دوسرے کا ہو' جب اپنا غلام ہو تو اس صورت میں قتل نہیں کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے مطلقاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہ آخری قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم کا ہے۔ ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے۔ کتب علیکم القصاص فی القتلی' الحر بالحر والعبد بالعبد (۲: ۱۷۸) انہوں نے کہا ہے۔ حدیث میں حسن بصری اور سمرہ سے انقطاع کے باوجود تاویل کی جائے گی بایں معنی کہ آپ ؐ کے ارشاد قتلناہ کا معنی اسی طرح کی سزا ہم اسے دیں گے اور جس برے طریقہ سے اس نے کیا اسی طرح ہم اس سے بدلہ لیں گے۔ اس میں لفظ قتل بطور مشاکلت استعمال ہوا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (۴۲: ۴۰) اس جگہ سیئت کا دوبارہ لانا بطور مشاکلت ہے۔ اسی طرح کلام رسول ﷺ میں بھی لفظ قتل بطور مشاکلت ہے۔ اس طرح عبارت بیان کرنے کا فائدہ زجر و توبیخ اور ڈرانا دھمکانا ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ آزاد مرد کے عضو غلام کے عضو کاٹنے کے بدلہ میں کاٹا جائے تو عام اہل علم کی رائے تو یہی ہے کہ آزاد کا عضو غلام کے عضو کے بدلہ میں نہ کاٹا جائے۔ ان کے قول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس حدیث کو انہوں نے زجر و توبیخ پر محمول کیا ہے۔

(۹۹۷) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الجَارُودِ وَالْبَيْهَقِيُّ، وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: إِنَّهُ مُضْطَرِبٌ.

اللہ ﷺ سے سنا کہ "باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔" (اسے احمد' ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن جارود اور بیہقی نے صحیح قرار دیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿لا یقاد الوالد بالولد﴾ یقاد قود سے ماخوذ ہے جس کے معنی قصاص کے ہیں اور قصاص کہتے ہیں مقتول کے بدلہ قاتل کو قتل کرنا۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی نے جب اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اکثر سلف کی یہی رائے ہے کہ قصاص سے بدلہ میں باپ سے دیت وصول کی جائے گی۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ باپ کو قتل نہ کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ باپ بیٹے کے وجود کا سبب ہے اور بیٹا باپ کے وجود کا سبب نہیں' اس لئے بیٹا باپ کو معدوم کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ نیز عموماً باپ کی طبیعت سے یہ بعید ہے کہ اپنے لخت جگر کو جان بوجھ کر قتل کرے۔ اگر اس سے اس گناہ و جرم کا ارتکاب ہو گا تو نادانستگی اور خطا کے طور پر ہو گا اور خطا کی صورت میں قتل میں قصاص نہیں ہوتا' دیت ہوتی ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر باپ بیٹے کو لٹا کر جانور کی طرح ذبح کرے تو اس صورت میں باپ سے قصاص لیا جائے گا۔ غالباً امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی صورت میں خطا کا احتمال نہیں رہتا۔

ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مضطرب کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں مثنی بن صباح ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کے تمام طرق میں انقطاع ہے۔ مگر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تلخیص میں تصریح کی ہے کہ بیہقی کی روایت کے جملہ راوی ثقہ ہیں۔ لہٰذا یہ روایت صحیح ہے۔

(۹۹۸) وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِّنَ الوَحْيِ، غَيْرَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: لَا، وَالَّذِي فَلَقَ الحَبَّةَ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، إِلَّا فَهْمٌ يُعْطِيهِ اللّٰهُ تَعَالَى رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ، وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، قُلْتُ: وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: اَلْعَقْلُ، وَفِكَاكُ الأَسِيرِ، وَأَنْ لَا

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا آپ لوگوں کے پاس قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعہ نازل شدہ کوئی اور چیز بھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اس ذات کی قسم! جس نے دانا و غلہ اگایا اور جان کو پیدا فرمایا سوائے اس فہم کے جسے اللہ تعالیٰ کسی انسان کو قرآن کے بارے میں عطا فرماتا ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں تحریر ہے (میرے پاس کچھ نہیں) میں نے سوال

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ، وَقَالَ فِيْهِ: «اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَآؤُهُمْ، وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ، وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ، وَلاَ يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، وَلاَ ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهِ». صَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

کیا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ دیت کے احکام' قیدی کو آزاد کرنے کا حکم اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (بخاری) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو احمد' ابوداؤد اور نسائی نے ایک دوسری سند سے بیان کیا ہے اور اس میں ہے کہ "سب مومنوں کے خون برابر ہیں اور ان میں سے ادنیٰ آدمی کی ذمہ داری کی حیثیت بڑے آدمی کے برابر ہے اور اپنے سوا وہ غیر مسلموں کے مقابلہ میں سب ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں اور کوئی مومن کسی کافر کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی معاہد (ذمی) کو اس کے زمانہ عہد میں قتل کیا جا سکتا ہے۔" (اس روایت کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ هل عندكم شئی الخ ﴾ اس جملہ میں ﴿ كم ﴾ کی ضمیر جمع تعظیم کے طور پر لائی گئی ہے یا پھر یہ مراد ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد سارے اہل بیت ہوں جن کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سردار تھے۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ شیعہ کی ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ اہل بیت کے پاس بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجی ہوئی ایسی اشیاء ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کیلئے مخصوص قرار دیا ہے ان کے ماسوا دوسرے کسی کو ان کا علم نہیں ہے جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں کہا ہے۔ ﴿ والذی ﴾ اس میں "واؤ" قسم کیلئے ہے۔ ﴿ فلق الحبة ﴾ جس سے پھاڑ کر دانا نکالا اور اس میں سے بنا پودا اور اس کی شاخیں نکلیں۔ ﴿ وبرا النسمة ﴾ نسمة نون اور سین دونوں پر فتحہ۔ جس نے جان کو پیدا فرمایا۔ ہر چوپایہ جو جاندار ہے وہ نسمة میں داخل ہے۔ ﴿ الافهم ﴾ لفظ شئی سے یہ استثناء ہے اور "لا" کے قول میں مقدر ہے کہ ہمارے پاس کوئی چیز نہیں بجز فہم کے جو اس نے ہمیں قرآن کے متعلق عطا فرمایا ہے۔ یہ بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ ﴿ وما فی هذه الصحيفة ﴾ اس میں ما موصولہ ہے اور فہم پر عطف ہے اور صحیفہ کے معنی تحریر شدہ ورق۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم دین کے سلسلہ میں لوگوں کو نظر انداز کر کے کوئی خاص چیز نہیں دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کے درمیان اتنا بڑا علمی تفاوت و فرق جو وقوع پذیر ہوا ہے وہ صرف اس فہم و تدبر فی القرآن کی وجہ سے ہوا جو ان کو عطا ہوا

ہے۔ نیز اس وجہ سے کہ استنباط کے مواہب و عطایا مختلف ہیں۔ صحیفہ کو مستثنیٰ احتیاط کے طور پر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی کے خیال میں آئے کہ اس میں ایسی کوئی چیز ہے جو دوسرے لوگوں کے علم میں نہیں یا پھر اس لئے اس کا استثنا کیا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی چیز بالخصوص ہوتی تو اس صحیفہ میں ہوتی مگر اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو لوگوں کے پاس نہ ہو اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہو۔ یہ تخصیص کا بلیغ ترین انداز بیان ہے۔ ﴿العقل﴾ دیت۔ مطلب یہ ہے کہ اس صحیفہ میں دیت کے احکام اور ان کی تفصیلات ہیں ﴿وفكاك الاسير﴾ "فا" پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ اس صحیفہ میں غلام کو آزاد کرنے کا حکم ہے اور آزاد کرنے کی ترغیب ہے۔ ﴿وان لى يقتل مسلم بكافر﴾ کافر خواہ حربی ہو یا ذمی۔ اس کے بدلے میں مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا۔ اکثر اہل علم کی رائے یہی ہے جس میں امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرھم شامل ہیں مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ کافر اگر ذمی ہوگا تو قتل کیا جائے گا مگر اس دعویٰ پر کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں۔ پہلا مذہب ہی درست ہے۔ ﴿تتكافا دماوهم﴾ دیت اور قصاص کے سلسلہ میں ان کے خون مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ شریف سے کمیں کا قصاص و دیت لی جائے گی۔ بڑے سے چھوٹے کی، عالم سے جاہل کی اور عورت کی مرد سے اور اس کے برعکس تمام اصناف میں۔ یہ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان دونوں کے خون برابر و مساوی نہیں ہیں۔ ﴿ويسعى بذمتهم ادناهم﴾ ذمہ کے معنی امان ہے۔ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جب کوئی مسلمان کسی کافر کو امان دے دے تو اس کافر کا خون بہانا تمام مسلمانوں پر حرام ہے۔ خواہ پناہ دینے والا آدمی مسلمانوں میں سے حقیر ترین آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً غلام ہو، ملازم ہو یا عورت ہو۔ ﴿وهم يدعلى من سواهم﴾ وہ مسلمان اپنے غیر کے مقابلہ میں سب اکٹھے ہیں یعنی اپنے دشمن کے مقابلہ میں مجتمع ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کو رسوا کریں اور نظر انداز کریں اور اسے اپنے دشمن کے سپرد کر دیں اور اسے دشمن کے چنگل سے چھڑانے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ ان پر ایک دوسرے کی ضمانت دینا واجب ہے۔ ایک دوسرے سے باہمی تعاون کرنا، دنیا کی تمام اقوام و ملل اور ادیان کے مقابلہ میں جہاں کہیں وہ ہوں سیسہ پلائی دیوار ہوں، اس سے اسلامی ممالک و ولایات میں کفار کی کسی عہدے میں سرداری ناجائز قرار پاتی ہے کیونکہ سربراہ کا ہاتھ اپنی رعایا پر ہوتا ہے۔ ﴿ولا ذوعهد فى عهده﴾ ذمی جب تک اپنے عہد پر قائم رہے اور اسے نہ توڑے اس کا قتل حلال نہیں۔

(۹۹۹) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ جَارِيَةً وُجِدَ رَأْسُهَا قَدْ رُضَّ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، فَسَأَلُوهَا، مَنْ صَنَعَ بِكِ هٰذا؟ فُلاَنٌ؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک لونڈی ایسی حالت میں پائی گئی کہ اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا تھا۔ صحابہؓ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ ایسا کس نے کیا

فُلَانٌ؟ حَتَّى ذَكَرُوا يَهُودِيًّا فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا، فَأُخِذَ الْيَهُودِيُّ، فَأَقَرَّ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُرَضَّ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

ہے؟ پھر خود ہی کہا کہ فلاں نے فلاں نے' اس طرح نام لیتے ہوئے ایک یہودی کے نام پر پہنچے تو اس نے سر کے اشارہ سے کہا۔ ہاں! یہودی گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے اس جرم کا اقرار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ "اس کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا جائے۔" (بخاری و مسلم' یہ الفاظ مسلم میں ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ رض ﴾ صیغۂ مجہول اور یہ رض سے ماخوذ ہے اور ﴿ رض ﴾ کہتے ہیں کچلنے اور توڑنے کو۔ ﴿ فاومات ﴾ اشارہ کیا اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ مقتول کا قصاص بھاری چیزوں پتھروں وغیرہ سے لینا درست ہے۔ صرف لوہے کی چیزوں کے ساتھ قصاص لینا مخصوص نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سوا باقی ائمہ متبوعین کا یہی مذہب ہے اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور یہ کہ قاتل کو اسی طرح قتل کیا جائے گا جس طرح مقتول کو قتل کیا گیا۔

(۱۰۰۰) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ غُلَاماً لِأُنَاسٍ فُقَرَآءَ قَطَعَ أُذُنَ غُلَامٍ لِأُنَاسٍ أَغْنِيَآءَ، فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ يَجْعَلْ لَّهُمْ شَيْئاً. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فقراء لوگوں کے ایک غلام نے امراء لوگوں کے غلام کا کان کاٹ لیا تو یہ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپؐ نے ان کیلئے کوئی چیز مقرر نہ فرمائی۔ (اسے احمد اور تینوں نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: اس حدیث کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے ﴿ سقوط القود بین المماليك فيما دون النفس ﴾ کا عنوان قائم کیا ہے کہ غلام کے مابین قتل کے علاوہ کسی جرم میں بدلہ نہیں اور خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جرم کا مرتکب لڑکا آزاد تھا اور اس کا جرم خطا تھا اور اس کے عاقلہ فقراء تھے اور عاقلہ کی خیر خواہی ان کی طاقت و وسعت کے اعتبار سے ہے۔ ان میں سے کسی فقیر و محتاج پر کوئی چیز نہیں اور رہا غلام یعنی مملوک لڑکا تو جب وہ جرم کا ارتکاب کرے گا تو عام اہل علم کے قول کے مطابق اس کے جرم کی سزا اسی کی گردن پر ہے۔ المنتقی میں امام ابن تیمیہؒ کے دادا نے کہا کہ عاقلہ فقیر ہوں تو ان پر ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اور اس صورت میں قاتل سے بھی مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔

(۱۰۰۱) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد اور انہوں نے

شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَجُلاً طَعَنَ رَجُلاً بِقَرْنٍ، فِيْ رُكْبَتِهِ، فَجَآءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: أَقِدْنِيْ، فَقَالَ: حَتَّى تَبْرَأَ، ثُمَّ جَآءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: أَقِدْنِيْ، فَأَقَادَهُ، ثُمَّ جَآءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ؛ يَا رَسُولَ اللهِ! عَرَجْتُ، فَقَالَ: **قَدْ نَهَيْتُكَ فَعَصَيْتَنِيْ، فَأَبْعَدَكَ اللَّهُ، وَبَطَلَ عَرَجُكَ**، ثُمَّ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُقْتَصَّ مِنْ جُرْحٍ حَتَّى يَبْرَأَ صَاحِبُهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَأُعِلَّ بِالإِرْسَالِ.

اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں سینگ چبھو دیا تو وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا مجھے اس سے قصاص لے کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا "زخم مندمل ہونے کے بعد آنا۔" وہ پھر آپؐ کے پاس آیا اور بولا مجھے قصاص دلوائیے۔ آپؐ نے اسے قصاص دلوا دیا۔ اس کے بعد پھر آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول ﷺ میں لنگڑا ہوگیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نے میری بات نہ مانی۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے دور کر دیا اور تیرے لنگڑے پن کو باطل کر دیا۔" پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "زخموں کا قصاص اس وقت تک لینا ممنوع ہے کہ جب تک زخمی آدمی صحت مند و تندرست نہ ہو جائے۔" (اس روایت کو احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے مرسل ہونے کی وجہ سے معلول کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ طعن ﴾ ماضی کا صیغہ ہے اور طعن جس کے معنی نیزہ وغیرہ سے مارنا کے ہیں۔ ﴿ اقدنی ﴾ اقادۃ سے امر کا صیغہ ہے یعنی مجھے قصاص دلوائیے یا حصول قصاص میں میرے لئے آسانی کریں۔ ﴿ حتی تبرا ﴾ یہاں تک کہ تو اس بیماری سے صحت یاب ہو جائے۔ ﴿ عرجت ﴾ "را" پر فتحہ۔ لنگڑا ہوگیا ہوں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ قصاص لینے میں زخموں کے مندمل ہونے تک تاخیر کرنی چاہئے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے زخموں کی دیت اس وقت لی جانی چاہئے جب زخم مندمل ہو جائیں اور زخمی صحت یاب ہو جائے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک رحمہ اللہ' امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ انتظار کرنا واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اسے مستحب کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عین ممکن ہے زخم خراب صورت اختیار کر لے اور اسی بنا پر وہ عضو ضائع ہو جائے اور ان دونوں صورتوں میں دیت الگ الگ ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ میں اس آدمی نے بے صبری اور عجلت سے کام لیا اور حضور ﷺ کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو اسے صرف پانچ اونٹ ملے۔ مگر جب وہ خرابی زخم کی وجہ سے لنگڑا ہوگیا تو اس وقت اسے پچاس اونٹ ملتے۔ بے صبری اور عجلت پسندی اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عدم توجہ کے نتیجہ میں صرف پانچ اونٹوں پر اکتفا کرنا پڑا۔

(١٠٠٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ، فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى بِحَجَرٍ، فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِيْ بَطْنِهَا، فَاخْتَصَمُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّ دِيَةَ جَنِيْنِهَا غُرَّةٌ: عَبْدٌ أَوْ وَلِيْدَةٌ، وَقَضَى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا، وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ، فَقَالَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ الْهُذَلِيُّ: يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ نَغْرُمُ مَن لاَّ شَرِبَ وَلاَ أَكَلَ؟ وَلاَ نَطَقَ وَلاَ اسْتَهَلَّ؟ فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ، مِنْ أَجْلِ سَجْعِهِ الَّذِي سَجَعَ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ایک نے دوسری پر پتھر دے مارا۔ اس پتھر سے وہ عورت اور اس کے پیٹ کا بچہ مرگیا تو اس کے وارث مقدمہ نبی ﷺ کی عدالت میں لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ "جنین کے بدلہ ایک لونڈی یا غلام ہے اور عورت کے بدلہ قاتل کے وارثوں پر دیت عائد فرما دی اور اس خون بہا کا وارث اس کی اولاد کو بنایا اور ان وارثوں کو بھی جو ان کے ساتھ تھے۔" حمل بن نابغہ ھذلی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم ایسے بچہ کا بدلہ کیسے دیں جس نے نہ پیا، نہ کھایا نہ بولا اور نہ چیخا۔ اس طرح کا حکم تو قابل اعتبار نہیں۔ آپؐ نے فرمایا "یہ تو کاہنوں کا بھائی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے تو کاہنوں کی سی قافیہ بندی کی ہے۔" (بخاری و مسلم)

وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، سَأَلَ مَنْ شَهِدَ قَضَآءَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْجَنِيْنِ قَالَ: فَقَامَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ، فَقَالَ: كُنْتُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ، فَضَرَبَتْ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى، فَذَكَرَهُ مُخْتَصَراً وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

ابوداوُد اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون شخص جنین کے بارے میں نبی ﷺ کے فیصلہ کے موقع پر حاضر تھا؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حمل بن نابغہ کھڑا ہوا اور بیان کیا کہ میں اس وقت ان دو عورتوں کے درمیان تھا، جب ایک نے دوسری کو پتھر دے مارا تھا، پھر مختصر حدیث کا ذکر کیا۔ (ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿امرتان من هذيل﴾ یہ دونوں عورتیں سوکنیں تھیں اور دونوں حمل بن مالک بن نابغہ ھذلی کے نکاح میں تھیں اور ﴿جنين﴾ عورت کا وہ حمل جو اس کے رحم میں ہو۔ ﴿غرة﴾ غین پر

ضمہ "را" پر تشدید اور تنوین ﴿ عبد او ولیدۃ ﴾ یہ غرۃ کا بیان ہے غرۃ دراصل اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے چہرے پر ہوتی ہے اور ولیدۃ کے معنی لونڈی ہے۔ "اوَ" تقسیم کیلئے ہے شک و تردد کیلئے نہیں۔ ﴿ وقضی بدیۃ المراۃ علی عاقلتھا ﴾ یعنی قاتل عورت کی دیت اس کے عاقلہ پر ڈال دی۔ اس کے شوہر پر نہیں ڈالی۔ ﴿ وورثھا ﴾ توریث سے ماخوذ ہے یعنی دیت کا وارث بنایا۔ ﴿ ولدھا ﴾ مقتولہ عورت کی اولاد کو۔ ﴿ ومن معہ ﴾ ان ورثاء کو جو بیٹے کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دیت کو مقتولہ کے بچوں اور اس کے شوہر کی میراث قرار دیا۔ عاقلہ (پوری رشتہ دار) کیلئے نہیں اور ابوداؤد میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس میں ہے کہ مقتولہ کے عاقلہ (پوری رشتہ دار) نے عرض کیا اس کی میراث کے حق دار تو ہم ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نہیں ایسا نہیں۔ اس کی میراث اس کے شوہر اور اس کی اولاد کا حق ہے۔" ﴿ کیف نغرم ﴾ "را" پر فتحہ۔ ہم کیسے ضمان دیں اور چٹی ادا کریں یعنی ہم دیت کیوں دیں۔ ﴿ من لاشرب الخ ﴾ یہ نغرم کا مفعول ہے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ وہ زندہ پیدا نہیں ہوا اور نہ اس میں زندگی کے آثار پائے گئے ہیں اور نہ اس نے پیدا ہونے کے وقت چیخ ماری۔ ﴿ استھلال ﴾ چیخ مارنا۔ مراد یہ تھا کہ وہ پیدائش کے وقت رویا بھی نہیں حالانکہ پیدائش کے وقت ہر بچہ روتا ہے۔ ﴿ فمثل ذلک یطل ﴾ یطل فعل مضارع ہے صیغہ مجہول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رائیگاں گیا اور ضمان قسم کی کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی کیونکہ ضمان تو زندہ چیز کے ضائع کرنے میں ہے۔ ﴿ انما ھذا ﴾ یہ بات و گفتگو کرنے والا۔ ﴿ من اخوان الکھان ﴾ کھان کے کاف پر ضمہ اور "ھا" پر تشدید اور کاھن کی جمع ہے یعنی کاہن لوگ اپنی بے اصل اور مزین باتوں کو قافیہ بندی کے ذریعہ ترویج دیتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ اسے تشبیہہ دینے سے اس شخص کی تردید مقصود تھی کیونکہ وہ مسجع و مقفع کلام کے ذریعہ وہ اس حق کا مقابلہ و معارضہ کرنا چاہتا تھا جسے نبی ﷺ نے ثابت کیا تھا اور مسجع کلام، مقفع قافیہ بند گفتگو کو کہتے ہیں۔ ﴿ کنت بین امراتین ﴾ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ ان دونوں کا شوہر تھا۔

راوی حدیث: ﴿ حمل بن نابغہ رضی اللہ عنہ ﴾ حمل بن مالک بن نابغہ ھذلی صحابی ہیں۔ ابونضلہ ان کی کنیت تھی اور وہ بصرہ کے رہائشی تھے۔

(۱۰۰۳) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ الرُّبَيِّعَ بِنْتَ النَّضْرِ - عَمَّتَهُ - كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ، فَطَلَبُوا إِلَيْهَا الْعَفْوَ، فَأَبَوا، فَعَرَضُوا الْأَرْشَ، فَأَبَوا، فَأَتَوا رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَأَبَوا، إِلاَّ الْقِصَاصَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْقِصَاصِ، فَقَالَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے ایک انصاری لڑکی کے دانت توڑ دیئے۔ ربیع کے رشتہ داروں نے اس سے معافی طلب کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے دیت دینے کی پیش کش کی۔ اسے بھی انہوں نے رد کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں آئے اور قصاص کا مطالبہ کیا اور قصاص کے سوا کسی بھی چیز کو

أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ: يَا رَسُولَ اللهِ: أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ؟ لاَ، وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالحَقِّ، لاَ تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا أَنَسُ! كِتَابُ اللهِ القِصَاصُ»، فَرَضِيَ القَوْمُ، فَعَفَوا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّهُ».

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

لینے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا فیصلہ فرما دیا۔ یہ سن کر حضرت انس بن نضر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ربیع کا دانت توڑا جائے گا؟ نہیں' اس ذات اقدس کی قسم جس نے آپؐ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے انس! اللہ کا نوشتہ تو قصاص ہی ہے۔'' اتنے میں وہ لوگ اس پر رضامند ہو گئے اور پھر معافی دے دی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔''

(بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿عمته﴾ یہ بدل یا بیان ہے یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی اور انس بن نضر کی بہن کی۔ ﴿ثنية جارية﴾ ثنیہ فعیلہ کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع ثنایا آتی ہے یہ منہ کے اگلے دانتوں کو کہتے ہیں۔ دو دانت اوپر والے اور دو دانت نیچے والے۔ ﴿الارش﴾ کے معنی دیت۔ ﴿لا تكسر ثنيتها﴾ اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ یہ بات انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ارشاد گرامی کی تردید کیلئے نہیں کہی اور نہ آپؐ کے فرمان سے اعراض کے پیش نظر۔ یہ تو انہوں نے محض توقع اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی امید پر کہے کہ مخالف فریق کو اللہ تعالیٰ اس پر راضی فرما دے گا اور اس کے دل میں معافی کا جذبہ و داعیہ پیدا فرما دے گا اور وہ دیت لے کر قصاص کے حق سے دست بردار ہو جائے گا۔ ﴿كتاب الله القصاص﴾ کتاب اللہ مبتداء اور القصاص اس کی خبر ہے۔ یعنی کتاب اللہ میں اس قسم کے مقدمات میں قصاص کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "السن بالسن والجروح قصاص" اس اصول کی بنیاد پر کہ سابقہ شرائع اس وقت تک ہماری شرائع ہیں تاوقتیکہ اس کے نسخ کا حکم وارد ہو یا اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به (١٦:١٢٦) ﴿لابره﴾ اس میں لام تاکید کیلئے ہے قسم کے جواب میں۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسم توڑے بغیر پوری فرما دے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے حضرت انس بن نضر کی فضیلت معلوم ہوئی کہ انہوں نے جو قسم کھائی اللہ نے اسے پورا فرما دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد اور مکمل بھروسے کی بنا پر قسم کھائی تھی جسے اللہ نے پورا کر دیا۔ نبی ﷺ کے ارشاد کی تردید اور اعراض مقصود نہ تھا۔ ایسا ہوتا تو ایک صحابی ارشاد نبوی کا نافرمان شمار ہوتا جو ایک صحابی کی شان کے کسی صورت لائق نہیں۔ نبی ﷺ کا ان کی تعریف فرمانا اس بات

کا کھلا ثبوت ہے ورنہ آپؐ نافرمان صحابی کی تعریف کیسے فرماتے۔

راوی حدیث: ﴿ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا﴾ "را" پر ضمہ با پر فتحہ اور "یا" پر کسرہ اور تشدید۔ یہ نضر بن ضمضم بن زید بن حرام کی بیٹی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص کی پھوپھی اور حارثہ بن سراقہ جو غزوۂ بدر میں جام شہادت نوش فرما کر خلد بریں کے مکین بن گئے تھے کی والدہ تھیں۔

﴿انس بن نضر رضی اللہ عنہ﴾ یہ حضرت ربیع کے بھائی اور انس بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص کے چچا تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس کا ان کو بڑا افسوس تھا۔ جنگ احد کے روز مشرکین کی صف کی جانب بڑھے' یہ معذرت اللہ کے حضور پیش کرتے ہوئے بڑھتے کہ مسلمانوں نے جو کردار ادا کیا ہے وہ ٹھیک نہیں اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ میں تو احد کے ورے جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد خوب لڑے اور شہید ہو گئے۔

(١٠٠٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيًا، أَوْ فِي رِمِّيًّا بِحَجَرٍ أَوْ سَوْطٍ أَوْ عَصاً، فَعَقْلُهُ عَقْلُ الخَطَإِ، وَمَنْ قُتِلَ عَمْداً، فَهُوَ قَوَدٌ، وَمَنْ حَالَ دُونَهُ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اندھا دھند لڑائی میں قتل ہو جائے یا پتھر پھینکنے سے قتل ہو جائے یا کوڑے اور لاٹھی سے مر جائے تو اس کی دیت' خطا کی دیت ہوگی۔ جو شخص عمداً قتل کیا جائے گا تو اس کا قصاص ہے اور جو شخص قصاص لینے میں حائل ہوا تو ایسے شخص پر اللہ کی لعنت ہے۔" (اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے قوی سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿عمیا﴾ عین کے نیچے کسرہ اور میم مکسور مع التشدید اور پھر "یا" پر بھی تشدید۔ یعنی جو شخص ایسی صورت حال میں قتل کیا گیا جس کے قتل کا معاملہ صاف اور واضح نہ ہو اور اس کے قاتل کی نشان دہی بھی نہ ہو سکے ﴿او رمیا﴾ رمی سے ماخوذ ہے۔ عمیا کے وزن پر ہے اور ترامی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایسی پوزیشن میں اس کا قتل ہوا جب لوگ تیر اندازی میں مشغول تھے اور ایک دوسرے کو مار پیٹ رہے تھے۔ ایسی صورت حال میں قاتل کی نشان دہی اور قاتل کا حال بھی معلوم نہ ہو تو ایسا قتل' قتل خطا کے زمرہ میں آتا ہے اور ابوداؤد میں الفاظ اس طرح ہیں "من قتل فی عمیا فی رمی" اس جملہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دوسرا پہلے کی تفسیر ہے۔ ﴿عصا﴾ اور بعض نسخوں میں "عصی" عین اور صاد دونوں پر کسرہ اور "یا" پر تشدید۔ اس صورت میں یہ عصا کی جمع ہوگی۔ ﴿عقل الخطا﴾ یعنی قتل خطا کی دیت اور وہ سو اونٹ ہے۔ ﴿قود﴾ قاف اور دال دونوں پر فتحہ۔ قصاص۔ ﴿ومن حال دونه﴾ جو شخص قصاص لینے میں حائل ہوا اور مانع بن کر کھڑا ہوا۔

(١٠٠٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «إِذَا أَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ، وَقَتَلَهُ الآخَرُ، يُقْتَلُ الَّذِي قَتَلَهُ، وَيُحْبَسُ الَّذِي أَمْسَكَ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْصُولاً وَمُرْسَلاً، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلاَّ أَنَّ الْبَيْهَقِيَّ رَجَّحَ الْمُرْسَلَ.

نے فرمایا "جب ایک آدمی دوسرے آدمی کو پکڑ رکھے اور دوسرا آدمی پکڑے ہوئے آدمی کو قتل کر دے تو قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کر دیا جائے گا۔" (اسے دارقطنی نے موصولاً اور مرسلاً روایت کیا ہے اور ابن قطان نے اسے صحیح قرار دیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مگر بیہقی نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ایک آدمی کو دو آدمی اس طرح قتل کریں کہ ایک نے پکڑ لیا اور دوسرے نے پکڑے ہوئے کو قتل کر دیا تو اس صورت میں قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کی سزا دی جائے گی اور یہ سزا عمر قید کی ہوگی یا عدالت کی صوابدید پر ہوگی۔ احناف اور شوافع کا یہی مسلک ہے مگر امام مالک رحمہ اللہ ' نخعی رحمہ اللہ اور ابن ابی لیلیٰ کا قول یہی ہے کہ دونوں کو قتل کیا جائے کیونکہ دونوں اس کے قتل میں شریک ہیں اگر پکڑنے والا اسے نہ پکڑتا تو ممکن ہے وہ قاتل کے وار سے بچ کر بھاگ جاتا اور قتل نہ ہوتا چونکہ اس کے قتل میں دونوں برابر کے شریک ہیں سزا بھی دونوں کی برابر ہونی چاہیئے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

(١٠٠٦) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَتَلَ مُسْلِماً بِمُعَاهِدٍ، وَقَالَ: «أَنَا أَوْلَى مَنْ وَفَّى بِذِمَّتِهِ». أَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ هٰكَذَا مُرْسَلاً، وَوَصَلَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِذِكْرِ ابْنِ عُمَرَ فِيهِ، وَإِسْنَادُ الْمَوْصُولِ وَاهٍ.

حضرت عبدالرحمٰن بن بیلمانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک عہدی (کافر) کے بدلے ایک مسلمان کو قتل کیا اور (ساتھ ہی) فرمایا "میں ایفائے عہد کرنے والوں میں سب سے بہتر وفا کرنے والا ہوں۔" (عبدالرزاق نے اسی طرح مرسل روایت کیا ہے اور دارقطنی نے اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موصول بیان کیا ہے لیکن اس کی سند کمزور ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی شدت ضعف اور حدیث **"لا یقتل مسلم بکافر"** کے معارض ہونے کی وجہ سے جمہور نے اس حدیث کو قابل استدلال قرار نہیں دیا۔ البتہ حنفیہ اسی طرف گئے ہیں مگر احناف اکثراوقات صحیح حدیث پر ضعیف کو ترجیح دے دیتے ہیں۔ لہٰذا اس مقام پر جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس پر کوئی تعجب نہیں۔

راوی حدیث: ﴿ **عبدالرحمن بن بیلمانی** ﴾ عبدالرحمٰن بن ابی زید مولیٰ عمر۔ مدنی۔ حران میں جا کر فروکش ہوئے۔ ابوحاتم کا قول ہے کہ یہ کمزور راوی ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور

حافظ عبدالعظیم نے کہا کہ اس سے دلیل نہیں پکڑی جائے گی۔ بیلمان کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے بیلمانی کہلایا۔ بیلمان کے "با" پر فتحہ اور یا ساکن اور لام پر فتحہ۔

(۱۰۰۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قُتِلَ غُلَامٌ غِيْلَةً، فَقَالَ عُمَرُ: لَوِ اشْتَرَكَ فِيْهِ أَهْلُ صَنْعَآءَ لَقَتَلْتُهُمْ بِهِ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دھوکہ اور فریب دہی سے ایک غلام کو قتل کر دیا گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اگر اس کے قتل میں سارے اہل صنعاء شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر ڈالتا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ غيلة ﴾ غین کے نیچے کسرہ اور "یا" ساکن۔ اس کے معنی ہیں دھوکہ' فریب اور خفیہ طور پر کسی کو فریب دے کر ایسی جگہ لے کر چلا جائے جہاں اسے کوئی نہ دیکھتا ہو اور وہاں قتل کر دے۔ ﴿ صنعاء ﴾ مد کے ساتھ ہے۔ یہ یمن کا دارالسلطنت ہے جو قدیم ترین زمانوں سے چلا آرہا ہے۔ اہل عرب کے ہاں کثرت بیان کرنے کیلئے بطور مثال استعمال ہوتا ہے۔ جمہور علماء نے اسی اثر کو قبول کیا ہے اور کہا ہے کہ ایک آدمی کے بدلہ میں پوری جماعت کو قتل کیا جائے جبکہ یہ سارے لوگ ایک کے قتل کرنے میں عملاً شریک ہوں۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی پہلی روایت جو ابھی گزری ہے' کے معارض و مخالف ہے کہ جب ایک آدمی کسی کو مضبوطی سے پکڑ لے اور دوسرا آدمی اس گرفتار شدہ آدمی کو قتل کر دے تو حقیقی و اصلی قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کر دیا جائے گا۔ اکثر اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اشتراک سے مراد اجتماعی طور پر براہ راست قتل کرنے میں شراکت مراد ہے اور پکڑ کر روکے رکھنا قتل میں اشتراک نہیں بلکہ یہ تو تعاون و معاونت ہے۔ لہٰذا حدیث اور اثر میں باہمی کوئی مخالفت نہیں۔ لیکن اس قول کی تردید بعض طرق میں وارد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ اگر تمام اہل صنعاء اس پر ٹوٹ پڑتے تو میں ان سب کو قتل کر ڈالتا اور صاحب سبل السلام نے لکھا ہے کہ جماعت پوری کی پوری ایک آدمی کے قتل کے بدلہ میں قتل نہیں کی جائے گی بلکہ ایسی صورت حال میں دیت واجب ہوگی پھر اس نے کہا ہے کہ ہمیں پھر ایک کے بدلہ میں جماعت کو قتل کرنا قوی معلوم ہوا اور ہم نے اس کی دلیل ضوء النہار کے حواشی میں بیان کی ہے۔

(۱۰۰۸) وَعَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «فَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ، بَعْدَ مَقَالَتِي هٰذِهِ، فَأَهْلُهُ بَيْنَ خِيرَتَيْنِ، إِمَّا أَنْ يَأْخُذُوا الْعَقْلَ، أَوْ يَقْتُلُوا». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ

حضرت ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کہ میرے اس خطبہ کے بعد اگر کسی کا کوئی آدمی مارا جائے تو متوفی کے ورثاء کو دو اختیار ہیں یا تو دیت لے لیں یا قاتل کو مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیں۔" (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس روایت کا اصل اس کے ہم معنی

حَدِيْث ِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ بِمَعْنَاهُ. صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

لغوی تشریح : یہ حدیث فتح مکہ کے موقع پر خطاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ دوران گفتگو جب آپؐ نے جاہلیت کے خون کو باطل قرار دیا' فرمایا پھر تم نے اے گروہ خزاعہ! ھذیل کا یہ آدمی قتل کیا ہے میں اس کی دیت لے کر چھوڑوں گا۔ الحدیث ﴿ بين خيرتين ﴾ خیرتین کی "خا" کے نیچے کسرہ اور "یا" پر فتحہ یعنی دیت لینے اور قصاص دونوں میں اسے اختیار ہے جو چاہے انتخاب کرے۔

راوی حدیث : ﴿ ابو شریح خزاعی ﴾ عمرو بن خویلد اور بعض کے نزدیک خویلد بن عمرو کعبی عدوی خزاعی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ مدینہ میں ۶۸ھ کو وفات پائی۔

١ - بَابُ الدِّيَاتِ

اقسام دیت کا بیان

(١٠٠٩) عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَتَبَ إِلٰى أَهْلِ الْيَمَنِ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ. وَفِيْهِ أَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِناً قَتْلاً عَنْ بَيِّنَةٍ، فَإِنَّهُ قَوَدٌ، إِلاَّ أَنْ يَرْضَى أَوْلِيَآءُ الْمَقْتُولِ. وَإِنَّ فِي النَّفْسِ الدِّيَةَ: مِائَةً مِّنَ الإِبِلِ، وَفِي الأَنْفِ إِذَا أُوْعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ، وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ، وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ، وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمسَ عَشْرَةَ مِنَ الإِبِلِ، وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ، مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِّنَ الإِبِلِ، وَفِي

حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے اپنے باپ کے حوالہ سے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اہل یمن کو لکھا' پھر حدیث بیان کی جس میں یہ تحریر تھا "جس کسی نے ایک بے گناہ مسلمان کو قتل کیا اور اس قتل کے گواہ ہوں تو اس پر قصاص لازم ہے۔ الاّ یہ کہ مقتول کے ورثاء راضی ہوں تو ایک جان کے قتل کی دیت سو اونٹ ہے اور ناک میں بھی پوری دیت ہے جبکہ اسے جڑ سے کاٹ دے اور دونوں آنکھوں اور زبان اور دونوں ہونٹوں کے عوض بھی پوری دیت ہے۔ اسی طرح عضو مخصوص اور دو خصیہ میں پوری دیت ہے اور پشت میں بھی پوری دیت ہے اور ایک پاؤں کی صورت میں آدھی دیت ہے اور دماغ کے زخم اور پیٹ کے زخم میں تہائی دیت ہے اور وہ زخم جس سے ہڈی ٹوٹ جائے اس میں پندرہ اونٹ اور ہاتھ اور پاؤں کی ہر ایک انگلی میں دس دس اونٹ دیت ہے اور ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ اور ایسے زخم میں جس سے ہڈی نظر آنے لگے پانچ اونٹ دیت ہے اور مرد کو

السِّنِّ خَمْسٌ مِّنَ الإِبِلِ ، وَفِي الْمُوضِحَةِ خَمْسٌ مِّنَ الإِبِلِ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ، وَعَلَىٰ أَهْلِ ٱلذَّهَبِ أَلْفُ دِيْنَارٍ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ، وَالنَّسَآئِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الجَارُوْدِ وَابْنُ حِبَّانَ وَأَحْمَدُ، وَاخْتَلَفُوا فِي صِحَّتِهِ.

عورت کے بدلہ قتل کیا جائے گا اور جن کے پاس اونٹ نہ ہوں اور سونا ہو تو ان سے ایک ہزار دینار وصول کئے جائیں گے۔" (ابوداؤد نے اسے اپنی مراسیل میں لکھا ہے اور نسائی' ابن خزیمہ' ابن جارود' ابن حبان اور احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی صحت میں انہوں نے اختلاف کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ باب الدیات ﴾ 'دیات ۔ دیت کی جمع ہے دونوں جگہ "یاء" مخفف ہے۔ اس کا اصل ودی ہے۔ واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض تا لگا دی گئی ہے۔ جس طرح عدۃ میں تا لگا دی گئی ہے دیت اس مال کو کہتے ہیں جو مقتول کی جان کے عوض دیا جاتا ہے۔ یا اعضائے بدن کے زخموں کے بدلے دی جاتی ہے۔ ﴿ اعتبط ﴾ بغیر کسی وجہ و سبب کے قتل کرنا۔ یہ "عبط الابل واعتبطه" سے ماخوذ ہے۔ جب اونٹ کو بغیر کسی مرض اور وجہ سے ذبح کر دیا جائے۔ ﴿ قتلا ﴾ یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ﴿ عن بینۃ ﴾ گواہ قاتل پر قائم و ثابت ہو جائیں یا خود قاتل اقرار کر لے۔ ﴿ فانہ قود ﴾ قود قاف اور واؤ دونوں پر فتحہ ہے۔ تو پھر اس کا حکم قصاص ہے۔ قاتل کو مقتول کے بدلہ قتل کیا جائے گا۔ ﴿ الا ان یرضی اولیاء المقتول ﴾ الآ یہ کہ مقتول کے اولیاء و ورثاء راضی ہو جائیں کہ دیت لے لیں گے۔ یہ دلیل ہے کہ دیت قبول کرنے کا اختیار مقتول کے اولیاء کو ہے نا کہ قاتل کو۔ جمہور علماء کی رائے تو یہی ہے البتہ حنفیہ کہتے ہیں کہ مقتول کے اولیاء کو دیت لینے کا اختیار اس وقت تک نہیں ہے جب تک قاتل راضی نہ ہو جائے اور وہ اس حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث سے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ ﴿ مائۃ من الابل ﴾ یہ دیت کا بیان ہے اور بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر مرفوع ہے تو اس صورت میں مبتداء محذوف ہے ﴿ اوعب جدعہ ﴾ فعل صیغۂ مجہول ہے۔ معنی ہے کہ پورا ناک جڑ سے کاٹ دیا۔ ﴿ الدیۃ ﴾ یعنی پوری دیت ہے۔ ﴿ وفی اللسان الدیۃ ﴾ پوری دیت اس صورت میں جبکہ زبان کو جڑ سے کاٹ دیا گیا ہو یا اتنی زبان کاٹ دی گئی ہو کہ بات چیت اور گفتگو نہ کر سکے۔ ﴿ البیضتین ﴾ "خصتین ﴿ المامومۃ ﴾ ایسا زخم جو دماغ کی جڑ تک پہنچ جائے اور ﴿ ام الدماغ ﴾ دماغ کے اوپر چمڑے کو کہتے ہیں۔ ﴿ الجائفۃ ﴾ نیزے وغیرہ کا وہ زخم جو پیٹ یا سر کے اندر تک پہنچ جائے۔ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے اگر زخم ایک جانب سے دوسری جانب نفوذ کر کے نکل جائے تو اس صورت میں دو تہائی دیت ہے اس لئے کہ اس طرح یہ دو زخم شمار ہوں گے۔ ﴿ المنقلۃ ﴾ قاف پر تشدید اور کسرہ۔ ایسا زخم جو ہڈی کو توڑ دے اور اسے اپنی جگہ سے نکال باہر کرے۔ ﴿ الموضحۃ ﴾ ایضاح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ ایسا زخم جو ہڈی کو گوشت سے ننگا کر کے اسے نمایاں اور واضح کر دے۔ ﴿ وعلی اھل الذھب الف دینار ﴾ یعنی دیت میں ہزار دینار سو اونٹوں کے بدلے۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا

یہ اندازہ شرعی ہے اور اصول دیت میں سے اصل ہے کہ سونے کے مالکوں پر بغیر کسی کمی و بیشی ہزار دینار متعین کئے گئے ہیں۔ خواہ اونٹ کی قیمت ارزانی اور گرانی کی وجہ سے کہیں پہنچ جائے یا وہ دیت کی قیمت کا اندازہ ہے۔ دیت میں اصل تو اونٹ ہی دینے آتے ہیں۔ پس اونٹ کی قیمت میں ارزانی اور گرانی کے مطابق سونے کی مقدار میں کمی و بیشی کی جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور محققین نے دوسری رائے کو اختیار کیا ہے اور دلیل کے اعتبار سے وہی قابل ترجیح ہے اور مزید تفصیل ''مطولات'' میں ملاحظہ ہو۔

راوی حدیث : ﴿ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری ﴾ بخاری مدنی' قاضی۔ ان کا نام اور کنیت ایک ہی ہے اور ایک قول ہے کہ ان کی کنیت ابو محمد ہے' ثقہ ہیں۔ عبادت گزار ہیں۔ کتب ستہ کے راوی ہیں اور پانچویں طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ عرصہ چالیس سال سے رات کو بستر پر کمر نہیں رکھی۔ ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا۔ ابن سعد کے قول کے مطابق ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۰۱۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «دِيَةُ الخَطَأِ أَخْمَاساً، عِشْرُونَ حِقَّةً، وَعِشْرُونَ جَذَعَةً، وَعِشْرُونَ بَنَاتِ مَخَاضٍ، وَعِشْرُونَ بَنَاتِ لَبُونٍ، وَعِشْرُونَ بَنِي لَبُونٍ» أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ. وَأَخْرَجَهُ الأَرْبَعَةُ بِلَفْظِ: «وَعِشْرُونَ بَنِي مَخَاضٍ» بَدَلَ «بَنِي لَبُونٍ»، وَإِسْنَادُ الأَوَّلِ أَقْوَى، وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ مَوْقُوفاً، وَهُوَ أَصَحُّ مِنَ المَرْفُوعِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ آپؐ نے فرمایا ''قتل خطا کی صورت میں پانچ قسم کے اونٹ دیت میں وصول کئے جائیں گے۔ بیس ایسے اونٹ جن کی عمر تین سال ہو اور بیس اونٹ جن کی عمر چار سال ہو اور بیس مادہ اونٹ جن کی عمر دو سال ہو اور بیس مادہ اونٹ جن کی عمر ایک ایک سال ہو اور بیس نر اونٹ جن کی عمر ایک سال ہو۔'' (سنن دارقطنی) اور چاروں نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ ''بیس نر اونٹ ایک سال عمر کے بدلے دو سال عمر کے'' اور پہلی کی سند قوی ہے اور ابن ابی شیبہ نے ایک اور طریق سے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس کی سند اس مرفوع سے زیادہ صحیح ہے۔

وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيْقِ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، رَفَعَهُ: الدِّيَةُ ثَلاثُونَ حِقَّةً، وَثَلاثُونَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعُونَ خَلِفَةً، فِيْ بُطُونِهَا أَوْلاَدُهَا.

ابوداؤد اور ترمذی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ' عن جدہ کے طریق سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ''دیت میں تیس تین سالہ اور تیس چار سالہ اور چالیس حاملہ اونٹنیاں وصول کی جائیں گی)

لغوی تشریح : ﴿ دیۃ الخطا اخماسا ﴾ دیت کی ادائیگی بایں صورت واجب ہے یا یہ معنی کہ اس

طریقہ سے وصول کی جائے گی۔ قتل خطا کی دیت پانچ طرح سے لی جائے گی۔ اخماس خمس کی جمع ہے۔ خمس کی "خا" اور میم دونوں پر ضمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیت کی وصولی کو پانچ اجزاء پر منقسم کر دیا گیا ہے ہر جزو ایک خاص نوعیت کے اونٹوں کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا بیان اس قول سے شروع ہوتا ہے۔ ﴿ عشرون حقة ﴾ حقه "حا" کے نیچے کسرہ اور قاف مشدد' وہ اونٹ جو اپنی عمر کے چوتھے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور ﴿ جذعة ﴾ جیم اور "زا" دونوں پر فتحہ۔ ایسے اونٹ کو کہتے ہیں جو اپنی عمر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو اور ﴿ بنت مخاض ﴾ ایسی اونٹنی جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ اور ﴿ بنت لبون ﴾ جو اونٹنی تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو ﴿ واسناد الاول ﴾ سے مراد ہے۔ سنن دارقطنی کی سند ﴿ اقوی ﴾ قوی ترین ہے۔ اس سند سے جسے چاروں نے نقل کیا ہے کیونکہ ان کی بیان کردہ سند میں خشف بن مالک ایسا راوی ہے جو مجہول ہے نیز اس میں حجاج بن ارطاۃ مدلس ہے اور عمرو بن شعیب کی حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے ﴿ اربعون خلفة خلفة ﴾ "خا" پر فتحہ اور لام پر کسرہ۔ حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں۔ یہ معلوم رہے کہ ابن مسعود کی یہ حدیث دیت میں ادا کئے جانے والے اونٹوں کی عمر کے تعین میں اصل ہے اور ائمہ اربعہ نے اسی کو لیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ قتل خطا کی دیت پانچ طرح سے وصول کی جائے گی۔ البتہ انہوں نے پانچویں کے تعین میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بنو مخاض مراد ہیں اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس سے مراد بنو لبون ہیں اور آپ نے معلوم کر لیا کہ دارقطنی کی سند قوی تر ہے اور اس میں بنو لبون ہے۔ للذا وہی قابل ترجیح ہے۔ رہی عمرو بن شعیب کی وہ حدیث جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ دیت کی وصولی تین طرح سے کی جائے گی تو وہ دراصل قتل عمد کی صورت میں مقتول کا ولی قصاص کی بجائے دیت وصول کرنے پر رضامند ہو جائے تو پھر۔ معلوم رہنا چاہئے کہ قتل کی تین انواع ہیں۔ قتل عمد' قتل خطا اور قتل شبہ عمد اور شبہ عمد سے مراد ہے ایسے آلہ سے قتل کیا جائے کہ جس سے عادتاً قتل کا امکان نہ ہو۔ جیسے لاٹھی' کوڑا وغیرہ۔ باوجودیکہ وہ قتل کرنے کا قصد و ارادہ رکھتا تھا۔ پس قتل عمد اور قتل خطا میں یہی دیت ہوگی اور ابن مسعود کی حدیث میں شبہ عمد کی دیت ہے جسے دیت مغلظة کہتے ہیں۔

(۱۰۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَعْتَى النَّاسِ عَلَى اللهِ ثَلَاثَةٌ: مَنْ قَتَلَ فِي حَرَمِ اللهِ، أَوْ قَتَلَ غَيْرَ قَاتِلِهِ. أَوْ قَتَلَ لِذَحْلِ الْجَاهِلِيَّةِ». أَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي حَدِيثٍ صَحَّحَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے لوگ تین قسم کے ہیں (ایک) جو اللہ کے حرم میں قتل کرے (دوسرا) جو اپنے غیر قاتل کو قتل کرے (تیسرا) وہ جو جاہلیت کی عداوت و دشمنی کی بنا پر قتل کرے۔" (ابن حبان نے اس کی تخریج ایک حدیث کے ضمن میں کی ہے۔ جسے انہوں نے صحیح قرار دیا

ہے)

لغوی تشریح: ﴿اعتی الناس﴾ عتو سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی تکبر اور سرکشی کے ہیں تو اعتی الناس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ آدمی جو سب سے زیادہ سرکش اور سرکشی و تمرد میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور ﴿لذحل الجاھلیہ﴾ جاہلیت کی وجہ سے انتقام لینا اور بدلے کا مطالبہ و تقاضا کرنا۔ یعنی دور جاہلیت میں کئے گئے جرم کا انتقام لینا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی سرکشی کرنے والے تین قسم کے آدمیوں کا ذکر ہے۔ ان میں ایک وہ بدنصیب ہے جو بلدالامین یعنی مکہ میں قتل ناحق کرتا ہے۔ قتل کرنا ویسے ہی بہت بڑا جرم و گناہ ہے مگر حرم مکہ و مدینہ میں قتل کرنا سنگین ترین جرم ہے جس سے معلوم ہوا کہ مقام و جگہ میں جرم کی سنگینی میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے جو شخص حرم میں قتل خطا کا مرتکب ہو اس پر دیت سخت رکھی جائے اور دوسرا وہ ہے جو اصل قاتل کے علاوہ بدلے میں کسی اور کو قتل کرتا ہے۔ قاتل سے بدلہ لینا حکومت کی ذمہ داری ہے مگر جو شخص جوش انتقام میں قاتل کے رشتہ دار یا ہمشیر وغیرہ کو قتل کرتا ہے وہ دہرے جرم کا مرتکب بنتا ہے اور تیسرا وہ جو زمانہ جاہلیت کا بدلہ کسی مسلمان سے لیتا ہے' وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی سرکش ہے۔

(۱۰۱۲) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَلاَ إِنَّ دِيَةَ ٱلْخَطَأِ وَشِبْهِ العَمْدِ، مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالعَصَا، مِائَةٌ مِنَ الإِبِلِ، مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلاَدُهَا». أَخرَجَهُ أَبو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ ماجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قتل خطا کی دیت شبہ عمد (کی دیت ہے) جو کوڑے اور لاٹھی سے (مارا گیا) ہو۔ اس کی دیت سو اونٹ ہے۔ ان میں چالیس اونٹنیاں ایسی ہوں گی جن کے پیٹ میں بچے پرورش پا رہے ہوں گے۔ (اسے ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے نکالا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿منھا اربعون فی بطونھا اولادھا﴾ اور باقی ساٹھ میں سے تیس حقہ یعنی تیس تین سالہ اونٹنیاں اور تیس چار سالہ جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کو یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ عمرو بن شعیب والی حدیث کی تفسیر ہو جائے کہ اس میں جو تین طرح کی دیت بیان ہوئی ہے وہ قتل خطا کی دیت نہیں بلکہ قتل شبہ عمد کی ہے۔

(۱۰۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ يَعْنِي

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ اور یہ یعنی چھنگلی اور انگوٹھا برابر ہیں۔" (بخاری)

الخِنْصَرَ وَالإبْهَامَ». رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ: ٱلأَصَابِعُ سَوَآءٌ وَالأَسْنَانُ سَوَآءٌ، الثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَآءٌ.

اور ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے۔ سب انگلیاں برابر اور سارے دانت برابر' ثنیہ (سامنے اوپر نیچے کے دو دو دانت) اور داڑھ برابر" اور ابن

وَلِابْنِ حِبَّانَ: دِيَةُ أَصَابِعِ اليَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَآءٌ، عَشْرٌ مِّنَ الإِبِلِ لِكُلِّ إِصْبَعٍ.

حبان کی روایت میں ہے "ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے۔ ہر انگلی کے بدلہ دس اونٹ دیت ہے۔"

لغوی تشریح: ﴿ هذه وهذه سواء ﴾ یہ اور یہ برابر۔ یعنی دیت میں چھوٹی بڑی سب انگلیاں برابر ہیں۔ ﴿ الضرس ﴾ ضرس کے ضاد کے نیچے کسرہ اور "را" ساکن۔ اس کی جمع "اضراس" ہے۔ یہ پانچ یا چار داڑھیں ہوتی ہیں جو منہ کے دونوں اطراف میں منہ کے آخری حصہ میں ہوتی ہیں ان سے کھانا چبایا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دیت نفع کی مقدار کے حساب سے نہیں ہوتی۔ انگوٹھا چھنگلی سے زیادہ سود مند اور نفع بخش ہوتا ہے بلکہ وہ تو تمام انگلیوں سے زیادہ منافع بخش ہوتا ہے اور اسی طرح داڑھیں دوسرے دانتوں کے مقابلہ میں زیادہ سودمند اور نفع بخش ہوتی ہیں اس کے باوجود دیت میں یہ سب برابر ہیں اور ہر ایک کی دیت دس اونٹ ہے۔

(١٠١٤) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، رَفَعَهُ، قَالَ: مَنْ تَطَبَّبَ، وَلَمْ يَكُنْ بِٱلطِّبِّ مَعْرُوفاً، فَأَصَابَ نَفْساً فَمَا دُوْنَهَا، فَهُوَ ضَامِنٌ. أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ. وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَهُوَ عِنْدَ أَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيِّ وَغَيْرِهِمَا، إِلاَّ أَنَّ مَنْ أَرْسَلَهُ أَقْوَى مِمَّنْ وَصَلَهُ.

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ "جو شخص اپنے آپ طبیب بن کر کسی کو دوائی دیتا ہے حالانکہ اسے طبابت میں مہارت نہیں اور اس (کے غلط علاج) سے کوئی آدمی قتل ہو جائے یا کوئی نقصان کسی کو پہنچ جائے تو وہ اس کا ضامن ہے۔" (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابوداؤد اور نسائی وغیرہ کے ہاں بھی یہ روایت منقول ہے مگر جن راویوں نے اس روایت کو مرسل بیان کیا ہے وہ ان راویوں سے زیادہ قوی ہیں جنہوں نے اسے موصول بیان کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ من تطبب ﴾ پیشہ طبابت اختیار کیا اور مریض کو دوا دی۔ ﴿ فاصاب نفسا فما دونها ﴾ غلط علاج سے مریض کی جان یا کوئی حصہ جسم ضائع ہو جائے۔ ﴿ فهو ضامن ﴾ تو وہ اس کا

ضامن ہے اور اس پر دیت واجب ہے جو اس کے عاقلہ یعنی عصبہ پر واجب الادا ہوگی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا اگر کوئی شخص صحیح معنوں میں طبیب نہیں مگروہ کسی کو دوائی دیتا ہے اور اس سے جانی نقصان ہو جاتا ہے یا اعضاء بدن میں سے کوئی عضو ناکارہ ہو جاتا ہے تو اس پر اس کی دیت واجب ہوگی اور ادائیگی دیت کا بار اس کے عصبہ پر بھی پڑے گا۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے طبیب حاذق کیلئے بیس باتوں کا خیال و لحاظ رکھنا ضروری قرار دیا ہے پھر ان کو ایک ایک کر کے زاد المعاد میں بیان کیا ہے۔ ایسے ناتجربہ کار اور اناڑی طبیب سے نقصان کی صورت میں اس پر دیت کے واجب ہونے پر سب علماء کا اجماع ہے۔

(١٠١٥) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ مِّنَ الْإِبِلِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ. وَزَادَ أَحْمَدُ: «وَالأَصَابِعُ سَوَآءٌ كُلُّهُنَّ، عَشْرٌ عَشْرٌ مِّنَ الإِبِلِ»، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الجَارُودِ.

عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے' انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جن زخموں سے ہڈی کھل جائے ان کی دیت پانچ اونٹ ہیں۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے) اور احمد میں اتنا اضافہ ہے۔ "تمام انگلیوں کی دیت برابر ہے یعنی ہر انگلی کی دیت دس دس اونٹ ہے۔" (اس روایت کو ابن خزیمہ اور ابن جارود نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿المواضح﴾ میم پر فتحہ موضحہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی و تفسیر ابھی قریب ہی گزر چکی ہے۔ یعنی ایسا زخم جس سے ہڈی کھل جائے۔ مگر ٹوٹے نہیں۔

حاصل کلام: لڑائی کے دوران چوٹ اور زخم کی صورت میں ہڈی سے گوشت الگ ہو جائے اور ہڈی واضح طور پر کھل جائے مگر ٹوٹنے سے بچ جائے تو ایسی صورت میں شوافع' احناف اور صحابہ کی ایک بڑی جماعت کا مسلک یہی ہے۔ اس پر پانچ اونٹ دیت ادا کرنا لازمی ہوگا۔ ہر ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(١٠١٦) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَقْلُ أَهْلِ الذِّمَّةِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُسْلِمِينَ» رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ. وَلَفْظُ أَبِي دَاوُدَ: «دِيَةُ ٱلْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ ٱلْحُرِّ». وَلِلنَّسَآئِيِّ: «عَقْلُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ

یہ روایت بھی انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ذمیوں کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے) اور ابوداؤد کے الفاظ اس طرح ہیں کہ "ذمی کی دیت آزاد کے مقابلہ میں آدھی ہے" اور نسائی کی روایت میں ہے کہ "عورت کی دیت مرد کی دیت

عَقْلِ الرَّجُلِ، حَتَّى يَبْلُغَ الثُّلُثَ مِنْ دِيَتِهَا». وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

کی مانند ہے۔ یہاں تک کہ دونوں کی دیت تہائی تک پہنچے۔" (اسے ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿ عقل المرأة الخ ﴾ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے زخموں کی دیت' مرد کے زخموں کی دیت کے برابر ہے تاآنکہ تہائی تک پہنچ جائے (یعنی عورت کی دیت مرد کی دیت کے ایک تہائی درجہ تک کے برابر ہے) اور اگر زخم اس سے زیادہ ہے تو عورت کا زخم مرد کے زخم کے مخالف ہو جائے گا اور اس صورت میں مرد کی دیت سے عورت کے زخم کی دیت نصف ہوگی اور یہ اس لئے کہ عورت کی دیت مرد کے مقابلہ میں آدھی ہے۔ اس میں سب متفق ہیں کسی کا اختلاف نہیں۔ مکمل دیت کے مقابلہ میں عورت کے زخم کی دیت کا مفہوم مخالف کے اصول پر قیاس کیا جائے گا۔ فقہاء میں جمہور اس طرف ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی رائے بھی یہی ہے اور مدنی فقہاء کا قول بھی یہی ہے اور جمہور اہل مدینہ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔ ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو اسلامی ریاست میں بطور رعایا سکونت پذیر ہو۔ البتہ عورت کی دیت زخموں میں مرد کی دیت کے مقابلہ میں آدھی ہے بشرطیکہ اس زخم کی دیت مرد کی پوری دیت کے ثلث سے اوپر ہو۔ اسے ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک خاتون کی تین انگلیاں کٹ گئیں ان کی دیت دس اونٹ فی انگلی کے حساب سے تیس اونٹ ہوگی اور یہاں تک مرد کے برابر ہوگی اب اس خاتون کی چار انگلیاں کٹ جائیں اور مرد کی بھی چار کٹ جائیں تو مرد کی دیت چالیس اونٹ ہوں گے اور عورت کے بیس کیونکہ چالیس سو کے تہائی سے اوپر ہے اس لئے عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف رہ جائے گا۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے مگر احناف اور شوافع قتل اور زخموں کی صورت میں عورت کی آدھی دیت کے قائل ہیں۔

(١٠١٧) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «عَقْلُ شِبْهِ الْعَمْدِ مُغَلَّظٌ، مِثْلُ عَقْلِ الْعَمْدِ، وَلَا يُقْتَلُ صَاحِبُهُ، وَذَٰلِكَ أَنْ يَنْزُوَ الشَّيْطَانُ فَيَكُونَ دَماً بَيْنَ النَّاسِ فِي غَيْرِ ضَغِينَةٍ، وَلَا حَمْلِ سِلَاحٍ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَضَعَّفَهُ.

حضرت عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ ہی اس کے بھی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قتل شبہ کی دیت قتل عمد کی طرح دیت مغلظہ ہے۔ اس لئے قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہیں شیطان درمیان میں دخل اندازی کرے اور بغیر کسی دشمنی اور بغیر ہتھیاروں کے کسی اور وجہ سے قتل عام شروع ہو جائے۔ (اس کی دارقطنی نے تخریج کی ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ مغلظ ﴾ دیت مغلظہ یعنی پوری سو اونٹ دیت۔ ان میں سے چالیس اونٹنیاں ایسی

جو حاملہ ہوں بچے ان کے پیٹوں میں پرورش پا رہے ہوں جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ﴿ ینزغ الشیطان ﴾ نزغ سے ماخوذ ہے اور یہ باب نصر ینصر ہے۔ یعنی لوگوں کے درمیان خواہ مخواہ کود پڑے گا اور ان کو باہمی لڑائی اور قتل و قتال پر آمادہ اور برانگیختہ کرے گا۔ ﴿ ضغینة ﴾ کینہ' حقد' عداوت۔ ﴿ سلاح ﴾ یعنی ہتھیار سے قتل نہ ہو بلکہ پتھر یا لاٹھی وغیرہ سے ہو جس میں قصاص نہیں بلکہ دیت ہے' البتہ اس کی دیت' دیت مغلظہ ہے۔

(١٠١٨) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلاً عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ دِيَتَهُ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفاً. رَوَاهُ الأَرْبَعَةُ، وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو قتل کر دیا تو نبی ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار طے فرمائی۔ (اسے چاروں نے روایت کیا ہے' نسائی اور ابوحاتم دونوں نے اس روایت کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿ اثنا عشر الفا ﴾ بارہ ہزار سے مراد' بارہ ہزار درہم ہے اور درہم چاندی کے سکے کو کہتے ہیں اور ان کا وزن چوالیس کلوگرام ہوتا ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دیت میں اصل تو اونٹ ہی ہیں اور یہ معلوم رہے کہ اونٹوں کے نرخ میں کمی بیشی کی وجہ سے سونے اور چاندی کے وزن میں بھی کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کے پاس اونٹ نہ ہوں تو دیت نقدی کی صورت میں بھی دی جا سکتی ہے۔ وہ مروج سکہ خواہ دینار ہو یا درہم یا کاغذی سکہ۔ اونٹ کی قیمت طے کر کے اتنی نقدی ادا کی جا سکتی ہے۔

(١٠١٩) وَعَنْ أَبِي رِمْثَةَ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، وَمَعِيَ ابْنِي، فَقَالَ: «مَنْ هَذَا؟» فَقُلْتُ: ابْنِي، وَأَشْهَدُ بِهِ، فَقَالَ: **«أَمَا إِنَّهُ لاَ يَجْنِي عَلَيْكَ. وَلاَ تَجْنِي عَلَيْهِ»**. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الجَارُودِ.

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا "یہ کون ہے؟" میں نے عرض کیا۔ میرا بیٹا ہے لہٰذا آپ اس پر گواہ رہیں۔ آپ نے فرمایا "بے شک یہ تیرے گناہ و جرم کا ذمہ دار نہیں اور نہ تو اس کے گناہ و جرم کا ذمہ دار۔" (اسے نسائی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ واشهد به ﴾ اشهد میں اس کا احتمال ہے کہ یہ صیغہ طلب ہو اور معنی ہو کہ آپ گواہ

رہیں کہ میرا یہ بیٹا میرے صلب سے ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ متکلم کا صیغہ ہو اور وہ ثابت کر رہا ہو کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس سے دراصل مقصود یہ تھا کہ جرائم کی ضمانت جاہلیت میں اس طور پر لازم ہوتی تھی کہ والد کی جگہ بیٹا اور بیٹے کی جگہ باپ پر عائد کر دی جاتی تھی۔ اس اصول کی طرف یہ صاحب اشارہ کر رہے تھے۔ اس لئے نبی ﷺ نے اس کے اس نظریئے اور خیال کی تردید میں فرمایا کہ ''وہ تیرے جرائم و گناہ کا ذمہ دار نہیں اور تو اس کے جرائم کا جواب دہ نہیں'' یعنی اگر جرم کا ارتکاب و صدور اس کی جانب سے ہوگا تو اس کی پاداش میں تجھے مؤاخذہ میں گرفتار نہیں کیا جائے گا اور اس کی ضمان تیرے سر نہیں ہوگی اور اسی طرح اس کے برعکس کہ وہ اگر مرتکب جرم ہوگا تو اس ارتکاب جرم کا بار اسی پر پڑے گا اس کے جرم کی باز پرس تم سے نہیں ہوگی۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں موجود ہے لا تزر وازرۃ وزر اخری (۱۷: ۱۵) یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (اپنا بوجھ آپ ہی اٹھانا ہوگا۔ جو کرے گا سو بھرے گا)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قصاص اور عتاب میں مجرم کے بدلے میں کسی اور کو نہیں پکڑا جائے گا حتیٰ کہ باپ کے بدلے میں بیٹا اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ شارع نے پھر قتل خطا اور قسامت کی صورت میں دیت کا بار عصبہ پر کیوں ڈالا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بوجھ نہیں بلکہ یہ باہمی تعاون و امداد ہے جو بھائی چارے اور برادری کی بنیاد پر بتقاضائے طبیعت بوقت ضرورت کی جاتی ہے اور برادری کے افراد بخوشی ادا کرتے ہیں کیونکہ ہر ایک اپنے قریبی عزیز کی غمگساری میں برضا و رغبت شریک ہونا فخر سمجھتا ہے اور انسانی تمدن اور معاشرت اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ آج اگر کسی پر افتاد پڑ گئی ہے تو اس کا سہارا بنے' کل وہ بھی اس کا شکار ہو سکتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ ابو رمثہ رضی اللہ عنہ ﴾ ایک قول کے مطابق ان کا نام حبیب بن حیان اور ایک دوسرے قول کے مطابق رفاعہ بن یثربی یا عمارہ بن یثربی بلوی یا تیمی تھا۔ بنو تیم الرباب سے ہونے کی وجہ سے اور ایک قول کے مطابق تمیمی ہیں امری القیس بن زید مناۃ بن تمیم کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے۔ مشہور صحابی ہیں۔ ان کا شمار کوفی صحابہ میں ہوتا ہے اور رمثہ کا اعراب یہ ہے کہ ''را'' کے نیچے کسرہ اور میم ساکن ہے۔ نبی ﷺ سے ان کی ملاقات حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی۔

٢ - بَابُ دَعْوَى الدَّمِ وَالْقَسَامَةِ

دعویٰ خون اور قسامت (قسموں کو تقسیم کرنے) کا بیان

(١٠٢٠) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، عَنْ رِجَالٍ مِّنْ كُبَرَآءِ قَوْمِهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنِ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ

حضرت سہل بن ابی حثمہ نے اپنی قوم کے بڑے بزرگوں سے روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اپنی تنگ دستی کی وجہ

مَسْعُودٍ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ، مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ، فَأَتَى مُحَيِّصَةُ، فَأَخْبَرَ أَنَّ عَبْدَاللهِ بْنَ سَهْلٍ قَدْ قُتِلَ، وَطُرِحَ فِي عَيْنٍ، فَأَتَى يَهُودَ، فَقَالَ: أَنْتُمْ وَاللهِ قَتَلْتُمُوهُ، قَالُوا: وَاللهِ مَا قَتَلْنَاهُ، فَأَقْبَلَ هُوَ، وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ، فَذَهَبَ مُحَيِّصَةُ لِيَتَكَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَبِّرْ كَبِّرْ»، يُرِيدُ السِّنَّ. فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ، ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ، وَإِمَّا أَنْ يُؤْذِنُوا بِحَرْبٍ**»، فَكَتَبَ إِلَيْهِمْ فِي ذٰلِكَ كِتَاباً، فَكَتَبُوا: إِنَّا وَاللهِ مَا قَتَلْنَاهُ، فَقَالَ لِحُوَيِّصَةَ، وَمُحَيِّصَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلٍ: «**أَتَحْلِفُونَ، وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ؟**» قَالُوا: لَا، قَالَ: «**فَيَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ**»، قَالُوا: لَيْسُوا مُسْلِمِينَ، فَوَدَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مِائَةَ نَاقَةٍ، قَالَ سَهْلٌ: فَلَقَدْ رَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ حَمْرَاءُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سے خیبر کی طرف نکلے۔ پس محیصہ نے آ کر اطلاع دی کہ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اسے ایک چشمہ میں پھینک دیا گیا ہے۔ محیصہ رضی اللہ عنہ یہود کے پاس آیا اور کہا کہ خدا کی قسم تم لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔ وہ بولے اللہ کی قسم ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ پھر محیصہ اور اس کا بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل (رضی اللہ عنہم) تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پہنچے اور محیصہ نے گفتگو کرنی چاہی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بڑے کو بات کرنے دو بڑے کو۔" آپؐ کی مراد تھی جو تم میں عمر میں بڑا ہے اسے بات کرنی چاہیے۔ چنانچہ حویصہ رضی اللہ عنہ نے بیان دیا پھر محیصہ بولا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ لوگ یا تو تمہارے صاحب و ساتھی کی دیت ادا کریں گے یا جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔" پھر اس سلسلہ میں آپؐ نے ان کو خط تحریر فرمایا جس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ اللہ کی قسم ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے حویصہ' محیصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا "کیا تم لوگ قسم کھا کر اپنے صاحب کے خون کے حقدار بنو گے؟" انہوں نے جواب دیا نہیں۔ پھر آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ "تم کو یہودی قسم دیں؟" انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو مسلمان نہیں ہیں (اس لئے ان کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں) پس پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت اپنے پاس (بیت المال) سے دی اور ان کو سو اونٹنیاں بھیج دیں۔ سہل رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ان میں سے ایک سرخ رنگ کی اونٹنی نے

مجھے لات ماری۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ باب دعوی الدم والقسامة ﴾ قسامة کے "قاف" پر فتحہ اور تخفیف السین اور "اقسم" کا مصدر ہے اور یہاں اس سے مراد قسم ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فقہاء کے نزدیک یہ ایمان کا اسم ہے اور اصل لغت کے نزدیک قسمیں اٹھانے والوں کے لئے نام ہے اور قسامت کی صورت یوں ہوتی ہے کہ کوئی مقتول آدمی کسی بستی یا شہر میں پایا جائے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو اور اس کے قتل پر کوئی گواہ بھی کھڑا نہ ہو۔ لیکن مقتول کا ولی اس کے قتل کا الزام کسی آدمی یا جماعت پر لگائے اور ان کے خلاف کمزور ثبوت ہو۔ جو ظن پر غالب آرہا ہو تو پھر مدعی سچا ہے۔ گویا مقتول ان کے محلّہ میں پایا گیا اور مقتول اور ان کے مابین دشمنی تھی تو پھر مقتول کے اولیاء سے ان کے خلاف پچاس قسمیں کھانے کا حکم دیا جائے گا پس اگر ان لوگوں نے قسمیں کھالیں تو دیت کے مستحق قرار پائیں گے جبکہ قتل خطاء یا قتل شبہ عمد ہو گا اور اگر قتل عمداً کیا گیا ہو تو امام مالک اور امام شافعی کا قدیم قول اور امام احمد اور اسحاق کے نزدیک وہ قصاص کے مستحق ہونگے۔ مگر امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے صحیح ترین قول کے مطابق قتل عمد میں بھی وہ دیت لینے کے مستحق ہوں گے اور جب مقتول کے اولیاء اعراض کریں اور قسم اٹھانے سے گریز کریں اور پیچھے ہٹیں تو پھر جس پر انہوں نے دعویٰ دائر کیا ہے' ان کو قسم اٹھانے کا حکم دیا جائے کہ وہ اس بات کی قسم کھائیں کہ انہوں نے قتل نہیں کیا۔ اور نہ ان کو علم ہے کہ اس کا قاتل کون ہے؟ پس اگر قسم کھالیں تو وہ بری قرار پائیں گے۔ ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی اور اگر انہوں نے قسم کھانے سے گریز کر لیا اور منہ پھیر لیا تو ان پر دیت لازم کر دی جائے گی۔ ﴿ من جهد ﴾ جهد کے جیم پر فتحہ اور ضمہ دونوں طرح۔ یعنی مشقت کی بنا پر اور تنگ دستی' گزران کی وجہ سے۔ "فاتی محیصه فاخبر" اتی اور اخبر دونوں فعل صیغہ مجہول ہیں۔ "قد قتل وطرح" دونوں صیغہ مجہول۔ طرح کے معنی ڈال دیا پھینک دیا گیا۔ "فاقبل" یعنی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ﴿ فذهب محیصة لیتکلم ﴾ محیصہ نے گفتگو کرنی چاہی۔ اس نے صرف جلدی سے گفتگو اس لئے کرنے کا ارادہ کیا کہ یہ اس واقعہ قتل میں حاضر تھا اور اپنے بھائی حویصہ سے عمر میں چھوٹا تھا ﴿ کبر کبر ﴾ تکبیر سے صیغہ امر ہے۔ یعنی بڑے کو آگے بڑھاؤ اور بڑے کے حق میں بڑائی کا لحاظ رکھو تاکہ وہ تجھ سے پہلے بات کرے۔ ﴿ یرید السن ﴾ یہ دوران گفتگو ادراج ہے اور کبر کی تفسیر ہے۔ اس کلام سے مراد یہ تھی جو عمر میں بڑا ہے اسے بات کرنی چاہئے ﴿ اما ان یدوا صاحبکم ﴾ یعنی تمہارے مقتول بھائی کی دیت دیں گے۔ فاعل کی ضمیر یہود کی جانب راجع ہے ﴿ یدوا ﴾ "یا" پر فتحہ اور دال پر ضمہ یہ "ودی یدی دیة" باب ضرب یضرب سے مضارع کا صیغہ ہے۔ ﴿ واما ان یاذنوا ﴾ یا پھر وہ اعلان کر دیں گے ﴿ بحرب ﴾ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا۔ ﴿ فکتب الیهم ﴾ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف نوشتہ تحریر فرمایا ﴿ فیحلف لکم یهود ﴾ پس یہود اپنے خلاف تمہارے دعویٰ کو قسم کھا کر باطل کر دیں گے۔ ﴿ لیسوا

المسلمین ﴾ وہ تو مسلمان ہی نہیں لہٰذا ہم ان کی قسموں پر راضی نہیں ہوں گے۔ ﴿ فوداہ ﴾ پس آپ نے خود اس کی دیت ادا فرما دی رکضتنی اونٹنی نے اپنی لات مجھے رسید کر دی اور قسم مقتول کے اولیاء کے ذمہ پس اگر وہ گریز و اعراض کریں تو پھر جن پر دعویٰ دائر کیا گیا ہے اور وہ جب قسم کھالیں گے تو بری ہو جائیں گے اور ان پر کسی قسم کی کوئی چیز عائد نہیں ہوگی۔

حاصل کلام : اس حدیث سے قسامت کا ثبوت ملتا ہے اور قسامت یہ ہے کہ قاتل کا کسی طرح پتہ نہ چلنے کی وجہ سے مشتبہ اشخاص یا قوم سے قسم لی جائے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا اور ان کو اس کے قاتل کا علم بھی نہیں۔ یہ رسم دور جاہلیت میں بھی تھی اسلام نے اسے جائز رکھا۔ اس میں پچاس آدمیوں کی قسمیہ شہادت ہوتی ہیں کہ ہم نے یا ہمارے قبیلہ نے یا ہمارے گاؤں نے اسے قتل نہیں کیا۔ معلوم رہے کہ یہ قسم صرف خون کے مقدمہ میں ہوتی ہے باقی حدود کے مقدمات میں قسامت ہوتی ہی نہیں۔ قسامت دونوں جانب سے ہو سکتی ہے اگر مقتول کے اولیاء و ورثاء ثبوت پیش کر دیں یا عدم ثبوت کی صورت میں قسم دے دیں کہ ہمارے مقتول کے قاتل یہی ہیں تو مدعا علیہ پر دیت لازم ہو جاتی ہے اور اگر مدعی ان دونوں باتوں سے قاصر ہوں تو مدعا علیہ یا مدعا علیہم پچاس قسمیں دے دیں تو وہ بری ہو جاتے ہیں اور قسمیں ان حضرات کی تسلیم ہوں گی جن کو مدعی منتخب کرے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اجتماعی معاملات پر عمر رسیدہ کو بات پہلے کرنی چاہیے۔

راوی حدیث : ﴿ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ ﴾ عبداللہ بن سہل بن زید بن کعب بن عامر انصاری حارثی۔ خیبر میں قتل کئے گئے اور ایک چشمہ میں پائے گئے کہ ان کی گردن توڑ دی گئی تھی۔

﴿ محیصہ رضی اللہ عنہ ﴾ ابو سعید محیصہ بن مسعود بن کعب الحارثی انصاری مدنی۔ عبداللہ بن سہل مقتول کے چچا زاد بھائی۔ مشہور و معروف صحابی ہیں۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا۔ غزوات احد و خندق اور ان دونوں کے بعد کے تمام غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فدک کی طرف بھیجا تھا تاکہ ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔

﴿ حویصہ رضی اللہ عنہ ﴾ محیصہ کے بڑے بھائی ۳ھ میں اسلام قبول کیا۔ احد اور خندق بلکہ باقی تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔

﴿ عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ ﴾ یہ عبداللہ بن سہل کے بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت نافع بن عامر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بدر و احد اور باقی تمام غزوات و مشاہدات میں شریک رہے۔ یہ وہ صاحب تھے جن کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ عمارہ بن حزم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان کو جھاڑ پھونک کی۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصابہ میں اس بارے میں تردد کا اظہار کیا ہے اور اسے بعید تصور کیا ہے۔

(۱۰۲۱) وَعَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ایک انصاری صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کی قسامت کو برقرار رکھا اور

ﷺ أَقَرَّ الْقَسَامَةَ عَلَىٰ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ نَاسٍ مِّنَ الأَنْصَارِ، فِي قَتِيلٍ ادَّعَوْهُ عَلَى الْيَهُودِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

آپؐ نے اس کا فیصلہ انصار کے کچھ لوگوں کے درمیان ایک مقتول کے حق میں دیا۔ جس کا دعویٰ یہودیوں پر کیا گیا تھا۔ (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے زمانہ جاہلیت کی رسم قسامت کا علم ہوتا ہے۔ پھر اسی قسامت کو آپؐ نے برقرار رکھا۔ قسامت کا آغاز اس طرح ہوا کہ ایک قریشی نے ایک ہاشمی کو قتل کر دیا جب معاملہ سنگین صورت حال اختیار کر گیا تو قاتل نے انکار کر دیا کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ اس موقع پر ابوطالب نے کھڑے ہو کر تین باتیں ان کے سامنے رکھیں کہ تینوں میں سے کوئی ایک منتخب کر لو یا تو ہمیں دیت ادا کر دو یا پچاس آدمیوں کی قسمیں دے دو یا ہم تجھے قتل کریں گے' ہمارا قاتل تو ہی ہے۔ اس روز سے قتل کے بارے میں قسامت کا رواج جاری ہوا اور آج تک جوں کا توں چلا آرہا ہے۔ اگر مدعا علیہم قسمیں دے دیں تو بالاتفاق ان پر کوئی دیت نہیں۔ اس معاملہ میں شریعت نے کافر کی قسم کو بھی تسلیم کیا ہے۔ یہ معلوم رہے کہ صرف مدعی کے کہنے پر قسموں کا آغاز نہیں ہوگا تاوقتیکہ دیگر شبہات اس کی تائید نہ کریں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دور جاہلیت کی اچھی چیز کو اسلام نے برقرار رکھا۔

٣ - بَابُ قِتَالِ أَهْلِ الْبَغْيِ — باغی لوگوں سے جنگ و قتال کرنا

(١٠٢٢) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھایا۔ اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب القتال اہل البغی﴾' بغی کی با پر فتحہ اور غین ساکن۔ اس کے معنی ہیں ظلم اور حق وصداقت سے اعراض کرنا اور اس سے مراد مسلمان امراء اور ان کے خلفاء کے خلاف ان کی مسلمان رعایا کا خروج وبغاوت۔

حاصل کلام: اسلام مسلمانوں کو باہمی اخوت' محبت اور بھائی چارہ سے رہنے کا درس دیتا ہے۔ ایک دوسرے سے خیر خواہی اور ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے۔ ایک دوسرے سے تعاون و تناصر کا سبق پڑھاتا ہے۔ اس حدیث میں مسلمان کا مسلمان کے خلاف اسلحہ کا استعمال کرنا اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو آدمی ہم پر ہتھیار اٹھائے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔" مسلمان کا کام تو امداد باہمی ہے نا کہ لڑائی کرنا' یہ معاملہ مسلمانوں کی باغی جماعت سے ہے۔ جو لوگ معاشرے کا امن و امان غارت کرنے کی سعی کریں ان سے قرآن کی رو سے لڑائی کرنا چاہئے تاوقتیکہ وہ اپنی

باغیانہ روش سے باز آجائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الی امر اللہ" باغی گروہ سے اس وقت تک لڑو کہ وہ اپنی باغیانہ روش سے امر الٰہی کی طرف پلٹ آئیں۔ بکثرت احادیث بھی اس کی تائید میں ہیں۔

(۱۰۲۳) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ خَرَجَ عَنِ الطَّاعَةِ، وَفَارَقَ الجَمَاعَةَ، وَمَاتَ، فَمِيتَتُهُ مِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے امام کی اطاعت سے خروج کیا اور مسلمانوں کی جماعت سے جدا و الگ ہو گیا اور اسی حالت میں اس پر موت وارد ہو گئی تو اس کی یہ موت جاہلیت کی موت ہو گی۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿من خرج عن الطاعۃ﴾ یعنی امیر وقت کی اطاعت یا اس خلیفہ وقت کی اطاعت سے جس کی خلافت پر سب کا اتفاق ہے۔ خواہ وہ کسی علاقہ یا کسی مملکت میں ہو۔ ﴿وفارق الجماعۃ﴾ اس جماعت کو خیرباد کہہ دیا جو مسلمانوں کی جماعت ہے اور اس امیر کی اطاعت پر مجتمع و متفق ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے آدمی مسلمانوں کی جماعت سے بعض اختلافات کی وجہ سے الگ ہو جائے۔ صرف علیحدگی ہی اختیار کی ہو' باغیانہ روش اختیار نہ کی تو اس کے اس طرز عمل کی بنا پر اس سے لڑائی نہیں کی جائے گی۔ اور اسے اس کے حال پر چھوڑے رکھا جائے تاوقتیکہ وہ باغیانہ طرز زندگی پر نکل کھڑا ہو۔ جب وہ ایسی روش پر چلے گا تو اس سے لڑائی کی جائے گی۔ یہ معلوم رہے کہ امیر کی اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک وہ کسی صریح اور بالکل واضح حکم شریعت کے خلاف حکم نہ دے اور اس کی بیعت توڑنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ صریح کفر و الحاد کے اختیار کرنے کا حکم نہ دے اور خود یہ کام نہ کرنے لگے۔ پابند شرح امیر و خلیفہ کی نافرمانی بغاوت ہے۔ لہٰذا جو ایسے امیر کی اطاعت سے نکل کر مسلمانوں سے الگ ہو جائے تو ایسے آدمی کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔ ایسی موت کو گمراہی کی موت تو کہہ سکتے ہیں کفر کی موت نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باغی مسلمانوں سے لڑنا جائز ہے۔ مگر یہ لڑنا حکومت کا کام ہے۔ انفرادی طور پر لڑنا تو معاشرے کے امن و امان کو تہہ و بالا کرنا ہے۔ جس کی اسلامی حکومت اجازت نہیں دے سکتی۔

(۱۰۲٤) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تَقْتُلُ عَمَّاراً الفِئَةُ البَاغِيَةُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿عمارا﴾ ابن یاسر وہ ہیں۔ یاسر مشہور و معروف صحابی کا لخت جگر ﴿الفئۃ﴾ "فا" کے نیچے کسرہ اور ہمزہ پر فتحہ۔ معنی اس کے ہیں جماعت گروہ۔

حاصل کلام: عام مؤرخین کا خیال ہے کہ عمار کو جنگ صفین کے روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت کچھ اس طرح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپس میں لڑانے والا وہی باغیوں کا گروہ تھا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں باغیوں کا وہ گروہ موجود تھا اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھے۔ دوران جنگ اسی باغی گروہ نے جو مسلمانوں کو آپس میں الجھا کر ہی رکھنا چاہتا تھا' نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بھی اسی گروہ کے بارے میں ہے۔ اسی حدیث کی آڑ میں روافض اور ان کے کئی ہمنوا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اسی دروازے سے وہ صحابہ ؓ کو برا بھلا کہنے سے بھی خوف نہیں کھاتے۔ اس معاملے میں بہت سنبھل کر بات کرنی چاہیئے کیونکہ یہ صحابہ کرام ؓ کا معاملہ ہے۔ جن کے اللہ نے سارے گناہ معاف کر رکھے ہیں۔

(١٠٢٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلْ تَدْرِي، يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ! كَيْفَ حُكْمُ اللَّهِ فِيمَنْ بَغَى مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ؟» قَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «لاَ يُجْهَزُ عَلَى جَرِيحِهَا، وَلاَ يُقْتَلُ أَسِيرُهَا، وَلاَ يُطْلَبُ هَارِبُهَا، وَلاَ يُقْسَمُ فَيْئُهَا». رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالْحَاكِمُ، وَصَحَّحَهُ، فَوَهِمَ، لِأَنَّ فِي إِسْنَادِهِ كَوْثَرَ بْنِ حَكِيمٍ، وَهُوَ مَتْرُوكٌ.

وَصَحَّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مِنْ طُرُقٍ نَحْوُهُ مَوْقُوفاً. أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْحَاكِمُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ام عبد کے بیٹے! کیا تجھے معلوم ہے کہ اس امت کے باغی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟" انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "اس کے زخمیوں کو ختم نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے قیدیوں کو قتل کیا جائے گا اور نہ بھاگنے والے کا پیچھا و تعاقب کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے مال غنیمت کو تقسیم کیا جائے گا۔" (اس روایت کو بزار اور حاکم دونوں نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مگر یہ حاکم کا وہم ہے اس لئے کہ اس کی سند میں کوثر بن حکیم متروک راوی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اس کی مانند کئی طرق سے مروی ہے جو صحیح ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ اور حاکم نے نکالا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ یا ابن ام عبد ﴾ ابن ام عبد سے مراد عبداللہ بن مسعود ہیں کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور ہیں۔ گویا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث بیان فرماتے سنا ہے۔ (سبل) ﴿ لایجھز ﴾ یہ اور اس کے بعد کے افعال صیغۂ مجہول ہیں۔ یعنی زخمی پر سختی نہیں کی جائے گی اور نہ اسے قتل کیا جائے گا ﴿ ولا یقسم فیئھا ﴾ باغیوں کے اموال بطور مال غنیمت تقسیم نہیں کئے

جائیں گے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی سند میں کوثر بن حکیم ایسا راوی ہے جس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ باغیوں سے نبرد آزما ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ بالاتفاق ان سے جنگ جائز ہے لیکن ان کے اموال' مویشی لوٹنے اور ان کے زخمیوں کو قتل کرنے اور مفرور کا تعاقب کرنے میں اختلاف ہے۔ تفصیل کیلئے سبل السلام ملاحظہ ہو۔

راوی حدیث: ﴿کوثر بن حکیم﴾ عطاء اور مکحول سے یہ بات ثابت ہے کہ کوئی حلب میں رہتا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ یہ کوئی شے نہیں۔ اور امام احمد کہتے ہیں کہ اس کی روایات باطل ہیں۔

(١٠٢٦) وَعَنْ عَرْفَجَةَ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ أَتَاكُمْ، وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ، يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ، فَاقْتُلُوهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عرفجہ بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا "جو شخص تمہارے پاس آئے حالانکہ تم ایک امیر پر متفق ہو اور وہ تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دو۔" (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب سب مسلمان ایک شخص کو اپنا خلیفہ و حاکم مقرر کر لیں پھر جو مسلمانوں کے مابین تفریق و تشتت کیلئے سرگرمی دکھلائے اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرے وہ واجب القتل ہے۔

راوی حدیث: ﴿عرفجه بن شريح رضی اللہ عنہ﴾ عین پر فتحہ' فا پر فتحہ اور را ساکن۔ بعض نے ان کے باپ کا نام صریح یا طریح اور شریک و ذریح وغیرہ بھی ذکر کیا ہے۔ اشجع قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے اشجعی کہلائے۔ مشہور صحابی ہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

٤ - بَابُ قِتَالِ الْجَانِي وَقَتْلِ الْمُرْتَدِّ

مجرم (بدنی نقصان پہنچانے والے) سے لڑنے اور مرتد کو قتل کرنے کا بیان

(١٠٢٧) عَنْ عَبْدِ اللهِ بن عمر رَضِيَ اللهُ تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کوئی اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے تو وہ شہید ہے۔" (اسے ابوداؤد' نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا

وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿باب قتال الجانی ... الخ﴾ "جانی" - جنایۃ سے ماخوذ ہے یعنی جرم اور "جانی" مجرم کو کہتے ہیں۔ ﴿المرتد﴾ - اور مرتد۔ اسلام سے پھر جانے والے کو کہتے ہیں۔ ﴿دون مالہ﴾ دون مالہ کا مطلب ہے اپنے مال کی حفاظت اور اس کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو آدمی دوسرے کا مال و متاع سلب کرنے اور چھیننے کا ارادہ رکھتا ہو اس سے لڑنا جائز ہے اور مال کا مالک اگر اس دفاعی لڑائی میں مارا جائے تو وہ شہید ہے اور اگر مال کے مالک سے حملہ آور قتل ہو جائے تو اس پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت دینا پڑتی ہے اور نہ کسی قسم کا گناہ و جرم ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر مقاتلہ کی اجازت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا' بتایئے اگر کوئی آدمی میرا مال حاصل کرنے کے ارادہ سے آتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا : تم اسے مت دو۔ اس نے پھر پوچھا اگر وہ میرے ساتھ لڑائی کرے؟ تو آپؐ نے فرمایا "تم اس سے لڑو" اس نے پھر عرض کیا اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ تو آپؐ نے فرمایا "تم شہید ہو" اس نے پوچھا اگر میں اسے قتل کر دوں؟ تو فرمایا "وہ آگ میں داخل ہوگا" یہ حکم مالی معاملات میں ہے۔ مالیات کے علاوہ دوسرے معاملات میں بھی احادیث وارد ہیں۔ ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و متاع اور اپنی جان' اپنے خون اور اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے۔

(١٠٢٨) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَاتَلَ يَعْلَى بْنُ أُمَيَّةَ رَجُلاً، فَعَضَّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ مِنْ فَمِهِ، فَنَزَعَ ثَنِيَّتَهُ، فَاخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «أَيَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، كَمَا يَعَضُّ الفَحْلُ؟ لاَ دِيَةَ لَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کی ایک شخص سے لڑائی ہو گئی۔ ایک نے دوسرے کو دانتوں سے کاٹا تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچ کر باہر نکالا تو اس کا سامنے کا دانت ٹوٹ کر گر گیا۔ دونوں اپنا جھگڑا نبی ﷺ کی عدالت میں لے گئے۔ تو آپؐ نے فرمایا کیا تم ایک دوسرے کو اس طرح کاٹ کھاتے ہو جس طرح نر اونٹ کاٹتا ہے۔ اس کیلئے کوئی دیت نہیں۔"

(بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿فعض﴾ عض یعض باب سمع سے ہے۔ اس نے اپنے دانتوں سے اسے کاٹا۔ "فنزع" زور سے ہاتھ کھینچنے کی وجہ سے اس کے سامنے کا دانت جڑ سے اکھڑ گیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی دوسرے شخص کی طرف سے نقصان اور ضرر کو دور کرنے کیلئے اگر کوئی جرم ہو جائے تو وہ جرم قابل مؤاخذہ نہیں۔ جمہور کا یہی مذہب ہے البتہ اس کیلئے دو

شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس تکلیف سے جسم میں درد ہوتا ہو دوسری یہ کہ اس کے بغیر جان چھڑانے اور خلاصی پانے کی کوئی دوسری صورت نظر نہ آتی ہو گویا ان دونوں شرطوں میں سے اگر کوئی بھی نہ پائی جائے تو پھر اس صورت میں دیت ہوگی۔ (السبل)

(١٠٢٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: «لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ، فَحَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ، فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ، لَمْ يَكُنْ عَلَيكَ جُنَاحٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ لأَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ: «فَلاَ دِيَةَ لَهُ وَلاَ قِصَاصَ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی مرد تیرے گھر بغیر اجازت کے جھانکے (نظر ڈالے) اور تو کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔" (بخاری و مسلم) احمد اور نسائی کے الفاظ ہیں جسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے کہ "نہ اس کی دیت ہے اور نہ قصاص۔"

لغوی تشریح: ﴿ فحذفته بحصاة ﴾ تو اسے کنکری مارے۔ ﴿ ففقات عینه ﴾ اس کی آنکھ پھوڑ کر اسے کانا بنا دے۔ اگر کوئی اس غلطی کا ارتکاب کرے اور مالک مکان کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو اس پر نہ قصاص ہے اور نہ ہی دیت ہے۔ کیونکہ اس شخص نے دوسرے کی پردہ داری کو نقصان پہنچایا اور مالک مکان کی خلوت و تنہائی میں دخل اندازی کی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ اس کی دیت دینے کے قائل ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔

(١٠٣٠) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّ حِفْظَ الْحَوَائِطِ بِالنَّهَارِ عَلَىٰ أَهْلِهَا، وَأَنَّ حِفْظَ الْمَاشِيَةِ بِاللَّيْلِ عَلَىٰ أَهْلِهَا، وَأَنَّ عَلَىٰ أَهْلِ الْمَاشِيَةِ مَا أَصَابَتْ مَاشِيَتُهُمْ بِاللَّيْلِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، إِلاَّ التِّرمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَفِي إِسْنَادِهِ اخْتِلاَفٌ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ "دن کے اوقات میں باغوں کی حفاظت و نگرانی مالکان باغ کریں اور رات کے اوقات میں مویشیوں کی حفاظت و نگرانی مالکان مویشی کریں۔ رات کے اوقات میں جس قدر مویشی کسی کا نقصان کریں گے اس کا تاوان مویشیوں کے مالکان پر ہوگا۔" (اس حدیث کو احمد اور ترمذی کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے تاہم اس کی سند میں اختلاف ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الحوائط ﴾ یعنی باغات۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جانور دن کے اوقات میں جو نقصان کریں اس کا کوئی تاوان نہیں۔ البتہ اگر ان جانور کے ساتھ سوار ہو یا

ان جانوروں کے آگے پیچھے آدمی ہو تو اس صورت میں جمہور علماء بقدر نقصان تاوان کے قائل ہیں اور اگر نقصان رات کو کیا ہو تو امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے مطابق بقدر نقصان تاوان و ضمان جانوروں کے مالک کو ادا کرنا ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے کہ ضمان و تاوان اس صورت میں ہوگا جب مویشیوں کے مالک نے ان کی حفاظت میں کوتاہی و کمی کی ہوگی۔ بصورت دیگر نہیں۔ دن اور رات کے تاوان میں اس لئے فرق کیا گیا ہے کہ بالعموم باغوں کے مالک دن کے اوقات میں خود حفاظت کرتے ہیں اور مویشیوں کے مالک ان کی حفاظت رات کے اوقات میں۔ پس جس نے اس عادت کی مخالفت کی تو وہ حفاظت کی راہ و رسم سے خارج ہوگا۔ سبل السلام میں ہے کہ مالکیہ یہ قید لگاتے ہیں کہ جب مویشیوں کو ان کے چرنے کی مقررہ جگہوں میں چرنے کیلئے چھوڑا جائے تو ضمان نہیں۔ رہا اس وقت جبکہ وہ کاشت شدہ زمین میں چھوڑا جائے اور ان کے چرنے کی جگہ نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں وہ دن اور رات میں ضامن ہوں گے۔

(١٠٣١) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِيْ رَجُلٍ أَسْلَمَ، ثُمَّ تَهَوَّدَ -: لاَ أَجْلِسُ حَتَّى يُقْتَلَ، قَضَاءُ اللهِ وَرَسُولِهِ، فَأُمِرَ بِهِ فَقُتِلَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لأَبِي دَاوُدَ: «وَكَانَ قَدِ اسْتُتِيبَ قَبْلَ ذٰلِكَ».

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے متعلق جو پہلے اسلام لایا پھر یہودی ہو گیا' تھا مروی ہے کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا تاوقتیکہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے۔ چنانچہ اس کے قتل کا حکم دیا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ (بخاری و مسلم) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اسے قتل سے پہلے توبہ کرنے کے لئے کہا گیا۔

لغوی تشریح: ﴿ ثم تهود ﴾ باب تفعل سے ہے۔ یعنی اسلام سے مرتد ہو کر یہودی بن گیا۔ ﴿ لا اجلس ﴾ اس حدیث میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے نہ بیٹھنے کا قصہ بیان ہوا ہے جو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن پر عامل (گورنر) بنا کر بھیجا۔ ان کے پیچھے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھی بھیج دیا۔ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری کے پاس پہنچے تو انہوں نے معاذ رضی اللہ عنہ کو سواری سے نیچے اترنے کیلئے کہا اور ان کیلئے تکیہ لگایا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک آدمی بندھا ہوا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے یا یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ شخص پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا مگر اب پھر یہودی ہو گیا ہے اور گندے دین کی طرف پلٹ گیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے گا اور ابوداؤد میں ہے کہ میں اپنی سواری سے اس وقت تک نیچے نہیں اتروں گا جب تک اسے قتل نہیں کر دیا جائے گا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جب "قضاء الله و رسوله" کو مرفوع پڑھا جائے۔ اس صورت میں یہ خبر ہوگی' مبتداء

محذوف ہوگا جو اس طرح ہوگا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ و فرمان ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد "من بدل دینہ فاقتلوہ" کی جانب اشارہ تھا اور نصب بھی جائز ہے اس صورت میں یہ مصدر ہوگا اور اس کا فعل محذوف ہوگا۔ ﴿استتیب﴾ صیغۂ مجہول یعنی اس سے اسلام کی جانب رجوع کرنے' پلٹ آنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو سزائے ارتداد سے پہلے توبہ کا موقع دیا جائے گا اور اسے توبہ کیلئے باقاعدہ کہا جائے گا۔ جمہور علماء کے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے۔ مگر بعض دوسرے علماء اور ظاہریہ اسے واجب تسلیم نہیں کرتے۔ اس حدیث میں لفظ من عام ہے یعنی مرتد مرد ہو یا عورت دونوں کو پلٹ آنے کی دعوت دینے کے بعد ان کے انکار پر مصر رہنے کی صورت میں قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی عورت کو اس کے ارتداد کی سزا میں قتل کیا گیا۔ اس وقت کثیر صحابہ کرامؓ موجود تھے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مرتد کے قتل پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ اس واقعہ سے درج ذیل مسائل بھی ثابت ہوتے ہیں:

(۱) عاملوں (گورنروں) کا تقرر امیر ریاست کو کرنے کا حق حاصل ہے۔ (۲) ایک وقت میں دو عاملوں کا تقرر بھی جائز ہے۔ (۳) گورنر کا فرض ہے کہ مرتد کو سزائے ارتداد دے اور شرعی حدود نافذ کرے۔ (۴) اپنی تقرری کی جگہ سواری پر جانا ثابت ہے۔ (۵) مرکز سے مقرر کردہ گورنر و وزیر کا احترام بھی کرنا چاہئے۔ (۶) شرعی سزا کے نفاذ میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے جبکہ تحقیق و تفتیش کی کارروائی مکمل ہو چکی ہو۔ (۷) مجرم کو جکڑنا جائز ہے۔ (۸) سزا کا اجرا و نفاذ لوگوں کی موجودگی میں کرنا چاہئے تا کہ عبرت حاصل ہو۔

(۱۰۳۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنا دین بدل لے اسے قتل کر دو۔" (بخاری)

حاصل کلام: یہ حدیث بھی صریح اور واضح دلیل ہے کہ مرتد کی سزا شرعاً قتل ہے۔ خواہ وہ مرد ہے یا عورت۔ اب اگر کوئی علی الاعلان مرتد ہو جائے تو عدالت اس کے ثبوت کے بعد قتل کی سزا دے گی اور اسے قتل کر دیا جائے گا البتہ اگر وہ ظاہری نہیں بلکہ اندرونی طور پر مرتد ہے اس کے ارتداد کا علم نہیں تو اسے قتل کی سزا نہیں دی جائے گی اور اگر اس کو بزور اور جبراً کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے تو ایسی صورت میں بھی ایسا شخص مستوجب سزا نہیں۔

(۱۰۳۳) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ أَعْمَى كَانَتْ لَهُ أُمُّ وَلَدٍ، تَشْتِمُ النَّبِيَّ ﷺ، وَتَقَعُ فِيهِ، فَيَنْهَاهَا،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ ایک نابینا شخص تھا' اس کی ایک ام ولد لونڈی رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتی اور برا بھلا کہتی تھی۔ وہ نابینا صحابیؓ

فَلاَ تَنْتَهِيْ، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ أَخَذَ الْمِعْوَلَ، فَجَعَلَهُ فِي بَطْنِهَا، وَاتَّكَأَ عَلَيْهَا، فَقَتَلَهَا، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «أَلاَ اشْهَدُوا أَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ.

اسے منع کرتے مگر وہ باز نہ آتی۔ ایک رات انہوں نے کدال لے کر اس کے پیٹ پر رکھ کر اس پر اپنا بوجھ ڈال کر دبایا اور اسے قتل کر دیا۔ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا ”تم گواہ رہو اس کا خون رائیگاں اور بیکار گیا۔“

(ابوداؤد۔ اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ وتقع فيه ﴾ یہ لفظ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کسی پر عیب لگایا جائے اور اس کی مذمت کی جائے ﴿ المعول ﴾ میم پر کسرہ اور عین ساکن اور واؤ پر فتحہ۔ کدال جس سے زمین کھودی جاتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ چھوٹی سی تلوار ہوتی ہے جسے آدمی اپنے کپڑوں کے نیچے چھپا سکتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوہے کا دھاری دار کاٹنے والا چوڑا ہتھیار ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایسا کوڑا ہوتا ہے جس کے اندر چھوٹی سی یعنی پتلی تلوار ہوتی ہے۔ حملہ آور اسے اپنی کمر کے ساتھ مضبوطی سے باندھتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعہ دھوکہ دے سکے۔ ﴿ اتكا عليها ﴾ اس پر اپنا بوجھ ڈال دیا۔ ﴿ هدر ﴾ باطل قرار پایا۔ نہ اس کی کوئی دیت اور نہ قصاص۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے بلکہ امام ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ اسی طرح ذمی غیر مسلم بھی اگر یہ جرم کرے تو اس کی سزا بھی یہی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ایسے شخص کو توبہ کی مہلت بھی نہیں دینی چاہئے۔

۱۰۔ كِتَابُ الْحُدُوْدِ

حدود کے مسائل

١ - بَابُ حَدّ الزَّانِي

زانی کی حد کا بیان

(١٠٣٤) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الجُهَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلاً مِّنَ الأَعْرَابِ أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنْشُدُكَ بِاللهِ إِلاَّ قَضَيْتَ لِيْ بِكِتَابِ اللهِ! فَقَالَ الآخَرُ - وَهُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ -: نَعَمْ، فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، وَائْذَنْ لِيْ، فَقَالَ: قُلْ، قَالَ: إِنَّ ابْنِيْ كَانَ عَسِيْفاً عَلىٰ هٰذَا، فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، وَإِنِّي أُخْبِرْتُ أَنَ عَلَى ابْنِي الرَّجْمُ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَوَلِيْدَةٍ، فَسَأَلْتُ أَهْلَ العِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ عَامٍ، وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا الرَّجْمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، الوَلِيدَةُ وَالغَنَمُ**

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق میرا فیصلہ فرمائیں اور دوسرا جو اس کے مقابل میں زیادہ سمجھدار اور دانا تھا' نے بھی کہا کہ ہمارے درمیان آپ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا "بیان کرو۔" وہ بولا' میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری پر کام کرتا تھا' اس کی اہلیہ سے زنا کا مرتکب ہوگیا اور مجھے خبر دی گئی کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا ہے تو میں نے اس کے فدیے میں (بدلے میں) ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر اس کی جان چھڑائی۔ اس کے بعد میں نے اہل علم حضرات سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اس عورت کو

رَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

سزائے رجم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے عین مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تمہیں واپس لوٹائی جائیں گی اور تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی ہے۔ اے انیس! تم اس آدمی کی اہلیہ کے پاس جاؤ (اور اس سے پوچھو) اگر وہ اس کا اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دو۔“

(بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح : ﴿ کتاب الحدود ﴾ حدود ۔ حد کی جمع ہے۔ حد کے معنی ہیں۔ دو چیزوں کے درمیان حائل چیز جو ایک کو دوسری کے ساتھ ملنے سے مانع ہو۔ اور یہ لفظ تقدیر اور کسی مسئلے کے اختتام اور انتہاء کے لئے بھی مستعمل ہے اور شرعاً اس کا اطلاق ان احکام پر ہوتا ہے جن میں کوئی چیز مقرر و متعین ہو اور معاصی اور عقوبات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یعنی وہ سزائیں جو معلوم گناہوں پر مقرر و متعین ہیں اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ ان سزاؤں کو حدود اس لئے کہا گیا ہے کہ جرم کا ارتکاب کرنے والے کو یہ سزائیں دوبارہ جرم کرنے سے روکنے کا سبب بنتی ہیں اور دوسرے شخص بھی اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور جرم کے ارتکاب سے باز رہتے ہیں۔ ﴿ انشدك ﴾ باب نصر ینصر سے صیغۂ متکلم ہے۔ مؤلف نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ میں آپ سے اللہ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں اور انشدك میں دراصل ضمناً اذکرک کے معنی ہیں اور ”با“ کو حذف کر دیا گیا ہے معنی یہ ہوا کہ میں بآواز بلند آپ سے گزارش کرتا ہوں۔ پھر بعد میں ہر مطلوب مؤکد کے سلسلہ میں استعمال کیا گیا ہے خواہ آواز بلند ہو یا نہ ہو۔ ﴿ الا قضیت لی بکتاب اللہ ﴾ اس میں استثناء کے بعد فعل کا استعمال مصدری معنی میں کیا گیا ہے اور اس عبارت میں کچھ مقدر ہے اور معنی یہ ہوئے کہ میرا سوال آپ سے صرف یہ ہے کہ آپ فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق فرما دیں یا یہ معنی کہ میں اللہ کا نام لے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ فیصلہ کے علاوہ اور کوئی کام نہ کریں اور کتاب اللہ سے اس کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کیا حکم ارشاد فرمایا ہے اور اپنے بندوں کو کیا حکم فرض فرمایا ہے؟ ﴿ واذن لی ﴾ مجھے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ ﴿ عسیفا علی ھذا ﴾ اس کے ہاں مزدور تھا اس کا کام کرتا تھا اور گھریلو ضروریات و حوائج میں خدمت انجام دیتا تھا۔ ﴿ فا فتدیت منہ ﴾ یعنی میں نے اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیا سزائے رجم کے بدلے۔ ﴿ بمائۃ شاۃ وولیدۃ ﴾ یعنی اپنے بچے کی سزائے رجم کے عوض میں نے سو بکریاں اور لونڈی اس عورت کے شوہر کو دے دی ہیں۔ ﴿ جلد مائۃ ﴾ جلد کی جیم پر فتحہ

یعنی سو کوڑوں کی مار۔ یہ سزا اس کی اس لئے تھی کہ وہ شادی شدہ نہیں تھا۔ ﴿ وتغریب عام ﴾ سال بھر کی جلا وطنی و شہربدری۔ ﴿ رد علیک ﴾ تیری طرف واپس لوٹا دی جائیں گی۔ ﴿ وداغد ﴾ غدو سے ماخوذ ہے۔ دال پر ضمہ۔ امر کا صیغہ ہے اور دراصل تو صبح سویرے جانے کیلئے ہے مگر پھر مطلق جانے کیلئے استعمال کیا جانے لگا۔ ﴿ یا انیس ﴾ انیس' انیس سے تصغیر ہے۔ ان کا اصل نام انیس بن ضحاک اسلمی تھا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے اور غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے۔ علمائے احناف جلا وطنی کے قائل نہیں۔ مگر یہ صریح اور صحیح حدیث ان کے خلاف ہے۔ زنا کے نتیجے میں رقم دے کر راضی نامہ کرنا بھی بہرنوع غلط ہے کہ عزت و مصلحت کا تحفظ روپے سے نہیں بلکہ حدود سے ہے۔

(۱۰۳۵) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، فَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلاً، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " (احکام شریعت) مجھ سے حاصل کر لو۔ (احکام معاشرت) مجھ سے حاصل کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کیلئے راستہ واضح کر دیا ہے۔ کنوارہ لڑکا کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال بھر کی جلا وطنی اور اگر شادی شدہ عورت کے ساتھ شادی شدہ زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور رجم۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ خذوا عنی خذوا عنی ﴾ یعنی مجھ سے زنا کا حکم حاصل کر لو۔ ﴿ فقد جعل اللہ لھن سبیلا ﴾ اللہ نے ان کا راستہ واضح کر دیا ہے۔ یہ آپ نے اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زانیوں کے بارے میں امر الٰہی کا انتظار کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ فرمایا:

والّٰتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفاھن الموت اویجعل اللہ لھن سبیلا ۴ : ۱۵

تمہاری جو عورتیں زنا کی مرتکب ہوں تو ان کے خلاف اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں روکے رکھو تاوقتیکہ ان کو موت آ جائے یا اللہ تعالیٰ ان کیلئے کوئی راستہ پیدا فرما دے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو انتظار کا حکم دیا ہے اسی بنا پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ "مجھ سے حاصل کر لو۔" ﴿ البکر بالبکر ﴾ یعنی جب کنوارہ کنواری سے زنا کرے تو ان میں سے ہر ایک کی سزا سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی النفی کے معنی جلا وطنی ہے۔ مطلب یہ کہ اس مرد کو شہربدر کر دیا جائے اور اسی طرح ﴿ الثیب بالثیب الخ ﴾ کا معنی ہے کہ شادی شدہ لڑکا جب شوہر دیدہ عورت سے زنا کرے تو

ان میں سے ہر ایک کیلئے سو کوڑوں کی سزا اور حد رجم اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کنوارہ جب شوہر دیدہ سے زنا کرے تو کنوارے کی سزا تو کوڑے اور شوہر دیدہ عورت کی سزا رجم ہے۔ یہ بھی علم میں رہے کہ شادی شدہ کی حد صرف رجم ہی نہیں بلکہ پہلے کوڑے مارے جائیں پھر رجم کیا جائے گا۔ ایک گروہ کی یہی رائے ہے لیکن جمہور کے نزدیک شادی شدہ کی سزا صرف رجم ہی ہے۔ ان کی دلیل ماعز اسلمی اور غامدیہ اور یہودیہ کے واقعہ سے ہے۔ پہلی روایت بھی اسی کی مؤید ہے۔

(١٠٣٦) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ، فَنَادَاهُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، فَتَنَحَّى تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّيْ زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، حَتَّى ثَنَّى ذٰلِكَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا شَهِدَ عَلىٰ نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: «أَبِكَ جُنُونٌ؟» قَالَ: لاَ، قَالَ: «فَهَلْ أَحْصَنْتَ؟» قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اذْهَبُوا بِهِ، فَارْجُمُوهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ بلند آواز سے کہنے لگا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر پھر آپ کے سامنے آگیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے پھر اپنا رخ انور پھیر لیا۔ اس طرح اس شخص نے چار مرتبہ بار بار سامنے آکر اقرار کیا۔ اس طرح جب اس نے اپنے آپ پر چار مرتبہ گواہیاں دے دیں تو آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور پوچھا "کیا تو پاگل ہے؟" وہ بولا نہیں' آپ نے پھر فرمایا "کیا تو شادی شدہ ہے؟" اس نے کہا' ہاں! (میں شادی شدہ ہوں) تو پھر نبی ﷺ نے فرمایا "اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ فتنحی تلقاء وجهه ﴾ جس طرف وہ تھا اس سے پھر کر اس جانب ہو گیا جو آپ کے رخ انور کے سامنے تھا۔ یہ آدمی ماعز بن مالک اسلمی تھا۔ انہوں نے ھزال اسلمی کی گود میں پرورش پائی تھی۔ اس کے قبیلہ کی ایک لڑکی سے انہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تو ھزال نے اسے نبی ﷺ کی خدمت میں اس امید پر بھیج دیا کہ آپ اس کیلئے اس گناہ سے نکلنے کا کوئی راستہ پائیں گے۔ ﴿ حتی ثنى الخ ﴾ چار مرتبہ یکے بعد دیگرے آپ کے روبرو پیش ہوا اور یہ اقرار کرتا رہا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ ﴿ احصنت ﴾ یہاں همزہ استفہام محذوف ہے یعنی آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے؟

حاصل کلام: اس حدیث سے بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ جرم زنا کا اقرار چار مرتبہ ہے حالانکہ اس

حدیث میں تو صرف اتنا ہے کہ اس نے چار مرتبہ اقرار جرم کیا ہے۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ چار مرتبہ خود اقرار جرم شرط ہے؟ بلکہ سیاق تو اس پر دلالت کرتا ہے کہ نبی ﷺ نے تو اعراض صرف اس اقرار میں شبہ کی وجہ سے فرمایا تھا یا اس لئے فرمایا تھا کہ وہ اپنے قول سے رجوع کر لے اور جو معاملہ ابھی تک اللہ اور اس کے درمیان میں ہے' اس سے توبہ کر لے اور اسی لئے اس کے چار مرتبہ اقرار کو کافی نہیں سمجھا۔ بلکہ بعد ازاں اس کے سامنے چند سوالات بھی رکھے جن کا تعلق مختلف پہلوؤں سے تھا اور کئی شبہات نمایاں کئے اور اسے کئی کلمات کی تلقین کی جو اسے رجوع کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوئے۔ یہ اقرار اس لئے تھا کہ اس کا معاملہ بالکل متحقق ہو جائے اس میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ اس لئے اس حدیث سے اقرار جرم میں چار مرتبہ کو شرط قرار دینا محل نظر ہے۔

(١٠٣٧) وَعَنِ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا أَتَى مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَهُ: «لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ، أَوْ غَمَزْتَ، أَوْ نَظَرْتَ»، قَالَ: لاَ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا۔ "شاید تو نے بوس و کنار کیا ہو یا چھیڑ چھاڑ کی ہو اور نظر بد ڈالی ہو۔" اس نے کہا' نہیں اے رسول اللہ (ﷺ)! (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ قبلت ﴾ تقبیل سے ہے۔ بوسہ لیا ہوگا تو نے ﴿ او غمزت ﴾ باب ضرب یضرب اور یہ آنکھ یا ابرو کے اشارہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چھونے اور ہاتھ کے روکنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں بھی ہاتھ سے چھیڑ چھاڑ مراد ہے اور بعض روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک زانی صاف اور صریح الفاظ سے اقرار جرم اپنی آزادی و مرضی سے نہ کرے اور بیرونی و اندرونی کسی قسم کے دباؤ میں نہ ہو اس وقت تک اسے سنگسار کرنے کا حکم نہ دیا جائے۔

(١٠٣٨) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ خَطَبَ، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّداً بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ فِيمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ آيَةَ الرَّجْمِ، قَرَأْنَاهَا، وَوَعَيْنَاهَا، وَعَقَلْنَاهَا، فَرَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، فَأَخْشَى إِنْ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خطاب فرمایا اور کہا کہ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت دے کر مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب نازل فرمائی۔ جو کچھ آپؐ پر نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی نازل فرمائی تھی۔ ہم نے خود اسے پڑھا ہے اور اسے یاد بھی رکھا ہے اور اسے خوب سمجھا اور دل و دماغ میں محفوظ بھی رکھا ہے۔ پھر رسول

طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَآئِلٌ: مَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اَللهِ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ أَنْزَلَهَا اللَّهُ، وَأَنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ فِي كِتَابِ اللهِ تَعَالىٰ عَلىٰ مَنْ زَنىٰ، إِذَا أَحْصَنَ، مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبْلُ، أَوِ اَلاِعْتِرَافُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کہنے والے کہیں گے کہ کتاب اللہ میں ہم رجم کی سزا کا ذکر نہیں پاتے۔ اس طرح وہ ایسے فرض کے تارک ہو کر جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا' گمراہ ہو جائیں گے۔ حالانکہ رجم کی سزا کتاب میں حق ہے اس شخص کیلئے جس نے زنا کیا ہو۔ اس حالت میں جبکہ وہ شادی شدہ ہو' وہ خواہ مرد ہوں یا عورتیں جبکہ دلیل قائم ہو جائے یا حمل ہو یا خود اقرار کرے۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ ایة الرجم ﴾ آیۃ کو مرفوع پڑھیں تو یہ کان کا اسم ہے اور اس کی خبر ظرف ہے۔ وہ آیت یہ تھی۔

الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم

ہم نے اسے حفظ کر لیا ﴿ وعقلناها ﴾ ہم نے اسے خوب سمجھ لیا ﴿ ورجمنا بعده ﴾ رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیروی میں ہم نے بھی رجم کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کے بعد اس پر اجماع ہوا ﴿ احصن ﴾ بالغ' عاقل کسی آزاد سے صحیح طور پر شادی کی ہو اور اپنی اہلیہ سے لذت صحبت حاصل کر چکا ہو ﴿ اذا قامت البینة ﴾ جب دلیل قائم ہو جائے یعنی چار شہادتیں مردوں کی ﴿ الحبل ﴾ یا حمل کا پایا جانا ﴿ او الاعتراف ﴾ یا پھر مجرم کا خود اقرار زنا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زنا کا ثبوت تین طرح سے ہو سکتا ہے۔ چار شہادتیں ہوں تو جرم زنا ثابت ہوگا یا مجرم خود اقراری ہو کہ اس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے یا عورت کا حاملہ ہونا اور اگر یہ صورت پیش آجائے کہ ایک عورت شادی شدہ بھی نہیں اور لونڈی بھی نہیں مگر حاملہ ہے تو اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ اس پر حد زنا نافذ ہوگی۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محض حمل سے حد جاری نہیں کی جائے گی۔ یہ حدیث مختلف صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سورۂ احزاب' سورۂ بقرہ کے برابر تھی جتنی اب موجود ہے اس کے علاوہ باقی منسوخ ہوگئی اور اس میں ہم پڑھتے رہے تھے کہ شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں تو ان کو سنگسار کر دو۔ بعد میں اس آیت کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی رہا۔

(۱۰۳۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے

اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ، فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا، فَلْيَجْلِدْهَا الحَدَّ، وَلاَ يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَت فَلْيَجْلِدْهَا الحَدَّ، وَلاَ يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ، فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا، فَلْيَبِعْهَا، وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ "جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کی مرتکب ہو اور اس کا زنا نمایاں و ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس لونڈی پر حد لگائے اور ملامت نہ کرے۔ (اس کے بعد) پھر اگر لونڈی زنا کا ارتکاب کرے تو اسے چاہئے کہ اس لونڈی پر حد لگائے اور اسے ملامت نہ کرے۔ (اس کے بعد) پھر اگر وہ لونڈی تیسری مرتبہ زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر و نمایاں ہو جائے تو اسے فروخت کر دے خواہ بالوں سے بٹی ہوئی ایک رسی کے عوض میں ہی کیوں نہ ہو۔" (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿فتبین﴾ پس ثابت ہو جائے۔ ﴿ولا یثرب علیھا﴾ تثریب سے ماخوذ ہے۔ ملامت کرنا' برا بھلا کہنا' ڈانٹ ڈپٹ کرنا' سختی سے جھڑکنا۔ ﴿فلیبعھا﴾ تیسری مرتبہ بھی حد قائم کرنے کے بعد پھر اسے فروخت کر دینا چاہئے۔ ﴿ولو بحبل من شعر﴾ خواہ اس کی کتنی حقیر سی قیمت لگے مثلاً بالوں کی رسی اس کی کوئی خاص قیمت نہیں ہوتی اس کے عوض فروخت کر دے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے فروخت کرنے کا حکم اس احتمال کے پیش نظر دیا ہے کہ وہ لونڈی خریدار کے روبرو اپنے آپ کو پاک دامن ثابت کرے یا اس خوف کے پیش نظر کہ اسے' جب وہ دوبارہ زنا کرے گی تو اس کے وطن مالوف سے نکال باہر کیا جائے گا اور یہ وطن سے نکالا جانا اس پر شاق گزرے گا اور یہ توقع اور امید بھی ہے کہ جگہ کی تبدیلی سے حالت کی تبدیلی واقع ہو جائے کیونکہ مجاورت اطاعت اور نافرمانی میں اپنی تاثیر رکھتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو آئندہ آنے والی ہے معلوم ہوا کہ لونڈی اور غلام پر اس کا مالک حد نافذ کر سکتا ہے اور آزاد کے مقابلہ میں ان پر آدھی سزا نافذ کی جائے گی۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا کہ "فعلیھن نصف ما علی المحصنت من العذاب" کہ ان پر پاک دامن آزاد عورت کی سزا سے نصف سزا ہے۔ اگر لونڈی شادی شدہ ہو تو اس پر حد نافذ کرنے میں اختلاف ہے کہ اس پر حد حکومت لگائے گی یا مالک۔ جمہور کہتے ہیں کہ اس پر اس صورت میں بھی مالک ہی حد لگائے گا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ شادی شدہ لونڈی پر مالک حد لگانے کا مجاز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ صرف مالک کی لونڈی ہی نہیں دوسرے کی بیوی بھی ہے۔ اگر لونڈی کا خاوند بھی اسی مالک کا غلام ہو تو پھر مالک اس پر حد لگا سکتا ہے۔ لونڈی کیلئے ثبوت زنا کی وہی صورتیں ہیں

جو ایک آزاد شریف زادی کیلئے ہیں البتہ بعض حضرات کی یہ رائے بھی ہے کہ اگر لونڈی کے ارتکاب کی شہادتیں اور اقرار نہ ہو اور مالک کو یقین و وثوق ہو کہ لونڈی نے جرم زنا کا ارتکاب کیا ہے تو مالک اپنے یقین و وثوق کی بنیاد پر بھی حد نافذ کر سکتا ہے۔

(١٠٤٠) وعن عليّ رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**أَقِيمُوا الحُدُودَ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمانُكم**» رَوَاهُ أبو دَاوُدَ، وهو في مُسْلِمٍ مَوْقُوفٌ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اپنے قبضہ میں لونڈی غلام پر حدیں قائم کرو۔" (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور مسلم میں یہ روایت موقوف ہے)

(١٠٤١) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهما، أَنَّ ٱمْرَأَةً مِّنْ جُهَيْنَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، وَهِيَ حُبْلَىٰ مِنَ الزِّنَا، فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللهِ! أَصَبْتُ حَدًّا، فَأَقِمْهُ عَلَيَّ، فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلِيَّهَا، فَقَالَ: «**أَحْسِنْ إِلَيْهَا، فَإِذَا وَضَعَتْ فَأْتِنِي بِهَا**»، فَفَعَلَ، فَأَمَرَ بِهَا فَشُكَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ، ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا، فَقَالَ عُمَرُ: أَتُصَلِّي عَلَيْهَا يَا نَبِيَّ اللهِ! وَقَدْ زَنَتْ؟ فَقَالَ: «**لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً، لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ المَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدَتْ أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلَّهِ تَعَالَى؟**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جہنی قبیلہ کی ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور وہ اس وقت زنا (کے فعل حرام) سے حاملہ تھی۔ اس نے کہا اے اللہ کے نبی (ﷺ)! میں حد کی مستحق ہوں لہٰذا آپؐ اس حد کو مجھ پر نافذ فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ولی و سرپرست کو بلوایا اور اسے تلقین فرمائی کہ "اس کے ساتھ حسن سلوک کرو جب وہ وضع حمل سے فارغ ہو تو اسے میرے پاس لے آؤ۔" اس نے آپؐ کے فرمان کے مطابق عمل کیا۔ پھر آپؐ نے اس کے بارے میں حکم دیا۔ چنانچہ اس کے کپڑے مضبوطی سے باندھ دیئے گئے۔ پھر آپؐ نے اس کے متعلق حکم دیا اور اسے سنگسار کر دیا گیا پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے' اے اللہ کے نبی (ﷺ)! آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ تو زنا کی مرتکب ہوئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا "اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ اہل مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کر دی جائے تو وہ سب پر وسیع ہو جائے گی۔ کیا تو نے اس سے بہتر آدمی دیکھا یا پایا ہے جس نے اللہ کیلئے اپنی جان کو اللہ کے سپرد کر دیا ہو۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ ان امراة من جهينة ﴾ یہ خاتون غامدیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ جهينة تصغیر ہے۔ یہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور "غامد" اس کی شاخ تھی۔ ﴿ فشكت ﴾ صیغۂ مجہول۔ شدت کے وزن پر۔ مضبوطی سے اس کے جسم پر کپڑے باندھ دینا اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ پتھر جب اس پر پڑیں تو وہ برہنہ نہ ہو جائے یا جسم کا کوئی قابل ستر حصہ کھل نہ جائے۔ ﴿ ثم صلى عليها ﴾ مبنی للمعلوم۔ یہ صریح نص ہے اس بارے میں کہ حضور ﷺ نے غامدیہ کی نماز جنازہ ادا فرمائی ہے۔ یہ اس قول کی تائید ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اصحاب علم نے کہی ہے کہ جسے رجم کی سزا دی گئی ہو امام وقت اور دوسرے اصحاب فضیلت اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام وقت اور اہل علم و فضل کیلئے مرحوم کا جنازہ پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے البتہ عام مسلمانوں کو اس کا جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے مگر یہ حدیث ان کے موقف کے خلاف ہے۔ ﴿ جادت بنفسها ﴾ اس نے اپنی جان دے دی ہے اور جس طرح انسان اپنا مال دے دیتا ہے اور سخاوت کر دیتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ عورت پر زنا کی حد فوری طور پر نافذ نہیں کر دینی چاہیے۔ حمل تک بالاتفاق حد اس پر نافذ نہیں کرنی چاہیے۔ وضع حمل کے بعد بھی اگر نومولود کی پرورش کا کوئی ذمہ لے اور بچہ کو دودھ پلانے والی کا انتظام ہو تو پھر حد لگائی جائے گی۔ اگر ایسا بندوبست سردست نہ ہو سکے تو پھر دودھ چھڑانے تک نفاذ حد کا عمل مؤخر کیا جائے گا اور اگر کنواری عورت سے اس فعل کا ارتکاب ہوا ہو تب بھی وضع حمل تک حد نافذ نہیں کی جائے گی۔ اس عورت سے حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید ہے اس لئے کہ نادان رشتہ دار عورتیں اور بیوقوف مرد اسے طعن و تشنیع سے جینا دو بھر کر دیتے ہیں۔ شرعی سزا کے علاوہ اس قسم کا ناروا رویہ اور بے جا سلوک تو اسے جیتے جی زندہ درگور کر دینے کے مترادف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو رجم کرتے ہوئے اس کے ستر کا لحاظ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے امت نے مرد کو کھڑے کھڑے اور عورت کو گڑھے میں بٹھا کر سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رجم کی سزا یافتہ عورت ہو یا مرد دونوں کی نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک عوام و خواص سبھی نماز جنازہ میں شریک ہوں۔ جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔

(١٠٤٢) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: رَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلاً مِّنْ أَسْلَمَ، وَرَجُلاً مِّنَ الْيَهُودِ، وَامْرَأَةً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَقِصَّةُ رَجْمِ الْيَهُودِيَّيْنِ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اسلم قبیلہ کے ایک آدمی کو رجم کیا اور ایک یہودی مرد اور ایک عورت کو بھی۔ (مسلم۔ یہودی مرد و عورت کی سزائے رجم کا واقعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں منقول ہے)

لغوی تشریح: ﴿ رجلا من اسلم ﴾ اسلم قبیلہ کا ایک مرد اس سے مراد ماعز بن مالک اسلمی ہیں۔ ﴿

ورجلا من الیھود وامراۃ ﴾ ان میں سے یعنی یہود میں سے ہی ﴿ وقصۃ الیھودین ﴾ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ ﴿ فی الصحیحین ﴾ یعنی بخاری و مسلم میں ان کے علاوہ یہ واقعہ مسانید اور سنن کی کتابوں میں بھی منقول ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو پیش کیا گیا جنھوں نے زنا کیا تھا۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ زانی کے متعلق تم لوگ تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ بولے ہم دونوں کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرتے ہیں اور دونوں کے منہ مخالف سمتوں میں کرتے ہیں اور دونوں کو گھماتے ہیں اور چکر لگواتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو۔" چنانچہ وہ تورات لے آئے اور اسے پڑھنا شروع کیا تاآنکہ جب وہ رجم والی آیت پر پہنچے تو اس کی تلاوت کرنے والے نوجوان نے اس آیت پر اپنا ہاتھ رکھ لیا جس میں رجم کا ذکر تھا اور آگے پیچھے سے عبارت پڑھنے لگا۔ آپؐ کے ساتھ عبداللہ بن سلام تھے۔ انہوں نے کہا' یارسول اللہ (ﷺ)! اسے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ ذرا اٹھاؤ' اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ سے اٹھایا تو اس کے نیچے آیت رجم موجود تھی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو رجم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور دونوں سنگسار کر دیئے گئے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے الھدیٰ میں کہا ہے کہ یہ فیصلہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ذمہ جب اپنا فیصلہ کروانے کیلئے ہماری عدالت میں آئیں گے تو ہم اسلام کے حکم کے عین مطابق فیصلہ کریں گے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل ذمہ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول کی جائے گی اور زنا میں صرف رجم کیا جائے گا۔ کوڑے کی سزا نہیں دی جائے گی۔

(١٠٤٣) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ فِي أَبْيَاتِنَا رُوَيْجِلٌ ضَعِيفٌ، فَخَبُثَ بِأَمَةٍ مِّنْ إِمَائِهِمْ فَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: «اضْرِبُوهُ حَدَّهُ»، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّهُ أَضْعَفُ مِنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: خُذُوا عِثْكَالاً فِيهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ، ثُمَّ اضْرِبُوهُ بِهِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً»، فَفَعَلُوا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ، لٰكِنْ اخْتُلِفَ فِي وَصْلِهِ وَإِرْسَالِهِ.

حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے گھروں میں ایک چھوٹا سا کمزور و نحیف آدمی رہتا تھا۔ وہ ہماری لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کے ساتھ جرم زنا میں ملوث ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا "اسے حد لگاؤ۔" تو سب لوگ بول اٹھے اے اللہ کے رسول (ﷺ) وہ تو نہایت ہی کمزور و لاغر ہے تو آپؐ نے فرمایا "کھجور کے درخت کی ایک ایسی ٹہنی لو جس میں سو شاخیں ہوں۔ پھر اسے ایک ہی دفعہ اس مرد پر مار دو۔" چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ (اسے احمد' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے لیکن اس کے موصول اور مرسل

ہونے میں اختلاف ہے)

لغوی تشریح: ﴿رویجل﴾ رجل کی تصغیر ہے۔ ﴿فخبث﴾ باب کرم سے ہے جس کے معنی ہیں کہ اس نے زنا کیا اور گناہ کا مرتکب ہوا۔ ﴿عثکالا﴾ عین کے نیچے کسرہ "ثا" ساکن بروزن قرطاس۔ خوشہ' ٹہنی' ﴿شمراخ﴾ شین کے نیچے کسرہ میم ساکن۔ عثکال کے وزن پر پتلی سی ٹہنی یا شاخ جو خوشے یا ٹہنی کی جڑ میں سخت ٹہنی کے اوپر اگتی ہے۔ سبل السلام میں کہا ہے کہ یہاں عثکال سے مراد بڑی لمبی شاخ ہے جس پر چھوٹی چھوٹی شاخیں ہوں۔ یہ کھجور کی شاخ انگور کی بیل کی طرح ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک شاخ کو شمراخ کہتے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر شادی شدہ زانی کسی شدید بیماری کی وجہ سے یا فطری و جبلی طور پر اتنا ناتواں و کمزور و نحیف ہو کہ کوڑوں کی پوری حد سے اس کے جاں بحق ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی خاص صورت میں حد میں نرمی کی جا سکتی ہے۔ البتہ تعداد میں کمی بیشی نہیں۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ سو شاخ ٹہنی کو اس طرح مارا جائے کہ ہر شاخ اس مجرم کو لگے اور بعض کہتے ہیں کہ سو شاخ ٹہنی کو ایک مرتبہ مارنا کافی ہے' ضروری نہیں کہ ہر شاخ مجرم کو لگے اس سے سزا کا نفاذ ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ شرعی سزائیں مجرم کو ان سے مار دینے کیلئے نہیں ہیں بلکہ اسے عبرت دینے اور معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے کیلئے ہیں۔

راوی حدیث: ﴿سعید بن سعد﴾ سعید بن سعد بن عبادہ انصاری ساعدی۔ مشہور صحابی تھے اور ایک قول کے مطابق تابعی تھے۔ ان سے تھوڑی سی احادیث مروی ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو یمن کا والی مقرر کیا تھا۔

(١٠٤٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ، فَاقْتُلُوا الفَاعِلَ وَالمَفْعُولَ بِهِ، وَمَنْ وَجَدْتُمُوهُ وَقَعَ عَلَى بَهِيمَةٍ فَاقْتُلُوهُ وَاقْتُلُوا البَهِيمَةَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ، إِلاَّ أَنَّ فِيهِ اخْتِلاَفاً.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص کو تم پاؤ کہ وہ قوم لوط کے فعل کا مرتکب ہوا ہے تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ اور جس کسی کو پاؤ کہ وہ جانوروں کے ساتھ بدفعلی کا مرتکب ہوا تو اس مرد اور اس جانور دونوں کو مار ڈالو۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے)

لغوی تشریح: ﴿من وجدتموہ﴾ تمہارے علم میں یہ بات آئے کہ فلاں شخص ﴿یعمل عمل قوم لوط﴾ قوم لوط کا فعل کرتا ہے یعنی دبر میں غیر فطری طور پر بدفعلی کرتا ہے۔ ﴿فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ﴾ تو فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔ خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے الهدیٰ میں بیان کیا ہے کہ ابن قصار اور ہمارے شیخ و استاد علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے

کہ صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع ہے کہ ایسے شخص کو قتل کر دو البتہ قتل کرنے کی کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ اونچے پہاڑ سے پھینک دیا جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس پر دیوار گرا دی جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے میں ان دونوں کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے پس سب کا اس کے قتل کرنے پر اتفاق ہے' اگرچہ قتل کرنے کی کیفیت مختلف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ کی رائے بھی اس کے قریب ہے کہ لوطی خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ دونوں صورتوں میں اسے سنگسار کیا جائے گا۔ دو مذہب اس جگہ اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ فعل کے مرتکب کی سزا تو زنا کی حد ہے یعنی اگر شادی شدہ ہو تو اسے رجم کیا جائے ورنہ سو کوڑے مارے جائیں گے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ' امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کی رائے ہے اور اس قول کی روشنی میں مفعول پر بقول امام شافعی سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی مرد ہو یا عورت' شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ دونوں پر کوئی حد نہیں بس تعزیر پر اکتفا کیا جائے گا۔ یہ رائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے مگر پہلا قول حدیث کے موافق ہے اور اگرچہ اس حدیث میں بعض نے کلام کیا ہے لیکن یہ سند کے اعتبار سے قابل عمل ہے۔ ان تمام اقوال میں پہلا قول راجح ہے اگرچہ اس پر فتویٰ دینے والے کم تعداد میں ہیں۔ ﴿ ومن وجد تموہ وقع علی بھیمۃ فاقتلوہ ﴾ یعنی جو جانور سے بدفعلی کرے اسے قتل کر دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ان کے قول کے معارض ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا جس نے جانور سے بدفعلی کی اس پر کوئی حد نہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ موقوف قول ان کی مرفوع حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور یہی قول امام احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق رحمہ اللہ کا ہے اور خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ فقہاء کی اکثریت کا خیال ہے کہ اس پر تعزیز لگائی جائے گی۔ عطاء اور ابراہیم نخعی نے بھی یہی کہا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ' ثوری رحمہ اللہ' امام احمد رحمہ اللہ اور اصحاب الرای اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول اسی کے تائید میں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے مجرم کی حد' زنا کی حد ہے واقتلوا البھیمۃ یعنی جانور کو قتل کر دو۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ جانور کو قتل کرنے کا کیا سبب ہے کیونکہ وہ تو غیر مکلف ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ نہیں سنا لیکن میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گوشت کھانا اور اس سے فائدہ اٹھانا مکروہ سمجھا ہے۔

(١٠٤٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا . أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَرَبَ وَغَرَّبَ ، وَأَبُو بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ، إِلاَّ أَنَّهُ اخْتُلِفَ فِي وَقْفِهِ وَرَفْعِهِ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (زانی کو) مارا بھی اور جلا وطن بھی کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مارا بھی اور جلا وطن بھی کیا۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اس کے موقوف اور مرفوع ہونے کے متعلق اختلاف ہے)

لغوی تشریح : ﴿ ضرب ﴾ یعنی کنوارے زانی کی سزا سو کوڑے لگائی۔ ﴿ وغرب ﴾ تغریب سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زانی کو اس کی جائے سکونت سے سال بھر کیلئے نکال باہر کیا (جلا وطن کیا) علامہ الیمانی نے سبل السلام میں کہا ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ روایت اس قول کی تردید میں نقل کی ہے کہ جلا وطنی کی سزا منسوخ ہے۔ کیونکہ جب خلفائے راشدین کا اس پر عمل ہے تو یہ منسوخ کیسے اور کب ہوئی؟

(١٠٤٦) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَلْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ، وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَآءِ، وَقَالَ: «أَخْرِجُوهُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کا روپ دھاریں اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مرد بنیں۔ نیز فرمایا کہ "ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ (گھروں میں داخل نہ ہونے دو)۔" (بخاری)

لغوی تشریح : ﴿ المخنثین ﴾ نون کے نیچے کسرہ اور فتحہ بھی۔ ایسے مرد جو عورتوں سے عادات و اخلاق' حرکات و سکنات' طرز گفتگو اور فیشن وغیرہ میں اور ان امور میں جو عورتوں کیلئے مخصوص ہیں مشابہت پیدا کریں۔ پس اگر وہ عادات و خصلت پیدائشی و جبلی اور فطری ہوں تو اس میں کوئی ملامت نہیں اور ایسی عادت بتکلف بھی دور کرنے کی کوشش کرنا اس کیلئے ضروری اور لازمی ہے اور اگر اس نے قصداً و عمداً اختیار کی ہے تو یہ مذموم حرکت ہے۔ ﴿ المترجلات ﴾ ایسی عورتیں جو مردوں کے ساتھ تشبیہہ اختیار کریں۔ فیشن میں' ہیئت و صورت میں' چال ڈھال میں' انداز گفتگو وغیرہ میں۔ اس پر لعنت کا کیا جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ فعل حرام ہے۔ یہ مرض ہمارے زمانہ میں وباء کی طرح عام ہوگیا ہے نہ مشرق اس سے محفوظ ہے اور نہ مغرب اس سے بچا ہوا ہے یہاں تک کہ یہ مرض نوجوان مسلمانوں کی صفوں میں چیونٹی کی چال داخل ہوگیا ہے اور ان میں سرایت کر گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایسے مرد و عورتوں کو گھروں سے نکالنے کا حکم اس لئے فرمایا کہ یہ شریف گھرانوں میں فتنہ و فساد کا موجب نہ بن جائیں اور ان کی دیکھا دیکھی شریف گھرانوں میں بھی یہ مرض سرایت نہ کر جائے۔

(١٠٤٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِدْفَعُوا الْحُدُودَ مَا وَجَدْتُمْ لَهَا مَدْفَعاً». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حدود کو دفع کرو جہاں تک اس کے دفع کرنے کی گنجائش پاؤ۔" (اسے ابن ماجہ نے نکالا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے)

وَأَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ، مِنْ

اور اس کو ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

حَدِيْثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا ، بِلَفْظِ : اَدْرَءُوا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ . وَهُوَ ضَعِيْفٌ أَيْضاً .

وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ ، عَنْ عَلِيٍّ ، مِنْ قَوْلِهِ ، بِلَفْظِ : اَدْرَءُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ .

واسطہ سے بیان کیا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں۔ ''مسلمانوں سے جہاں تک حدود کو ہٹا سکتے ہو ہٹاؤ۔'' (یہ بھی ضعیف ہے) اور بیہقی نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔ ''شبہات کی وجہ سے حدود کو دفع کرو۔''

لغوی تشریح: ﴿ مدفعا ﴾ یعنی دفع کرنے کی گنجائش و راستہ ادرووا یعنی دفع کرو اور شبہات سے مراد جیسے کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ زانی مرد نے اس پر جبرو اکراہ کیا ہے یا یہ بیان دے کہ مجھے سوتے میں اس نے آلیا اور ایسی ہی دوسری مثالیں جن کا واقع ہونا ممکن ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب حدود کے ثبوت میں کسی قسم کا شبہ پیدا ہو جائے تو حد کو موقوف کر دینا چاہئے۔ حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مجرموں کو حدیں لگایا ہی نہ کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ حدود کا نفاذ اس وقت کرنا چاہئے جب جرم پوری طرح ثابت ہو جائے۔

(١٠٤٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : «اَجْتَنِبُوا هَذِهِ الْقَاذُورَاتِ الَّتِي نَهَى اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا ، فَمَنْ أَلَمَّ بِهَا فَلْيَسْتَتِرْ بِسَتْرِ اللهِ تَعَالَى ، وَلْيَتُبْ إِلَى اللهِ تَعَالَى ، فَإِنَّهُ مَنْ يُبْدِ لَنَا صَفْحَتَهُ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللهِ تَعَالَى» . رَوَاهُ الْحَاكِمُ ، وَهُوَ فِي الْمُوَطَّأِ مِنْ مَرَاسِيْلِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ان گندے کاموں سے بچو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور جو شخص ان میں مبتلا ہو جائے تو اسے اللہ کے ڈالے ہوئے پردہ میں چھپے رہنا چاہئے اور اسے چاہیے کہ اللہ کی جناب میں (پوشیدہ طور پر) توبہ کر لے کیونکہ جو شخص اپنی پیٹھ ہمارے سامنے ظاہر کرے گا ہم اس پر کتاب اللہ کو نافذ و قائم کر کے چھوڑیں گے۔'' (اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور یہ مؤطا میں زید بن اسلم سے مرسلاً مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿ القاذورات ﴾ قاذورۃ کی جمع ہے۔ قول و فعل کی فحش حرکتیں مثلاً زنا وغیرہ۔ ﴿ الم بها ﴾ الالمام سے ماخوذ ہے یعنی جس نے جرم کا ارتکاب کیا ﴿ من یبدلنا ﴾ مضارع مجزوم' ابداء سے۔ یعنی جو کوئی اپنا پہلو' اپنا چہرہ ہمارے سامنے ظاہر کرے گا۔ کہا جاتا ہے ﴿ ابدی صفحته ﴾ یعنی اسی نے اپنا پہلو کھول دیا۔ یعنی جو شخص اپنے جرائم کا ہمارے سامنے انکشاف کرے گا تو ہم اس پر حد قائم کر کے

چھوڑیں گے، ہرگز اسے معاف نہیں کریں گے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بشری کمزوری کی بنا پر گناہ کا سرزد ہونا خلاف توقع نہیں۔ جب ایسا فعل سرزد ہو جائے تو انسان کو چاہئے کہ اپنا جرم اور فعل لوگوں کے سامنے بیان نہ کرتا پھرے بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہے تو اسے پردے میں ہی رہنے دے اور پوشیدہ طور پر اپنے مولی و مالک کے حضور توبہ کرے اس سے معافی کا طلب گار ہو۔ لیکن اگر وہ اپنے گناہ کا برملا اظہار کرتا ہے اور اعتراف جرم کرتا ہے تو پھر وہ شرعی سزا سے کسی صورت بچ نہیں سکتا۔

راوی حدیث: ﴿زید بن اسلم رضی اللہ عنہ﴾ صحابی "بلوی" قبیلہ سے ہیں۔ جو بنو عجلان میں سے تھا۔ یہ بنی عمرو بن عوف انصاری کے حلیف تھے۔ بدر میں حاضر ہوئے۔ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔ ہشام کلبی نے کہا ہے ان کو طلیحہ بن خویلد اسدی نے "بزاخہ" کے روز ۱۱ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں قتل کیا تھا۔

٢ - بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ

تہمت زنا کی حد کا بیان

(١٠٤٩) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَ عُذْرِي، قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ، وَتَلاَ الْقُرْآنَ، فَلَمَّا نَزَلَ أَمَرَ بِرَجُلَيْنِ وَٱمْرَأَةٍ فَضُرِبُوا الْحَدَّ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَأَشَارَ إِلَيْهِ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید میں میری برأت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور اس کا ذکر فرمایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ جب منبر سے نیچے تشریف لائے تو دو مردوں اور ایک عورت کے متعلق حکم دیا کہ ان کو حد لگائی جائے۔ (اس کو احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب حد القذف﴾ قاف پر فتحہ اور ذال پر سکون۔ تہمت زنا کو کہتے ہیں اور اس کی حد اسی کوڑے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ) (النور) "جو لوگ پاک خواتین پر تہمت زنا لگاتے ہیں۔ پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کو اسی کوڑے لگاؤ۔" ﴿لما نزل عذری﴾ عذر سے مراد وہ آیات ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا بیان ہے اور وہ سورۂ نور ۱۱ تا ۲۰ تک دس آیات ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان آیات کو عذر کا نام اس لئے دیا کہ یہ آیات ان پر جھوٹی تہمت سے بریت کرتی ہیں۔ جس طرح عذر معذور کو اس کے جرم سے بری قرار دیتا ہے۔ اور ان کا واقعہ افک تو مشہور و معروف ہے کہ آپ ۵ھ یا ۶ھ میں غزوۃ المریسیع سے واپس آ رہی تھیں کہ صبح کی تاریکی میں ایک جگہ اپنا ہار گم کر بیٹھیں، اسے تلاش کرنے میں مشغول ہو گئیں اور قافلہ نے کوچ کر لیا اور لوگوں نے ان کا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر لاد دیا اور

وہ یہی سمجھتے رہے کہ آپ اس ہودج میں موجود ہیں۔ پھر جب آپ ہار کی تلاش کے بعد واپس اپنی جگہ پر تشریف لائیں تو اتنے میں صفوان بن معطل کا ادھر سے گزر ہوا جو قافلے کی گری پڑی چیزیں اٹھانے کیلئے پیچھے رکھے گئے تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنے اونٹ پر سوار ہونے کو کہا اور خود اپنے اونٹ کی مہار پکڑ کر پیدل اونٹ کے آگے چل پڑے۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راستہ میں کوئی بات نہیں کی تا آنکہ ظہر کے وقت ان کو نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ پس رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے جب ان کو دیکھا تو فوراً ان پر تہمت لگا دی۔ اس منافق نے اور اس کے ہم مشرب منافق لوگوں نے اس کو خوب مشہور کیا اور اسے لوگوں میں پھیلایا۔ یہاں تک کہ اس جرم اشاعت میں تین مخلص مومن بھی حصہ دار بن گئے اور وہ تھے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ' مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اور معاملہ بہت بڑھ گیا۔ قریب تھا کہ مہلک اضطرابات واقع ہو جاتے۔ ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بارے میں کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ اس پر ایک مہینہ گزر چکا تھا پھر کہیں جا کر ان کو خبر ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور اپنے والد کے گھر چلی گئیں اور وہاں جا کر اس خبر کی تحقیق کی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ لوگ ان کے بارے میں یہ کچھ کہہ رہے ہیں تو زار و قطار رونے لگیں اور روتے روتے دو راتیں گزر گئیں اور مسلسل روتی ہی رہیں۔ پھر نبی ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور اس معاملہ میں ان سے گفتگو فرمائی جو اس سے پہلے نہیں فرمائی تھی۔ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں آیات نازل ہوئیں۔ ﴿ امر برجلین وامراۃ ﴾ دو مردوں اور ایک عورت کو حد قذف لگانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ یہ دو مرد حضرت حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور عورت حضرت حمنہ بنت جحش تھیں۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ان لوگوں کے اس تہمت کے پھیلانے میں حصہ لینے کی وجہ سے قذف لگائی گئی۔ ﴿ فضربوا الحد ﴾ فعل صیغۂ مجہول یعنی پھر ان پر حد قذف لگائی گئی۔

(١٠٥٠) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: أَوَّلُ لِعَانٍ كَانَ فِي الإِسْلاَمِ أَنَّ شَرِيْكَ بْنَ سَحْمَاءَ قَذَفَهُ هِلاَلُ بْنُ أُمَيَّةَ بِامْرَأَتِهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْبَيِّنَةَ، وَإِلاَّ فَحَدٌّ فِي ظَهْرِكَ»، اَلْحَدِيْثَ. أَخْرَجَهُ أَبُو يَعْلَى، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَفِي الْبُخَارِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسلام میں لعان کا پہلا واقعہ شریک بن سحماء کا تھا۔ ان پر ھلال بن امیہ نے اپنی بیوی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ''گواہ لاؤ۔ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔'' (اس حدیث کی تخریج ابویعلیٰ نے کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی اسی طرح ہے)

لغوی تشریح: ﴿ البینۃ ﴾ منصوب حالت میں ہے یعنی گواہ پیش کرو اور وہ چار گواہ ہیں۔ ﴿ والا فحد

فی ظهرك ﴾ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائے اور گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس پر حد واجب ہے۔ مگر یہ حد لعان سے منسوخ ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ جب شوہر لعان نہ کرے اور نہ ہی چار گواہ پیش کرے تو اس پر حد واجب ہے۔ جمہور کی بھی یہی رائے ہے۔

راوی حدیث : ﴿ شریک بن سحماء رضی اللہ عنہ ﴾ یہ "بلوی" قبیلہ میں سے تھے۔ انصار کے حلیف تھے۔ ھلال بن امیہ نے ان پر اپنی بیوی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی۔ ایک قول کے مطابق یہ اپنے والد کے ہمراہ احد میں حاضر تھے اور یہ براء بن مالک کے ماں جائے بھائی تھے اور ان کے والد کا نام عبدہ بن معتب تھا اور سمحاء ان کی والدہ کا نام تھا۔

﴿ ھلال بن امیہ ﴾ ان کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس سے تھا۔ واقفی بھی کہلاتے تھے۔ مشہور و معروف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ قدیم الاسلام تھے۔ بنو واقف کے بتوں کے بت شکن تھے۔ بدر و احد کے معرکوں میں حاضر ہوئے۔ فتح مکہ کے دن بنو واقف کا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے جو معرکۂ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ گئے۔

(۱۰۵۱) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ: لَقَدْ أَدْرَكْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ، فَلَمْ أَرَهُمْ يَضْرِبُونَ الْمَمْلُوكَ فِي الْقَذْفِ إِلاَّ أَرْبَعِيْنَ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَالثَّوْرِيُّ فِي جَامِعِهِ.

حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد والوں کا عہد پایا ہے۔ میں نے ان کو نہیں دیکھا کہ غلاموں کو سزائے قذف میں چالیس (کوڑوں) سے زیادہ مارتے ہوں۔ (اسے مالک نے روایت کیا ہے اور ثوری نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے)

حاصل کلام : عبداللہ بن عامر جو ابو عمران کی کنیت سے مشہور ہیں۔ سات قاریوں میں سے ایک مشہور و معروف قاری ہیں۔ تابعین کے طبقہ دوم میں ثقہ حافظ تھے۔ اس حدیث کی رو سے غلام اور لونڈی کی حد آزاد مرد و عورت سے آدھی ہے۔ مثلاً زنا کی حد میں ان پر پچاس کوڑے ہیں۔ رجم کی حد نہیں ہے کیونکہ سزائے موت کا نصف تو ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا آدھی سزا ہے اور وہ پچاس کوڑے ہیں اور اسی طرح حد قذف کا نصف چالیس کوڑے ہیں۔ جمہور اہل علم کا بھی یہی مسلک ہے۔ نص قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لونڈیوں کے حق میں ہے مگر غلام بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ سورۂ نور میں استثناء میں غلام اور لونڈی دونوں شامل ہیں۔

(۱۰۵۲) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ يُقَامُ عَلَيْهِ الحَدُّ يَوْمَ القِيَامَةِ، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ كَمَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص اپنی مملوک پر زنا کی تہمت لگائے اس پر قیامت کے روز حد لگائی جائے گی۔ الا یہ کہ وہ اسی طرح ہو جس طرح کہ اس نے

قَالَ» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. کہا ہے (یعنی وہ تہمت سچی ہو)۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ یقام علیه الحد یوم القیامة ﴾ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اپنے غلام پر تہمت لگاتا ہے تو دنیا میں اس مالک پر کوئی حد نہیں ہے۔ اسے سزا قیامت کے روز اللہ رب العالمین ہی دیں گے اور اگر تہمت سچی ہوگی تو پھر مالک بری الذمہ ہے اور غلام کو جرم کی سزا دی جائے گی۔

٣ - بَابُ حَدِّ السَّرِقَةِ — چوری کی حد کا بیان

(١٠٥٣) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تُقْطَعُ يَدُ سَارِقٍ إِلاَّ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِداً». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. وَلَفْظُ الْبُخَارِيِّ: «تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِداً».

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کسی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر بسبب چوتھائی دینار یا اس سے کچھ زائد چوری کرنے پر (کاٹا جائے)۔" (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں) اور بخاری کے الفاظ ہیں "چور کا ہاتھ چوتھائی دینار اور اس سے زائد پر کاٹا جائے گا۔"

وَفِي رِوَايَةٍ لأَحْمَدَ: «اقْطَعُوا فِي رُبْعِ دِينَارٍ، وَلاَ تَقْطَعُوا فِيمَا هُوَ أَدْنَىٰ مِنْ ذٰلِكَ».

اور احمد کی روایت ہے "چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹ دو اور اس سے کم قیمت کی چوری پر نہ کاٹو۔"

لغوی تشریح: ﴿ باب حد السرقة ﴾ سرقة میں سین اور را پر فتحہ اور سرقة کہتے ہیں کسی محفوظ جگہ ومقام سے کسی ایسی چیز کو خفیہ طور سے لے لینا کہ اس کا لینا جائز ودرست نہ ہو۔ ﴿ فصاعدا ﴾ یہ حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کا استعمال کبھی فا سے ہوتا ہے اور کبھی لفظ ثم سے لیکن "واؤ" سے کبھی استعمال نہیں ہوتا اور اس کا معنی ہے خواہ اس سے زیادہ ہو۔ ﴿ ادنی من ذلك ﴾ اس سے کم تر ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب تک نصاب سرقہ مکمل نہ ہو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہی رائے جمہور علماء کرام کی ہے۔ مگر حسن بصری' ظاہریہ اور خوارج نے آیت کو مطلق دیکھ کر قلیل و کثیر ہر چوری پر قطع ید کی سزا کو واجب قرار دیا ہے جو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ حدیث قرآن مجید کا بیان اور اس کی توضیح و تشریح ہے۔ حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تکمیل نصاب کی صورت ہی میں قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے جمہور کی رائے ہی صحیح ہے کہ نصاب سرقہ پورا ہونے سے پہلے قطع ید کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ البتہ نصاب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جن میں زیادہ مشہور دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ سونے میں نصاب ایک دینار کا چوتھا حصہ اور چاندی میں تین درہم۔ یہ رائے فقہاء حجاز اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرھم کی ہے اور دوسرا یہ کہ دس درہم نصاب ہے اس سے کم میں قطع ید کی سزا

نہیں دی جا سکتی۔ امام سفیان ثوری اور احناف کا یہی قول ہے۔ پہلے گروہ نے اسی متفق علیہ اور صحیح ترین حدیث کو لیا۔ ایک دینار کا وزن چار ماشہ سونا اور درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی۔ گویا چوتھائی دینار اور تین درہم ہم وزن ہیں۔ اس سے کم قیمت کی چوری پر قطع ید کی سزا نافذ نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک ڈھال جس کی قیمت دس درہم تھی پر چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔ مگر یہ روایت صحیح بخاری و مسلم کے درجہ و مرتبہ کو نہیں۔ ڈھال کی قیمت اس کی حیثیت کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔ اس لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین ہی کا موقف درست ہے کہ ربع دینار یا تین درہم چاندی کے برابر چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جس کی قیمت تین درہم تھی۔ یہ ربع دینار والی پہلی روایت کے منافی نہیں ہے کیونکہ ان دنوں میں چوتھائی دینار تین درہم کے مساوی تھا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ جمہور کا مسلک اس حدیث اور سابقہ حدیث کے مطابق ہے۔ البتہ ان میں ان دونوں احادیث پر عمل کرنے میں معمولی اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چور کا ہاتھ تبھی کاٹا جائے گا جب چوتھائی دینار یا تین درہم چوری کرے۔ سونے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کرے تو اس کا نصاب تین درہم کے حساب سے ہوگا۔ مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نصاب سونے کے دینار کا چوتھائی حصہ ہے یا جو ربع دینار کی قیمت ہو اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "قطع ید کی سزا ربع دینار کی چوری میں ہے" پھر فرمایا کہ "اس سے کم قیمت کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا" اور تین درہم چوتھائی دینار کے قائم مقام ہیں اصل نصاب سرقہ صرف چوتھائی دینار ہے۔

(١٠٥٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَطَعَ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلاَثَةُ دَرَاهِمَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی ہے۔ اس کی قیمت تین درہم تھی۔ (بخاری و مسلم)

(١٠٥٥) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَعَنَ اللَّهُ السَّارِقَ، يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقُ الحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ أَيْضاً.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لعنت ہو اللہ تعالیٰ کی اس چور پر جو انڈا چوری کر کے اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔ نیز رسی چوری کرتا ہے اور اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے ظاہریہ نے استدلال کیا ہے کہ قطع ید کی سزا قلیل و کثیر دونوں میں ہے کوئی متعین و مقرر نصاب پر نہیں۔ حالانکہ اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے' اس لئے کہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ چوری کا عمل قابل نفرت ہے۔ چور ان معمولی اشیاء کے عوض اپنے ہاتھ سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس میں یہ وضاحت تو نہیں کہ جب وہ رسی یا انڈہ چوری کرے گا نہ کہ ان کی قیمت ربع دینار کی قیمت کو نہ پہنچے تب بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ چور جب معمولی سی حقیر اشیاء اٹھانے لگے تو پھر چوری اس کی عادت بن جائے گی اور یہ عادت اس کو اتنی بڑی چیزیں اٹھانے کی بھی جرأت دلا دے گی جن کی قیمت اسی نصاب تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے۔

(۱۰۵۶) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ تَعَالَى؟» ثُمَّ قَامَ، فَخَطَبَ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مَنْ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. وَلَهُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتِ امْرَأَةٌ تَسْتَعِيرُ الْمَتَاعَ، وَتَجْحَدُهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَطْعِ يَدِهَا.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کیا تو اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد میں سفارش کرتا ہے؟" یہ فرماتے ہوئے آپؐ کھڑے ہوئے پھر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا "لوگو! بے شک تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک و تباہ ہوئے کہ جب ان سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے۔" (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں) اور مسلم میں ایک اور سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ ایک عورت لوگوں سے (ادھار) چیزیں مانگا کرتی تھی اور پھر انکار کر دیتی تھی۔ پس اس عورت کے ہاتھ کاٹنے کا نبی ﷺ نے حکم صادر فرمایا۔

لغوی تشریح: ﴿ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال﴾ نبی ﷺ نے یہ ارشاد حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مخاطب ہو کر فرمایا جب انہوں نے فاطمہ نامی مخزوم قبیلہ کی ایک چور عورت سے سزا کو ساقط کرانے کیلئے سفارش کی تھی۔ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ حدود میں کسی کی سفارش کرنا جائز نہیں۔ ﴿کانت امراہ تستعیر المتاع﴾ یعنی جو سامان ادھار لیتی تھی۔ اس سے امام احمد رحمہ اللہ، اسحٰق رحمہ اللہ اور ظاہریہ نے پھر استدلال کیا جو عاریتاً چیز لے کر انکار کرے اس کا قطع ید واجب ہے۔ مگر جمہور کی رائے ہے کہ انکار پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مخزومیہ خاتون کا قصہ کئی سندوں سے مروی ہے۔ اکثر میں ہے کہ وہ چوری کرتی تھی اور بعض میں یہاں تک صراحت ہے کہ اس نے نبی ﷺ کے گھر سے چادر چوری کی تھی۔ پس قطع ید تو صرف چوری کی وجہ سے ہے۔ رہا اس کے عاریتاً لے کر انکار کرنے والا واقعہ تو وہ اس کی عادت بن گیا اور اس سے وہ مشہور ہو گئی ایسے جیسے وہ قبیلہ مخزوم سے ہونے کی وجہ سے مخزومیہ مشہور ہو گئی۔ اس وجہ سے نہیں کہ قطع ید کی سزا عاریتاً لی ہوئی چیز کے انکار کرنے کی وجہ سے واقع ہوئی۔

(۱۰۵۷) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلاَ مُخْتَلِسٍ وَلاَ مُنْتَهِبٍ قَطْعٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "خیانت کرنے والے' چھین کر لے جانے والے اور اچک کر لے جانے والے کیلئے قطع ید کی سزا نہیں ہے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿خائن﴾ خائن اسے کہتے ہیں جو خفیہ طور پر مال لے لے اور مالک کے روبرو خیر خواہی کا اظہار کرے اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے کہ خائن وہ ہے جسے کوئی چیز بطور ادھار یا امانت سپرد کی جائے اور وہ اس پر قبضہ کر لے اور کہے کہ وہ چیز ضائع ہو گئی ہے۔ ﴿مختلس﴾ اچانک کسی سے چیز اچک کر لے جانے والا جو مال کو بڑی پھرتی اور سرعت سے چھین کر رفو چکر ہو جائے۔ ﴿منتھب﴾ علی الاعلان جبراً اور بزور کسی سے مال چھین لینے والا۔

(۱۰۵۸) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ «لاَ قَطْعَ فِي ثَمَرٍ، وَلاَ فِي كَثَرٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ أَيْضاً التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: "پھل اور درخت خرما کے گوند میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابن حبان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿کثر﴾ کاف اور ثا دونوں پر فتحہ۔ درخت خرما کا گوند جو چربی کی طرح رنگت میں سفید اور ذائقہ و مزہ میں گری کی طرح کھجور کے تنے کے وسط میں پایا جاتا اور کھایا جاتا ہے۔ اس حدیث کے ظاہری معنی و مفہوم سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو پھل ابھی درخت پر ہوں اور تر ہوں وہ محفوظ جگہ میں ہوں یا غیر محفوظ جگہ میں ان کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ پھر اسی پر قیاسات کرنے کو کہا ہے کہ گوشت' دودھ' مشروبات' روٹیاں وغیرہ کھانے کی اشیاء میں بھی قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ مگر جمہور نے غیر محفوظ کی قید لگائی ہے۔ انہوں نے یہ قید اس حدیث اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی تین احادیث کے بعد آنے والی حدیث میں تطبیق پیدا کرنے کی غرض سے لگائی ہے اور انہوں نے کہا کہ اہل مدینہ کی غالب عادت تھی کہ اپنے باغات کو محفوظ و مامون جگہ سے خارج سمجھتے تھے۔

(۱۰۵۹) وَعَنْ أَبِي أُمَيَّةَ الْمَخْزُومِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِلِصٍّ قَدِ

حضرت ابو امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ڈاکو لایا گیا۔ اس نے چوری کا اعتراف کیا مگر سامان اس کے پاس نہ پایا گیا تو

اعْتَرَفَ اعْتِرَافاً، وَلَمْ يُوجَدْ مَعَهُ مَتَاعٌ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا إِخَالُكَ سَرَقْتَ»، قَالَ: بَلیٰ، فَأَعَادَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثاً، فَأَمَرَ بِهِ، فَقُطِعَ، وَجِيءَ بِهِ، فَقَالَ: «اَسْتَغْفِرِ اللَّهَ، وَتُبْ إِلَيْهِ». فَقَالَ: أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ، وَأَتُوبُ إِلَيْهِ. فَقَالَ: «اَللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ» ثَلاَثاً. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں خیال نہیں کرتا کہ تو نے چوری کی ہوگی۔" اس نے کہا۔ جی ہاں! میں نے کی ہے۔ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ اسی طرح دھرایا' اس نے اقرار کیا تو اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد اسے آپؐ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپؐ نے اسے تلقین فرمائی کہ "اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگ اور اس سے توبہ کر۔" اس نے کہا میں اللہ سے بخشش و مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ آپؐ نے تین مرتبہ اس کے حق میں اللہ سے دعا فرمائی کہ "الٰہی اس کی توبہ قبول فرما۔" (اس حدیث کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے۔ الفاظ بھی اسی کے ہیں نیز احمد اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

وَأَخْرَجَهُ الحَاكِمُ، مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، فَسَاقَهُ بِمَعْنَاهُ، وَقَالَ فِيهِ: اذْهَبُوا بِهِ فَاقْطَعُوهُ، ثُمَّ احْسِمُوهُ. وَأَخْرَجَهُ البَزَّارُ أَيْضاً، وَقَالَ: لاَ بَأْسَ بِإِسْنَادِهِ.

اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اس میں آپؐ نے فرمایا کہ "اسے لے جاوَ اور ہاتھ کاٹ دو پھر اسے داغ دینا۔" اور اسی کے ہم معنی ذکر ہیں۔ (اسے بزار نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں کوئی نقص نہیں ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿ما اخالک﴾ ہمزہ کے نیچے کسرہ اور مضارع کا صیغہ ہے۔ معنی ہے میرا گمان و خیال نہیں ہے۔ احسمو حسم سے ماخوذ ہے۔ امر کا صیغہ ہے باب ضرب یضرب سے۔ مقام قطع کو آگ سے داغنا تاکہ خون بہنے کی جگہیں اور راستے بند ہو جائیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس نے عدالت کے روبرو چوری کا ایک بار اعتراف کر لیا ہو گو اس سے مال و متاع برآمد نہ ہوا ہو تو اس کی سزا قطع ید ہے۔ قطع ید کے بعد گرم تیل میں ہاتھ رکھنا یا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ خون بہنا بند ہو جائے۔ اگر بروقت اس کا یہ مداوا نہ کیا جائے جس کے نتیجے میں خون بہہ کر وہ جاں بحق ہو گیا تو اس کی دیت بیت المال پر پڑ جائے گی۔ اکثر علماء تو چور

ایک ہی اقرار و اعتراف کو کافی سمجھتے ہیں مگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسحٰق کے نزدیک چور کے دو مرتبہ اعتراف پر چوری ثابت ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث سے پہلے گروہ کی تائید ہوتی ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابوامیہ مخزومی رضی اللہ عنہ﴾ ان کا تعلق حجاز سے ہے۔ مشہور صحابی ہیں لیکن ان سے ایک ہی حدیث مروی ہے۔ حماد بن مسلمہ نے کہا ہے کہ وہ مخزومی ہیں اور ھمام بن یحیٰی نے کہا ہے کہ ان کا تعلق انصار سے تھا۔

(١٠٦٠) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لاَ يُغَرَّمُ السَّارِقُ إِذَا أُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَبَيَّنَ أَنَّهُ مُنْقَطِعٌ، وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: هُوَ مُنْكَرٌ.

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب چور پر حد قائم کر دی جائے گی تو پھر مال کی ضمانت اس پر نہیں۔" (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور خود ہی واضح کر دیا کہ یہ منقطع ہے اور ابوحاتم نے اسے منکر کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لایغرم﴾ تغریم سے ماخوذ ہے صیغہ مجہول ہے۔ اس حدیث کے حکم میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اگر چور کے پاس چوری شدہ مال برآمد ہوا تو اس سے لے لیا جائے گا ورنہ اس پر حد نافذ کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اس پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی اور سبل السلام میں ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہل علم کے مطابق اسے منافق قرار دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک قول یہی منقول ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "ہاتھ ضامن ہے اس چیز کا جسے اس نے لیا تاوقتیکہ اسے ادا نہ کر دے۔" انہی عبدالرحمٰن کی یہ حدیث ضعف کی بنا پر قابل استدلال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے کہ آپس میں باطل طریقہ سے اپنے اموال نہ کھاؤ۔ (٢: ١٨٨) اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ "کسی مسلم مرد کا مال حلال نہیں الاّ یہ کہ وہ اپنی طیب نفس سے کھانے کی اجازت دے۔" نیز اس لئے بھی کہ اس میں دو حق جمع ہوگئے۔ ایک اللہ کا حق اور دوسرا آدمی کا حق۔ ہر ایک حق اپنے واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ جب اصل مال اپنی حالت میں موجود ہو تو وہ لے لیا جائے گا جب وہ مال اس کی ضمان میں نہ پایا جائے گا تو دوسرے اموال واجبہ پر اس کو قیاس کیا جائے گا۔ اس قول کی قوت کسی پر مخفی نہیں ہے۔

(١٠٦١) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهما، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ التَّمْرِ الْمُعَلَّقِ، فَقَالَ: «مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ، مِنْ ذِي حَاجَةٍ، غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً، فَلاَ شَيْءَ عَلَيْهِ،

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ سے درخت پر لٹکی ہوئی کھجور کے متعلق دریافت کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا "جو شخص بھوکا ہو وہ کھانے کیلئے توڑ لے مگر کپڑے میں نہ بھرے تو اس پر کوئی سزا نہیں اور جو شخص کپڑے میں ڈال کر نکل جائے تو اس پر تاوان

وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ الغَرَامَةُ وَالعُقُوبَةُ، وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهِ الجَرِينُ، فَبَلَغَ ثَمَنَ المِجَنِّ، فَعَلَيْهِ القَطْعُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

بھی ہے اور سزا بھی اور جو شخص ایسی صورتحال میں کھجوریں لے جائے کہ مالک نے توڑ کے محفوظ جگہ میں ڈھیر کر لیا ہو اور ان کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے مساوی ہو تو اس پر قطع ید کی سزا نافذ ہوگی۔" (اسے ابوداؤد اور نسائی نے تخریج کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الثمر ﴾ ثا اور میم دونوں پر فتحہ۔ یعنی پھل ﴿ المعلق ﴾ درختوں پر لگے ہوئے' لٹکے ہوئے۔ ﴿ بفیہ ﴾ منہ سے کھائے۔ ﴿ خبنۃ ﴾ کپڑے کا پلو' مطلب ہے کہ کپڑے میں باندھ کر نہ لے جائے۔ ﴿ الغرامۃ ﴾ اسی کی طرح کا تاوان و ضمان۔ ﴿ والعقوبۃ ﴾ بطور سزا اور عبرت چند کوڑے۔ یوویہ اکٹھا کرتا ہے' جمع کرتا ہے۔ ﴿ الجرین ﴾ جیم پر فتحہ اور را کے نیچے کسرہ۔ کھجوروں کے خشک کرنے کی جگہ و مقام۔ جیسے گندم کیلئے کھلیان ہوتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کی مختلف صورتیں ممکن ہیں۔ مثلاً پھل درخت کے اوپر ہی ہیں ابھی تک توڑنے کی نوبت نہیں آئی ایک بھوکا مسافر پھل توڑ کر کھا کر اپنی بھوک دفع کر لیتا ہے تو ایسی صورت میں ایسے آدمی پر بالاتفاق نہ کوئی جرمانہ و تاوان عائد ہوگا اور نہ ہی اسے چوری کی سزا کا مستوجب قرار دیا جائے گا لیکن اگر پھلوں کو پہلے درختوں سے اتارے' پھر شکم سیر بھی ہو جائے مزید برآں کپڑے میں ڈال کر ساتھ لے جانے کی بھی تیاری کرے تو ایسی صورت میں اس پر جرمانہ و تاوان بھی عائد ہوگا اور سزا بھی دی جائے گی۔ بیہقی میں روایت ہے کہ جرمانہ مسروقہ مال کی قیمت سے دوگنا ہوگا اور سزا زیادہ سے زیادہ دس کوڑے اور اگر مالک نے پھل درختوں سے اتار کر ڈھیر کر لئے ہوں اور اس ڈھیر کی نوعیت محفوظ سامان کی ہو اور اس میں سے چوری کی صورت میں بشرطیکہ اس کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں قطع ید کی سزا نافذ ہوگی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مالی جرمانہ بھی جائز ہے۔ نیز جمہور اہل علم نے سزائے قطع ید میں مال کے محرز و محفوظ کی جو شرط لگائی ہے ان کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے۔

(١٠٦٢) وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ - لَمَّا أَمَرَ بِقَطْعِ الَّذِيْ سَرَقَ رِدَاءَهُ فَشَفَعَ فِيْهِ -: «هَلَّا كَانَ ذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ؟» أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الجَارُودِ وَالحَاكِمُ.

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا' جب انہوں نے اس آدمی کے بارے میں سفارش کی جس نے چادر چرائی تھی اور اس کے قطع ید کا حکم آپ ؐ نے فرمایا تھا کہ "میرے پاس لانے سے پہلے تمہیں اس پر رحم و ترس کیوں نہ آیا۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا

ہے اور ابن جارود اور حاکم دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: یہ چوری کا واقعہ یوں ہے کہ صفوان بن امیہ مقام بطحاء یا مسجد حرام میں لیٹے ہوئے تھے ایک آدمی آیا اور صفوان کے سر کے نیچے سے اس کی چادر کھینچ لی۔ اسے گرفتار کر کے نبی ﷺ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تو صفوان بولا میں نے اسے معاف کیا اور درگزر کیا۔ آپؐ نے فرمایا "یہ تو نے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں کیا؟" پھر آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ جب مقدمہ عدالت و حاکم کے پاس چلا جائے تو پھر معافی کی کوئی گنجائش نہیں۔

(١٠٦٣) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: جِيءَ بِسَارِقٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «اقْتُلُوهُ»، فَقَالُوا: إِنَّمَا سَرَقَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «اقْطَعُوهُ»، فَقُطِعَ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: «اقْتُلُوهُ»، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّالِثَةَ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، ثُمَّ جِيْءَ بِهِ الرَّابِعَةَ كَذٰلِكَ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الخَامِسَةَ فَقَالَ: «اقْتُلُوهُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ، وَاسْتَنْكَرَهُ، وَأَخْرَجَ مِنْ حَدِيثِ الحَارِثِ بْنِ حَاطِبٍ نَحْوَهُ، وَذَكَرَ الشَّافِعِيُّ أَنَّ القَتْلَ فِي الخَامِسَةِ مَنْسُوخٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک چور کو لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ "اسے قتل کر دو۔" لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اس نے چوری کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا "تو پھر اس کا ہاتھ کاٹ دو" چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسے پیش کیا گیا تو پھر آپؐ نے فرمایا "اسے مار ڈالو۔" پھر اسی طرح ذکر کیا گیا۔ پھر اس کو تیسری بار لایا گیا تو پھر اسی طرح ذکر کیا۔ پھر چوتھی مرتبہ گرفتار کر کے پیش کیا گیا تو اسی طرح ذکر کیا۔ پھر پانچویں مرتبہ گرفتار کر کے پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ "اسے قتل کر دو۔" (اس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اسے منکر قرار دیا ہے اور نسائی نے حارث بن حاطب کی حدیث سے اسی طرح اور شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ پانچویں مرتبہ مار ڈالنا منسوخ ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں جرم چوری میں قتل کی سزا بیان ہوئی ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ روایت منکر اور بے اصل ہے اور تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ قابل عمل نہیں۔

راوی حدیث: ﴿حارث بن حاطب جمحی قرشی﴾ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ عبداللہ بن زبیر کی طرف سے مکہ میں ٦٦ھ میں والی مقرر ہوئے اور چھ سال کام کیا مروان کی امارت مدینہ کے دوران ان کے

ساتھ بھی کافی تعاون کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں وفات پائی۔

٤ - بَابُ حَدِّ الشَّارِبِ وَبَيَانِ الْمُسْكِرِ

شراب پینے والے کی حد اور نشہ آور چیزوں کا بیان

(١٠٦٤) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الخَمْرَ، فَجَلَدَهُ بِجَرِيْدَتَيْنِ نَحْوَ أَرْبَعِيْنَ. قَالَ: وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، ٱسْتَشَارَ النَّاسَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: أَخَفُّ ٱلْحُدُودِ ثَمَانُونَ، فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی۔ پس اس شخص کو دو چھڑیوں سے چالیس کے لگ بھگ کوڑے لگائے گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سزا دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہلکی ترین سزا اسی کوڑے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم صادر فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي قِصَّةِ الوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ: جَلَدَ النَّبِيُّ ﷺ أَرْبَعِيْنَ، وَأَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِيْنَ، وَعُمَرُ ثَمَانِيْنَ، وَكُلٌّ سُنَّةٌ، وَهٰذَا أَحَبُّ إِلَيَّ. وَفِي هٰذَا الحَدِيْثِ أَنَّ رَجُلاً شَهِدَ عَلَيْهِ أَنَّهُ رَآهُ يَتَقَيَّأُ الخَمْرَ، فَقَالَ عُثْمَانُ إِنَّهُ لَمْ يَتَقَيَّأْهَا حَتَّى شَرِبَهَا.

اور مسلم میں ولید بن عقبہ کے قصہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے سزا دی اور ہر ایک سنت ہے اور یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک آدمی نے ولید کے خلاف شہادت دی کہ اس نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے شراب پی نہ ہوگی تو قے کیسے ہوگی۔

لغوی تشریح: ﴿باب حد الشارب﴾ یعنی شراب پینے والا' شراب پینے کی حد اسی کوڑے ہے۔ ﴿بجريدتين﴾ شاخ خرما۔ کھجور کی چھڑی۔ اس کو جریدہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر سے پتے جھڑ چکے ہوتے ہیں اور صاف ہوتی ہے۔ ﴿نحو اربعين﴾ ایک قول تو اس کی تفسیر میں یہ ہے کہ ہر ایک چھڑی

سے بیس مرتبہ مارا گیا ہوگا اور دونوں کی مجموعی تعداد چالیس ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں چھڑیوں کو اکٹھا کر کے چالیس مرتبہ مارا ہوگا اس طرح یہ اسی کی تعداد ہوگی۔ بظاہر پہلا معنی ہی متعین معلوم ہوتا ہے بلکہ دوسری روایات بھی اسی کی موید ہیں۔ ﴿ اخف الحدود ثمانون ﴾ حدود میں ہلکی اور خفیف ترین سزا اسی کوڑے ہیں اور یہ قذف کی سزا ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد سعادت میں شراب نوشی کی حد متعین نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام ؓ سے مشورہ لیا اور ایک مقررہ حد یعنی اسی کوڑے متعین کر دیئے کیونکہ بعض اطراف و نواحی میں لوگ شراب نوشی میں کچھ زیادہ منہمک ہوگئے تھے اور اس کی سزا کو بے وزن و حقیر سمجھتے تھے جیسا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی تحریر سے ثابت ہے۔ فقہاء کے درمیان اس کی حد کے بارے میں اختلاف رہا ہے کہ وہ چالیس کوڑے ہیں یا اسی۔ مگر نبی ﷺ کے فعل کو اخذ کرنا زیادہ مناسب اور اولیٰ ہے۔ ﴿ فی قصة الولید بن عقبة ﴾ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ولید بن عقبہ پر شراب نوشی کا اتہام لگا۔ حمران اور ایک دوسرے آدمی نے اس کے خلاف گواہی دی۔ ان میں سے ایک نے تو یہ گواہی دی کہ میں نے ان کو شراب پیتے دیکھا ہے اور دوسرے نے یہ گواہی دی کہ میں نے اسے شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تک شراب پی نہ ہو اس وقت تک قے کیسے کر سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس پر حد لگائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اس پر حد لگاؤ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا جو اس کے گرم کا والی ہوا وہی اس کے سرد کا بھی والی بنے۔ یعنی جو آدمی خلافت کی نرمی اور لذت سے لطف اندوز ہوا ہے وہی اس کی شدت اور کڑوی صورت کو بھی اختیار کرے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اعزاء و اقرباء میری نسبت زیادہ ولایت و اختصاص رکھتے ہیں تو پھر ان کو ہی خلافت کی بری بھلی اور گندی باتوں اور حالات سے نپٹنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اسے حد لگاؤ۔ انہوں نے کوڑا پکڑا اور حد نافذ کر دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شمار کرتے جاتے تھے جب چالیس پر پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' بس تیرے لئے یہ کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے چالیس (کوڑے) ہی لگائے تھے۔

راوی حدیث: ﴿ ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ ﴾ قرشی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ماں کی جانب سے بھائی تھے۔ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ قریش کے ظریف' حلیم' بہادر اور ادیب لوگوں میں سے تھے۔ طبع زاد شعراء میں سے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ شراب نوشی کے الزام پر ان کو اس منصب سے معزول کر دیا۔ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد فتنہ سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے۔ رقہ میں مقیم ہوئے اور وہیں وفات پائی اور بلیخ میں دفن ہوئے۔

(١٠٦٥) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ قَالَ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ؐ نے شرابی کے متعلق فرمایا "جب وہ شراب

فِي شَارِبِ الْخَمْرِ: «إِذَا شَرِبَ فَاجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الثَّانِيَةَ فَاجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الثَّالِثَةَ فَاجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الرَّابِعَةَ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَهٰذَا لَفْظُهُ، وَالأَرْبَعَةُ، وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ مَا يَدُلُّ عَلَىٰ أَنَّهُ مَنْسُوخٌ، وَأَخْرَجَ ذٰلِكَ أَبُو دَاوُدَ صَرِيحاً عَنِ الزُّهْرِيِّ.

پئے تو اسے کوڑے مارو۔ پھر دوبارہ شراب نوشی کرے تو پھر کوڑے لگاؤ۔ پھر جب تیسری مرتبہ شراب پئے تو پھر کوڑے لگاؤ۔ مگر جب چوتھی دفعہ شراب نوشی کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔" (اسے احمد نے بیان کیا ہے اور یہ الفاظ اسی کے ہیں اور چاروں نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ تو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا قتل کرنا منسوخ ہے اور ابوداؤد نے بالصراحت زہری سے اس کی تخریج کی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شرابی کو قتل کی سزا دی جا سکتی ہے۔ اہل ظواہر اور علامہ ابن حزم کی یہی رائے ہے مگر جمہور نے قتل کو منسوخ کہا ہے اور اس کی ناسخ ابوداؤد میں امام زہری کی روایت ہے کہ آنجناب ﷺ نے چوتھی بار شراب نوشی پر قتل نہیں کیا تھا صرف کوڑوں کی سزا پر اکتفا فرمایا تھا بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اجماع نقل کیا ہے کہ شراب پینے والے شخص کیلئے کسی صورت بھی موت کی سزا نہیں ہے۔

(١٠٦٦) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی حد لگائے تو چہرے کو بچائے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سزا دیتے وقت چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح بچوں اور زیردستوں کو اگر کسی امر مجبوری کی وجہ سے مارنے کی نوبت آجائے تو چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ چہرہ شرف انسانی کا ترجمان ہے۔ شرابی کی سزا کے موقع پر سر میں مٹی ڈالنا اور زجر و توبیخ کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ ایک حد میں ﴿فوطدی اخصیتین﴾ پر مارنے سے بھی منع فرمایا ہے البتہ سر پر مارنے کو بعض نے جائز رکھا ہے۔

(١٠٦٧) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تُقَامُ الْحُدُودُ فِي الْمَسَاجِدِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالحَاكِمُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسجدوں میں حدود نہ لگائی جائیں۔" (ترمذی مستدرک حاکم)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مساجد میں حدود قائم نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ مساجد صرف اللہ کی

عبادت و بندگی کیلئے ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کی جگہیں ہیں۔ ایسی پاکیزہ اور رحمت کی جگھوں پر اگر حدود کا اجراء کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ خون سے مسجد کی بے حرمتی ہو اور جہاں نزول رحمت ہو وہاں حدود اللہ کا انتقام لیا جائے تو یہ اس کے مقام و مرتبہ کے منافی ہے۔ حرم مکہ میں اگر کوئی مجرم پناہ گزیں ہو جائے تو اسے وہاں سے نکلنے کیلئے مجبور کرنے کیلئے اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے تا کہ وہ ازخود مجبور ہو کر باہر نکلنے پر مجبور ہو اور اسے قتل کر کے حرم میں خونریزی سے اجتناب کیا جائے۔

(١٠٦٨) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَقَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ تَحْرِيمَ الخَمْرِ، وَمَا بِالْمَدِيْنَةِ شَرَابٌ يُشْرَبُ إِلاَّ مِنْ تَمْرٍ. أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے تو مدینہ میں اس وقت صرف کھجور سے تیار کردہ شراب پی جاتی تھی۔ (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کے بیان کرنے کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ محض انگور سے کشید کردہ شراب ہی حرام نہیں ہے بلکہ ہر چیز سے تیار کردہ شراب حرام ہے جو نشہ آور ہو اور انسان کی عقل کو ڈھانپ لے اور انسان اپنے حواس کھو بیٹھے۔ اس کی تائید آئندہ احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

(١٠٦٩) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَزَلَ تَحْرِيمُ الخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ: مِنَ العِنَبِ، وَالتَّمْرِ، وَالعَسَلِ، وَالحِنْطَةِ، وَالشَّعِيْرِ، وَالخَمْرِ مَا خَامَرَ العَقْلَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحریم شراب کا حکم نازل ہوا اور وہ پانچ چیزوں سے تیار کی جاتی تھی۔ انگور، کھجور، شہد، گندم، جو سے اور خمر (کی تعریف یہ ہے کہ) ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں پانچ چیزوں سے شراب تیار کرنے کا ذکر ہے کیونکہ اس دور میں عموماً انہی سے شراب تیار کی جاتی تھی۔ خمر یعنی شراب اسے کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے اور حواس پر غالب آجائے۔ اس لئے یہ صورت جس میں بھی پائی جائے وہ حرام ہوگی خواہ وہ کھجور یا انگور وغیرہ سے تیار ہوئی ہو یا کسی دوسری چیز سے۔

(١٠٧٠) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ». أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے کہ "ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔" (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے وہ عصیر کی شکل میں ہو یا نبیذ کی یا

کسی اور شکل و صورت میں ہو۔

(۱۰۷۱) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔" (اس کی تخریج احمد اور چاروں نے کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس کا کثیر استعمال نشہ آور ہو اس کا قلیل استعمال بھی حرام ہے۔ مگر احناف اور کوفہ و بصرہ کے علماء کا خیال ہے کہ انگور اور کھجور کے سوا جو شراب نشہ دینے کی مقدار تک نہ پہنچے وہ حلال ہے لیکن یہ حدیث صراحتاً ان حضرات کے اس قول کی تردید کرتی ہے۔

(۱۰۷۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُنْبَذُ لَهُ الزَّبِيبُ فِي السِّقَاءِ، فَيَشْرَبُهُ يَوْمَهُ، وَالْغَدَ، وَبَعْدَ الْغَدِ، فَإِذَا كَانَ مَسَاءُ الثَّالِثَةِ شَرِبَهُ، وَسَقَاهُ، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ أَهْرَاقَهُ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کیلئے منقیٰ کو مشکیزے میں ڈال کر نبیذ تیار کیا جاتا تھا۔ آپؐ اس کو اس روز بھی اور دوسرے اور تیسرے روز بھی نوش فرماتے تھے۔ جب تیسرے روز کی شام ہوتی تو اسے نوش فرماتے اور دوسرے کو پلا دیتے اور باقی ماندہ کو گرا دیتے۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ ینبذ ﴾ صیغہ مجہول۔ یعنی منقیٰ سے نبیذ تیار کی جاتی اور ﴿ زبیب ﴾ خشک کشمش کو اور ﴿ سقا ﴾ چمڑے کے مشکیزہ کو کہتے ہیں۔ ﴿ فان فضل ﴾ یعنی تیسرے روز شام کو پینے کے بعد بھی وہ اگر بچ جاتی تو اسے گرا دیتے مبادا اس میں نشہ نہ پیدا ہو جائے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپؐ نبیذ استعمال فرماتے تھے مگر جب اس میں نشہ کی کیفیت کا گمان اور اندیشہ محسوس ہوتا تو اسے گرا دیتے نہ خود استعمال فرماتے اور نہ ہی کسی دوسرے کو تحفہ دیتے۔ اس حدیث کا قطعاً یہ مفہوم نہیں کہ نبیذ کا استعمال تین دن تک بہرنوع جائز ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ نشہ سے پہلے تو اس کا استعمال جائز ہے بعد میں نہیں۔ خواہ وہ موسم کے لحاظ سے دوسرے روز ہی پیدا ہو جائے۔

(۱۰۷۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ». أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَصَحَّحَهُ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اللہ عزوجل نے جو چیز تمہارے لئے حرام قرار دے دی ہے اس میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی۔" (اسے بیہقی نے تخریج

ابْنُ حِبَّانَ. کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی نشہ آور چیز میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی شفا نہیں رکھی۔ اس لئے ان کا برائے علاج استعمال بھی ناجائز ہے۔

(١٠٧٤) وَعَنْ وَآئِلٍ الحَضْرَمِيِّ، أَنَّ طَارِقَ ابْنَ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الخَمْرِ يَصْنَعُهَا لِلدَّوَآءِ، فَقَالَ: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ، وَلَكِنَّهَا دَاءٌ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَغَيْرُهُمَا.

حضرت وائل بن حضرمی سے روایت ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے شراب کے بارے میں پوچھا کہ وہ اسے دوا کیلئے بناتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "یہ دوا بالکل نہیں بلکہ یہ بیماری ہے۔" (اسے مسلم اور ابوداؤد و غیرہما نے تخریج کیا ہے)

حاصل کلام: شراب کو بطور دوا استعمال کرنا حرام ہے۔ یہ بذات خود بیماری ہے شفا نہیں ہے۔

راوی حدیث: ﴿طارق بن سوید حضرمی رضی اللہ عنہ﴾ صحابی ہیں۔ سوید بن طارق بھی کہا جاتا ہے۔ جعفی بھی کہا جاتا تھا۔ ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔ اہل کوفہ نے ان سے روایت کیا ہے۔

٥ - بَابُ التَّعْزِيرِ وَحُكْمِ الصَّآئِلِ — تعزیر اور حملہ آور (ڈاکو) کا حکم

(١٠٧٥) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ الأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ تَعَالَى». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوبردہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا "حدود اللہ میں سے کسی حد کے سوا دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب التعزیر﴾ سزا کو کہتے ہیں۔ جو حد سے کم ہوتی ہے اور یہ حسب حال قول و فعل دونوں طرح سے دی جاتی ہے' یہ عذر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں منع کرنا اور روکنا اور اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ قبیح فعل کو دوبارہ کرنے سے روک دیتی ہے۔ ﴿لا یجلد﴾ صیغہ نفی کی صورت میں مجہول اور صیغہ نہی کی صورت میں یہ مجزوم ہوگا۔ ﴿فوق عشرۃ اسواط﴾ ایک روایت میں "فوق عشرۃ جلدات" اور ایک دوسری روایت میں "فوق عشر ضربات" کے الفاظ ہیں اور تینوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں۔ یہ حدیث حنفی' مالکی اور شافعی حضرات کے مخالف ہے' اس لئے کہ ان حضرات نے دس کوڑوں سے زیادہ سزا دینا جائز رکھا ہے۔ اس مسئلہ میں لمبی تفصیل ہے جس کا اس مقام پر بیان کا موقع نہیں۔ راجح بات وہی ہے جس پر یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ دس کوڑوں سے زائد کی سزا جائز نہیں۔

راوی حدیث: ﴿ ابوبردہ رضی اللہ عنہ ﴾ بلوی قبیلہ سے تھے۔ شرف صحابیت سے سرفراز تھے۔ ان کا نام ھانی بن نیار رضی اللہ عنہ تھا۔ بدر وغیرہ میں شریک ہوئے۔ ۴۱ھ یا ۴۲ھ یا ۴۵ھ میں فوت ہوئے۔

(۱۰۷۶) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ إِلاَّ الْحُدُودَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صاحب عزو شرف لوگوں کو بجز حدود الٰہی' ان کی لغزشیں درگزر کر دیا کرو۔" (اسے احمد' ابوداؤد' نسائی اور بیہقی نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اقیلوا ذوی الھیئات ﴾ اقیلوا سے ماخوذ ہے۔ یعنی صاحب شرف و صلاح اور مروت والے حضرات کو ان کی لغزشیں معاف کر دیا کرو۔ ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں پر گرفت نہ کرو اور ﴿ عثرۃ ﴾ کے معنی لغزش کے ہیں۔

(۱۰۷۷) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: مَا كُنْتُ لأُقِيْمَ عَلىٰ أَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوتَ، فَأَجِدَ فِيْ نَفْسِيْ، إِلاَّ شَارِبَ ٱلْخَمْرِ، فَإِنَّهُ لَوْ مَاتَ وَدَيْتُهُ. أَخرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں کسی پر ایسی حد نافذ نہیں کروں گا کہ وہ اس سے مرجائے اور میں اس کا غم اپنے دل میں محسوس کروں سوائے شرابی کے اگر وہ سزا میں جاں بحق ہو جائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ لاقیم ﴾ مضارع پر نصب "ان" کے مقدر ہونے کی وجہ سے اور یہ "ان" ناصبہ لام مکسورہ کے بعد ہے۔ اس لام کو گرائمر میں لام جحود کہتے ہیں۔ ﴿ فیموت ﴾ اور وہ مرجائے سزا کی وجہ سے۔ مضارع منصوب ہے۔ ﴿ فاجد ﴾ نفی کے جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے منصوب واقع ہوا ہے۔ معنی ہوگا مجھے افسوس اور تاسف ہوگا۔ ﴿ ودیتہ ﴾ میں اس کی دیت ادا کروں گا۔

حاصل کلام: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شرابی کی سزا میں مرجانے کی صورت میں دیت کا جو فرمایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابی کی سزا مقرر نہیں فرمائی۔ اس لئے شرابی کا سزا سے مرجانا قتل خطا کے زمرے میں آجاتا ہے اور قتل خطا میں دیت دینا لازم ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی خیال ہے کہ تعزیر کی صورت میں وہ شخص مرجائے تو سربراہ مملکت پر اس کی دیت ادا کرنا ضروری ہے۔

(۱۰۷۸) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ». رَوَاهُ ٱلأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے مال و متاع کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے' وہ شہید ہے۔" (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا

التِّرْمِذِيُّ. ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال لوٹنے والے کو ہر طرح اور ہر ممکن طریقہ سے دفع کرنا اور اس کا مقابلہ کرنا جائز ہے بلکہ بعض نے تو اپنا دفاع کرنا واجب قرار دیا ہے۔ اس دفاعی کشمکش میں ڈاکو کو اگر مالک قتل کر دیتا ہے تو قاتل پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت۔ اس کا قتل رائیگاں گیا۔ اسی طرح جو کوئی اپنے دین و ایمان کا تحفظ اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں خود قتل ہو جائے تو مرتبہ شہادت اور اگر دوسرے کو قتل کر دیا تو قصاص و دیت معاف۔ اس سے اندازہ لگا لیں کہ اسلام نے جان' مال اور عزت کی حفاظت کو کتنی اہمیت دی ہے۔

(١٠٧٩) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «تَكُونُ فِتَنٌ، فَكُنْ فِيهَا عَبْدَ اللهِ الْمَقْتُولَ، وَلاَ تَكُنِ الْقَاتِلَ». أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي خَيْثَمَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ نَحْوَهُ عَنْ خَالِدِ ابْنِ عُرْفُطَةَ.

حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد کو بیان کرتے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "میرے بعد فتنے رونما ہوں گے۔ اے اللہ کے بندے! تو ان میں مقتول بن جانا' قاتل نہ بننا۔" (اس کو ابن ابی خیثمہ اور دارقطنی نے نکالا ہے اور احمد نے اسی طرح خالد بن عرفطہ سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ فتن ﴾ فتنۃ کی جمع ہے اور یہاں اس سے مراد قتل نفوس اور خونریزیاں ہیں اور اس حدیث میں ارشاد ہے کہ فتنوں کے دور میں الگ ہو کر بیٹھ جانا اور اس میں حصہ نہ لینا ہے۔ مگر یہ اس وقت ہے کہ جب دو گروہ بغیر حق و استحقاق کے باہم لڑ پڑیں یا پھر یہ کہ اس لڑائی میں حق کی وجہ آدمی کو معلوم نہ ہو سکے جب اسے معلوم ہو جائے کہ حق فلاں کے ساتھ ہے تو پھر حق کی مدد اور باطل کے دفع کرنے میں تگ و دو اور دوڑ دھوپ اس پر واجب ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الی امر الله (۴۹:۹)

مگر جب اس پر کوئی ہجوم کر لے اور اسے قتل کرنا چاہے یا اس کا مال و متاع لوٹنا چاہے یا ایسی ہی کوئی دوسری صورت رونما ہو جائے تو اس حدیث کی رو سے اسے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا چاہئے اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس سے لڑنا چاہئے اور اس دفاعی و حفاظتی لڑائی میں اگر وہ مارا جائے گا تو رتبۂ شہادت پا لے گا۔ بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں امور میں سے جو مصالح کے موافق ہو اسے اختیار کر لے۔

راوی حدیث: ﴿ عبداللہ بن خباب ﴾ مدنی ہیں۔ ثقہ تابعین میں شمار ہوتا ہے۔ ۲۷ھ کو نہروان کے راستے پر حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کے بعد خارجیوں نے انہیں قتل کیا۔ اور ان کے قتل کے بعد وہ ان کے گھر گئے اور ان کی بیوی کا پیٹ پھاڑا اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ یہی واقعہ مشہور جنگ' جنگ

نہروان کا باعث بن گیا' جس میں حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں سارے خارجی قتل ہو گئے۔ صرف سات بچے جو بعد میں اٹھنے والے بڑے فتنے کے لیے جراثیم ثابت ہوئے۔

﴿ خباب ﴾ خباب میں باء پر تشدید۔ خباب بن ارت بن جندلہ تمیمی۔ اللہ کے راستے میں شادی نہ کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ بدری صحابی ہیں۔ جنگ صفین سے واپسی پر کوفہ میں ۳۷ھ کو ۷۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

﴿ خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ ﴾ قضاعی عذری ہیں۔ عذرہ قبیلہ سے تھے۔ شرف صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ کوفہ پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جانب سے حاکم تھے۔ ۶۱ھ میں وفات پائی اور یہ کہا گیا ہے کہ مختار بن ابی عبید نے یزید کی موت کے بعد ان کو قتل کر دیا۔ یہ ۶۴ھ کی بات ہے۔

۱۱۔ كِتَابُ الْجِهَادِ

مسائل جہاد

(۱۰۸۰) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ مَاتَ، وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِهِ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص ایسی حالت میں مرگیا کہ اس نے نہ کبھی جہاد میں حصہ لیا اور نہ کبھی اس کے دل میں یہ خیال آیا اور نہ اس کی خواہش و تمنا پیدا ہوئی تو اس کی موت نفاق کے شعبہ پر ہوئی۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿کتاب الجهاد﴾ ' جہاد لغت میں مشقت اور کوشش کو کہتے ہیں اور شرعاً دین اسلام کی حفاظت و حمایت اور کلمۃ اللہ کو بلند وبالا کرنے کی غرض سے قتال اور باغیوں سے لڑنے میں اپنی پوری جدوجہد کرنا اور سعی وکوشش صرف کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ ﴿ولم یغز﴾ غزو سے ماخوذ ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ اس نے دشمنان دین سے کبھی لڑائی نہیں کی۔ ﴿ولم یحدث نفسه به﴾ اور نہ اس کے خیال میں یہ چیز وارد ہوئی اور نہ اس کے دل میں اس کی نیت تھی کہ وہ اس کا وقت آنے پر اور قتال کے ممکن ہونے پر ان سے لڑے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے کم از کم جہاد فی سبیل اللہ کی پختہ نیت رکھنا واجب ہے۔ اگر جہاد فی سبیل اللہ میں عملاً شریک ہونے کا موقع میسر آجائے تو اس میں شریک ہونے سے گریز نہ کرے بلکہ ایسے موقع کو سعادت سمجھے اور اگر موقع میسر نہیں آتا تو پھر موقع کے انتظار میں رہے گویا کہ حسب موقع ہر وقت ایک مومن پر جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے اور اسلامی زندگی اسی جذبۂ قربانی سے وابستہ ہے۔ اگر ایک مومن اپنا نصب العین ہی فراموش کر دے تو پھر مومن اور کافر میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ مومن کا تو فرض منصبی ہی کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے اگر وہ اپنے حقیقی فرض سے تغافل برتے گا تو اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔

(۱۰۸۱) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے

تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ، وَأَنْفُسِكُمْ، وَأَلْسِنَتِكُمْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

فرمایا "مشرکین سے اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو۔" (اسے احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا)

لغوی تشریح: ﴿الجهاد باللسان﴾ جہاد باللسان زبان سے جہاد یہ ہے کہ کافروں پر حجت قائم کر دی جائے۔ ان کو توحید الٰہی کی جانب دعوت دی جائے اور ان کی ھجو کی جائے اور اس طرح ان کو رسوا اور ذلیل کیا جائے کہ ان کی ہمتیں بیٹھ جائیں اور لڑائی سے بزدلی دکھائیں اور میدان میں نہ آئیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خدا کے باغیوں، سرکشوں، ملحدوں اور بے دین لوگوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کیلئے خود کو ہر لحہ مستعد رکھے۔ اس سلسلہ میں مال خرچ کرے، زبان سے جہاد کرے، کافروں پر توحید و رسالت اور آخرت کو تسلیم کرنے پر دلائل پیش کرے۔ آج کے دور میں میڈیا ایسا مؤثر اور عالم گیر ہتھیار ہے کہ لڑنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی اذہان و خیالات اور نظریات کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ شعر و شاعری اور اچھے مضامین کے ذریعہ اس جہاد میں حصہ لینا اس دور کی اہم ترین ضرورت ہے۔

(١٠٨٢) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! عَلَى النِّسَآءِ جِهَادٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ، جِهَادٌ لاَ قِتَالَ فِيهِ، هُوَ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا خواتین پر بھی جہاد ہے؟ فرمایا "ہاں! جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں۔ وہ ہے حج اور عمرہ۔" (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں مذکور ہے کہ خواتین کا جہاد لڑنا، مارنا نہیں بلکہ ان کیلئے حج اور عمرہ جہاد ہے۔ جہاد میں انسان کو سفری صعوبتیں، مشقتیں، تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں، مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ حج و عمرہ میں بھی ان سب مشقتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے خواتین کو حج و عمرہ کا ثواب جہاد کے برابر ملتا ہے۔ اسی بنا پر حج و عمرہ کو خواتین کیلئے جہاد قرار دیا گیا ہے گویا خواتین پر جہاد بالسیف فرض نہیں۔ اس کا ثواب اسے حج اور عمرہ ادا کرنے کی صورت میں مل جاتا ہے۔

(١٠٨٣) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَأْذِنُهُ فِي

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

الجِهَادِ، فَقَالَ: «أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟» فَقَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

آپؐ نے فرمایا "کیا تیرے والدین بقید حیات ہیں؟" وہ بولا ہاں! آپؐ نے فرمایا "پس ان دونوں (کی خدمت) میں جدوجہد کرو۔" (بخاری و مسلم)

وَلِأَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ نَحْوُهُ، وَزَادَ: «ارْجِعْ، فَاسْتَأْذِنْهُمَا، فَإِنْ أَذِنَا لَكَ، وَإِلاَّ فَبِرَّهُمَا».

مسند احمد اور ابوداؤد میں ابوسعید کی روایت بھی اسی طرح منقول ہے۔ اس میں اضافہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا "واپس چلے جاؤ' ان سے اجازت طلب کرو۔ پھر اگر وہ دونوں تجھے اجازت دے دیں تو درست ورنہ ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرو۔"

لغوی تشریح: ﴿ فبرهما ﴾ امر ہے "بر" سے باب سمع ہے یعنی اچھا سلوک کر۔

حاصل کلام: اس حدیث سے والدین کی اہمیت و فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کی نظر میں جہاد جیسا فریضہ بھی والدین کی رضامندی کے بغیر ادا نہیں کیا سکتا۔ آج کا نوجوان والدین کو خاطر میں لانے کیلئے تیار ہی نہیں۔ اپنی من مانی کرتا ہے' اپنی رائے کا پابند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ والدین کی رضامندی کو اتنی اہمیت اس لئے دی گئی ہے کہ جہاد سب پر تو فرض کفایہ ہے اور والدین کی اطاعت فرض عین ہے۔ ظاہر ہے کہ فرض عین کو فوقیت حاصل ہے۔

(١٠٨٤) وَعَنْ جَرِيرٍ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ الْمُشْرِكِينَ». رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ، وَرَجَّحَ الْبُخَارِيُّ إِرْسَالَهُ.

حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں قیام پذیر ہو۔" (اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے مگر بخاری نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مسلمان کفار کے درمیان مقیم ہوں اور مجاہدین کے ہاتھوں ان کا قتل ہو جائے تو مجاہدین پر اس کا کوئی گناہ نہیں۔ اس فعل پر ان کو مجرم قرار نہیں دیا جائے گا۔ حالات کے تقاضا کے مطابق مشرکین کے گھروں اور علاقوں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔

راوی حدیث: ﴿ جریر بجلی رضی اللہ عنہ ﴾ ان کی کنیت ابوعمرو ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ جریر بن عبداللہ بن جابر بجلی۔ بجیلہ قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے بجلی کہلائے۔ بجلی کے "با" پر فتحہ اور جیم ساکن۔ ١٠ھ میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے نبی ﷺ نے ان کے اعزاز کیلئے کپڑا بچھایا اور ان کو ذی الخلصہ بت کو منہدم کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ انہوں نے اسے گرا دیا۔ آپ کے زمانہ میں ان کو یمن پر عامل مقرر کیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا اس روز سے آپ نے مجھ سے حجاب نہیں کیا اور مجھے ہمیشہ

مسکراتے ہوئے دیکھا۔ ان کی جوتی کا سائز ایک ہاتھ کے برابر تھا۔ مدائن کی فتح کے موقع پر حاضر تھے اور جنگ قادسیہ میں ان کو فوج کے میمنہ پر متعین کیا گیا ان کو اس امت کا یوسف کہا گیا ہے۔ ۵۲ھ میں یا ۵۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۰۸۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ هِجْرَةَ بَعْدَ الفَتْحِ، وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: "لا ھجرۃ بعد الفتح" فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں کا مطلب یہ ہے کہ مکہ سے بالخصوص مدینہ کی طرف ہجرت نہیں ہے اس لئے کہ جب مکہ دارالسلام بن گیا تو اب دارالسلام میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف ہجرت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ مکہ سے خروج جائز نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اب مکہ سے ہجرت کرنا واجب نہیں اور نہ ہی اب اسے ہجرت کا ثواب ملے گا۔ (فتح الباری) البتہ دارالکفر سے دارالسلام کی طرف ہجرت قیامت تک باقی رہے گی جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے «ولکن جھاد ونیۃ» امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بھلائی اور خیر جو ہجرت کے انقطاع پر منقطع ہو چکی ہے اس کا حصول جہاد اور صالح نیت کے ذریعہ ممکن ہے۔

(۱۰۸۶) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ العُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اس نیت سے لڑا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہے۔" (بخاری و مسلم)

(۱۰۸۷) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّعْدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تَنْقَطِعُ الهِجْرَةُ مَا قُوتِلَ العَدُوُّ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت عبداللہ بن سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تک دشمنوں سے جنگ جاری رہے گی ہجرت بھی جاری رہے گی۔" (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: مندرجہ بالا تینوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ آغاز اسلام کے وقت چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور مرکز مدینہ منورہ کو مضبوط اور طاقتور کرنا تھا اس لئے یہ مقصد ہجرت کے بغیر حاصل ہونا نہایت ہی دشوار اور مشکل تھا۔ اس لئے ہجرت ایک مسلمان کیلئے فرض تھی۔ ابن جریر کی حدیث میں

اس کی طرف اشارہ ہے۔ پھر ایک وقت آیا کہ مکہ فتح ہوگیا تو اس کے بعد مختلف قبائل پے درپے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور اسلامی ریاست کی توسیع ہوگئی۔ تو مدینہ میں ہجرت کر کے آنا فرض نہ رہا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔ اب یہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ اگر کوئی شخص دارالکفر میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے میں دشواری محسوس کرتا ہو تو اس کو دارالسلام کی جانب ہجرت کرنا اب بھی فرض ہے۔ ابن سعدی کی حدیث کا یہی مطلب و مفہوم ہے یعنی فتح مکہ کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا ہے اور دارالسلام کی طرف ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

راوی حدیث: ﴿ عبدالله بن سعدی رضی اللہ عنہ ﴾ صحابی تھے۔ قرشی اور عامری تھے۔ واقدی نے کہا ہے کہ ان کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی اور سعدی کا نام عمرو یا قدامہ یا عبداللہ بن وقدان تھا۔

(۱۰۸۸) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ: أَغَارَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَىٰ بَنِي الْمُصْطَلِقِ، وَهُمْ غَارُّونَ، فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ، وَسَبَىٰ ذَرَارِيَهُمْ. حَدَّثَنِي بِذٰلِكَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ عُمَرَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق پر شب خون مارا تو اس وقت یہ لوگ بے خبر و غافل تھے۔ پس آپؐ نے ان کے لڑائی کرنے والوں کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو قیدی بنالیا۔ یہ مجھ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ اغار علی بنی المصطلق ﴾ بنی المصطلق پر ٹوٹ پڑے، شب خون مارا۔ یہ بڑا مشہور قبیلہ بنو خزاعہ کی شاخ تھی۔ ﴿ غارون ﴾ "را" پر تشدید اور بے خبر و غافل لوگ۔ ﴿ مقاتلتهم ﴾ یعنی جنگ کے قابل لڑنے والے لوگ۔ ان میں بچے، بوڑھے، عورتیں شامل نہیں۔ ﴿ وسبی ذراریهم ﴾ ان کی اولاد اور عورتوں کو قیدی بنالیا۔ یہ معرکہ ۶ھ شعبان میں واقع ہوا۔ جو غزوۂ مریسیع کے نام سے بھی مشہور ہے۔ مریسیع کے میم پر ضمہ اور "را" پر فتحہ۔ یہ چشمہ تھا جو جدہ اور رابغ کے درمیان واقع تھا۔ قدید کے قریب بنی المصطلق اس مقام پر آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع موصول ہوئی کہ یہ لوگ آپؐ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو آپؐ نے ان کو راتوں رات جالیا اور ایسا شب خون مارا کہ ان کے دس آدمی قتل کر دیئے اور باقی مردوں اور عورتوں کو قید کر لیا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا ایک آدمی بھی شہید نہ ہوا۔ اسی معرکہ میں حضرت جویریہؓ قید ہوئیں۔ یہ دراصل حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی تھیں۔ ثابت نے ان سے مکاتبت کر لی، رسول اللہ ﷺ نے جویریہ کی مکاتبت خود ادا فرما کر ان سے شادی کرلی۔ جب لوگوں نے سنا کہ آپؐ نے جویریہ کو اپنے حرم میں داخل فرمالیا ہے تو لوگوں نے ان کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ ان کی شادی کی وجہ سے ان کے اہل خانہ کے سو افراد آزاد ہوئے۔ پس حضرت جویریہؓ اپنی قوم کیلئے بہت بابرکت ثابت ہوئیں۔ یہی وہ غزوۂ ہے جس میں واقعہ افک رونما ہوا۔ اس واقعہ

کی کچھ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(١٠٨٩) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَمَّرَ أَمِيراً عَلَىٰ جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ، أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللهِ، وَبِمَنْ مَّعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْراً، ثُمَّ قَالَ: «اغْزُوا بِسْمِ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، اُغْزُوا، وَلاَ تَغُلُّوا، وَلاَ تَغْدِرُوا، وَلاَ تُمَثِّلُوا، وَلاَ تَقْتُلُوا وَلِيداً، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلاَثِ خِصَالٍ، فَأَيَّتُهُنَّ أَجَابُوكَ إِلَيْهَا فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ: ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلاَمِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، وَلاَ يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلاَّ أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا، فَاسْأَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ تَعَالَى وَقَاتِلْهُمْ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ، فَأَرَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ فَلاَ تَفْعَلْ، وَلَكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ، فَإِنَّكُمْ أَنْ تَخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ أَهْوَنُ مِنْ

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا سریہ کا امیر مقرر فرماتے تو اسے بالخصوص خدا خوفی اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ بھلائی اور خیر کی نصیحت فرماتے۔ اس کے بعد فرماتے "اللہ کے نام کے ساتھ' اس کے راستہ میں جہاد کرو ان لوگوں سے جو خدا کے منکر و کافر ہیں۔ لڑائی کرو' خیانت نہ کرنا' دھوکہ نہ دینا اور مثلہ نہ کرنا' بچوں کو قتل نہ کرنا۔ مشرک دشمن سے جب ملاقات ہو تو ان کو لڑائی سے پہلے تین چیزوں کی دعوت پیش کرو۔ ان میں سے جسے وہ قبول کرلیں اسے قبول کرلو اور ان سے لڑائی نہ کرو۔ پہلے ان کو اسلام کی دعوت پیش کرو۔ پس اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو اسے قبول کرلو۔ پھر ان کو دعوت دو کہ وہ اپنے گھربار چھوڑ کر (دارالسلام) مہاجرین کے ملک کی طرف ہجرت کر کے آجائیں۔ اگر وہ انکار کریں تو ان کو خبردار کر دو کہ ان کے حقوق بدوی مسلمانوں کے برابر ہوں گے اور ان کیلئے مال غنیمت اور اموال فے میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ الاّ یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد میں شریک ہوں۔ اگر اس سے انکار کریں تو ان سے جزیہ لو۔ اگر وہ اسے تسلیم کرلیں تو اسے بھی قبول کر لو اور اگر وہ انکار کریں تو اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے لڑائی شروع کر دو اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرلو اور وہ تم سے اللہ اور اس کے نبی کا ذمہ و عہد لینا چاہیں تو انہیں یہ ذمہ نہ دو بلکہ تم اپنا عہد و

أَنْ تَخْفِرُوا ذِمَّةَ اللهِ، وَإِذَا أَرَادُوكَ أَنْ تَنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ فَلاَ تَفْعَلْ، بَلْ عَلَى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ لاَ تَدْرِي أَتُصِبُ فِيهِمْ حُكْمَ اللهِ أَمْ لاَ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

ذمہ ان کو دے دو۔ (اس کے خلاف نہ کرنا۔) اس لئے کہ اگر تم اپنے عہد و ذمہ کو توڑتے ہو تو یہ اللہ کی پناہ کو توڑنے سے بہت خفیف و ہلکا ہے اور جب یہ چاہیں کہ تو ان کو اللہ کے حکم و فیصلہ پر اتارے تو ایسا نہ کرنا بلکہ اپنے حکم و فیصلہ پر اتارنا کیونکہ تجھے علم نہیں کہ تو اللہ کے فیصلہ پر پہنچ بھی سکے گا یا نہیں۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ امر امیرا ﴾ امر فعل ماضی ہے۔ باب تفعیل سے۔ مطلب یہ ہے کہ اسے امیر لشکر بنایا اور لشکر کی قیادت پر مقرر کیا۔ ﴿ سریۃ ﴾ سین پر فتحہ' را کے نیچے کسرہ اور "یا" پر تشدید۔ لشکر کا حصہ' چھوٹا لشکر اور اہل مغازی کی اصطلاح میں سریہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ بذات خود شریک نہ ہوئے ہوں۔ ﴿ فی خاصتہ ﴾ بالخصوص اپنے حق میں۔ ﴿ ومن معہ ﴾ خاصتہ پر اس کا عطف ہے۔ معنی ہے کہ آپ قائد لشکر کو ان کے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی و بھلائی کی وصیت فرماتے تھے۔ ﴿ ولا تغلوا ﴾ باب نصر ینصر۔ غلول سے ماخوذ ہے یعنی مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ ﴿ ولا تغدروا ﴾ غدر سے ماخوذ ہے یعنی عہد شکنی نہ کرو۔ ﴿ ولا تمثلوا ﴾ ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے یعنی مثلہ نہ کرو۔ مثلہ کہتے ہیں مقتول کے اعضاء بدن ناک' کان اور عضو مخصوص وغیرہ کو الگ الگ کاٹنا۔ ﴿ ولیدا ﴾ بچہ۔ مراد یہاں یہ ہے کہ وہ بچہ جو ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو اور وہ احکام شریعت کا مکلف نہ ہو۔ ﴿ الی ثلاث خصال ﴾ خصال خصلۃ کی جمع ہے۔ تین امور میں سے کسی ایک کی طرف دعوت دو۔ ﴿ وکف عنھم ﴾ باب نصر' کف سے امر کا صیغہ ہے۔ ان سے لڑائی سے رک جاؤ۔ ﴿ ثم ادعھم الی التحول ﴾ پھر ان کو ہجرت کرنے اور منتقل ہونے کی دعوت دو اور یہ پہلی خصلت کی تکمیل ہے ﴿ فان ھم ابوا فاخبرھم ﴾ یعنی قبول اسلام کے بعد اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں۔ ﴿ الغنیمۃ ﴾ جہاد اور جنگ کے بعد کافروں کے وہ اموال جو مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ ﴿ الفئی ﴾ وہ اموال جو بغیر جہاد اور لڑائی کے مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ ﴿ فان ھم ابوا فاسالھم الجزیۃ ﴾ یہ تینوں خصلتوں میں سے دوسری خصلت ہے۔ مطلب ہے کہ یہ قبول اسلام سے انکاری ہوں تو پھر ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو۔ جزیہ کی جیم کے نیچے کسرہ اور "زا" ساکن ہے۔ اسلامی مملکت میں ذمیوں سے ان کی حفاظت ان کے خون کے تحفظ اور ان کے اموال و اعراض کی حفاظت کے عوض جو کچھ لیا جائے اسے جذیہ کہتے ہیں۔ ﴿ فان ھم ابوا فاستعن باللہ ﴾ یہ تیسری خصلت ہے یعنی اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کریں تو پھر اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے لڑو۔ ﴿ اھل حصن ﴾ حصن کے معنی قلعہ کے ہیں۔ ﴿ فارادوک ﴾ پھر وہ اپنے آپ کو تیرے سپرد کرنا چاہیں بشرطیکہ تو ان کو اللہ کے ذمہ و ضمان اور اس کے عہد

و امان کی ذمہ داری دے۔ ﴿ تخفروا ذممکم ﴾ یہ باب ضرب اور نصر دونوں سے ہے۔ باب افعال سے بھی آتا ہے یہ کہ اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیں۔ ﴿ ان تنزلھم ﴾ باب افعال سے۔ جنگ کے دوران نزول سے مراد ہے اپنے آپ کو حوالہ کر دینا' سپرد کر دینا۔ یعنی جب وہ غیر مشروط طور پر بغیر کسی معین شرط اور پختہ عہد کے اپنے آپ کو تیرے حوالہ کرنے پر تیار ہوں تو فبھا۔ ورنہ مجرد اللہ کے حکم کے مطابق تم سے معاملہ کا مطالبہ کر لیں تو تو ایسا نہ کرنا کیونکہ تمہیں کیا معلوم کہ اللہ نے ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟

حاصل کلام: حدیث اصول جہاد کے بڑے معتبر اصول پر مشتمل ہے۔ جو معمولی سے غور و تامل سے واضح ہو جاتے ہیں۔ فقہاء کی رائے اکثر مسائل میں مختلف ہے۔ اس موقع پر تفصیل اور طویل بحث میں جانے کی چنداں ضرورت و حاجت نہیں بلکہ نصوص کو علی الاطلاق لینا بحث و مباحثہ کی طرف جھکاؤ سے کہیں بہتر اور اولیٰ ہے۔

(١٠٩٠) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ غَزْوَةً وَرَّى بِغَيْرِهَا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب کسی غزوہ پر جانا چاہتے تو توریہ (غیر سے چھپانے) سے کام لیتے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ وری ﴾ توریہ سے ہے' توریہ کے معنی یہ ہیں کہ اشارہ کسی اور طرف اور جانا کسی اور طرف۔ مقصد اس سے یہ ہوتا تھا کہ جاسوس اور مخبر کو معلوم نہ ہو سکے کہ کدھر کا پروگرام ہے تاکہ دشمن پہلے ہی محتاط نہ ہو جائے۔ مثلاً جانا جنوب کی طرف ہوتا تھا اور دریافت احوال شمال یا مشرق یا مغرب کے کرتے تھے تاکہ دشمن کو بے خبری اور حالت غفلت میں جا لیں اور جاسوس کو صحیح اطلاع کا حصول ممکن ہی نہ رہے۔ دشمنان اسلام کے خلاف اس قسم کی حکمت عملی اصطلاحاً توریہ ہے' اسے دھوکہ نہیں کہا جا سکتا۔

(١٠٩١) وَعَنْ مَعْقِلٍ ، أَنَّ النُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: شَهِدْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ أَخَّرَ القِتَالَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ، وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَأَصْلُهُ فِي البُخَارِيِّ.

حضرت معقل سے روایت ہے کہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوتا رہا ہوں۔ آپؐ جب دن کے آغاز میں لڑائی شروع نہ کرتے تو پھر زوال آفتاب کے بعد لڑائی شروع کرتے۔ موافق ہوائیں چلتی تھیں اور مدد کرتی تھیں۔ (اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے)

لغوی تشریح: ﴿ وتهب الرياح ﴾ نصرت کی ہوائیں چلتی تھیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر کہا جاتا تھا کہ نصرت کی ہوائیں چلتی ہیں اور مومنین اپنی نمازوں میں اپنے لشکروں کیلئے دعا مانگتے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ کا آغاز علی الصبح یا دوپہر کے بعد کرنا چاہئے۔

راوی حدیث: ﴿ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ ﴾ مزن قبیلہ کی طرف نسبت کی وجہ سے مزنی کہلائے۔ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں لشکر کے امیروں میں ایک یہ ہوتے۔ انہوں نے اپنے سات دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہجرت کی۔ اصبھان کے فاتح تھے۔ ۲۱ھ میں نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ (مقرن کی راء پر کسرہ اور تشدید ہے۔ محدث کے وزن پر)۔

(۱۰۹۲) وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الذَّرَارِيِّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، يُبَيَّتُونَ، فَيُصِيبُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ، فَقَالَ: «هُمْ مِنْهُمْ» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے مشرکین کے بچوں کے متعلق پوچھا گیا کہ ان کے گھر والوں پر شب خون مارا جاتا ہے تو ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی مار دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ بھی ان میں سے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ عن الذراری ﴾ ذریہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد مشرکین کی اولاد ہے اور ان کی عورتیں بھی۔ ﴿ يبيتون ﴾ صیغۂ مجہول۔ تبییت سے ماخوذ ہے۔ تاریکی شب میں غارت گری کرنا جسے شب خون مارنا کہتے ہیں۔ ﴿ فيصيبون ﴾ شب خون مارنے والے دن عورتوں اور ان کی اولاد کو رات کی تاریکی میں قتل کرتے تھے کہ ایسے میں ان پر اچانک حملہ آوروں کے ٹوٹ پڑنے سے اپنا تحفظ دشوار اور مشکل تھا۔ ﴿ هم منهم ﴾ اس حالت میں وہ (بچے) بڑوں کے حکم میں تھے اور یہ مراد نہیں ہے کہ قصداً ان کا قتل مباح تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی اولاد (بچوں) کو پامال کرنے کے علاوہ ان کے والدین تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ پس جب ان بچوں کو اپنے والدین کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے قتل کیا گیا تو اس صورت میں ان کا قتل بھی جائز ہوگا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال ہے۔

حاصل کلام: اس سے پہلے ایک حدیث میں دوران جہاد بچوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے اسی بنا پر امام مالک رحمہ اللہ اور اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ کا خیال ہے کہ جہاد میں کفار کے بچوں کو بہر آئینہ قتل نہ کیا جائے۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور نے صرف عمداً اور قصداً ان کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ رات کی تاریکی میں جب کفار تک پہنچنے میں اس کے بغیر چارہ نہ ہو تو اس ناگزیر اور مجبوری کی صورت میں ان کا قتل بھی جائز ہے کہ یہ بھی ان میں سے ہیں جیسا کہ اس مفصل حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱۰۹۳) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جو بدر کے دن آپؐ کے ساتھ

لِرَجُلٍ تَبِعَهُ فِي يَوْمِ بَدْرٍ: «ارْجِعْ، فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

شامل ہوگیا تھا "واپس چلا جا میں مشرک سے مدد کا طالب نہیں ہوں۔" (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے مشرک سے جنگ میں تعاون لینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ جنگ بدر کی طرف آپؐ تشریف لے جا رہے تھے۔ حرہ پر جب پہنچے تو ایک مشرک آپؐ کے ساتھ آملا۔ وہ جرأت و بہادری میں مشہور تھا مگر اس نے آتے ہی عرض کیا کہ میں آپؐ کے ساتھ مل کر غنیمت کے حصول کیلئے شامل ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں؟" اس نے کہا نہیں۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ "میں کسی مشرک سے مدد کا طلبگار نہیں ہوں۔" جب وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا تو اسے اجازت مرحمت فرما دی۔ یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر سے مدد لینا جائز ہے یا نہیں۔ ایک جماعت کا خیال تو یہی ہے کہ امداد لینا ناجائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کی رائے ہے کہ بوقت ضرورت امداد لینا جائز ہے جیسا کہ آپؐ نے جنگ حنین کے موقع پر صفوان بن امیہ وغیرہ سے اسلحہ کی امداد لی تھی اور قینقاع کے یہودیوں سے بھی امداد لی تھی۔ بہرحال اسلحہ کی امداد اور افرادی امداد دونوں کی شدید ضرورت و حاجت کے موقع پر لینے کی گنجائش ہے۔

(١٠٩٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى امْرَأَةً مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ، فَأَنْكَرَ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کسی غزوہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ اسے قتل کیا گیا ہے تو اس کے بعد آپؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرما دیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ مغازیه ﴾ مغازی سے مراد غزوات ہیں اور مغزی کی جمع ہے اور غزو کے معنی میں مستعمل ہے۔ جس کے معنی لڑائی و جنگ کے ہیں۔ عورت کے قتل کرنے کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے ہاں اگر وہ شریک جنگ ہو کر لڑے تو ایسی عورت کا قتل جائز ہے۔

(١٠٩٥) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اقْتُلُوا شُيُوخَ الْمُشْرِكِينَ، وَاسْتَبْقُوا شَرْخَهُمْ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مشرکین کے تجربہ کار و ماہر عمر رسیدہ لوگوں کو قتل کر دو اور بلوغت کی عمر کو نہ پہنچنے والوں کو باقی رہنے دو۔" (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ شیوخ ﴾ طاقتور و جاندار، تجربہ کار و ماہر لوگ۔ اس سے وہ لوگ مراد نہیں ہوتے جو بہت بوڑھے ہوں جن میں لڑنے کی قوت و طاقت ہی نہ ہو اور نہ صاحب رائے ہوں۔ ﴿ شرخهم ﴾

شین پر فتحہ اور "را" ساکن۔ ایسے نوعمر جو ہنوز بالغ نہ ہوئے ہوں۔ پس بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا حرام ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دشمنان اسلام کے ان بوڑھوں کو قتل کرنا جائز ہے جو جنگی مہارت و تجربہ اور جسمانی و ذہنی قوت رکھتے ہوں اور نابالغ بچوں کو قتل کرنے سے اجتناب کیا جائے گا۔ ویسے بھی نوخیز نسل سے زیادہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ وہ دائرۂ اسلام میں جلد داخل ہو کر اسلام کے پھیلانے میں مدد و معاون ثابت ہوں گے جبکہ معمرو عمر رسیدہ لوگوں سے اس کی امید کم ہی ہوتی ہے۔

(١٠٩٦) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُمْ تَبَارَزُوا يَوْمَ بَدْرٍ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ مُطَوَّلاً.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بدر کے روز ان (کافروں) کو دعوت مبارزت دی۔ (بخاری) اور ابوداؤد میں یہ حدیث طویل ہے)

لغوی تشریح: ﴿ انھم ﴾ سے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ ﴿ تبارزوا ﴾ مبارزت کی صورت اس طرح ہوتی تھی کہ باقاعدہ لڑائی کے آغاز سے پہلے دونوں طرف سے دو یا زیادہ نوجوان فریق مخالف کے نوجوانوں کو دعوت لڑائی دیتے اور اس دوران اپنی جوانمردی و بہادری کا اظہار کرتے اور پھر انفرادی جنگ آزمائی ہوتی۔ اس جنگ آزمائی میں چاہے جس فریق کے بہادر کام آجاتے اس کے بعد تو پھر دونوں طرف سے باقاعدہ جنگ کیلئے صف بندی کی جاتی اور لشکر کے عام لوگوں میں جنگ شروع ہو جاتی۔ متذکرہ بالا مبارزت جو اس حدیث میں مذکور ہے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن ربیعہ کے درمیان چوٹوں کا تبادلہ ہوا اور اسی اثناء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عتبہ پر پل پڑے اور دونوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دونوں اٹھا لائے مگر ان کی ران کا کاری زخم بہتا رہا کہ وادی صفراء میں مدینہ کی جانب واپسی کے موقع پر فوت ہو گئے۔ دونوں فریقوں کی محاذ آرائی میں احادیث مختلف ہیں مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مبارزی جنگ میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جوہر شجاعت دکھائے وہ مذکورہ بالا ہی تھے۔

(١٠٩٧) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: إِنَّمَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِينَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، يَعْنِي قَوْلَهُ تَعَالَى ﴿وَلاَ تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ قَالَهُ رَدًّا عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ عَلٰى مَنْ حَمَلَ عَلٰى صَفِّ الرُّومِ حَتّٰى دَخَلَ فِيهِمْ. رَوَاهُ الثَّلاَثَةُ، وَصَحَّحَهُ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی "اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو"۔ یہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے بطور تردید فرمایا تھا جنہوں نے رومیوں کی صفوں پر حملہ کیا تھا اور ان کی صفوں میں جا گھسے تھے۔ (اسے تینوں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی' ابن حبان اور حاکم تینوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

لغوی تشریح: ﴿ معشر الانصا ﴾ یہ اختصاص کی بنا پر منصوب ہے۔

حاصل کلام: اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ اسلم بن ابو عمران بیان کرتے ہیں کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے کہ رومیوں کا ایک بڑا فوجی لشکر ان کے مقابلہ کیلئے سامنے آیا تو مسلمانوں میں سے ایک مجاہد نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان کی صفوں میں آگے گھس جاتا اور واپس آجاتا اس کی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دیکھ کر لوگوں نے بصدا بلند سبحان اللہ کہنا شروع کر دیا کہ اپنے ہاتھوں آپ ہی ہلاکت کے منہ میں ڈال دیا ہے۔ اس موقع پر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! تم اس آیت کی تاویل اس مرد کی کارکردگی میں کر رہے ہو حالانکہ یہ آیت ہمارے متعلق یعنی گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ بخشا اور اس کے مددگاروں کی تعداد کثیر ہو گئی تو ہم نے مخفی و پوشیدہ طور پر کہا کہ ہمارے اموال تو ضائع ہو گئے اگر ہم ان میں ٹھہرے رہتے اور ان کو دوست رکھتے تو ان میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوتا۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ پس اس ہلاکت سے مراد ہمارا اپنے ارادوں پر قائم رہنا تھا۔ (سبل السلام)

(۱۰۹۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: حَرَّقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ، وَقَطَّعَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درخت نذر آتش کروا دیئے اور کٹوا دیئے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ حرق ﴾ تحریق سے ماخوذ ہے۔ بنو نضیر یہود کا قبیلہ تھا۔ مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں رہائش پذیر تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ ان کا معاہدہ بھی تھا مگر انہوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور آپؐ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ آپؐ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کئے رکھا اس کے بعد ان کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا۔ یہ واقعہ ۴ھ میں ربیع الاول کے مہینے میں پیش آیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ناگزیر جنگی ضرورت کی بنا پر پھلدار درختوں کو جلوانا یا کٹوانا جائز ہے۔ مگر عام حالات میں بلا ضرورت ان کو کاٹنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔

(۱۰۹۹) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَغُلُّوا، فَإِنَّ الغُلُولَ نَارٌ وَعَارٌ عَلَى أَصْحَابِهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خیانت (غنیمت کے مال میں) نہ کرو کیونکہ یہ (خیانت) دنیا میں بھی عار ہے اور آخرت میں بھی عار۔" (اسے احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیانت دنیا و آخرت دونوں جہاں میں عار اور ذلت و رسوائی کا باعث ہے۔ ایک مسلمان مجاہد کو دیانت دار ہونا چاہیے۔ بددیانت اور خائن نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا مقصد مال و متاع کا حصول نہیں بلکہ اس کی رضا اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کا حصول ہو اور جب تک وہ اس اصول کو اپنائے رکھے گا دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گا ورنہ ذلت و رسوائی اس کا مقدر بنے گی۔

(۱۱۰۰) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالسَّلَبِ لِلْقَاتِلِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَأَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ.

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ "ساز و سامان (غازی) قاتل کیلئے ہے۔" (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے)

لغوی تشریح: ﴿السلب﴾ سین اور لام دونوں پر فتحہ۔ سلب سے جمہور کے نزدیک لڑنے مرنے والے کافر کا لباس اور سامان جنگ وغیرہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سواری کا جانور اس سلب میں داخل نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سامان حرب ہی مراد ہے۔

(۱۱۰۱) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ قَتْلِ أَبِي جَهْلٍ - قَالَ: فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا، حَتَّى قَتَلَاهُ، ثُمَّ انْصَرَفَا إِلَىٰ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَأَخْبَرَاهُ، فَقَالَ: «أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا؟» قَالَا: لَا، قَالَ: فَنَظَرَ فِيهِمَا، فَقَالَ: «كِلَاكُمَا قَتَلَهُ» فَقَضَى ﷺ بِسَلَبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ابوجہل کے قتل کے قصہ میں مروی ہے کہ دونوں اپنی اپنی تلوار لے کر ابوجہل کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھے اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف پھرے اور آپ کو ابوجہل کے قتل کی خبر دی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ "تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا؟" نیز دریافت فرمایا کہ "کیا تم نے تلواریں صاف کر لی ہیں؟" دونوں بولے نہیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو ملاحظہ کیا اور فرمایا "تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔" پس رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل کا ساز و سامان معاذ بن عمرو بن جموح کو دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فابتدراہ﴾ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس میں تثنیہ کی ضمیر سے معاذ بن عمرو بن جموح اور معوذ بن عفراء مراد ہیں۔ دونوں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے دائیں بائیں تھے۔ ﴿حتی قتلاہ﴾ تاآنکہ انہوں نے ابوجہل کا کام تمام کر دیا۔ ان دونوں ہی سے پہلی ضرب معاذ بن عمرو

بن جموح رضی اللہ عنہ نے ماری۔ یہ ابوجہل کی تاک میں تھے جیسے ہی ان کو فرصت نے موقع دیا باز کی طرح جھپٹ کر ابوجہل پر حملہ آور ہوئے پھر اس نے ایسی ضرب ماری کہ اس کے قدم سمیت آدھی پنڈلی بھی کاٹ کر جدا کر دی تو ابوجہل مرگی والے شخص کی طرح لڑکھڑا کر زمین پر آرہا اور خون میں لت پت ہو گیا۔ اس کے بعد معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے نیزہ دے مارا جس سے وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ معرکہ کے اختتام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کی تحقیق کا حکم صادر فرمایا۔ لوگوں نے اس کی تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو ایسی کشمکش کی حالت میں پایا کہ ہنوز آثار زندگی باقی تھے تو وہ ابوجہل کے سینے پر اپنا پورا وزن ڈال کر جھکے اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا "یہ (ابوجہل) اس امت کا فرعون ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا لباس اور سامان جنگ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دینے کا فیصلہ فرمایا' اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے دوسرے دوست و رفیق معوذ بن عفراء جو ابوجہل کے قتل میں ان کے شریک تھے وہ خود بعد میں اسی معرکہ کے دوران شہید ہو چکے تھے۔ لہٰذا معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی حق دار باقی نہیں رہا تھا۔ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سامان انہیں نہیں دیا تھا بلکہ اس کا زیادہ تر حصہ دیا تھا اور ابوجہل کی تلوار عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دینے کا فیصلہ فرمایا تھا جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

راوی حدیث : ﴿ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ﴾ یہ انصار کے قبیلہ خزرج کے فرد تھے۔ سلمی کہلاتے تھے۔ بیعت عقبہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ انہوں نے ہی ابوجہل کا پاؤں اور اس کا سر تن سے جدا کیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے ان کو چوٹ لگائی کہ ان کا ہاتھ کٹ کر لٹک گیا بالکل جدا نہیں ہوا تو انہوں نے پاؤں تلے دبا کر کھینچ کر اسے جدا کر دیا اور پھینک دیا اور باقی سارا وقت اکیلے ہاتھ سے لڑتے اور داد شجاعت دیتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے موقف سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صاحب ابن عفراء کے علاوہ اور کوئی تھے کیونکہ ابن عفراء کا نسب تو اس طرح ہے۔ معاذ بن حارث بن رفاعہ نجاری۔

(١١٠٢) وَعَنْ مَكْحُولٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَصَبَ الْمَنْجَنِيْقَ عَلَىٰ أَهْلِ الطَّائِفِ . أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَوَصَلَهُ الْعُقَيْلِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ.

حضرت مکحول سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر منجنیق نصب کی۔ (اسے ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں تخریج کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں مگر عقیل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند کے ساتھ موصول قرار دیا ہے)

لغوی تشریح : ﴿ منجنیق ﴾ میم پر فتحہ پھر ساکن پھر فتحہ پھر کسرہ پھر ساکن۔ جنگی آلہ و ہتھیار۔ جس کے ذریعہ بڑے بڑے پتھر مضبوط قلعوں کی دیواروں کو گرانے اور بڑی اونچی اور پختہ عمارتوں کو منہدم کرنے

کیلئے پھینکتے تھے۔

حاصل کلام: اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کو نیست و نابود کرنے یا ان کا زور توڑنے اور عسکری قوت کمزور کرنے کیلئے نئے نئے طریقہ ہائے جنگ اور جدید سامان حرب و ضرب استعمال کرنے چاہئیں اور مسلمانوں کو سامان حرب نئے سے نئے ایجاد کرنے چاہئیں۔ آج کے دور میں ایٹم بم اور دیگر تباہ کن اور ہیبت ناک ہتھیار بھی تیار کرنے چاہئیں کہ دشمن پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ قائم ہو اور آسانی سے ان پر جنگ مسلط نہ کی جا سکے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل طائف کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے خود حصہ لیا۔ نیز معلوم ہوا کہ دشمن اگر قلعہ بند ہو جائے تو گولہ باری سے بچے' عورتیں اور معذور لوگ بھی قتل ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

راوی حدیث: ﴿مکحول﴾ دمشق کے باشندے' شام کے فقیہہ۔ بڑے صاحب علم۔ ابوحاتم کا قول ہے کہ شام میں ان سے بڑا فقیہہ میرے علم میں نہیں ہوا۔ ۱۱۳ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

(۱۱۰۳) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ، وَعَلَىٰ رَأْسِهِ ٱلْمِغْفَرُ، فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: «اقْتُلُوهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپؐ کے سر پر خود تھا۔ جب آپؐ نے اسے سر سے اتارا تو آپؐ کے پاس ایک آدمی آیا' اس نے کہا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اسے قتل کر دو۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿المغفر﴾ منبر کے وزن پر۔ لوہے سے بنی ہوئی ٹوپی جسے خود کہتے ہیں۔ ﴿ابن خطل﴾ خطل کے "خا" اور "طا" دونوں پر فتحہ۔ اس کا نام دور جاہلیت میں عبدالعزیٰ یا عبداللہ تھا۔ ﴿باستار الكعبة﴾ استار ستر کی جمع ہے یعنی کعبہ کے پردے۔ ﴿اقتلوه﴾ اسے قتل کر دو۔ اس لئے کہا گیا کہ یہ پہلے مسلمان تھا اسے زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر کیا گیا تو اس نے اپنے خادم مسلمان کو قتل کر دیا اور خود مشرک' مرتد ہوگیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی دو لونڈیاں تھیں جو نبی ﷺ کی ہجو گاتی تھیں۔ ان میں سے ایک کو تو قتل کر دیا گیا اور دوسری کیلئے امان طلب کی گئی اور وہ مسلمان ہوگئی۔ ابن خطل کا شمار ان نو آدمیوں میں تھا جن کے قتل کا نبی ﷺ نے فتح مکہ کے روز حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر یہ لوگ خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے مل جائیں تو پھر بھی ان کو قتل کر دو۔ ان میں سے چار تو قتل ہوئے اور باقیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں توہین آمیز رویہ رکھنے والے کو پناہ دینے والے کی سزا قتل ہے۔ اگرچہ وہ بیت اللہ کے پردہ میں ہی چھپا ہوا ہو۔

(۱۱۰٤) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهما، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَتَلَ يَوْمَ بَدْرٍ ثَلَاثَةً صَبْراً. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيْلِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

اللہ ﷺ نے بدر کے روز تین آدمیوں کو باندھ کر قتل کیا۔ (اسے ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں نقل کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ صبرا ﴾ صاد پر فتحہ اور "با" ساکن۔ یعنی قتل کرنے کیلئے انسان کو باندھا۔ وہ تین آدمی جن کو اس طرح قتل کیا گیا ان میں سے ایک طعیمہ بن عدی لیکن اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ لڑائی کے دوران مارا گیا تھا۔ دوسرا نضر بن حارث اور تیسرا عقبہ بن ابی معیط تھا۔ ان دونوں کو جاتے ہوئے راستہ میں قتل کیا گیا۔ پہلے کو مقام صفراء پر اور دوسرے کو مقام الظبیۃ پر۔

راوی حدیث: ﴿ سعید بن جبیر ﴾ سعید بن جبیر کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ آخری آدمی تھے جنہیں حجاج ثقفی نے قتل کروایا تھا۔ یہ حدیث و تفسیر کے امام تھے۔ خلیفہ کا اپنا بیان ہے کہ میں سعید بن جبیر کے قتل کے موقع پر حاضر تھا جب ان کا سر جدا کیا گیا تو انہوں نے لا الٰہ الا اللہ' لا الٰہ الا اللہ کہا جب تیسری مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگے تو مکمل نہ کر سکے۔ رضی اللہ عنہ۔ میمون بن مھران کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر فوت ہوگیا لیکن روئے زمین پر ایسا ایک بھی فرد نہیں جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔ ان کو ۹۰ھ میں قتل کیا گیا اس وقت وہ بڑھاپے کی عمر میں تھے۔

(۱۱۰۵) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَدَى رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بِرَجُلٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَأَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے ایک قیدی مرد کے بدلہ میں دو مسلمان مردوں کو چھڑوایا۔ (اس کی تخریج ترمذی نے کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسیران جنگ کا تبادلہ درست ہے۔ جمہور علماء کے رائے بھی یہی ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تبادلہ درست نہیں۔ ان کی رائے میں قیدی کو مار ڈالنا یا غلام بنالینا چاہئے حالانکہ جب صحابہؓ نے بنو عقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کیا تو بنو ثقیف نے دو صحابہؓ کو گرفتار کر لیا۔ بنو ثقیف' بنو عقیل کے حلیف تھے۔ مشرکین نے صحابہ کرامؓ کو رہا کر دیا اور حضور ﷺ نے اس مشرک کو چھوڑ دیا۔ یہ جمہور کی واضح دلیل ہے۔

(۱۱۰۶) وَعَنْ صَخْرِ بْنِ الْعَيْلَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْقَوْمَ إِذَا أَسْلَمُوا أَحْرَزُوا دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ.

حضرت صخر بن عیلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لیتے ہیں۔" (اس کو روایت ابوداؤد نے کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ

ہیں)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائیں تو ان کا خون بہانا اور مال و متاع لوٹنا دونوں حرام ہیں۔ گویا حربی جب اپنی آزاد مرضی سے بغیر کسی بیرونی دباؤ کے اسلام میں داخل ہو تو پھر اس کا مال منقول جائیداد کی صورت میں ہو یا غیر منقول دونوں طرح حرام ہے۔

راوی حدیث: ﴿صخر بن عیلہ رضی اللہ عنہ﴾ صخر کے صاد پر فتحہ اور "خا" ساکن۔ احمسی کہلاتے تھے۔ ابوحازم ان کی کنیت تھی۔ شرف صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ ان سے یہی حدیث مروی ہے۔

(۱۱۰۷) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي أُسَارَىٰ بَدْرٍ: «لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيّاً، ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هَؤُلَاءِ النَّتْنَى، لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسیران بدر کے متعلق فرمایا "اگر مطعم بن عدی بقید حیات ہوتا پھر وہ میرے پاس آکر ان مرداروں کے متعلق بات چیت کرتا تو میں ان کو اس کی خاطر چھوڑ دیتا۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿اساری﴾ ہمزہ پر ضمہ "اسیر" کی جمع معنی قیدی۔ ﴿ثم کلمنی﴾ پھر وہ مجھ سے بات چیت کرتا یعنی ان کی سفارش کرتا۔ ﴿فی ھولاء النتنی﴾ ان مرداروں کے بارے میں۔ نتنی نتن کی جمع ہے۔ معنی اس کے ہیں سڑی ہوئی بدبو دار چیز جیسے زمن سے زمنیٰ آتا ہے اسی طرح نتن سے نتنی ہے اور نتن کے معنی نہایت ہی بری بدبو۔ بری بدبو سے ان کی تعریف کرنے سے ان کے عقائد کی خرابی و خباثت اور گندگی مراد ہے۔ جو ان کے کفر پر قائم رہنے سے ان کو حاصل ہوئی ہے۔ ﴿لترکتھم له﴾ محض مطعم کی سفارش کی وجہ سے بغیر کسی فدیہ کے ان کو رہا کر دیتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے نبی ﷺ جب اہل طائف سے مایوس ہو کر واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا تھا اور اس موقع پر مشرکین سے آپؐ کا دفاع بھی کیا۔ اس کے اسی احسان کی وجہ سے نبی ﷺ نے اس کو محبوب و دوست رکھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ ان سڑی ہوئی لاشوں کے متعلق مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کے احسان کے بدلہ میں ان کو رہا کر دیتا اور اس کا بدلہ چکا دیتا۔

حاصل کلام: حضور ﷺ کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ احسان کا بدلہ دینا مسنون ہے۔ خواہ کافر کا احسان ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمان کے احسان کا بدلہ دینا تو بطریق اولیٰ ہے۔ اچھے کام میں کسی کیلئے سفارش کرنا بھی جائز ہے اور جائز کام کی سفارش کو قبول بھی کرنا مسنون ہے۔

(۱۱۰۸) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَصَبْنَا سَبَايَا يَوْمَ أَوْطَاسٍ، لَهُنَّ أَزْوَاجٌ، فَتَحَرَّجُوا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اوطاس کے دن کچھ لونڈیاں ہمارے ہاتھ لگیں جن کے شوہر زندہ تھے۔ مسلمانوں نے ان کے خاوندوں کی موجودگی کو باعث حرج سمجھا تو اس موقع پر

تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''تم پر خاوند والی عورتیں حرام ہیں، مگر وہ جن کے تم مالک ہوئے ہو۔'' (مسلم)

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلاَّ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ اَلْآيَةَ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

لغوی تشریح: ﴿فتحرجوا﴾ یعنی انہوں نے گمان کیا کہ ان لونڈیوں کے ساتھ وطی کرنا گناہ اور باعث حرج ہے۔ پس انہوں نے لونڈیوں سے لطف صحبت اٹھانے سے اجتناب کیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ میں جو عورتیں گرفتار ہو جائیں گرفتاری سے ہی ان کا پچھلا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ حمل سے ہوں تو وضع حمل کے بعد اور اگر غیر حاملہ ہوں تو ایک ماہواری کے بعد لطف صحبت اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ مسلمان بھی ہوں۔ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ باقاعدہ سرکاری تقسیم کے بعد جو لونڈی جس کے حصہ میں آئے وہ اس سے بعینہ اسی طرح لطف اٹھا سکتا ہے جس طرح اپنی منکوحہ بیوی سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

(١١٠٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ سَرِيَّةً، وَأَنَا فِيهِمْ، قِبَلَ نَجْدٍ، فَغَنِمُوا إِبِلاً كَثِيرَةً، فَكَانَتْ سُهْمَانُهُمْ اثْنَي عَشَرَ بَعِيراً، وَنُفِّلُوا بَعِيراً بَعِيراً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک سریہ روانہ فرمایا، میں بھی اس میں موجود تھا بہت سے اونٹ مال غنیمت میں حاصل ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کے حصہ میں بارہ بارہ اونٹ مال غنیمت کے طور پر آئے اور پھر انہیں ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿قبل نجد﴾ نجد کی جانب۔ قبل کے قاف کے نیچے کسرہ اور ''با'' پر فتحہ۔ ﴿سھمانھم﴾ سین پر ضمہ۔ سہم کی جمع جس کے معنی نصیب اور حصہ کے ہیں۔ ﴿نفلوا﴾ صیغہ مجہول۔ تنفیل سے ماخوذ ہے (باب تفعیل) معنی ان کو بطور نفل دیا گیا اور نفل کہتے ہیں کہ غازی کو مال کے حصہ سے جو چیز زائد دی جائے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غازی کو مال غنیمت میں سے مقرر حصہ کے علاوہ زائد مال بھی دیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ زائد حصہ مال غنیمت میں سے ہو گا یا خمس میں سے یا خمس الخمس میں سے۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اصل غنیمت میں سے دیا جائے گا۔ اب رہا یہ سوال کہ اس اضافی حصہ کی مقدار کتنی ہو گی اس پر اتفاق ہے کہ سربراہ و امام یہ حصہ غنیمت کے تیسرے حصہ سے زائد دینے کا مجاز نہیں۔

(١١١٠) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَسَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ، وَلِلرَّاجِلِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز گھڑ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔ (بخاری و مسلم، یہ الفاظ بخاری

سَهْماً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ. وَلِأَبِي دَاوُدَ: أَسْهَمَ لِرَجُلٍ وَلِفَرَسِهِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ، سَهْمَيْنِ لِفَرَسِهِ، وَسَهْماً لَّهُ.

کے ہیں) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے پیدل مرد مجاہد کیلئے ایک حصہ اور گھڑ سوار کیلئے تین حصے۔ دو حصے اس کے گھوڑے کے اور ایک حصہ اس کا اپنا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے گھوڑ سوار کیلئے تین حصے اور پیدل کیلئے صرف ایک حصہ ہے۔ گھوڑے کا حصہ اس لئے زیادہ رکھا گیا کہ اس کی خوارک اور اس کی دیکھ بھال پر کافی خرچ اٹھ جاتا ہے۔

(۱۱۱۱) وَعَنْ مَعْنِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا نَفْلَ إِلَّا بَعْدَ الْخُمُسِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الطَّحَاوِيُّ.

حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے "حصہ سے اضافی طور پر جو کچھ دیا جائے گا وہ پانچواں حصہ نکال کر دیا جائے۔" (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور طحاوی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: یہاں دو مسائل قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اضافی و زائد حصہ مال غنیمت میں سے دیا جائے گا یا خمس میں سے؟ اس حدیث میں ان دونوں باتوں پر دلالت کرنے والی چیز نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت کو پانچ حصوں میں نفلی حصہ دینے سے پہلے تقسیم کیا جائے گا۔ حالانکہ صحیح احادیث سے دو امر کا جواز ثابت ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا اضافی حصہ خمس سے پہلے دیا جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس حدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی جواز نہیں لیکن دوسری حدیث جسے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابھی بیان کیا گیا ہے وہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ ان کو نفلی حصہ خمس نکالنے سے پہلے دیا گیا۔ ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود (ج ۳، ص: ۲۲)

راوی حدیث: ﴿معض بن یزید﴾ معض بن یزید بن اخنس سلمی خود صحابی بھی ہیں اور باپ بھی صحابی ہے۔ فاتح دمشق ہیں۔ کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ جب مصر میں آئے تو پھر دمشق میں منتقل ہو گئے۔ مرج راہط کی جنگ میں ضحاک بن قیس کے ساتھ ۶۴ھ میں شامل ہوئے اور شہید ہو گئے۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کی لڑائیوں میں شریک رہے۔

(۱۱۱۲) وَعَنْ حَبِيْبِ بْنِ مَسْلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: شَهِدْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْأَةِ، وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ. رَوَاهُ أَبُو

حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے سریہ میں پہلی مرتبہ جانے پر چوتھا حصہ زائد عطا فرمایا اور دوبارہ جانے پر تیسرا حصہ۔ (اسے ابوداؤد نے

دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الجَارُودِ وَابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ. روایت کیا ہے اور ابن جارود' ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح : ﴿ نفل الربع ﴾ یعنی خمس کے بعد غنیمت کے چوتھا حصہ بطور نفل عطا فرمایا۔ ﴿ فی البداه ﴾ بداه میں "با" پر فتحہ اور دال ساکن ھمزہ پر فتحہ۔ سفر کے آغاز پر جب لشکر اسلامی دشمن کی جانب رواں دواں ہوا۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اس صورت حال میں سارے لشکر سے الگ دشمن پر حملہ آور ہونے کیلئے دستہ نکلے اور دشمن پر جا پڑے اور کامیاب و کامران غنائم لے کر واپس لوٹے تو اس دستہ کو اس کا چوتھائی حصہ دیا جائے گا اور باقی غنائم کو سارے لشکر میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ﴿ والثلث فی الرجعه ﴾ یعنی تیسرا حصہ اس صورت میں دیا جائے گا کہ لشکر اسلامی فتح یاب ہو کر وطن واپس آرہا ہے اور راستہ میں اس لشکر میں سے ایک دستہ دوبارہ دشمن پر حملہ کرنے کیلئے الگ ہو کر چلا جائے اس صورت میں دشمن پر حملہ آور ہونا پہلے حملے کی نسبت زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ حریف اب چوکنا ہو چکا ہوتا ہے اور اس صورت حال میں خطرات زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ دشمن ہر طرح سے ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے اور مقابلہ کرنا اتنا آسان نہیں رہتا۔

راوی حدیث : ﴿ حبیب بن مسلمه ﴾ ابو عبدالرحمان حبیب بن مسلمہ فہری مکی۔ صحابی ہیں۔ حبیب روم کے نام سے جانے جاتے ہیں کیونکہ رومیوں کے لیے ان کی بہت سی خدمات ہیں۔ ارمینیہ کے والی بنے اور ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

(۱۱۱۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً، سِوَى قِسْمِ عَامَّةِ الجَيْشِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض فوجی دستوں کو بالخصوص غنیمت کے حصہ کے علاوہ کچھ مزید دیا کرتے تھے۔ یہ عام فوجی کی تقسیم میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر فوجی کو تو یہ نفلی حصہ عنایت نہیں فرمایا کرتے بلکہ صرف مخصوص فوجیوں کو کسی خاص مصلحت کی وجہ سے دینا مناسب خیال فرماتے پھر جن فوجی جوانوں کو یہ حصہ دیتے ان کو بھی مساوی طور پر نہ دیتے بلکہ خدمت اور مصلحت کے لحاظ سے کم و بیش دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آج بھی خاص خدمات انجام دینے والے فوجیوں کو سربراہ مملکت خصوصی انعامات دے سکتا ہے۔ مثلاً مختلف قدر و قیمت کے تمغے' نشانات' نقد انعام وغیرہ۔ اس سے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

(۱۱۱٤) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُصِيبُ فِي مَغَازِينَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ ہمیں غزوات میں شہد' انگور ہاتھ آتے تو ان کو کھا پی لیتے

الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ فَنَأْكُلُهُ، وَلاَ نَرْفَعُهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَلِأَبِي دَاوُدَ «فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُمُ الْخُمُسُ»، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے۔ (بخاری) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ان کھانے والے حضرات سے خمس وصول نہیں کیا جاتا تھا اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دوران جنگ مجاہدوں کے ہاتھ کھانے پینے کی اگر کچھ چیزیں آجائیں تو انکو وہیں کھانے پینے کی حد تک استعمال کر سکتے ہیں البتہ اٹھا کر کہیں لے جانے کی ان کو اجازت نہیں۔ خورد و نوش کے علاوہ اگر دشمن کے جانور اور ہتھیار قبضہ میں آجائیں تو انکو جنگ کیلئے استعمال کر سکتے ہیں مگر جنگ کے اختتام پر مال غنیمت میں واپس جمع کرانا واجب ہے۔

(۱۱۱۵) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفَىٰ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَصَبْنَا طَعَاماً يَوْمَ خَيْبَرَ، فَكَانَ الرَّجُلُ يَجِيءُ، فَيَأْخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا يَكْفِيْهِ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الجَارُودِ وَالحَاكِمُ.

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے روز ہمیں کھانے کی اشیاء ہاتھ آئیں تو ہر آدمی آتا اور اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق کھانے کیلئے حاصل کر لیتا تھا پھر واپس چلا جاتا۔ (اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے ابن جارود اور حاکم دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس سے بھی معلوم ہوا کہ خورد و نوش کی چیزیں کھانے پینے کی حد تک ہر سپاہی تقسیم سے پہلے لے سکتا ہے' اس پر اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

(۱۱۱٦) وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يَرْكَبْ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ، حَتَّى إِذَا أَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيهِ، وَلاَ يَلْبَسْ ثَوْباً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ، حَتَّى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ. وَرِجَالُهُ لاَ بَأْسَ بِهِمْ.

حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کوئی اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے تو وہ مسلمانوں کے مال غنیمت کے گھوڑے پر سوار نہ ہو مگر یہ کہ جب وہ کمزور ہو جائے تو اسے واپس کر دے اور مسلمانوں کے مال غنیمت سے کوئی کپڑا نہ پہنے حتیٰ کہ جب وہ بوسیدہ و پرانا ہو جائے تو اسے واپس بیت المال میں جمع کرا دے۔" (اسے ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ایسے ہیں جن میں کوئی حرج نہیں)

لغوی تشریح: ﴿ من فی المسلمین ﴾ یعنی مشترک مال غنیمت۔ ﴿ اعجفها ﴾ کمزور دبلا کر دے۔

﴿ اخلقه ﴾ اسے بوسیدہ و پرانا کر دے۔

حاصل کلام : اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غنیمت میں حاصل شدہ کپڑوں اور گھوڑوں کو میدان جنگ میں ضرورت کے وقت استعمال میں لایا جا سکتا ہے بعد میں ان کو استعمال کرنا ممنوع ہے۔ بعض نے وقتی طور پر استعمال کرنے کیلئے بھی سپہ سالار کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے کہ جب تک سالار لشکر کی اجازت نہ ہو اس وقت تک کسی طرح استعمال نہیں کر سکتا۔

(١١١٧) وَعَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ الجَرَّاحِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «**يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ بَعْضُهُمْ**». أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَحْمَدُ، وَفِيْ إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”مسلمانوں میں سے کوئی بھی پناہ دینے کا مجاز ہے۔“ (اس روایت کو ابن ابی شیبہ اور احمد نے نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔

وَلِلطَّيَالِسِيِّ مِنْ حَدِيْثِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ قَالَ: يُجِيْرُ عَلَى المُسْلِمِيْنَ أَدْنَاهُمْ.

اور طیالسی میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”مسلمانوں کا ادنیٰ آدمی بھی پناہ و امان دے سکتا ہے“

وَفِي الصَّحِيْحَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: ذِمَّةُ المُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ. زَادَ ابْنُ مَاجَهْ وَمِنْ وَجْهٍ آخَرَ «وَيُجِيْرُ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ».

اور صحیحین کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ ”تمام مسلمانوں کی پناہ ایک ہی ہے جس کیلئے ان کا ادنیٰ آدمی بھی سعی کر سکتا ہے۔“ ابن ماجہ نے ایک اور طریقے سے اتنا اضافہ نقل کیا ہے۔ ”ان کا بہت دور کا آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے“

وَفِي الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ حَدِيْثِ أُمِّ هَانِيءٍ «قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ».

اور صحیحین میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ہم نے بھی امان دی جسے تو نے امان دی۔“

لغوی تشریح : ﴿ يجير ﴾ یہ اجارۃ سے ماخوذ ہے۔ امان دینا۔ ﴿ على المسلمين ﴾ یہاں علی نفوذ اور وجوب کیلئے ہے یعنی وہ اپنی امان کو ان پر نافذ کر سکتا ہے تو اس کی اس امان کی رعایت کرنا ان کیلئے واجب ہے۔ ﴿ ادناهم ﴾ ان کا ادنیٰ مرتبہ کا آدمی یا صرف وہی تنہا آدمی۔ ان کا حقیر اور کم حیثیت کا مالک آدمی مثلاً غلام' مزدور اور عورت وغیرہ۔ ﴿ ذمة المسلمين واحدة ﴾ مسلمانوں کی دی ہوئی امان ایک جیسی ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس کی دی ہوئی پناہ و امان کو کوئی توڑ دے خواہ کوئی ہو۔ ﴿ يسعى بها ادناهم ﴾ یعنی اس کا عمل پناہ و امان دینا ثابت ہو اس کی پناہ سے۔ ﴿ اقصاهم ﴾ گھر کے دور ہونے کے اعتبار سے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان میدان کارزار سے بہت ہی دور

رہتا ہے اور وہ کافر کو امان دے تو دوسرے مسلمانوں پر اس کافر کی حفاظت و رعایت کرنا واجب ہے اور اس ذمہ کو توڑنا حلال نہیں ہے۔ ﴿ قد اجرنا من اجرت ﴾ مخاطب کے صیغہ کے ساتھ کہ جسے تو نے امان دی اسے ہم نے امان دی۔ یہ ارشاد آپؐ نے حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا کو اس موقع پر فرمایا' جب انہوں نے آپؐ کو اس کی اطلاع دی کہ اس نے دو آدمیوں کو جو اس کے سسرالی رشتہ دار تھے' پناہ دی ہے۔ مگر ان کے بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کی امان کو جائز نہ رکھا اور ان دونوں کو قتل کرنا چاہا اور اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد ہی نہیں عورت کی امان بھی جائز ہے۔ عام فقہاء کرام کا یہی موقف ہے۔

راوی حدیث : ﴿ ام ھانی رضی اللہ عنہا ﴾ یہ ابوطالب کی صاحبزادی' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ ان کا نام فاختہ تھا اور ھند نام بھی بتایا گیا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئی تھیں۔

(۱۱۱۸) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، حَتَّىٰ لاَ أَدَعَ إِلاَّ مُسْلِماً». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سنا' رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ "میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال کر دم لوں گا۔ یہاں تک کہ عرب میں مسلمانوں کے علاوہ کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔" (مسلم)

لغوی تشریح : ﴿ لادع ﴾ میں نہیں چھوڑوں گا اور جزیرۃ العرب سے مراد بحر ھند' بحر شام' پھر دجلہ و فرات نے جتنے علاقے پر احاطہ کیا ہوا ہے یا طول کے لحاظ سے عدن ابین کے درمیان سے لے کر اطراف شام تک کا علاقہ اور عرض کے اعتبار سے جدہ سے لے کر آبادی عراق کے اطراف تک۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔

حاصل کلام : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی خواہش تھی کہ جزیرۃ العرب سے کافروں اور یہود و نصاریٰ کو باہر نکال دیں۔ اپنی زندگی میں اس پر پوری طرح عمل نہ کیا جا سکا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خواہش اور آپؐ کے حکم کہ عرب میں دو دین نہ رہیں' پر عمل درآمد کیا اور اپنے دور خلافت میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے جلا وطن کر دیا۔

(۱۱۱۹) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ، مِمَّا لَمْ يُوجِفْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِخَيْلٍ وَّلاَ رِكَابٍ، فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خَاصَّةً، فَكَانَ يُنْفِقُ عَلَىٰ أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَةٍ، وَمَا بَقِيَ يَجْعَلُهُ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلاَحِ،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ بنو نضیر کے اموال' ان اموال میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف پلٹا دیئے ہیں۔ جن پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ یہ اموال خالص نبی ﷺ کیلئے تھے۔ آپؐ ان اموال میں سے اپنی بیویوں پر سال بھر خرچ کرتے تھے اور جو باقی بچ رہتا اس سے گھوڑے اور اسلحہ برائے جہاد فی سبیل

عُدَّةً فِي سَبِيْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. اللہ کی تیاری کیلئے خرید فرماتے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ مما افاء الله ﴾ یہ گرائمر میں کانت کی خبر ہے۔ افاء کے معنی ہیں عطا فرمایا۔ ﴿ مما لم یوجف ﴾ نہیں دوڑائے اور نہ بھگائے۔ "ایجاف" سے ماخوذ ہے۔ تیز رفتاری کے معنی میں۔ ﴿ رکاب ﴾ راء کے نیچے کسرہ ﴿ الابل ﴾ یعنی اونٹ اور ﴿ ایجاف الخیل والرکاب ﴾ یہ کنایہ ہے لڑائی سے۔ یعنی بغیر جنگ و جدال اور لڑائی کے بنو نضیر کے اموال حاصل ہوئے۔ ﴿ فکانت للنبی صلی الله علیه وسلم خاصه ﴾ یہ آپؐ کیلئے خاص تھا۔ مال غنیمت نہ تھا کہ مجاہدین میں تقسیم کیا جاتا۔ ﴿ الکراع ﴾ کاف پر ضمہ۔ بہت سے گھوڑوں کیلئے استعمال ہوتا ہے یعنی گھوڑوں کی جماعت۔ ﴿ عدة ﴾ جنگ کی تیاری کیلئے۔ ان کے یہ اموال گھروں اور کھجور کے درختوں کی شکل میں تھے۔ ان اموال میں اکثر تو مہاجرین کو دے دیا گیا اور کچھ مال دو حاجت مند انصاری آدمیوں کو بھی دیا۔ ان دونوں کے علاوہ دوسرے کسی انصاری کو کچھ نہیں دیا گیا اور کچھ کھجور کے درخت آپؐ نے اپنے لئے بھی مخصوص فرما لئے اور یہ وہی تھے جن میں سے آپؐ اپنے اہل و عیال پر خرچ فرماتے تھے۔

حاصل کلام: بنو نضیر۔ مدینہ منورہ میں آباد یہودیوں کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ ان کے ساتھ نبی ﷺ کا معاہدہ تھا۔ انہوں نے بقول بعض غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد اور بقول ابن اسحٰق احد اور بئر معونہ کے بعد عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ تنبیہہ اور یاددہانی کے باوجود وہ باز نہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کر دی اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ بالآخر محاصرہ کی تاب نہ لا کر اپنے گھربار اور مال چھوڑ کر جلا وطن ہوگئے اور بغیر کسی قسم کی لڑائی کے ان کے اموال آپؐ کے ہاتھ آگئے اور یہ اموال فے قرار پائے اس لئے کہ لڑائی تو سرے سے ہوئی ہی نہیں۔ اس لئے بحیثیت فوجی تو کسی کا کوئی حصہ بنتا ہی نہیں تھا۔ تاہم اس کا اکثر حصہ مہاجرین میں تقسیم کیا اور دو انصاری صحابہ کو بھی حسب ضرورت عطا فرمایا اور باقی مال نبی ﷺ اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں پر خرچ کرتے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء نے بھی اسی پر عمل کیا۔ آپؐ کے قرابت داروں کا اور ازواج مطہرات کا روزینہ' یتامٰی اور مساکین اور مسافروں کے اخراجات وغیرہ پر صرف کرتے رہے۔ اگر کچھ بچ رہتا تو اس سے جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کیلئے گھوڑے اور اسلحہ خریدتے۔

(۱۱۲۰) وَعَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ خَيْبَرَ، فَأَصَبْنَا فِيْهَا غَنَماً، فَقَسَمَ فِيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ طَآئِفَةً، وَجَعَلَ بَقِيَّتَهَا فِي الْمَغْنَمِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُهُ لاَ بَأْسَ بِهِمْ.

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ غزوۂ خیبر لڑا۔ اس میں ہمارے ہاتھ کچھ بکریاں غنیمت میں آئیں۔ ان میں سے کچھ ہم میں تقسیم کر دیں اور باقی کو غنیمت کے اموال میں شامل فرما دیا۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ایسے ہیں جن میں کوئی حرج نہیں)

حاصل کلام: یہ حدیث اس چیز کی دلیل ہے کہ خمس سے پہلے اصل مال غنیمت سے نفلی طور پر مال دیا جا

سکتا ہے۔

(۱۱۲۱) وَعَنْ أَبِيْ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنِّي لاَ أَخِيسُ بِالعَهْدِ، وَلاَ أَحْبِسُ الرُّسُلَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بے شک میں نہ تو عہد شکنی کرتا ہوں اور نہ قاصدوں و سفیروں کو قید کرتا ہوں۔" (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لا اخیس﴾ میں معاہدہ شکنی اور غداری نہیں کرتا۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے عہد شکنی اور غداری کرنا اسلام کی رو سے درست نہیں ہے۔ دراصل قصہ یوں ہے کہ ابورافع اسلام قبول کرنے سے پہلے کافروں کی جانب سے آپؐ کے پاس سفیر کی حیثیت سے آئے۔ آپؐ کا روئے انور اور رخ منور دیکھتے ہی وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوگئے۔ پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ! اب میرا دل واپس جانے کیلئے تیار نہیں ہے لہٰذا آپؐ مجھے یہیں روک لیں تو اس موقع پر آپؐ نے فرمایا "لا اخیس" میں عہد شکنی اور غداری نہیں کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفیروں کو بخیر و عافیت واپس بھیجنا حکومت کا ذمہ ہے۔ اگرچہ وہ خود رکھنے کی درخواست کرے' اسے بھی واپس کر دینا چاہئے کیونکہ سفیر و قاصد جس کے پاس آتا ہے گویا اس کی امان میں آتا ہے۔ اسلام نے سفیر کے احترام کا درس دیا ہے خواہ کافر ہو یا مسلمان۔

(۱۱۲۲) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «أَيُّمَا قَرْيَةٍ أَتَيْتُمُوهَا، فَأَقَمْتُمْ فِيهَا، فَسَهْمُكُمْ فِيهَا، وَأَيُّما قَرْيَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، فَإِنَّ خُمْسَهَا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ، ثُمَّ هِيَ لَكُمْ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم جس بستی میں بھی آؤ اور اس میں قیام رکھو تو اس میں تمہارا حصہ ہے اور جو بستی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمان ہو تو اس کا خمس اللہ اور اس کے رسول کا ہے پھر وہ بھی تمہیں میں تقسیم ہوگا۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ایما قریۃ اتیتموھا﴾ جس بستی میں تم قیام کرو' بغیر کسی لڑائی و قتال کے۔ ﴿فسھمکم فیھا﴾ اس میں تمہارا حصہ بھی اسی طرح ہے۔ جس طرح مسلمانوں میں سے ایک عام مسلمان کا حصہ ہے کیونکہ اس وقت وہ مال فئے ہے۔ مال غنیمت نہیں تاآنکہ وہ لشکر میں بالخصوص تقسیم نہ کر دیا جائے۔ ﴿وایما قریۃ عصت اللہ ورسولہ﴾ جس بستی والے اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہوں اور تم اس بستی کو لڑ کر فتح کرو تو وہ غنیمت ہو جائے گی۔ خمس نکالنے کے بعد تمہارے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اموال فئے میں سے خمس نہیں نکالا جاتا ہے جو لوگ اس کے

قائل ہیں یہ حدیث ان کے نظریئے کی تردید ہے۔ ابن منذر کا قول ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کوئی مال فئے میں خمس کا قائل ہوا ہو۔ اس میں پہلی بستی سے مراد وہ بستی ہے جہاں لڑائی نہ ہو۔ اس میں مجاہدین کا حصہ دوسرے مسلمانوں کے مساوی ہے اور دوسری بستی سے مراد وہ بستی ہے جہاں لڑائی ہو۔ اس میں پانچواں حصہ نکال کر باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خمس اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ آخر کار وہ بھی مسلمانوں کے مصالح میں خرچ ہوگا۔

١ - بَابُ الْجِزْيَةِ وَالْهُدْنَةِ — جزیہ اور صلح کا بیان

(١١٢٣) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَخَذَهَا، يَعْنِي الْجِزْيَةَ، مِنْ مُجُوسِ هَجَرَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَلَهُ طَرِيْقٌ فِي الْمُوَطَّإِ، فِيْهَا انْقِطَاعٌ.

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور مؤطا میں اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس میں انقطاع ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب الجزیۃ﴾ جزیہ کی جیم کے نیچے کسرہ اور زا ساکن۔ یہ وہ معاوضہ ہوتا ہے جو اہل ذمہ سے ان کے دار السلام میں رہنے' ان کے خون اور اموال کی حفاظت کے بدلہ میں لیا جاتا ہے۔ ﴿الھدنۃ﴾ ھاء پر ضمہ اور دال ساکن۔ اس اتفاق کو کہتے جو جنگ کے لئے ایک خاص مدت تک دو حکومتوں کے درمیان طے پاتا ہے۔ ﴿المجوس﴾ وہ لوگ جو آگ کی عبادت و پرستش کرتے ہیں۔ ﴿وھجر﴾ ھا اور جیم دونوں پر فتحہ۔ یہ بہت بڑے شہر کا نام ہے۔ جو بحرین یعنی الاحساء کا دارالخلافہ تھا۔ معجم البلدان میں ہے کہ ھجر بحرین کا سب سے بڑا شہر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بحرین کا تمام کنارہ ہی ہجر ہے اور یہی بات درست ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوسی مشرکوں سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ جزیہ صرف اہل کتاب پر نہیں جیسا کہ بعض اہل علم کا خیال ہے بلکہ دیگر مشرکین سے بھی جزیہ وصول کیا جائے گا۔ مؤطا کی روایت میں انقطاع اس بنا پر ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے امام ابن شہاب زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

(١١٢٤) وَعَنْ عَاصِمِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ أَنَسٍ، وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِيْ سُلَيْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ إِلٰى أُكَيْدِرِ دَوْمَةَ الْجَنْدَلِ فَأَخَذُوْهُ، فَأَتَوا بِهِ فَحَقَنَ دَمَهُ وَصَالَحَهُ عَلَى الْجِزْيَةِ.

عاصم بن عمر رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر کے پاس بھیجا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسے گرفتار کر لیا اور اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اس کا خون نہ

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ. بہایا اور اس سے جزیہ پر مصالحت کرلی۔ (ابوداؤد)

لغوی تشریح: ﴿ وعن عثمان ﴾ ان سے روایت کرنے والا بھی عاصم ہے۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔ ﴿ بعث خالد بن الولید ﴾ خالد بن ولید کو بھیجا۔ آپؐ نے انہیں غزوۂ تبوک کے ایام میں بھیجا تھا۔ ﴿ الی اکیدر ﴾ یہ صاحب اکیدر بن عبدالملک کندی۔ جو دومۃ الجندل کے فرمانروا تھے اور اکیدر کے ھمزہ پر ضمہ اور کاف پر فتحہ "یا" ساکن اور دال کے نیچے کسرہ اور دومۃ کے دال پر ضمہ اور "واؤ" ساکن اور جندل کے جیم پر فتحہ اور نون ساکن اور ﴿ دومۃ الجندل ﴾ غربی نجد کے شمال میں وادی سرحان میں ایک شہر کا نام ہے۔ ﴿ فحقن دمہ ﴾ اس کا خون نہیں بہایا بلکہ اس کی حفاظت کا عہد دیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عرب اہل کتاب سے بھی جزیہ لینا جائز ہے۔ اکیدر عرب کا ایک عیسائی رئیس تھا اور غسانی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ (سبل) قاضی ابویوسف عربی سے جزیہ لینے کے قائل نہیں مگر امام مالک رحمہ اللہ' امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ عربی و عجمی مشرک سے جزیہ لینے کے قائل ہیں۔

راوی حدیث: ﴿ عاصم بن عمر ﴾ ابو عمر عاصم بن عمر بن قتادہ بن نعمان انصاری' تابعی تھے۔ کثیر الحدیث تھے۔ علم کے راوی۔ مغازی و سیر کے علم سے بہرہ ور تھے۔ ان کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ۱۱۹' ۱۲۰' ۱۲۱' ۱۲۷' ۱۲۹ھ وغیرہ

﴿ عثمان بن ابی سلیمان ﴾ عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم' مکہ کے قاضی تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ' ابن معین رحمہ اللہ اور ابوحاتم رحمہ اللہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ عثمان تابعی ہیں اور عاصم نے یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متصلاً اور عثمان سے مرسلاً بیان کی ہے۔

(۱۱۲۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ فَأَمَرَنِي أَنْ آخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِيْنَاراً، أَوْ عِدْلَهُ مُعَافِرِيًّا. أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ "میں ہر بالغ سے ایک دینار بطور جزیہ وصول کروں یا پھر اس کے برابر معافری کپڑا لوں۔" (اس کی تخریج تینوں نے کی ہے' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ حالم ﴾ بالغ۔ ﴿ عدلہ ﴾ عین کے نیچے کسرہ اور فتحہ بھی ہے۔ معنی ہیں مثل' اس جیسا ﴿ معافریا ﴾ کپڑا جو معافر کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے معافری کہلایا اور معافر یمن کا ایک شہر ہے یا ہمدان کا قبیلہ۔ یہ حدیث کتاب الزکاۃ کے تحت گزر چکی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ کی سالانہ مقدار ایک دینار یا اسی کے برابر کوئی اور چیز فی کس ہوگی۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دینار کم از کم جزیہ ہے۔ اس سے زیادہ بھی لیا جا سکتا ہے اور جزیہ صرف بالغ آزاد مرد سے ہی لیا جائے گا۔

(السبل)

(۱۱۲٦) وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الإِسْلاَمُ يَعْلُو، وَلاَ يُعْلَى» أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

حضرت عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔" (سنن دارقطنی)

حاصل کلام: اس حدیث میں خبرو اطلاع بھی ہے اور پیشین گوئی بھی کہ اسلام ہمیشہ غالب بن کر رہنے کیلئے آیا ہے' مغلوب بن کر رہنے کیلئے نہیں۔ لہٰذا اہل اسلام کو چاہئے کہ نظریاتی اور عملی طور پر اسے غالب رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اسلام کی صحیح تبلیغ و اشاعت کریں۔ اس کے مطابق پہلے خود اپنی عملی زندگی ڈھالیں تاکہ ان کے عمل و کردار اور اخلاق و اطوار سے متاثر ہو کر غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوں۔ اس حدیث کو ھدنہ کی تمہید اور ابتداء کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ باہمی مصالحت میں اگر بفرض محال کوئی شرط و دفعہ بظاہر اسلام کے ماننے والے کے مفاد کے خلاف بھی معلوم ہو تو پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ وہ اسے ہمیشہ سربلند و بالاتر اور اعلیٰ و غالب رکھے گا۔ اس کے ماننے والے اگر اس کے مطابق عمل کریں گے تو سرخرو ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کی نصرت و مدد فرمائے گا۔ اسلام کا دلائل و براھین کے اعتبار سے سب پر غالب رہنا تو ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

راوی حدیث: ﴿عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ﴾ ابو ان کی کنیت تھی۔ بصرہ میں فروکش ہو گئے تھے۔ صالح صحابہ میں سے تھے۔ بیعت رضوان میں حاضر تھے۔ یزید ابن معاویہؓ کے عہد میں وفات پائی۔

(۱۱۲۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لاَ تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلاَمِ، وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہود و نصاریٰ کو سلام پہلے نہ کیا کرو اور جب تمہارا ان میں سے کسی سے آمنا سامنا ہو جائے تو اسے راستہ کی تنگ جانب جانے پر مجبور کر دو۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فاضطروه﴾ ان کو مجبور کر دو بایں طور کہ ان کیلئے صدر راستہ نہ چھوڑو۔ اسے رسوا و ذلیل کرنے کیلئے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مسلمان کا یہود و نصاریٰ اور مجوس وغیرہ کو پہلے سلام کہنا حرام ہے۔ جمہور سلف کی رائے یہی ہے مگر کچھ لوگ جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں کہتے ہیں ذمی اہل کتاب کو پہلے سلام کہنا جائز ہے لیکن یہ درست نہیں۔ نیز ان سے راستہ میں ملاقات ہو جائے تو ان کیلئے

راستہ بھی نہ چھوڑنا چاہئے۔ اس سے ان کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ وہ چھوٹے لوگ ہیں اور چھوٹے ہی بن کر رہیں۔ اس سے یہ مطلب نہ نکالنا چاہئے کہ اسلام انسان' انسان کے مابین امتیاز پیدا کرتا ہے۔ یہ تو اصول کی بات ہے کہ جو لوگ دین فطرت کو قبول کرنے سے انکاری ہیں ان کا مقام و مرتبہ بہرحال وہ نہیں ہو سکتا جو ماننے والوں کا ہے۔

(١١٢٨) وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُولِهِ، وَفِيْهِ: «هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللهِ، سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو: عَلٰى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِيْنَ، وَيَأْمَنُ فِيْهَا النَّاسُ، وَيَكُفُّ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

وَأَخْرَجَ مُسْلِمٌ بَعْضَهُ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ، وَفِيْهِ: أَنَّ مَنْ جَآءَنَا مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكُم، وَمَنْ جَآءَكُمْ مِنَّا رَدَدْتُمُوهُ عَلَيْنَا، فَقَالُوا: أَنَكْتُبُ هٰذَا؟ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «نَعَمْ إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ جَآءَنَا مِنْهُمْ فَسَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجاً وَمَخْرَجاً».

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے کہ نبی ﷺ حدیبیہ کے سال نکلے۔ راوی نے لمبی حدیث بیان کی ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ یہ وہ (دستاویز) ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے سہیل بن عمرو سے صلح کی ہے کہ دس سال جنگ بند رہے گی۔ اس عرصہ میں لوگ امن سے رہیں گے اور ان میں سے ہر ایک (جنگ سے) اپنا ہاتھ روکے رکھے گا۔ (ابوداؤد اور اس کی اصل بخاری میں ہے) اور مسلم نے اس حدیث کا کچھ حصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ تم میں سے جو کوئی ہمارے پاس آئے گا اسے ہم واپس نہیں کریں گے اور ہمارا کوئی آدمی تمہارے پاس آجائے تو تم اسے ہمارے پاس واپس لوٹا دو گے۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا ہم یہ لکھ لیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ "ہاں! جو شخص ہم میں سے ان کے پاس چلا جائے گا اسے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ضرور کشائش اور کوئی راستہ نکال دے گا۔"

لغوی تشریح: ﴿عام الحدیبیۃ﴾ یہ واقعہ ذوالقعدہ بروز پیر ٦ھ میں پیش آیا جب آپؐ عمرہ کرنا چاہتے تھے۔ حدیبیۃ "حا" پر ضمہ اور دال پر فتحہ اور "یا" ساکن اور اس کے بعد "یا" مخففہ اور مشددہ بھی کہا گیا ہے۔ جدہ کے راستہ میں مکہ کے قلب سے دس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے۔ حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا جس سے اس کا نام حدیبیہ پڑ گیا۔ ﴿فذکر الحدیث بطولہ﴾ اس حدیث میں حدیبیہ کی

جانب جانے کا قصہ ہے۔ اہل مکہ نے آپ ﷺ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا پھر چند شرائط پر مصالحت کر لی تھی۔ ان شروط میں سے وہ شرط بھی تھی جسے مؤلف نے بیان کیا ہے۔ ﴿ سهیل بن عمرو ﴾ یہ کفار کی جانب سے نمائندہ تھے۔ ﴿ وضع الحرب ﴾ لڑائی کو چھوڑ دیا۔ ﴿ یکف ﴾ روکتا ہے۔ ﴿ من جاء منکم ﴾ یہ شرط مسلمانوں کے خلاف پڑی تھی یعنی جو آدمی مسلمانوں کے کیمپ سے بھاگ کر کافروں کے کیمپ میں چلا جائے گا اسے کفار واپس نہیں کریں گے اور اہل مکہ میں سے جو کوئی مسلمانوں کے ہاں پناہ لے گا وہ اسے کافروں کی جانب لوٹا دیں گے۔ ﴿ انکتب ھذا؟ ﴾ کیا اسے قلمبند کر لیا جائے۔ اس میں استفہام انکاری ہے اور بظاہر رسوائی جو اس میں محسوس ہوتی ہے اس پر اظہار تعجب ہے۔ "فرجا" فا اور را دونوں پر فتحہ۔ فراخی اور کشادگی' کشائش۔

راوی حدیث : ﴿ مروان رضی اللہ عنہ ﴾ اس سے مروان بن حکم اموی مراد ہے۔ ابو عبدالملک کنیت تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ یزید کی وفات کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بارے میں دلچسپی لی اور اس کے بیٹے معاویہ کی معزولی کے بعد مصر اور شام پر والی بن گئے۔ ان کی وفات دمشق میں ۶۵ھ میں ہوئی۔

﴿ سهیل بن عمرو رضی اللہ عنہ ﴾ سہیل بن عمرو کا شمار قریش کے سرکردہ شرفاء و رؤسا میں ہوتا تھا۔ ان کے عقلاء اور خطباء میں سے ایک تھے۔ بدر کے روز قید ہوئے اس وقت کافر تھے۔ فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ فتنہ ارتداد کے موقع پر قریش ان کی وجہ سے اسلام پر ثابت قدم رہے۔ ۱۴ھ میں یرموک کے موقع پر قتل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے یا ان کی وفات مرج صفر میں یا طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں ہوئی۔

(۱۱۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَتَلَ مُعَاهِداً لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَاماً». أَخرَجَهُ البُخَارِيُّ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ "جس کسی نے عہدی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اور جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔" (بخاری)

لغوی تشریح : ﴿ لم یرح ﴾ یرح کے "را" پر فتحہ ہے۔ نہیں پا سکے گا۔ نہیں سونگھ سکے گا۔ ﴿ رائحة الجنة ﴾ جنت کی خوشبو۔

حاصل کلام : اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی ذمی اور معاہد کو بلاوجہ اور کسی شرعی حق کے بغیر قتل کرنا حرام ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے مسلمان قاتل سے دنیا میں قصاص نہیں لیا جاتا' اس لئے اخروی سزا بیان کی۔ معاہد دراصل وہ آدمی ہے جو مسلم علاقہ کا باشندہ نہ ہو۔ غیر مسلم حکومت میں سکونت رکھتا ہو اور امان لے کر اسلامی حکومت کے علاقہ میں آیا ہو۔ اس کے قتل پر اس حدیث میں بڑی سخت وعید ہے کہ وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا اور جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پائی جاتی ہے۔

٢ - بَابُ السَّبَقِ وَالرَّمْيِ — گھڑ دوڑ اور تیر اندازی کا بیان

(١١٣٠) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: سَابَقَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْخَيْلِ الَّتِيْ قَدْ أُضْمِرَتْ، مِنْ الْحَفْيَآءِ، وَكَانَ أَمَدُهَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ، وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضْمَرْ، مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلٰى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ فِيْمَنْ سَابَقَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. زَادَ الْبُخَارِيُّ «قَالَ سُفْيَانُ: مِنَ الْحَفْيَآءِ إِلٰى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ خَمْسَةُ أَمْيَالٍ، أَوْ سِتَّةٌ، وَمِنَ الثَّنِيَّةِ إِلٰى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ مِيْلٌ».

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے تیار شدہ گھوڑوں کی "حفیاء" سے "ثنیۃ الوداع" تک دوڑ کرائی اور جو گھوڑے تیار نہیں تھے ان کو "ثنیۃ" سے لے کر "بنی زریق" کی مسجد تک دوڑایا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی مسابقت میں شریک تھے۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری میں اتنا اضافہ ہے کہ سفیان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ "حفیاء" سے "ثنیۃ الوداع" کا فاصلہ پانچ یا چھ میل ہے اور "ثنیۃ" سے "مسجد بنی زریق" تک کا فاصلہ ایک میل ہے۔

لغوی تشریح: ﴿ باب السبق ﴾ سبق کے سین پر فتحہ اور "با" ساکن مصدر بمعنی مسابقۃ الخیل یعنی گھڑ دوڑ' اسے "رھان" بھی کہتے ہیں اور "رمی" یعنی تیراندازی کا مقابلہ' نشانہ بازی کا مقابلہ۔ ﴿ اضمرت ﴾ صیغۂ مجہول اور اضمار اور تضمیر یہ کہ پہلے گھوڑے کو خوب بکثرت چارہ کھلا کر موٹا تازہ کرتے ہیں اور خوب توانا اور قوی کرتے ہیں پھر اس کی خوراک کم کرنا شروع کرتے ہیں اور میدان میں دوڑاتے اور چکر لگواتے ہیں تاکہ اس کا جسم مضبوط اور سخت جان ہو جائے اور جسم کا ڈھیلا پن سخت ہو جائے اور عربوں کے ہاں تضمیر کا یہ عمل چالیس روز تک ہوتا تھا۔ ﴿ من الحفیاء ﴾ "حا" پر فتحہ اور "فا" ساکن ممدودہ اور کبھی قصر یعنی بغیر مد کے بھی پڑھ لیتے ہیں۔ مدینہ کے باہر ایک جگہ کا نام اور اس فقرے میں کلمہ "من" سے مراد غایت کی ابتداء ہے۔ ﴿ امدھا ﴾ ہمزہ اور میم دونوں پر فتحہ۔ اس سے غایت مراد ہے۔ ﴿ ثنیۃ الوداع ﴾ یہ بھی مدینہ منورہ سے باہر ایک مقام ہے اور ثنیۃ "ثا" پر فتحہ نون کے نیچے کسرہ اور "یا" پر تشدید۔ یہ عقبہ کی طرف جانے والا راستہ ہے۔ الوداع کی جانب اسے مضاف کیا گیا ہے اس لئے کہ مہمانوں کو اس جگہ سے الوداع کہا کرتے تھے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے جہاد کی تیاری کیلئے گھڑ دوڑ' تیر اندازی اور نیزہ بازی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس دور میں یہی چیز عموماً جنگ میں کام آتی تھی۔ آج کے دور میں ٹینک' بکتر بند گاڑیاں چلانے کی تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔ تیر و نیزے کی جگہ بندوق' توپ اور جدید جنگی تربیت حاصل کرنی چاہئے۔

(١١٣١) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى — حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ ، وَفَضَّلَ الْقُرَّحَ فِي الْغَايَةِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

نے گھوڑوں کے درمیان مسابقت کرائی اور نوجوان گھوڑوں کی حد میں فرق ملحوظ رکھا۔ (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن حبان سے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ فضل القرح فی الغایۃ ﴾ نوجوان گھوڑے کی غایت (فاصلہ) زیادہ دور اور لمبا رکھا' دوسرے کی بہ نسبت اور فعل تفضیل سے مبنی للفاعل ہے اور قرح کے قاف پر ضمہ اور "را" پر تشدید اور فتحہ' قارح کی جمع۔ نوجوان گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی عمر پوری و مکمل اور جس کی کچلیاں نمایاں ہو چکی ہوں۔ غایت میں یہ فضیلت و فرق اس لئے رکھا گیا ہے کہ نوجوان' تندرست و توانا اور قوی الجثہ گھوڑا دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ لمبی دوڑ کا متحمل ہو سکتا ہے جبکہ کمزور اور ضعیف اس کی سکت نہیں رکھتا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جانوروں کا بھی بہت خیال اور لحاظ رکھنا چاہئے۔ جتنی ہمت و طاقت کا جانور ہو اس سے اس کے مطابق کام و خدمت لی جانی چاہئے۔ ہمت و طاقت سے زیادہ کام لینا درست نہیں۔

(۱۱۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ سَبْقَ إِلاَّ فِي خُفٍّ، أَوْ نَصْلٍ، أَوْ حَافِرٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ. وَالثَّلاَثَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دوڑ کا مقابلہ صرف اونٹ اور گھوڑوں میں ہے اور ہار جیت صرف تیراندازی کے مقابلہ میں۔" (اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ لاسبق ﴾ سبق کے "سین" اور "با" دونوں پر فتحہ۔ دوڑ کے مقابلہ میں جو مالی انعام وغیرہ رکھا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ مسابقت میں مال لینا حلال نہیں ہے۔ ﴿ الا فی خف ﴾ سوائے اونٹ کے۔ ﴿ او نصل ﴾ یا تیراندازی کے ﴿ او حافر ﴾ یا گھڑدوڑ میں۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ مقررہ انعام کی صورت میں دوڑ کا مقابلہ کرانا جائز ہے۔ ﴿ جعل ﴾ کے جیم پر ضمہ' معنی انعام۔ اگر انعام دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لینے والوں کے علاوہ اور کسی کی جانب سے ہے جیسے امام جیتنے والے کو کوئی انعام دے تو یہ حلال ہے۔ بغیر کسی خوف و تردد کے اور اگر یہ انعام کسی مقابلہ میں حصہ لینے والے کی جانب سے ہو تو یہ حلال نہیں' یہ قمار و جوا ہے۔ انعام میں مال لینا مذکورہ بالا کاموں میں حلال ہے۔ اس لئے کہ یہ جنگ کی تیاری و تربیت اور ٹریننگ ہے اور جہاد کیلئے قوت تیار کرتا ہے۔ جو ایسی صورت میں نہ ہو اس پر مال لینا قمار ہے۔ جس سے اجتناب کیا جانا چاہئے۔ جیسے پرندوں اور کبوتروں کی دوڑ اور مینڈھوں کو لڑا کر انعام حاصل کیا جاتا ہے۔

(۱۱۳۳) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَدْخَلَ فَرَساً بَيْنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "جس شخص نے دو گھوڑوں کے

فَرَسَيْنِ ، وَهُوَ لاَ يَأْمَنُ أَنْ يَسْبَقَ فَلاَ بَأْسَ بِهِ، فَإِنْ أَمِنَ فَهُوَ قِمَارٌ» رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُد، وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

درمیان تیسرا گھوڑا داخل کیا لیکن اس شخص کو یہ یقین نہ تھا کہ یہ گھوڑا آگے بڑھ جائے گا۔ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر اس شخص کو یہ یقین تھا کہ یہ تیسرا گھوڑا بڑھ جائے گا تو یہ جوا ہو جائے گا۔" (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے)

لغوی تشریح: ﴿ان یسبق﴾ صیغہ مجہول۔ یعنی وہ تو پیچھے رہ جائے گا اور دوسرا آگے بڑھ جائے گا۔ ﴿فان امن﴾ اگر اسے پیچھے رہنے اور آگے بڑھنے کا یقین ہو تو ﴿فھو قمار﴾ وہ قمار و جوا ہے۔ قمار کے قاف کے نیچے کسرہ۔ پس مسابقت سے غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ گھوڑے کی قوت و طاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے جب غرض پوری نہ ہو تو بے سود ہونے کی وجہ سے اسے ناجائز قرار دے دیا گیا۔

(١١٣٤) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَهُوَ عَلَى المِنْبَرِ، يَقُولُ: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الخَيْلِ﴾ الآيَة، أَلاَ! إِنَّ القُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلاَ! إِنَّ القُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلاَ! إِنَّ القُوَّةَ الرَّمْيُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور وہ منبر پر کھڑے یہ (آیت) پڑھ رہے تھے۔ (ترجمہ) "تم جو کچھ اپنی قوت سے کافروں کے (مقابلہ) کے لئے تیار کر سکتے ہو تیار کرو اور گھوڑوں کے باندھنے سے۔" اور (فرماتے تھے) "خبردار! قوت تیراندازی ہے۔ خبردار! قوت تیر اندازی ہے۔ خبردار! قوت تیراندازی ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿اعدوا﴾ اعداد سے امر کا صیغہ ہے۔ اعداد تیاری کو کہتے ہیں مستقبل کیلئے کسی چیز کا تیار کرنا۔ ﴿ما استطعتم﴾ ما عام ہے حالات و ظروف اور اوضاع کے حسب حال انسان کے تمام ممکنات اس میں شامل ہیں۔ ﴿رباط الخیل﴾ "راء" کے نیچے کسرہ۔ اس کے معنی اصل میں روکنے اور جمع رکھنے کے ہیں پھر اسے خاص طور پر سرحدوں کی حفاظت اور سرحدوں پر واقع شہروں کی حفاظت کیلئے قیام کرنے کو رباط کہا جانے لگا۔ تفسیر المنار (ج ١٠' ص: ٦٩) میں علامہ رشید رضا نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ امت مسلمہ کی مستقل آرمی ہونی چاہئے جو اپنا دفاع کرنے کیلئے ہر وقت تیار و مستعد رہے جس وقت بھی دشمن اچانک دھوکہ سے حملہ آور ہو۔ اسی وقت اسے ناکوں چنے چبانے کے لئے میدان کار زار میں سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو جائے۔ اس کے گھوڑ سواروں کا دستہ چاک و چوبند ہو اور تیز رفتاری و سبک رفتاری سے سرحدوں پر رونما ہونے والے واقعات کی اطلاع' سرحدی شہروں اور دیہاتوں پر واقع

ہونے والے واقعات کی خبراور ہر طرف سے دارالخلافہ میں تیز گامی سے پہنچانے کیلئے تیار رہیں۔ ﴿ الا ان القوۃ الرمی ﴾ سن لو کہ قوت تیراندازی میں ہے۔ تفسیرالمنار (ج ۱۰' ص: ۷۰) میں ہے کہ اس حدیث میں رمی سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو پھینک کر دشمن کو نشانہ بنایا جا سکے' تیر ہے' نیزہ ہے' منجنیق کے ذریعہ گولہ باری ہے' جنگی جہازوں کے ذریعہ گولہ باری ہے یا بندوق کے ذریعہ اور توپ کے ذریعہ گولے پھینکنا وغیرہ ہے۔ اگرچہ یہ تمام اسلحۂ حرب نبی ﷺ کے عہد سعادت میں متعارف نہیں تھا مگر لفظ رمی سب کو شامل ہے۔ اگر آپؐ اسے معروف تیروں سے مقید کر دیتے تب بھی مقصود یہی پھینکنے والی چیز مراد ہوتی۔ حالانکہ آپؐ نے تیر کے پھینکنے کا ذکر نہیں کیا ہے ہمیں کیا معلوم شاید اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی لسان مبارک پر ان الفاظ کو جاری فرما دیا ہو جس میں عمومیت کا معنی پایا جاتا ہے کہ ہر دور میں آپؐ کی امت کیلئے عمومیت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس دور میں حسب ضرورت اسے مارنے کے معنی میں استعمال کر سکے۔

۱۲۔ كِتَابُ الأَطْعِمَةِ

کھانے کے مسائل

(۱۱۳۵) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ فَأَكْلُهُ حَرَامٌ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

وَأَخْرَجَهُ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، بِلَفْظِ: «نَهَى». وَزَادَ: «وَكُلُّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ''درندوں میں سے ہر کچلی والے کا کھانا حرام ہے۔'' (مسلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں جسے مسلم نے روایت کیا ہے یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اتنا اضافہ ہے کہ ''پرندوں میں ہر اس پرندے کا کھانا حرام ہے جو پنجوں میں گرفت کر کے کھائے۔''

لغوی تشریح: ﴿كتاب الاطعمة﴾ طعام کی جمع ہے یہاں یہ بیان کرنا اور بتانا مقصود ہے کہ کھانے کی اشیاء میں سے حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے۔ ﴿كل ذى ناب من السباع﴾ ناب اس دانت کو کہتے ہیں جو رباعیہ کے پیچھے ہوتا ہے اور رباعیہ ثنایا کے ساتھ ہی ہوتے ہیں (جسے ہم کچلیاں کہتے ہیں) اور ''سباع'' سبع کی جمع ہے سبع کی سین پر فتحہ اور ''با'' پر ضمہ ہے۔ وہ جانور جو چیر پھاڑ کرنے والا ہو اور کچلیوں والے جانوروں سے مراد وہ درندہ ہے جس کی کچلیاں ہوں اس کے ذریعہ سے وہ شکار کرنے میں قوت کا باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً شیر' بھیڑیا' چیتا اور تیندوا وغیرہ۔ (تحفہ الاحوذی' ج ۲' ص: ۳۵) ابن سینا کا قول ہے کہ ایک حیوان میں کچلی اور سینگ اکٹھے پیدا نہیں ہوتے۔ ﴿بلفظ نهى﴾ یعنی درندوں میں ہر کچلی والا جانور کھانے سے منع فرمایا۔ ﴿ذى مخلب﴾ مخلب کے میم کے نیچے کسرہ اور ''خا'' ساکن اور لام پر فتحہ۔ جس کے معنی پنجہ یا چنگل کے ہیں۔ جس طرح انسان کے ناخن ہوتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ پرندہ پنجے کے ذریعہ سے شکار میں تقویت حاصل کرتا ہے جیسے چیل' شکرا' شاہین اور باز وغیرہ۔

حاصل کلام: اس حدیث میں حرمت کی ایک جامع علامت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ ہر چیرنے

پھاڑنے والا درندہ چوپایہ دوسرے الفاظ میں گوشت خور جانور حرام ہے اور ہر وہ پرندہ جو پنجے میں پکڑ کر کھاتا ہو حرام ہے۔ اس اصول کو امام شافعی رحمہ اللہ ' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور داؤد ظاہری رحمہ اللہ نے تسلیم کیا ہے مگر اس کے باوجود درندوں کی حقیقت میں اختلاف ہے۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گوشت خور جانور جیسا بھی ہو وہ "سبع" ہے۔ اس اعتبار سے بلی وغیرہ بھی سباع میں شامل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سباع وہ درندہ ہے جو انسان پر حملہ آور ہو جیسے شیر' بھیڑیا' چیتا وغیرہ۔ بجو اور لومڑی نہیں۔ اس لئے کہ یہ آدمی پر حملہ نہیں کرتے۔ اسی طرح پنجے سے شکار اور پنجہ سے پکڑ کر کھانے والا پرندہ بھی حرام ہے جیسے عقاب' باز' شکرا' شاہین وغیرہ۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے انہیں مکروہ کہا ہے حرام نہیں کہا البتہ چیل اور گدھ کو خباثت کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔

(١١٣٦) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: «وَرَخَّصَ».

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی تھی۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری کی روایت میں ہے "اذن" کے بجائے "رخص" کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کہ آپ ؐ نے رخصت دی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیبر کے روز گھریلو گدھوں کا گوشت کھانا حرام قرار دیا گیا۔ اس سے پہلے اس کی اجازت تھی تو گویا احکام بتدریج نافذ کئے گئے ہیں۔ حرام کئے جانے کی وجہ جیسا کہ بخاری میں بھی آیا ہے کہ یہ ناپاک و پلید حیوان ہے۔ جمہور علماء' صحابہ و تابعین وغیرہ اس طرف گئے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔ رخصت اور اذن کا لفظ غالبًا اس لئے فرمایا کہ گھوڑوں کی کمی کی وجہ سے تنزیہی طور پر ممنوع قرار دیا تھا پھر رخصت دے دی۔ زید بن علی' امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردان رشیدین یعنی صاحبین اور امام احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق بن راھویہ رحمہ اللہ اور سلف و خلف کے سب علماء اس کی حلت کے قائل ہیں لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حرام ہے مگر یہ اور اسی موضوع کی دوسری احادیث صریحًا ان کے خلاف ہیں۔

(١١٣٧) وَعَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ، نَأْكُلُ الْجَرَادَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ سات غزوات لڑے ہیں۔ ہم ٹڈی دل کھاتے رہے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ان احادیث میں کچھ جانوروں کی حلت و حرمت نام بنام بیان کی گئی ہیں۔ ٹڈی بھی انہی میں

سے ہے۔ اس کی حلت پر تقریباً سب کا اتفاق ہے۔

(۱۱۳۸) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ الأَرْنَبِ - قَالَ: فَذَبَحَهَا فَبَعَثَ بِوَرِكِهَا إِلىٰ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَبِلَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خرگوش کے قصہ کے متعلق روایت ہے کہ (ابو طلحہ) نے اسے ذبح کیا اور اس کی ران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ جسے آپؐ نے قبول فرمالیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ فی قصة الارنب ﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے ایک خرگوش کو بھگایا اس وقت ہم مر الظھران کے مقام پر تھے۔ لوگ دوڑے اور پکڑنے کی کوشش کی۔ خرگوش دوڑتے دوڑتے تھک گیا۔ درماندہ ہوگیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ انہوں نے اسے ذبح کر کے ران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی جسے آپؐ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ ﴿ ورك ﴾ "واؤ" پر فتحہ اور "را" کے نیچے کسرہ اور کبھی کبھار ساکن بھی پڑھ لیا جاتا ہے ورک کہتے ہیں ران کے اوپر والے حصہ کو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرگوش حلال ہے۔ اگر حلال نہ ہوتا تو آپؐ اسے قبول نہ فرماتے۔

(۱۱۳۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ أَرْبَعٍ مِّنَ الدَّوَابِّ: النَّمْلَةِ، وَالنَّحْلَةِ، وَالْهُدْهُدِ، وَالصُّرَدِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں میں سے چار کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ چیونٹی، شہد کی مکھی، ھدھد اور ممولا۔ (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ من الدواب ﴾ دواب دابة کی جمع ہے۔ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو زمین پر رینگتا ہے۔ ﴿ الصرد ﴾ عمر کے وزن پر۔ ایسا پرندہ جس کا سر، چونچ اور پر بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اس کا پیٹ سفید رنگ کا اور پشت سبز رنگ کی ہوتی ہے اور چھوٹے چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے جن کے مارنے سے منع فرمایا ہے وہ حرام ہیں۔ جمہور علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

(۱۱۴۰) وَعَنِ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ: قُلْتُ لِجَابِرٍ: الضَّبُعُ صَيْدٌ هِيَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: قَالَهُ رَسُولُ

حضرت ابن ابی عمار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا بجو (چرگ) بھی شکار ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں نے پھر پوچھا،

اللهِ ﷺ؟! قَالَ: نَعَمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ الْبُخَارِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور بخاری اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الضبع﴾ ضاد پر فتحہ اور "با" پر ضمہ۔ معروف اور جانا پہچانا جانور ہے جو قبروں کو کھودنے (پھاڑنے) کا شوقین ہے۔ فارسی زبان میں اسے ﴿کفتار﴾ اور ہندی زبان میں بجو کہتے ہیں۔ نیل الاوطار میں ہے کہ اس کا معاملہ بھی حیران کن اور عجب ہے کہ وہ ایک سال نر ہوتے ہیں اور ایک سال مادہ۔ حاملہ وہ بحالت نر ہوتی ہے اور بحالت مادہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ ﴿صیدھی؟﴾ یہاں پر حرف استفہام حذف ہے اور مقصود یہ تھا کہ کیا اس کا کھانا حلال ہے؟ اس لئے کہ شکار شرعاً اس جانور کا ہے جس کو کھانے کیلئے شکار کیا جاتا ہے۔ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی رحمہ اللہ' امام احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق رحمہ اللہ کے نزدیک بجو حلال ہے اور نیل الاوطار میں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا' صفا اور مروہ کے درمیان ہمیشہ سے لوگ اس کی خرید و فروخت کرتے اور اسے کھاتے ہیں اور کوئی کسی پر اعتراض نہ کرتا۔ اس کے برعکس امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو حرام کہتے ہیں کہ یہ درندہ ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کی کچلیاں نہیں ہوتیں اور کسی درندے کے حرام ہونے کیلئے اس کا کچلیوں والا اور درندہ ہونا ضروری ہے یعنی اس میں دونوں وصف پائے جانے چاہئیں اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ حدیث کے عموم سے یہ مخصوص ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابن ابی عمار﴾ ان کا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عمار القرشی المکی ہے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے ان کا لقب "القس" یعنی راھب و پادری تھا۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

(١١٤١) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْقُنْفُذِ، فَقَالَ: ﴿قُل لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾ الآيَةَ فَقَالَ شَيْخٌ عِنْدَهُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُولُ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «إِنَّهَا خَبِيثَةٌ مِنَ الْخَبَائِثِ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے سیہہ (خار پشت) کے متعلق دریافت کیا گیا۔ انہوں نے جواب میں اللہ کا فرمان سنایا "(اے رسول!) کہہ دے کہ میں اس میں کوئی حرام چیز نہیں پاتا جو میری طرف وحی کی گئی ہے" اس کے پاس ایک بزرگ بیٹھے تھے' انہوں نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ اس کا ذکر نبی ﷺ کے پاس کیا گیا تو آپ ؐ نے فرمایا "خبیث جانوروں میں سے ایک خبیث جانور ہے۔" (اس کی روایت احمد اور ابوداؤد نے

کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے)

لغوی تشریح: "لتفنفذ" قاف پر ضمہ' نون ساکن' فا پر ضمہ۔ ایک خار دار جانور جو جسامت میں بلی کے برابر ہوتا ہے جس کے جسم پر تکلے کی طرح کانٹے ہوتے ہیں اور خطرہ کے موقع پر ان کو پھیلا کر ان میں چھپ جاتا ہے۔ جسے سیہہ اور خار پشت بھی کہتے ہیں۔ ﴿ انها خبيثة من الخبائث ﴾ کہ وہ خبیث جانوروں میں سے ہے اس لئے وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "يحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث" (۷: ۱۷۵) کہ وہ ان کیلئے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ہر وہ جانور حرام ہے جو خبیث ہے اور ایک نسخہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ جانور ایسا ہے تو یہ لازماً ایسا ہی ہے جیسا آپؐ نے فرمایا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے خار پشت یعنی سیہہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی یعلیٰ کا خیال ہے کہ یہ حلال ہے کیونکہ حرمت کی کوئی دلیل صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ (سبل)

(١١٤٢) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الجَلاَّلَةِ وَأَلْبَانِهَا. أَخْرَجَهُ الأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گندگی خور جانور کے گوشت کھانے اور اس کے دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی کے علاوہ اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الجلالة ﴾ لام پر تشدید ہے یعنی گندگی خور جانور۔ خواہ وہ اونٹ ہو یا گائے' بکری ہو یا مرغی۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ گائے گندگی خور ہو تو اسے چالیس روز چارہ کھلایا جائے۔ تو اس کے بعد اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ شارح ترمذی نے تحفۃ الاحوذی (ج ۳' ص: ۸۹) میں ابن رسلان کی شرح السنن سے نقل کیا ہے کہ بند کر کے رکھنے کی کوئی معین و مقرر مدت نہیں ہے اور بعض کی یہ رائے ہے کہ اونٹ' گائے کیلئے چالیس روز اور بکری کیلئے سات روز اور مرغی کیلئے تین روز کی مدت ہے۔ اسی رائے کو المهذب اور التحریر میں پسند کیا گیا ہے اور سبل السلام میں ہے۔ وقت کی تعیین کے سلسلہ میں مخالفین کی مخالفت کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی۔

(١١٤٣) وَعَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ الحِمَارِ الوَحْشِيِّ -: فَأَكَلَ مِنْهُ النَّبِيُّ ﷺ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے حمار وحشی کے قصہ کے سلسلہ میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اس کا گوشت تناول فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا جنگلی گدھا حلال ہے اور اس کی حلت پر اجماع ہے۔ (السبل)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہلے کتاب الحج میں باب الاحرام کے تحت تفصیلاً گزر چکی ہے۔

(١١٤٤) وَعَنْ أَسْمَآءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهما قَالَتْ: نَحَرْنَا عَلىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللهِ فَرَساً فَأَكَلْنَاهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نے نبی ﷺ کے عہد میں گھوڑا ذبح کیا اور اسے ہم نے کھایا بھی۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔

(١١٤٥) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ: أُكِلَ الضَّبُّ عَلىٰ مَآئِدَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان پر سوسمار (سانڈا) کو کھایا گیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ الضب ﴾ زمین پر رینگنے والا چھوٹا سا جانور جو گرگٹ کے مشابہ ہوتا ہے۔ ھندی زبان میں اسے سانڈ کہتے ہیں اور فارسی میں سوسمار۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ جانور پانی نہیں پیتا بلکہ صرف نسیم اور ہوا کی خنکی پر اکتفا کرتا ہے اور چالیس روز بعد صرف ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے اور موسم سرما میں یہ جانور اپنے بل سے باہر نہیں آتا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ذکر کی دو فرعیں ہوتی ہیں۔ سوسمار کا گوشت قوت جماع انتہائی زیادہ کر دیتا ہے جب اس کے گوشت کے ٹکڑے تلے جائیں تو ان میں روغن برآمد ہوتا ہے جو کہ عضو مخصوص مردانہ پر ملنے سے اس کے امراض کا بہترین علاج ہے اور مرد کی قوت مردمی اور شباب و جوانی عود کر آتی ہے۔ اہل عرب بالعموم اور اہل نجد بالخصوص کثرت سے اس کا گوشت کھاتے تھے اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مشہور ہے کہ ضب سے مراد گوہ ہے یہ صحیح نہیں ہے وہ تو گرگٹ ہے اور حرام ہے۔ یہ حدیث ضب کے کھانے کے جواز کی دلیل ہے اور جمہور کا قول بھی یہی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ضب حلال ہے‘ جمہور علماء کی یہی رائے ہے بعض نے اسے حرام اور بعض نے اسے مکروہ بھی کہا ہے اور دلیل کے لئے ابوداؤد کی روایت پیش کی ہے کہ آپؐ نے "ضب" کھانے سے منع فرمایا۔ مگر صحیحین کی یہ حدیث اور اس موضوع کی دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت حرمت کی نہیں کراہت کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود ضب نہیں کھائی البتہ صحابہ کرامؓ کو کھانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اسے کھاؤ یہ حلال ہے لیکن یہ میرا کھانا نہیں ہے۔" جو اس بارے میں واضح نص ہے کہ ممانعت زیادہ کراہت پر مبنی ہے‘ حرمت پر قطعاً نہیں۔

(١١٤٦) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ

حضرت عبدالرحمن بن عثمان قرشی رضی اللہ عنہ سے مروی

عُثْمَانَ الْقُرَشِيِّ، أَنَّ طَبِيْباً سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الضِّفْدَعِ يَجْعَلُهَا فِي دَوَآءٍ، فَنَهَى عَنْ قَتْلِهَا . أَخرَجَهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

ہے کہ ایک طبیب نے رسول اللہ ﷺ سے مینڈک کے بطور دوا استعمال کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے اس کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام : اس حدیث کی رو سے مینڈک دوا میں استعمال کرنے کی غرض سے مارنا بھی ممنوع ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ حرام ہے۔ بیہقی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مینڈک کو مت مارو کہ اس کی آواز تسبیح ہے۔

١ - بَابُ الصَّيدِ وَالذَّبَآئِحِ

شکار اور ذبائح کا بیان

(١١٤٧) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «من اتَّخَذَ كَلْباً إِلاَّ كَلْبَ مَاشِيَةٍ، أَوْ صَيْدٍ، أَوْ زَرعٍ، انْتُقِصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے مال مویشی کے تحفظ کیلئے (رکھے گئے کتے) یا شکاری کتے یا زراعت کی دیکھ بھال و حفاظت کرنے والے کتے کے علاوہ دوسرا کوئی کتا (شوقیہ طور پر) رکھا تو اس کے ثواب میں سے ہر روز ایک قیراط ثواب کم ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دل کے بہلاوے اور شوق فضول کی تسکین کیلئے کتا رکھنا ممنوع ہے البتہ شکار کیلئے، کھیتی باڑی اور جانوروں کی دیکھ بھال اور نگرانی و حفاظت کیلئے رکھنے کی اجازت ہے اور اس کے شوقیہ رکھنے کی وجہ سے یومیہ ایک قیراط ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔

(١١٤٨) وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ لِيْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ، فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ، وَإِنْ أَدْرَكْتَهُ قَدْ قُتِلَ، وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْباً

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ ”جب تو اپنا شکاری کتا جانور کے شکار کیلئے چھوڑے تو اس پر اللہ کا نام پڑھ لیا کرو (بسم اللہ پڑھ لیا کرو) پھر اگر وہ شکار کو تمہارے لئے روک لے اور تو اسے زندہ پالے تو اسے ذبح کر لو اور اگر تو شکار کو مردہ حالت میں پائے اور کتے نے ابھی تک اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو تو

غَيْرَهُ، وَقَدْ قُتِلَ، فَلاَ تَأْكُلْ. فَإِنَّكَ لاَ تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ، وَإِنْ رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ، فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْماً فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلاَّ أَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ إِنْ شِئْتَ، وَإِنْ وَجَدْتَهُ غَرِيقاً فِي الْمَاءِ فَلاَ تَأْكُلْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

تم اسے کھا سکتے ہو اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کوئی کتا بھی پائے اور جانور مردہ حالت میں ملے تو پھر اسے نہ کھا کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے اور اگر تو اپنا تیر چھوڑے تو اس پر بسم اللہ پڑھ۔ پھر اگر شکار تیری نظروں سے ایک روز تک اوجھل رہے اور اس میں تیرے تیر کے سوا دوسرا کوئی زخم کا نشان نہ ہو تو پھر اسے تو کھا لے۔ اگر تیری طبیعت کھانے کی طرف مائل ہو اور اگر شکار کو پانی میں ڈوب کر مرا ہوا پائے تو اسے نہ کھا۔" (بخاری و مسلم) اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿كلبك﴾ سدھایا ہوا کتا وہ ہوتا ہے کہ مالک جب کتے کو شکار پر جھپٹنے کیلئے ابھارے تو وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہو اور جب ڈانٹ پلائے تو فوراً رک جائے اور جب شکار کر لے تو اسے مالک کیلئے روکے رکھے۔ خود نہ کھائے۔ یہ تیسری صفت کے شرط ہونے میں اختلاف ہے۔ ﴿فان امسك عليك﴾ اور اگر وہ تمہارے لئے روکے رکھے بایں طور کہ خود اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے کیلئے یا منافع حاصل کرنے کیلئے شکار کرنا جائز ہے۔ شکار شکاری کتے سے کیا جائے یا شکاری پرندوں سے سب جائز ہے اور ان کا کھانا حلال ہے۔ اس کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ ضرور پڑھی جائے دوسرا یہ کہ کتا تربیت یافتہ یعنی سدھایا ہوا ہو سدھایا ہوا کتا اگر اس شکار میں سے کچھ کھا لے تو شکار حرام ہوگیا۔ اس کا کھانا جائز نہیں رہا۔ اگر شکار کردہ جانور صحیح سالم حالت میں ہے تو اسے کھانا جائز ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی سامنے رہنی چاہئے کہ اگر کتے نے شکار اپنے دانتوں سے پکڑا ہے اور وہ مرگیا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر کتے کے جسم کی ضرب سے مرے تو حرام ہے۔ پھر اگر وہ شکار آدمی کے پہنچنے تک بقید حیات ہو تو اسے ذبح کرنا چاہئے اور اگر مرچکا ہو تو وہ کھانا حلال ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکاری کتے کو مالک نے خود پڑھ کر چھوڑا ہو۔ اگر ازخود شکار پر ٹوٹ پڑا اور شکار مار بھی لیا تو ایسا شکار بھی حلال نہیں ہوگا۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔ مگر ایک گروہ کی رائے یہ بھی ہے کہ کتے کا سدھایا ہوا ہونا شرط ہے۔ مقصد و ارادہ سے چھوڑنا شرط نہیں۔

اسی طرح اس حدیث سے شکار کی دوسری چیز نیزہ اور تیر سے شکار کرنا بھی ثابت ہے۔ تیر چھوڑتے وقت بھی اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بسم اللہ کہنا ایسے شکار کیلئے واجب ہے البتہ اگر بھول

جائے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ جائز ہے۔ یہ رائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور ایک روایت کی رو سے امام احمد رحمہ اللہ اور صحابہ کرام میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ اگر دیدہ و دانستہ اور عمداً چھوڑنے کی صورت میں بھی ایسے شکار کا کھانا حلال ہے اور ظاہریہ کی رائے تو یہ ہے کہ متروک التسمیہ شکار کا کھانا حرام ہے۔ اگرچہ بھول کر نہ پڑھا گیا ہو۔ قول راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا وہ ذبیحہ جس پر یقین ہو کہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا نہ کھایا جائے اور شک کی صورت میں اگر ذبح کرنے والا پکا مسلمان ہو تو بسم اللہ پڑھ کر کھالینا چاہئے اور جو پرندہ تیر کی ضرب کھا کر پانی میں جاگرے تو اسے نہ کھایا جائے اس لئے کہ اس کی موت واقع ہونے میں شک پیدا ہوگیا ہے کہ آیا وہ تیر لگنے سے مرا ہے یا پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے جاں بحق ہوا ہے۔ اس شک کی وجہ سے اسے نہ کھانا ہی قرین صواب ہے۔

راوی حدیث: ﴿عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ﴾ عدی بن حاتم طائی۔ قبیلہ "طے" سے ان کا تعلق تھا اور باپ کی طرح نہایت سخی تھے۔ ۷ھ میں شعبان کے مہینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد کی صورت میں حاضر ہوئے۔ جب عرب مرتد ہوئے تو یہ اپنی قوم سمیت اسلام کی حقانیت و صداقت پر ثابت قدم رہے۔ پہلا صدقہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو پہنچا وہ عدی اور اس کی قوم کا صدقہ تھا۔ فتح مدائن میں حاضر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائیوں میں ان کے ساتھ رہے۔ جنگ جمل کے موقع پر ان کی آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔ سخاوت اور جود و کرم میں ان کی مثالیں بڑی مشہور و معروف ہیں۔ ایک سو بیس برس تک زندہ رہے اور ۶۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۱۴۹) وَعَنْ عَدِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ: «إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ، وَإِذَا أَصَبْتَ بِعَرْضِهِ فَقُتِلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ، فَلاَ تَأْكُلْ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر پھل کے تیر کے شکار کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر دھار کی جانب سے تو مارے تو پھر کھا اور اگر چوڑائی کی طرف سے مارے اور جانور مرجائے تو ایسے جانور کو "موقوذ" (چوٹ سے مرنے والا جانور) کہتے ہیں۔ لہٰذا اسے نہ کھا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿المعراض﴾ میم پر کسرہ اور عین ساکن۔ یہ ایسے تیر کو کہتے ہیں جس کا پھل نہ ہو اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لکڑی ہوتی ہے جس کے دونوں اطراف پتلے اور درمیانی حصہ موٹا و مضبوط ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسی لاٹھی جس کے دونوں طرف لوہا ہوتا ہے۔ شکاری اسے شکار پر پھینکتا ہے۔ یہ آخری تعریف سیاق حدیث کے زیادہ مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ ﴿اذا اصبت بحدہ فکل﴾ جب تو اس کا شکار دھار کی طرف سے کرلے تو اسے کھالے اگر وہ جانور ذبح کرنے سے پہلے بھی جاں بحق ہوگیا کیونکہ

ایسا جانور پھر مذبوح کے حکم میں ہوتا ہے۔ ﴿ بعرضه ﴾ عرضه عین پر فتحہ اور "را" ساکن۔ جس کی ایک طرف لوہا لگا ہوا نہ ہو۔ ﴿ فانه وقیذ ﴾ وقیذ موقوذ کے معنی میں ہے وہ جانور جسے لاٹھی یا پتھر یا ایسی چیز جس سے لوہا لگا ہوا نہ ہو سے مارا جائے' وہ حرام ہے اس لئے کہ وہ درحقیقت ذبح نہیں کی گئی اور حکماً بھی اسے مذبوح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار میں یہ اصول ہے کہ اگر تو جانور کسی تیز چیز سے زخمی ہو کر خون بہہ جانے کی وجہ سے مرے تو اس کا کھانا جائز و حلال ہے اور اگر کسی چیز کی ضرب و چوٹ سے مرے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ قرآن و حدیث دونوں سے یہ ثابت ہے۔

(۱۱۵۰) وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ، رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ، فَغَابَ عَنْكَ، فَأَدْرَكْتَهُ: فَكُلْهُ، مَا لَمْ يُنْتِنْ». أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جب تو اپنے تیر سے شکار کرے اور وہ شکار تیری نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ بعد میں پھر تو اسے پا لے تو جب تک وہ بدبودار نہ ہو کھا لے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ مالم ینتن ﴾ باب افعال سے ہے یعنی جب تک اس میں بدبو پیدا نہ ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پرندے کا شکار کیا اور وہ زخم کھا کر ایسی جگہ جا گرا کہ شکاری کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ بعد ازاں پھر مل گیا۔ اگر وہ پانی میں مردہ حالت میں ملا ہو پھر تو حرام ہے اگر زندہ مل جائے تو اسے ذبح کر لیا جائے اور اگر خشکی پر مردہ حالت میں ملا ہو اور اس کے جسم پر تیر کے نشان کے علاوہ اور کوئی نشان نہ ہو تو وہ حلال ہے۔ مگر جب اس میں تعفن اور بدبو پیدا ہو جائے تو وہ قطعی حرام ہے۔

(۱۱۵۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: أَنَّ قَوْماً قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ قَوْماً يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمِ لاَ نَدْرِيْ أَذَكَرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ، أَمْ لاَ؟ فَقَالَ: «سَمُّوا اللَّهَ عَلَيْهِ أَنْتُمْ، وكُلُوهُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں جس کے متعلق ہمیں معلوم نہیں کہ وہ گوشت کس طرح کا ہوتا ہے آیا اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہوتا ہے یا نہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا "تم اس پر اللہ کا نام لو اور کھا لو۔" (بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کو مسلمان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہئے نیز یہ کہ جب تک حتمی اور یقینی طور پر کسی چیز کے بارے میں معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حرام ہے محض شبہات کی بنا پر اسے حرام قرار نہیں دیا جانا چاہئے بالخصوص جبکہ وہ چیز کسی مسلمان بھائی کے پاس ہو۔

(۱۱۵۲) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ **حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی** رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الخَذْفِ، وَقَالَ إِنَّهَا : «لاَ تَصِيدُ صَيْداً، وَلاَ تَنْكَأُ عَدُوًّا، وَلٰكِنَّهَا تكْسِرُ السِّنَّ، وَتَفْقَأُ العَيْنَ» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکریاں (سنگریزے) مارنے سے منع فرمایا اور فرمایا "کہ نہ ہی تو یہ شکار کر سکتا ہے اور نہ ہی دشمن کو بھگا کر دور کر سکتا ہے بلکہ یہ کسی کا دانت توڑے گا یا آنکھ پھوڑے گا۔" (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح : ﴿ الخذف ﴾ خاء پر فتحہ ذال ساکن۔ وہ کنکری یا سنگریزے کا پھینکنا ہے۔ درمیان اور شہادت والی انگلی سے یا انگوٹھے اور شہادت والی انگلی سے۔ ﴿ انھا ﴾ یعنی وہ سنگریزہ جو خذف سے سمجھا گیا ہے ﴿ لاتنکا ﴾ باب فتح سے ہے وہ زخمی نہیں کرتی ﴿ تفقا ﴾ یعنی وہ آنکھ کو نقصان دیتی اور اندھا کر دیتی ہے۔

حاصل کلام : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنکری لگنے سے جانور مرجائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ اس شغل کا فائدہ کم اور نقصان کا احتمال زیادہ ہے اس لئے "خذف" سے منع فرمایا گیا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی معلوم ہوا کہ غلیل سے مارا ہوا جانور و پرندہ بھی حلال نہیں کیونکہ وہ بھی خذف کی طرح چوٹ و ضرب سے مرتا ہے۔ اسی طرح بندوق کی گولی سے مارا ہوا پرندہ بھی جمہور کے نزدیک حلال نہیں۔ مگر علامہ الیمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس دور میں بندوق کی گولی کیل کی طرح جسم کو کاٹتی ہے اس لئے بندوق سے کیا ہوا شکار حلال ہے۔ (السبل)

(۱۱۵۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهما، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : «لَا تَتَّخِذُوا شَيْئاً فِيهِ الرُّوحُ غَرَضاً» . رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "کسی ذی روح چیز کو نشانہ بنا کر نہ مارو۔" (مسلم)

لغوی تشریح : ﴿ غرضا ﴾ غین اور "را" دونوں پر فتحہ۔ نشانہ بنا کر تیر مارنا۔

حاصل کلام : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو باندھ کر تیر وغیرہ مارنا حرام ہے کیونکہ اس سے اسے شدید تکلیف ہوتی ہے اور شریعت اسلامیہ جانور تک کو اذیت اور تکلیف دینے کے حق میں نہیں ہے۔

(۱۱۵٤) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً ذَبَحَتْ شَاةً بِحَجَرٍ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَمَرَ بِأَكْلِهَا . رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پتھر سے ایک بکری کو ذبح کر دیا۔ نبی ﷺ سے اس کے کھانے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے اسے کھانے کا حکم فرمایا۔ (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذبح چھری وغیرہ کے علاوہ بھی اور چیزوں سے ہو سکتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ پتھر نوکدار تھا جس سے خون بہہ گیا تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان عورت کا ذبیحہ حلال ہے اور اس کا کھانا بلا کراہت جائز ہے۔

(١١٥٥) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ، فَكُلْ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ، أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الحَبَشَةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ "جو چیز خون کو بہا دے اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تو اس جانور کو کھا لو۔ ذبح کرنے کا آلہ دانت اور ناخن نہیں کیونکہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ما انھر الدم﴾ جو چیز خون بہا دے، جاری کر دے اور چلا دے اور کلمہ "ما" عام ہے اس میں تلوار، چھری، تیز پتھر، لکڑی، شیشہ، سرکنڈا، بانس، ٹھکری، تانبے یا لوہے کی ساختہ چیزیں شامل ہیں۔ ﴿فمدی﴾ مدی کی جیم پر ضمہ اور کسرہ دونوں درست ہیں۔ مدیہ کی جمع ہے۔ چھری کو کہتے ہیں۔ ناخن کے ساتھ ذبح کرنے میں کفار سے تشبیہ ہے ناخن سے گلے کو گھونٹنے کے سوا اور کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جو ذبح کی صفت میں نہیں آتا۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث مطلق دانت اور ناخن سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ دانت و ناخن خواہ انسان کا ہو یا کسی اور جانور کا الگ اور جدا ہو یا جسم کے ساتھ لگا ہوا ہو خواہ لوہے سے بنایا ہو۔

(١١٥٦) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُقْتَلَ شَيْءٌ مِّنَ الدَّوَآبِّ صَبْراً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی جانور کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

حاصل کلام: باندھ کر قتل کرنے کا معنی یہ ہے کہ کسی جاندار کو زندہ باندھ کر اسے نشانہ لگا کر مارا جائے کہ وہ جاں بحق ہو جائے۔ جہاں تک باندھ کر ذبح کرنے کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے۔ وہ باندھ کر قتل کرنے کے ضمن میں نہیں آتا۔

(١١٥٧) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ عزوجل نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض قرار دیا ہے لہٰذا جب تم قتل کرو تو عمدہ و اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم کسی

فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

جانور کو ذبح کرنے لگو تو احسن طریقہ سے ذبح کرو اور تم میں سے ہر کسی کو چاہئے کہ اپنی چھری کو تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ یا مقتول کو آرام پہنچائے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ القتلة ﴾ قتلة اور ذبحة کا ایک ہی وزن ہے۔ قتلة کے قاف اور ذبحة کے ذال کے نیچے کسرہ ہے۔ یہ قتل اور ذبح کی ایک قسم ہے۔ ﴿ ولیحد ﴾ اس میں لام' امر کا ہے اور یحد احداد سے ہے جس کا معنی ہے تیز کرنا اور لوہے کی دھار کو باریک و رقیق کرنا۔ ﴿ شفرته ﴾ شین پر فتحہ اور "فا" ساکن چھری کے معنی میں۔ ﴿ لیرح ﴾ اراحة سے ماخوذ ہے۔ معنی ہے آرام پہنچانا سبل السلام میں ہے کہ یہ آرام چھری کو تیز کرنے' خون جلدی بہانے اور احسن طریقہ سے ذبح کرنے میں ہے۔

(۱۱۵۸) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ماں کے ذبح کرنے سے اس کا پیٹ کا بچہ ازخود ذبح ہو جاتا ہے۔" (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ذكاة الجنين ﴾ مبتداء ہونے کی بنا پر مرفوع واقع ہوا ہے اور اس کی خبر بعد میں آرہی ہے۔ ذبح اور "نحر" کی طرح ذکوۃ کا ایک ہی مطلب ہے اور جنین وہ بچہ جو ابھی تک ماں کے شکم میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ جنین جب ماں کے ذبح کئے جانے کے بعد بچہ مردہ برآمد ہوا ہو تو ایسے جنین کا کھانا حلال ہے اسے ازسرنو ذبح کی ضرورت نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ تمام اہل علم کی یہی رائے ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسے ازسرنو ذبح کیا جائے گا مگر یہ حدیث ان کے سراسر خلاف ہے۔

(۱۱۵۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «الْمُسْلِمُ يَكْفِيهِ اسْمُهُ، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يُسَمِّيَ حِينَ يَذْبَحُ فَلْيُسَمِّ ثُمَّ لِيَأْكُلْ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَفِيهِ رَاوٍ فِي حِفْظِهِ ضَعْفٌ، وَفِي إِسْنَادِهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ سِنَانٍ، وَهُوَ صَدُوقٌ ضَعِيفُ الْحِفْظِ، وَأَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، مَوْقُوفاً عَلَيْهِ. وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ أَبِيْ دَاوُدَ، فِي مَرَاسِيلِهِ: بِلَفْظِ: «ذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ حَلَالٌ، ذَكَرَ اسْمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "مسلم کیلئے اللہ تعالیٰ کا نام ہی کافی ہے۔ پس اگر ذبح کے وقت تکبیر ذبح بھول گیا ہو تو پھر بسم اللہ پڑھ کر کھا لے۔" دارقطنی اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کے حافظہ میں ضعف ہے اور اس کی سند میں محمد بن یزید بن سنان ہے وہ ہے تو صدوق مگر حافظہ اس کا بھی ضعیف و کمزور ہے اور عبدالرزاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے جو موقوف ہے) اس کے شواہد ابوداؤد کی مراسیل میں موجود ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ کہ "مسلم کا ذبیحہ حلال

اللهِ عَلَيْهَا أَمْ لَمْ يَذْكُرْ». وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ.

ہے۔ اس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو۔" (اس کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں)

حاصل کلام: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بھول کر تکبیر ذبح چھوٹ جائے تو جانور حلال ہے مگر یہ احادیث ان صحیح احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جن سے ذبیحہ پر تکبیر پڑھنا واجب ثابت ہے۔ البتہ یہ احادیث تکبیر کے وجوب کو کمزور کر دیتی ہے اور متروک التسمیہ کے نہ کھانے کو ورع و تقویٰ کے باب میں لے جاتی ہے۔ (السبل)

راوی حدیث: ﴿محمد بن یزید بن سنان﴾ یہ صاحب تمیمی بھی ہیں اور جزری رھاوی بھی۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ ابوحاتم نے کہا ہے کہ آدمی تو صالح تھا مگر پختہ نہیں تھا اور ابوداؤد نے کہا ہے وہ کچھ بھی نہیں تھا اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے وہ قوی نہیں تھا اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ ۲۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

٢ - بَابُ الأَضَاحِي

(احکام) قربانی کا بیان

(١١٦٠) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، وَيُسَمِّي، وَيُكَبِّرُ، وَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَىٰ صِفَاحِهِمَا. وَفِي لَفْظٍ: «ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ: «سَمِينَيْنِ». وَلأَبِي عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ: «ثَمِينَيْنِ» بِالْمُثَلَّثَةِ بَدَلَ السِّينِ. وَفِي لَفْظٍ لِّمُسْلِمٍ: «وَيَقُولُ بِسْمِ اللهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ».

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھے، چتکبرے، سینگوں والے قربانی کرتے تھے اور بسم اللہ پڑھتے اور تکبیر کہتے اور ان کے پہلوؤں پر اپنا پاؤں مبارک رکھتے تھے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ان دونوں کو اپنے دست مبارک سے ذبح کیا (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ وہ خوب موٹے تازے تھے اور ابوعوانہ کی صحیح میں "ثمینین" سین کی جگہ ثاء ہے۔ یعنی وہ قیمتی تھے اور مسلم کے الفاظ ہیں کہ آپؐ نے بسم اللہ، واللہ اکبر کہا۔

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ، يَطَأُ فِي سَوَادٍ، وَيَبْرُكُ فِي سَوَادٍ، وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ، لِيُضَحِّيَ بِهِ، فَقَالَ: اشْحَذِي الْمُدْيَةَ، ثُمَّ أَخَذَهَا

اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے حکم دیا کہ سینگوں والا مینڈھا ہو جس کے پاؤں کالے ہوں اور پیٹ کا حصہ بھی سیاہ ہو اور آنکھیں بھی سیاہ ہوں تاکہ آپؐ اس کی قربانی کریں۔ آپؐ نے فرمایا "عائشہ چھری تیز کرو۔" پھر

فَأَضْجَعَهُ، ثُمَّ ذَبَحَهُ، وَقَالَ: بِسْمِ اللهِ، اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحَّى بِهِ. آپؐ نے چھری کو پکڑا اور مینڈھے کو پچھاڑا۔ پھر اسے ذبح کیا اور فرمایا "اللہ کے نام سے۔ اے اللہ! محمدؐ اور آل محمدؐ اور امت محمدؐ (کی طرف) سے قبول فرما۔"

لغوی تشریح: ﴿باب الاضاحی﴾ اضاحی میں "حا" کے نیچے کسرہ اور "یا" مشدد ہے یہ ﴿اضحیۃ﴾ کی جمع ہے جس کے معنی قربانی کے ہیں۔ امام نووی نے کہا ہے کہ ﴿اضحیۃ﴾ میں چار لغات ہیں اور یہ اس ذبح شدہ جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کے روز ذبح کیا جاتا ہے۔ پہلی اور دوسری لغت کے اعتبار سے اضحۃ اور اضحیۃ کے ضمہ اور کسرہ سے پڑھا گیا ہے اور اس کی جمع اضاحی آتی ہے اور اضاحی میں "یا" پر تشدید بھی ہے اور تخفیف بھی اور تیسری لغت کے اعتبار سے ضحیۃ اور اس کی جمع ضحایا آتی ہے اور چوتھی لغت کے اعتبار سے اضحاۃ ہمزہ فتحہ کے ساتھ اور اس کی جمع ہے اضحیٰ ارطاۃ اور ارطیٰ کے وزن پر اور اسی وجہ سے اس دن کو یوم الاضحیٰ کہتے ہیں۔ ﴿بکبشین﴾ کبش بھیڑ کے نر کو کہتے ہیں۔ یعنی مینڈھا خواہ عمر کتنی ہی ہو۔ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دوندا ہو یعنی جس کے دو دانت نکل آئے ہوں اور ایک قول یہ ہے کہ چوگا یعنی جس کے چار دانت نکل چکے ہوں۔ ﴿املحین﴾ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے جسم پر سیاہ بال ہوں مگر سفید بال زیادہ ہوں۔ ﴿اقرنین﴾ دونوں کے دو خوبصورت اور مناسب سینگ ہوں۔ ﴿ویسمی ویکبر﴾ یعنی بسم اللہ واللہ اکبر کہتے۔ ﴿صفحاھما﴾ صاد کے نیچے کسرہ کا پہلو اور ایک قول ہے کہ "صفحۃ" کی جمع ہے اور چہرے کے عرض کو کہتے ہیں اور ایک قول کے مطابق گردن کے اردگرد کا حصہ ﴿سیمنین﴾ سین کے ساتھ سمانۃ سے ماخوذ ہے یعنی موٹے تازے تھے' کمزور نہیں تھے۔ ﴿ثمینین﴾ "ثا" کے ساتھ معنی قیمتی۔ قیمتی اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کو خوب موٹے تازے نہ ہوں۔ ﴿یطا﴾ چلتا ہو (پاؤں) ﴿فی سواد﴾ یعنی ٹانگیں سیاہ باقی سفید۔ ﴿یبرک فی سواد﴾ بروک سے ماخوذ ہے۔ سینے کا وہ حصہ جو زمین سے جا لگتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مینڈھے کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو۔ ﴿وینظر فی سواد﴾ آنکھوں کے اردگرد کا حصہ سیاہ ہو۔ ﴿اشحذی﴾ تیز کر کے لاؤ۔

حاصل کلام: اس حدیث سے حسب ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) رسول اللہ ﷺ نے قربانی مدینہ طیبہ میں بھی کی ہے۔ (۲) مینڈھا جو چت کبرا' موٹا تازہ اور قیمتی ہوتا اس کی قربانی آپؐ کو محبوب تھی۔ (۳) قربانی سے پہلے چھری خوب تیز کر لینی چاہئے۔ (۴) ذبح جانور کو پہلو کے بل لٹا کر کرنا چاہئے۔ (۵) ذبح سے پہلے مسنون دعا اور تکبیر پڑھنی چاہئے۔ (۶) اہل خانہ کی طرف سے ایک جانور قربانی کرنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔ (۷) قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنی چاہئے گو اس میں نیابت بھی جائز ہے۔

(۱۱۶۱) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ٱلْحَاكِمُ لٰكِنْ رَجَّحَ الأَئِمَّةُ غَيْرُهُ وَقْفَهُ.

ﷺ نے فرمایا "جس شخص میں قربانی کرنے کی طاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔" (اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور دوسرے ائمہ نے اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے بعض نے قربانی کے وجوب پر استدلال کیا ہے مگر یہ استدلال صحیح نہیں۔ اولاً تو یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف یعنی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ثانیاً یہ وجوب میں صریح نہیں یہ اسی طرح ہے جیسے حدیث میں ہے کہ جس نے لہسن کھایا ہو وہ ہماری مسجد میں نہ آئے۔ جمہور کے نزدیک یہ حکم صرف استحباب کی تاکید کیلئے ہے۔ اس کے علاوہ بھی جن دلائل سے قربانی کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے وہ صحیح اور صریح نہیں ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ قربانی سنت ہے بلکہ شعار اسلام سے ہے۔

(١١٦٢) وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: شَهِدْتُ الأَضْحَى مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ بِالنَّاسِ نَظَرَ إِلٰى غَنَمٍ قَدْ ذُبِحَتْ، فَقَالَ: «مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ شَاةً مَكَانَهَا، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ ذَبَحَ فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں عید قربان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا چکے تو دیکھا کہ ایک بکری ذبح کی ہوئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "جس کسی نے نماز سے پہلے ہی اسے ذبح کر دیا ہے وہ اس کی جگہ دوسری بکری ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا اسے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا چاہئے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا صحیح وقت نماز عید کے بعد ہے۔ اگر کسی نے نماز کی ادائیگی سے پہلے ہی جانور ذبح کر دیا تو اس کی قربانی نہیں ہوئی' اسے دوبارہ قربانی کرنی چاہئے۔ قربانی کا انتہائی وقت کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں ذوالحجہ کی ۱۲ تاریخ کی شام تک اس کا آخری وقت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ذوالحجہ کی ۱۳ تاریخ کی شام تک۔ داؤد ظاہری اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک منیٰ میں بارہ ذوالحجہ کی شام تک اور غیر منی میں یوم النحر کی شام تک صرف ایک روز اور ایک جماعت کی رائے یہ بھی ہے کہ ذوالحجہ کے آخری دن تک۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کو دلیل

کے اعتبار سے راجح قرار دیا ہے کہ ایام تشریق یعنی ۱۳ ذوالحجہ تک قربانی جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿ جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ ﴾ جندب بن عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ بجیلہ قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے بجلی کہلائے اور علقی بھی۔ اور علقی بجیلہ کی شاخ تھی۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ بسا اوقات اپنے دادا کی طرف منسوب کئے جاتے تھے۔ پہلے کوفہ میں تھے پھر بصرہ میں تشریف لے گئے۔ ۶۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۱۱۶۳) وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُما، قَالَ: قَامَ فِيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَرْبَعٌ لاَ تَجُوزُ فِي الضَّحَايَا: الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ضَلَعُهَا، وَالْكَبِيرَةُ الَّتِي لاَ تُنْقِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے تھے تو آپؐ نے فرمایا "چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں۔ یک چشم جانور جس کا یک چشم ہونا بالکل صاف طور پر معلوم ہو اور وہ بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو اور لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن نمایاں اور ظاہر ہو اور وہ جانور جو نہایت ہی بوڑھا ہوگیا ہو جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ العوراء ﴾ اس جانور کو کہتے ہیں جس کی آیک آنکھ کی بصارت جاتی رہی ہو۔ ﴿ البین ﴾ ظاہر اور واضح ﴿ عورھا ﴾ عین اور واؤ دونوں پر فتحہ جس کی دونوں آنکھوں میں سے ایک کی بینائی نہ ہو۔ ﴿ والمریضۃ البین مرضھا ﴾ بیمار ہو عموماً چارہ نہ کھاتی ہو اور اس کا مرض اس کے گوشت کے ناقص اور خراب ہونے کی وجہ سے واضح اور نمایاں ہو۔ ﴿ العرجاء ﴾ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے ایک پاؤں میں چوٹ آئی ہو اور اس وجہ سے چل پھر نہ سکتا ہو گویا لنگڑا ہو۔ ﴿ ضلعھا ﴾ ضاد اور لام پر فتحہ اور لام پر سکون بھی جائز ہے۔ معنی اس کا لنگڑا پن اس کا لنگڑا پن ظاہر ہو جس وجہ سے وہ جانور چل پھر نہ سکے یا چراگاہ میں دوسرے جانوروں کے ساتھ مل کر چرنے کیلئے نہ جا سکے۔ ﴿ التی لا تنقی ﴾ تنقی باب الافعال سے ہے یعنی لاغر اور کمزور ہونے کی بنا پر اس کی ہڈیوں میں مغ اور گودا نہ رہا ہو۔

حاصل کلام: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ بالا چاروں عیب والا جانور قربانی کے لائق نہیں۔ ان میں سے ایک عیب والا جانور بھی قربانی کیلئے جائز نہیں ہے اور اسی طرح کا دوسرا کوئی عیب یا جو اس سے بھی قبیح ہو۔ عیب کے واضح اور نمایاں ہونے کی قید اس چیز کی مقتضی ہے کہ قربانی کے جانوروں میں معمولی نوعیت کا کوئی نقص و عیب قابل گرفت نہیں۔ معاف ہے' قابل درگزر ہے۔

(۱۱۶۴) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نہ ذبح کرو مگر دو دانتا (دوندا) لیکن

ﷺ: «لاَ تَذْبَحُوا إِلاَّ مُسِنَّةً، إِلاَّ أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مشکل اور دشواری پیش آجائے تو عمدہ دنبہ جو چھ ماہ کا ہو ذبح کرو۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿مسنة﴾ میم پر ضمہ اور سین کے نیچے کسرہ اور نون مشدد۔ اس جانور کو کہتے ہیں جس نے اپنے دونوں سامنے کے نیچے والے دانت گرا دیئے ہوں اور ان کی جگہ دو چھوٹے دانت نکل چکے ہوں۔ ﴿ان یعسر﴾ قربان کرنا دشوار اور مشکل ہو جائے بایں طور کہ اس عمر کا جانور بآسانی دستیاب نہ ہو یا اتنا گراں ہو کہ قوت خرید اجازت نہ دیتی ہو۔ ﴿جذعة﴾ جیم اور ذال پر فتحہ۔ مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ یہ وہ جانور ہے جس کی چوپایوں میں معین عمر ہوتی ہے۔ بھیڑ کا جذعہ وہ ہے جس کی عمر سال کی ہو اور یہ جمہور اہل علم کا قول ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے کم عمر بھی ہوتی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اس کی عمر چھ ماہ ہو اور آٹھ ماہ بھی کہی گئی ہے اور دس ماہ بھی بیان کی گئی ہے اور وکیع سے منقول ہے کہ اس کی عمر چھ یا سات ماہ اور ابن الاعرابی سے منقول ہے کہ ابن شابین چھ سے لے کر سات ماہ کی عمر کو جذعہ قرار دیتے ہیں اور ابن هرمین آٹھ ماہ سے دس ماہ تک اور بکری کا جذعہ وہ ہے جو سال پورا کر کے دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور گائے جو تین سال مکمل کر چکی ہو اور اونٹ میں جو پانچویں برس میں داخل ہو چکا ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں صراحت ہے کہ بھیڑ کا جذعہ تب جائز ہے جب دو دانتا جانور میسر نہ ہو۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ بھیڑ کا جذعہ مطلق طور پر جائز ہے اور انہوں نے اس حدیث کو استحباب اور افضلیت پر محمول کیا ہے۔ لیکن اس صریح روایت کے الفاظ ان کے مخالف ہیں' صحیح یہی ہے کہ جانور دو دانتا ہو تو ذبح کرنا چاہئے اگر وہ دستیاب نہ ہو یا قوت خرید نہ ہو تو بھیڑ کا جذعہ جائز ہے اور "جذعہ" بھی ایک سال کا ہونا چاہئے۔ جیسا کہ اکثر ائمہ لغت نے کہا ہے۔

(١١٦٥) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ نَسْتَشْرِفَ العَيْنَ وَالأُذُنَ، وَلاَ نُضَحِّيَ بِعَوْرَآءَ، وَلاَ مُقَابَلَةٍ، وَلاَ مُدَابَرَةٍ، وَلاَ خَرْقَآءَ، وَلاَ شَرْقَآءَ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم قربانی والے جانور کی آنکھ' کان اچھی طرح دیکھ لیں۔ جو جانور یک چشم ہو یا اس کے کان کا سامنے والا یا پیچھے والا حصہ کٹ کر لٹک گیا ہو یا کان درمیان سے کٹا ہوا ہو یا دانت گر پڑے ہوں تو ایسے جانور قربانی نہ کئے جائیں۔ (اسے احمد اور چاروں نے نکالا ہے ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿نستشرف﴾ ہم گہری نظر سے دیکھ لیں۔ ﴿ولا مقابلة﴾ "با" پر فتحہ اور قاموس

میں ہے کہ یہ ایسی بکری ہے جس کے کان آگے سے کٹے ہوں اور لٹکے ہوئے ہوں۔ ﴿مدابرة﴾ "با" پر فتحہ یہ ایسی بکری جس کے کان پیچھے سے کٹے ہوں اور پیچھے سے لٹک رہے ہوں۔ ﴿خرقاء﴾ یہ ایسی بکری ہے جس کے کان میں گول سوراخ ہو اور خرق کے معنی سوراخ کے ہیں۔ ﴿شرقاء﴾ لمبائی میں جس کے کان کٹے ہوئے ہوں اور خرقاء کے بارے میں یہ بھی ہے کہ وہ جانور جس کے کان عرض میں کٹے ہوئے ہوں۔

(١١٦٦) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنِيْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَقُومَ عَلىٰ بُدْنِهِ، وَأَنْ أَقْسِمَ لُحُومَهَا وَجُلُودَهَا وَجِلاَلَهَا عَلَى الْمَسَاكِيْنَ، وَلاَ أُعْطِي فِي جِزَارَتِهَا شَيْئاً مِنْهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم ارشاد فرمایا کہ میں قربانی کے اونٹوں کی نگرانی و حفاظت کروں۔ یہ حکم دیا کہ میں ان کا گوشت اور چمڑا اور جھول کو مساکین و غرباء پر تقسیم کر دوں اور قصاب کو اس سے کچھ بھی نہ دوں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿على بدنة﴾ بدن "با" پر ضمہ اور دال ساکن۔ بدنۃ کی جمع۔ اصل میں تو اونٹ کو کہتے ہیں اور گائے کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ ﴿جلالها﴾ جل کی جمع ہے۔ جیم پر ضمہ اور لام پر تشدید۔ سردی وغیرہ سے بچنے کیلئے جو کپڑا جانور پر ڈالا جائے اسے "جل" کہتے ہیں۔ ﴿جزارتها﴾ جیم پر ضمہ اس اجرت و معاوضہ کو کہتے ہیں جو قصاب ذبح کے بدلہ میں وصول کرتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں قربانی کے جن اونٹوں کا ذکر ہے حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے وہ اونٹ تھے جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے ان کی تعداد ایک سو تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت، اس کا چمڑا اور اس سے متعلق سامان پالان، رسی وغیرہ سب کچھ خیرات کر دینا چاہئے اور قصاب کو اجرت تک اس گوشت میں سے نہیں دی جا سکتی۔ اجرت و معاوضہ الگ سے دینا چاہئے۔

(١١٦٧) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ: نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ اَلْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اونٹ اور گائے کو سات سات آدمیوں کی جانب سے نحر کیا۔ (مسلم)

حاصل کلام: سات افراد کی طرف سے اونٹ یا گائے ذبح کرنے کا یہ ضابطہ و اصول ھدی کے جانوروں کیلئے ہے جبکہ قربانی میں اونٹ دس افراد کی طرف سے بھی جائز ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما

سے روایت ہے کہ ہم سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ قربانی کا وقت آگیا تو ہم گائے میں سات آدمی شریک ہوئے اور اونٹ میں دس آدمی۔ یہ روایت نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

٣ - بَابُ الْعَقِيقَةِ

عقیقہ کا بیان

(١١٦٨) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشاً كَبْشاً . رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَعَبْدُ الْحَقِّ، لٰكِنْ رَجَّحَ أَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ، وَأَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ نَحْوَهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک مینڈھے سے عقیقہ کیا۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے' ابن خزیمہ' ابن جارود اور عبدالحق نے اسے صحیح کہا ہے لیکن ابوحاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔ نیز ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے اسی طرح روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ باب العقیقة ﴾ عقیقة کے عین پر فتحہ۔ اس ذبیحہ کو کہتے ہیں جو نومولود کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل میں عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو شکم مادر میں نومولود کے سر پر نکلتے ہیں۔ اس حالت میں نومولود کی طرف سے جو بکری ذبح کی جاتی ہے اسے عقیقہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس بال کو نومولود کے سر سے ذبح کے وقت مونڈ دیا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عقیقہ "عق" سے ماخوذ ہیں اور عق کے معنی پھاڑنے اور کاٹنے کے ہیں۔ نومولود کی طرف سے ذبح کی جانے والی بکری کو عقیقہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے اعضاء کو ٹکڑے کر دیا جاتا ہے اور پیٹ کو چیر پھاڑ دیا جاتا ہے۔ ﴿ عق ﴾ کا معنی ہے ذبح کیا۔ ﴿ کبشا کبشا ﴾ ان دونوں میں سے ہر ایک کی جانب سے ایک ایک مینڈھا۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ لڑکے کی جانب سے ایک ہی جانور پر اکتفاء جائز ہے اور تعداد اس میں شرط کے طور پر نہیں بلکہ مستحب ہے۔

راوی حدیث: ﴿ حسین رضی اللہ عنہ ﴾ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مختصر تذکرہ کتاب الصلوٰۃ کے باب صفۃ الصلوٰۃ کے تحت ہو چکا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ' حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اور ان سے تقریباً ایک سال چھوٹے تھے۔ دونوں رسول اللہ ﷺ کے نواسے تھے اور آپؐ کی خوشبو تھے۔ ۶۱ھ عاشورہ کے دن سرزمین عراق کے میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۴ سال تھی۔ تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں۔

(١١٦٩) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَهُمْ أَنْ يُعَقَّ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ایک جیسی اور لڑکی کی طرف سے ایک

مُكَافِئَتَانِ ، وَعَنِ الجَارِيَةِ شَاةٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ عَنْ أُمِّ كُرْزٍ الْكَعْبِيَّةِ نَحْوَهُ.

بکری عقیقہ کریں۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے' احمد اور چاروں نے ام کرز کعبیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ان یعق ﴾ صیغۂ مجہول ﴿ مکافئتان ﴾ "فا" کے نیچے کسرہ۔ یہ بھی قول ہے کہ ایک جیسی ہوں۔ ایک دوسری کی تقریباً ہم عمر ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسی ہوں جیسی قربانی اور زکوٰۃ میں دی جاتی ہیں اور یہ بھی قول ہے کہ دونوں ایک دوسری کی مثل ہوں۔

حاصل کلام: یہ جمہور کے نزدیک مستحب ہے البتہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنی چاہیئے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ دونوں میں فرق کے قائل نہیں مگر یہ حدیث ان کے خلاف ہے اور مطلقاً ﴿ شاۃ ﴾ کے لفظ سے یہ کہا گیا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط نہیں ہیں لیکن اس کیلئے مساوی اور متقارب کی قید اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ اس میں کھلا ہوا نقص اور عیب نہ ہو۔ لہٰذا قربانی کے جانور میں شارع نے جن نقائص و عیوب سے بچنے اور پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ان کا لحاظ رکھا جائے۔ اس جانور کا مسنہ ہونا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں البتہ لفظ ﴿ شاۃ ﴾ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ بکری کا بچہ نہ ہو بلکہ بڑی عمر کا ہو جسے شاۃ (بکری) کہا جاتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا ﴾ خزاعہ قبیلہ سے تھیں اس لیے خزاعیہ کہلائیں۔ شرف صحابیت سے مشرف تھیں۔ ان سے کئی احادیث منقول ہیں۔ کرز کے کاف پر ضمہ اور "راء" ساکن ہے۔

(۱۱۷۰) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «كُلُّ غُلَامٍ مُرْتَهِنٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَيُحْلَقُ وَيُسَمَّى». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض رہن (گروی) ہوتا ہے۔ پیدائش کے ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے۔ سر کے بال منڈائے جائیں اور اس کا نام رکھا جائے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ مرتھن ﴾ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ رہن رکھا ہوا۔ خطابی کا قول ہے کہ ﴿ مرتھن ﴾ کے مفہوم میں اختلاف ہے اور سب سے عمدہ بات وہ ہے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ یہ شفاعت کے متعلق ہے۔ یعنی جب بچہ کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچہ فوت ہو جائے تو وہ اپنے والدین کے حق میں سفارش نہیں کرے گا اور یہ بھی قول ہے کہ عقیقہ ناگزیر اور لازمی ہے اس کے کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور بچے کو رھن سے تشبیہہ دی گئی ہے جس طرح رھن مرتھن کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے' اسی طرح بچے کی طرف سے عقیقہ بھی ضروری ہے۔ توجیہہ سے ان حضرات

کی تائید ہوتی ہے جو عقیقہ کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے بالوں کی گندگی و ناپاکی میں مرھون ہے۔ اس لئے حدیث میں ہے کہ اس سے گندگی کو دور کرو۔ ﴿ یوم سابعة ﴾ یعنی ساتویں روز عقیقہ کرو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر ساتواں روز گزر جائے تو پھر چودھویں روز وہ بھی گزر جائے تو پھر اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے۔ اس بارے میں ایک حدیث بھی مروی ہے مگر وہ ضعیف ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز بچے کے سر کی پیدائشی آلائش صاف کر کے یعنی اس کے سر کے بال اتروا کر بچے کو نہلایا جائے۔ اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام بھی رکھا جائے

۱۳۔ كِتَابُ الأَيْمَانِ وَالنُّذُوْرِ

قسموں اور نذروں کے مسائل

(۱۱۷۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ فِي رَكْبٍ، وَعُمَرُ يَحْلِفُ بِأَبِيْهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَلَا! إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفاً فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک کارواں میں اپنے باپ کی قسم اٹھاتے سنا تو نبی ﷺ نے انہیں بلا کر فرمایا "اللہ نے تمہیں تمہارے آباء و اجداد کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔ پس اب جو قسم کھانا چاہے تو اسے اللہ کے نام کی قسم کھانی چاہئے ورنہ خاموش رہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿کتاب الایمان﴾ ہمزہ پر فتحہ۔ یمین کی جمع ہے۔ لغت میں ہاتھ کو کہتے ہیں اور حلف (قسم) پر اس کا اطلاق اسی لئے کیا گیا ہے کہ جو لوگ قسم کھاتے تھے تو ہر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا اور شرعاً کسی شے کو پختہ اور مؤکد کرنے کے لئے اللہ کا ذاتی نام یا صفاتی لے کر قسم کھانا اور ﴿النذور﴾۔ نذر کی جمع ہے اور اس کا اصل تو "انذار" ہے جس کے معنی ڈرانے کے ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ انذار کے معنی کسی حادثہ کی وجہ سے غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کے ہیں۔ ﴿فی رکب﴾ "را" پر فتحہ اور کاف ساکن۔ راکب کی جمع۔ مطلب ہے کہ ایک قافلہ و کارواں میں تھے اور وہ کارواں کسی غزوہ میں جا رہا تھا۔ ﴿فلیحلف باللہ﴾ اللہ کے نام و صفات کی قسم کھانی چاہئے۔ ﴿اولیصمت﴾ یا پھر خاموش رہے۔ صمت نصر ینصر کے وزن پر ہے۔ لام اس میں امر کا ہے۔ ﴿ولا بالانداد﴾ انداد سے یہاں بت مراد ہیں۔ انداد ند کی جمع۔ ند کے نون کے نیچے کسرہ اور دال مشدد' مثل کے معنی میں۔ صنم کو ند کہا گیا ہے اس لئے کہ مشرکین نے اسے اللہ کے ساتھ مستحق عبادت بنا لیا تھا۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا حرام ہے۔ ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔" ابوداؤد اور احمد نے

بایں الفاظ روایت نقل کی ہے کہ ”جس کسی نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا اور یہ اس بنا پر ہے کہ کسی چیز کی قسم کھانا اس کی عظمت کا مقتضی ہوتا ہے اور عظمت فی الحقیقت صرف اللہ ہی کیلئے ہے۔“ قدیم ترین زمانے سے لوگوں کا یہ اعتقاد و نظریہ چلا آرہا ہے کہ جس کے نام کی قسم کھائی جائے اس کا قسم کھانے والے پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے اور وہ مافوق الاسباب بھی نفع و نقصان دینے کی قدرت و طاقت رکھتا ہے۔ پس جب قسم کھانے والا اپنی قسم پوری کرتا ہے تو جس کی قسم کھائی گئی ہوتی ہے وہ خوش ہوتا ہے اور اسے نفع دیتا ہے اور فائدہ پہنچاتا ہے اور جب قسم اٹھانے والا اپنی قسم پوری نہیں کرتا تو وہ اس پر ناراض ہوتا ہے اور اسے نقصان اور ضرر پہنچاتا ہے۔ لاریب ایسا اعتقاد غیر اللہ کے بارے میں رکھنا کھلا شرک و کفر ہے اور غیر اللہ کے نام کی قسم اور غیر اللہ کے نام کی نذر شرک کا باعث ہے۔ پس جب کوئی اس اعتقاد کے ساتھ قسم کھائے تو اس نے حقیقت میں شرک کا ارتکاب کیا اور جب قسم کھائے اور یہ اعتقاد و نظریہ نہ ہو تو پھر اس نے شرک کے اسباب میں سے ایک سبب کا ارتکاب کیا۔ شریعت نے اسباب شرک سے بھی اسی طرح منع کیا ہے جیسے شرک سے منع فرمایا ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ لأَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مَرْفُوعاً: «لاَ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ، وَلاَ بِأُمَّهَاتِكُمْ، وَلاَ بِالأَنْدَادِ، وَلاَ تَحْلِفُوا بِاللهِ إِلاَّ وَأَنْتُمْ صَادِقُونَ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد اور نسائی کی ایک مرفوع روایت میں ہے: ”اپنے باپ دادوں، اپنی ماؤں اور اللہ کے شریکوں کی قسم نہ کھاؤ۔ اللہ کی قسم بھی صرف اس حالت میں کھاؤ کہ جب تم سچے ہو۔“

(۱۱۷۲) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَمِينُكَ عَلَى مَا يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ». وَفِيْ رِوَايَةٍ: «اَلْيَمِيْنُ عَلَىٰ نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ». أَخرَجَهُمَا مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تیری قسم اس پر واقع ہوتی ہے کہ تمہارا ساتھی تجھ کو سچا سمجھے“ اور ایک روایت میں ہے ”قسم کا دارومدار قسم لینے والے کی نیت پر ہے۔“ (ان دونوں احادیث کی روایت مسلم نے کی ہے)

لغوی تشریح: ﴿يصدقك﴾ تصدیق سے ماخوذ ہے۔ ﴿صاحبك﴾ سے یہاں مدمقابل ساتھی مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ اس پر واقع ہونے والا ہے اور توریہ اس میں اثر انداز نہیں ہوگا۔ پھر اگر قسم کھانے والا اپنے دل میں قسم لینے والے کی نیت کے خلاف نیت و ارادہ رکھے تو وہ اپنی قسم توڑنے سے نجات و چھٹکارا نہیں پائے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم کھانا جائز ہے اور قسم کا اعتبار تب ہوگا جب مدعی کی مراد کے مطابق قسم کھائی جائے۔

(۱۱۷۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے کہ رسول

سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْراً مِنْهَا، فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: «فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ». وَفِي رِوَايَةٍ لأَبِي دَاوُدَ: «فَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ. ثُمَّ ائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ». وَإِسْنَادُهَا صَحِيْحٌ.

اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم کسی کام پر قسم کھاؤ اور اس کام کے خلاف کو بہتر دیکھو تو قسم کا کفارہ ادا کر دو اور جو بہتر ہے وہ کر لو۔" (بخاری و مسلم) اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ "جو کام بہتر ہے اسے کرو اور قسم کا کفارہ ادا کرو۔" اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح ہے کہ "اپنی قسم کا کفارہ دے کر وہ کام کرو جو بہتر ہے۔" (دونوں احادیث کی سند صحیح ہے)

لغوی تشریح: ﴿کفر﴾ تکفیر سے امر کا صیغہ ہے۔ مطلب ہے کہ اس کا کفارہ ادا کر۔ ﴿وات﴾ اتیان سے امر کا صیغہ ہے یعنی کرو۔ حدیث کے الفاظ مجموعی طور پر قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ کی ادائیگی پہلے بھی اسی طرح جائز بتاتے ہیں جس طرح اس کے بعد جائز بتاتے ہیں۔ جمہور کا یہی مسلک ہے مگر حنفیہ کے نزدیک قسم توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کرنا کسی حالت میں درست نہیں ہے۔ مگر ابوداؤد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ جس میں کفارہ کے بعد "ثم" کے لفظ سے امر خیر کا حکم ہے اور "ثم" کا لفظ ترتیب کا مقتضی ہے۔

راوی حدیث: ﴿عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ﴾ ان کی کنیت ابوسعید ہے۔ شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ سجستان اور کابل کے فاتح ہیں۔ بصرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ۵۰ھ یا بعد میں وفات پائی۔

(۱۱۷۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ، فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، فَلاَ حِنْثَ عَلَيْهِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کسی کام پر قسم کھائے اور ساتھ ہی انشاء اللہ کہے تو اس قسم کو توڑنے کا کفارہ نہیں ہے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے قسم کھانے والا ساتھ ہی اگر انشاء اللہ کہہ دے تو ایسی قسم توڑنے پر کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ قسم کو جب مشیت الٰہی سے مقید کر دیا جائے تو بالاتفاق وہ قسم منعقد نہیں ہوتی لہٰذا جب منعقد نہ ہوئی تو پھر اس کے توڑنے کے کفارہ کا کیا سوال۔

(۱۱۷۵) وَعَنْهُ، قَالَ: كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا، وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی قسم کے الفاظ یہ ہوتے تھے "نہیں، قسم ہے دلوں کے بدلنے والے کی۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿لا﴾ پہلی بات اور گفتگو کی نفی اور تردید کیلئے ہے۔ ﴿ومقلب القلوب﴾ یہاں "واؤ" قسمیہ ہے اور مقلب اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مراد ہیں اور تقلیب قلوب سے مراد ہے دل کا ایک رائے سے دوسری رائے کی جانب پھرنا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے قسم کھانے کا انداز و طریقہ بیان ہوا ہے کہ آپؐ پہلے جو گفتگو یا بات ہو رہی ہوتی تھی اگر درست نہ ہوتی تو پہلے لفظ ﴿لا﴾ سے اس کی تردید اور نفی فرماتے پھر اللہ کے صفاتی نام سے قسم کھاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتی سے بھی قسم کھانی جائز ہے۔ خواہ اس صفت کا تعلق آپ کی ذات سے ہو جیسے علم اور قدرت خواہ صفت فعلی سے ہو جیسا کہ قہر اور غلبہ وغیرہ۔

(۱۱۷۶) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ: جَآءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الكَبَآئِرُ؟ - فَذَكَرَ الحَدِيْثَ، وَفِيْهِ - «اليَمِيْنُ الغَمُوسُ» - وَفِيْهِ - قُلْتُ: وَمَا اليَمِيْنُ الغَمُوسُ؟ قَالَ: «الَّتِي يُقْتَطَعُ بِهَا مَالُ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ، هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ». أَخْرَجَهُ البُخَارِيُّ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور آپؐ سے پوچھا کہ کبیرہ گناہ کونسے ہیں؟ پھر اس نے ساری حدیث بیان کی۔ اس حدیث میں جھوٹی قسم کا ذکر بھی تھا۔ میں نے عرض کیا جھوٹی قسم کونسی ہے؟ آپؐ نے فرمایا "جھوٹی قسم یہ ہے کہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال اڑا لیا جائے حالانکہ وہ اس میں سراسر جھوٹا ہو۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ما الکبائر﴾ کبائر کبیرہ کی جمع ہے۔ یعنی بڑے بڑے گناہ اور ذنوب۔ ﴿الیمین الغموس﴾ جھوٹی قسم۔ ﴿غموس﴾ کے غین پر فتحہ فعول کے وزن پر اور غمس سے ماخوذ ہے۔ غمس' کے معنی ہیں پانی میں غوطہ کھانا' ڈوب جانا' اس کا نام غموس اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا انسان گناہ میں غرق ہو کر انجام کار دوزخ کی آگ کا ایندھن بن جاتا ہے۔

(۱۱۷۷) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ' انہوں نے ارشاد اللہ تعالیٰ کے "اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری لغو قسموں کا مؤاخذہ نہیں کرتا" کی تفسیر میں فرمایا' اس

قَالَتْ: هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ: لاَ، وَاللهِ، وَبَلَى، وَاللهِ، أَخْرَجَهُ البُخَارِيُّ، وَأَوْرَدَهُ أَبُو دَاوُدَ مَرْفُوعاً.

سے مراد انسان کا یہ کہنا ہے لا، واللہ (نہیں، بخدا) اور وبلی، واللہ ہاں اللہ کی قسم۔ (اس کی تخریج بخاری نے کی ہے اور ابوداؤد نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اللغو ﴾ ایسی بے فائدہ و بے ثمرہ بات جس کا کوئی اعتبار نہ ہو اور قسم میں لغو یہ ہے کہ آدمی دلی ارادے کی پختگی کے بغیر ہی قسم کھائے بلکہ زبان پر یونہی جاری ہو جائے۔ جسے ہم تکیہ کلام کہتے ہیں کہ بات بات پر قسم کھا جانا۔

(١١٧٨) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْماً مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الجَنَّةَ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَسَاقَ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ ٱلأَسْمَآءَ، وَالتَّحْقِيقُ أَنَّ سَرْدَهَا إِدْرَاجٌ مِنْ بَعْضِ الرُّوَاةِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو (ننانویں) نام ہیں۔ جس نے ان کو ضبط رکھا وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (بخاری و مسلم) ترمذی اور ابن حبان نے وہ نام بھی بیان کئے ہیں اور تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ اصل حدیث میں اسماء کی تفصیل نہیں ہے بلکہ کسی راوی نے اپنی طرف سے ان کو درج کر دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ من احصاها ﴾ اور ایک روایت میں ﴿ من حفظها ﴾ ہے اور یہ حفظ دراصل احصی کی تفسیر ہے اور یہ بھی قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے ان اسماء کو پوری طرح ذہن و حافظہ میں محفوظ کر لیا اور ان تمام اسماء سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی تو جو ثواب ان کے پڑھنے کے بدلہ میں دینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا وہ اس آدمی کیلئے واجب ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے جس کسی نے اس کے مقتضاء کے مطابق عمل کیا۔ اس باب میں اس حدیث کو لانے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ جس کسی نے ان اسماء کے ساتھ قسم کھائی تو وہ قسم منعقد ہو جائے گی۔

(١١٧٩) وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ، فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللَّهُ خَيْراً، فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی سے نیکی اور اچھا برتاؤ کیا جائے اور وہ اس کرنے والے سے کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے تو اس نے اس کا پورا حق شکریہ ادا کر دیا۔" (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ صنع ﴾ صیغۂ مجہول۔ ﴿ معروف ﴾ احسان' عمدہ سلوک اور بھلائی و نیکی۔ ﴿ ابلغ فی الثناء ﴾ یعنی اس نے اس کی تعریف کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ سبل السلام میں ہے کہ اس حدیث کا اس باب میں ذکر کرنا (یعنی باب الایمان والنذور میں) غیر متعلق اور غیر موافق ہے۔ دراصل اس کے بیان کرنے کی اصل جگہ اور مقام باب الادب الجامع ہے۔

(١١٨٠) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ نَهى عَنِ النَّذْرِ، وَقَالَ: «إِنَّهُ لاَ يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّما يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا کہ "نذر سے کوئی خیر و بھلائی حاصل نہیں ہوتی صرف بخیلی و کنجوسی کا مال اس طریقہ سے نکال لیا جاتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام : نذر سے منع کرنا دراصل افضل کی طرف راہنمائی کرنا ہے اور صدقہ و خیرات وغیرہ کا مطلوب کے حصول سے معلق کرنا کسی صاحب عظمت و مروت کے شان کے شایان نہیں ہے۔ یہ عمل تو ایسا بخیل آدمی کرتا ہے جو کبھی خرچ نہیں کرتا۔ اگر کرتا ہے تو اس کے عوض افضل چیز کی خواہش کرتا ہے اور یہ ایسا شخص کرتا ہے جس کا دل صدقہ و خیرات کرنا نہیں چاہتا۔ الاّ یہ کہ جب اس کا ناطقہ بند اور حالات تنگ ہو جاتے ہیں تو حالات کی درستگی کیلئے صدقہ و خیرات کی نذر مانتا ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تب صدقہ کرتا ہے ورنہ خیرات نہیں کرتا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ نے مجھے میرے مرض سے شفا بخش دی یا میرے مریض کو صحت و تندرستی سے نواز دیا تو میں اتنا مال راہ خدا میں خرچ کروں گا۔ اتنا مال خرچ کرنا میرے ذمہ ضروری و لازمی ہے اور وہ مال تب خرچ نہیں کرتا جب اسے اس مرض سے صحت و تندرستی مل جاتی ہے۔ اگرچہ کرتے وقت بھی دل کی گھٹن موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا نذر سے منع اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں ایسا کمینہ پن ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں نذر ماننے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسے نذر ماننے کی صورت میں وہ چیز حاصل ہو جائے گی جسے اللہ تعالیٰ نے مقدر نہیں فرمایا لیکن اگر اس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو نذر ماننے کی اجازت ہے۔

(١١٨١) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ فِيهِ: «إِذَا لَمْ يُسَمِّهِ». وَصَحَّحَهُ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نذر کا کفارہ قسم توڑنے کا کفارہ ہی ہے۔" (مسلم) ترمذی نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ "جب اس کا نام نہ لے" (اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے)

وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعاً: «مَنْ نَذَرَ نَذْراً لَمْ

اور ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت میں ہے کہ "جس کسی نے کوئی نذر مانی اور اس کا

يُسَمِّهِ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ، وَمَنْ نَذَرَ نَذْراً فِي مَعْصِيَةٍ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ، وَمَنْ نَذَرَ نَذْراً لاَ يُطِيْقُهُ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ». وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ إِلاَّ أَنَّ الحُفَّاظَ رَجَّحُوا وَقْفَهُ.

نام نہیں لیا تو اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے اور جس نے معصیت کی نذر مانی ہو تو اس کا کفارہ بھی کفارۂ قسم ہی ہے اور جس نے ایسی نذر مانی جس کی طاقت وہ نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہی ہے۔" (اس کی سند صحیح ہے مگر حفاظ حدیث نے اس روایت کے موقوف ہونے کو راجح بتایا ہے)

وَلِلْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: «وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ فَلاَ يَعْصِهِ».

اور بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "جس نے اللہ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانی تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔"

وَلِمُسْلِمٍ مِنْ حَدِيْثِ عِمْرَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةٍ».

اور مسلم میں عمران سے مروی ہے کہ "گناہ و معصیت کی نذر کو پورا نہ کرنا چاہئے۔"

لغوی تشریح: ﴿کفارۃ یمین﴾ یعنی قسم کا کفارہ، قسم کا کفارہ ارشاد الٰہی کے مطابق دس مساکین کو اوسط درجہ کا جو خود کھاتے ہیں وہ کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا غلام آزاد کرنا۔ پس جو شخص یہ نہ پائے تو اسے تین روزے رکھنے ہوں گے۔ یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ جب تم قسم اٹھاؤ۔ (۵ - ۸۹) ﴿اذا لم یسمه﴾ یعنی جب نذر ماننے والا نہ تو نذر کا نام لے اور نہ اسے معین کرے بلکہ مطلقاً نذر مانے بایں قول کہ میں نے کوئی نذر مانی یا یوں کہے کہ مجھ پر نذر لازم ہے اور اس نذر کا تعین نہ کرے کہ وہ روزہ ہے یا کوئی اور عمل ہے۔ یہ حدیث معصیت کی نذر میں کفارہ کے واجب ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق بن راھویہ رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے مگر جمہور علماء نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے اور اس باب میں مذکورہ احادیث کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ ضعیف ہیں مگر شارح ترمذی نے تحفۃ الاحوذی (ج ۲، ص: ۳۶۷) میں کہا ہے کہ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں۔ ان سے حجت پکڑ جا سکتی ہے۔

(۱۱۸۲) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَذَرَتْ أُخْتِي أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللهِ حَافِيَةً، فَأَمَرَتْنِي أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَاسْتَفْتَيْتُهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری بہن نے بیت اللہ تک ننگے پاؤں چل کر جانے کی نذر مانی اور اس نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کے لیے (اس معاملہ میں) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروں چنانچہ میں نے آپؐ سے فتویٰ طلب کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا "پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو لے۔" (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

وَلِأَحْمَدَ وَالأَرْبَعَةِ، فَقَالَ: «إِنَّ اللَّهَ لاَ يَصْنَعُ بِشَقَآءِ أُخْتِكَ شَيْئاً، مُرْهَا فَلْتَخْتَمِرْ، وَلْتَرْكَبْ، وَلْتَصُمْ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ».

مسند احمد اور چاروں میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ تیری بہن کو تکلیف و مشقت میں مبتلا کر کے کیا کرے گا۔ اسے حکم دو کہ چادر اوڑھ لے اور سوار ہو جائے اور تین دن کے روزے رکھ لے۔“

لغوی تشریح: ﴿حافية﴾ یعنی ننگے پاؤں۔ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اس نے یہ بھی نذر میں کہا کہ وہ اوڑھنی نہیں لے گی۔ اوڑھنی سے عورت اپنا سر ڈھانپتی ہے۔ ﴿بشقاء اختك﴾ شقاء کے شین پر فتحہ' تکان اور مشقت و تکلیف دے کر ﴿فلتختمر﴾ دوپٹہ اوڑھ لے۔ اس لئے کہ عورت کا سر بھی پردہ ہے اور اس کا کھولنا معصیت ہے اور معصیت کی نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ ﴿ولتصم ثلاثة ايام﴾ اور تین دن کے روزے رکھ لے۔ معصیت کی نذر میں کفارہ کے وجوب کے جملہ دلائل میں سے یہ بھی ایک دلیل ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے اگر کسی نے بیت اللہ شریف کی طرف پیدل یا ننگے پاؤں چل کر جانے کی نذر مانی ہو تو ایسی نذر کا پورا کرنا ضروری اور لازمی نہیں۔ خواہ چل کر جانے سے عاجز بھی نہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔

(١١٨٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: اسْتَفْتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَىٰ أُمِّهِ، تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ، فَقَالَ: «اقْضِهِ عَنْهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس نذر کے متعلق پوچھا جو اس کی والدہ پر تھی اور وہ اسے پوری کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا ”تو اس کی طرف سے پوری کر دے۔“ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حقوق واجبہ مالیہ کو پورا کرنا میت کے وارثوں کے ذمہ واجب ہے اور اس کیلئے میت کی طرف سے اسے پورا کرنے کی وصیت ضروری نہیں' ورثاء کو ازخود ہی اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے۔ ورثاء میں اولاد بالخصوص اسے پورا کرنے کی زیادہ ذمہ دار ہے۔

راوی حدیث: ﴿سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ﴾ قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ تمام غزوات میں انصار کا علم ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ سخی سردار تھے۔ عربی لکھنا جانتے تھے۔ پیراکی اور تیر اندازی کے ماہر تھے۔ اسی لئے ان کو کامل (یعنی ہر فن مولا) کہتے تھے۔ کثرت سے صدقہ و خیرات کرنے والے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کئے بغیر مدینہ سے نکل گئے تھے۔ ان کو جن نے دمشق کے مضافات حوران میں ۱۴ھ یا ۱۵ھ یا ۱۶ھ میں قتل کر دیا گیا تھا۔

(١١٨٤) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: نَذَرَ رَجُلٌ عَلىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ، فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: «هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ يُعْبَدُ»؟ قَالَ: لاَ. قَالَ: «فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ»؟ فَقَالَ: لاَ. فَقَالَ: «أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، وَلاَ فِي قَطِيعَةِ رَحِمٍ، وَلاَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالطَّبَرَانِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَهُوَ صَحِيحُ آلإِسْنَادِ. وَلَهُ شَاهِدٌ مِّنْ حَدِيثِ كَرْدَمٍ عِنْدَ أَحْمَدَ.

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی نے بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق پوچھا۔ تو آپؐ نے دریافت فرمایا "کیا اس جگہ بت تھا کہ جسے پوجا جاتا رہا ہو؟" اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے پوچھا "کیا وہاں ان کا کوئی میلہ تو نہیں لگتا تھا؟" اس آدمی نے کہا نہیں۔ تو پھر آپؐ نے فرمایا "اپنی نذر پوری کر۔ وہ نذر پوری نہیں کرنی چاہئے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو یا قطع رحمی ہو اور جس کا پورا کرنا اس آدم کے بیٹے کے بس میں نہ ہو۔" (ابوداؤد' طبرانی اور یہ الفاظ طبرانی کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے اور مسند احمد میں کردم کی حدیث اس کی شاہد ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ببوانۃ ﴾ پہلی "با" حرف جار ہے اور بوانۃ کی "با" پر ضمہ ہے اور فتحہ بھی کہا گیا ہے اور واؤ پر تخفیف۔ بوانہ شام اور دیار بکر کے درمیان واقع ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ کے زیریں اور یلملم سے آگے جگہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ینبع کے آگے پھیلا ہوا پہاڑ یعنی میناء المدینہ ہے۔ یہ نذر ماننے والا شخص کردم تھا' اس کے اولاد نرینہ نہ ہوئی تھی۔ اس نے نذر مانی کہ اگر اس کے ہاں اولاد نرینہ ہوئی تو وہ بوانہ کے سر پر کئی بکریاں ذبح کرے گا۔ یہ حدیث دلیل ہے مباح کاموں میں نذر جائز ہے۔ بتوں کی جگہ یا کفار کے میلے ٹھیلوں کے مقام پر نحر و ذبح کرنا جملہ معاصی میں سے ہے اگرچہ اللہ کی رضا کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہو اس لئے کہ اس میں ان کے شرک کے مظاہر اور ان کے دین کے شعار کی ترویج پائی جاتی ہے۔

راوی حدیث: ﴿ کردم رضی اللہ عنہ ﴾ کاف پر فتحہ اور راء ساکن۔ بن سفیان ثقفی۔ ان سے ان کی بیٹی میمونہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

(١١٨٥) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي نَذَرْتُ - إِنْ فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ - أَنْ أُصَلِّيَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے فتح مکہ کے روز آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ہاتھوں مکہ فتح کر

فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ. فَقَالَ: صَلِّ هَاهُنَا. فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: صَلِّ هاهنا، فَسَأَلَهُ فَقَالَ فَشَأْنُكَ إِذَنْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

دیا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ آپؐ نے فرمایا "یہیں پڑھ لو۔" اس نے پھر پوچھا تو آپؐ نے فرمایا "یہیں پڑھ لو۔" اس نے پھر سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا "تیری مرضی۔" (مسند احمد' ابوداؤد اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿صل ههنا﴾ اس جگہ پڑھ لو سے مراد مسجد حرام ہے۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس جگہ نذر پوری کرنے کی منت مانی ہو جب اس سے افضل جگہ پوری کر لی جائے تو نذر پوری ہو جائے گی بلکہ سیاق تو اسی کا مقتضی ہے کہ افضل مکان کو ترجیح حاصل ہے اگرچہ وہ جگہ نذر کی جگہ سے الگ ہو۔ ﴿شانك﴾ منصوب ہے معنی لازم پکڑے۔ ﴿اذا﴾ تنوین کے ساتھ معنی ہے کہ جب تو یہاں نماز پڑھنے سے انکاری ہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے وہ کرو یا یہ معنی ہوگا کہ جو نذر تو نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی مانی ہے وہیں جا کر پڑھو۔

(١١٨٦) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الأَقْصَى، وَمَسْجِدِي هَذَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "تین مساجد کے سوا اور کسی کیلئے زیارت کی غرض سے سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔" (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

حاصل کلام: یہ حدیث باب الاعتکاف کے آخر میں پہلے گزر چکی ہے۔ اس جگہ اسے دوبارہ لانے کا غالباً مقصد یہ ہے کہ نذر کیلئے ان تین مقامات مقدسہ کے علاوہ اور کسی جگہ کو نذر پوری کرنے کیلئے متعین و مقرر نہ کیا جائے۔ (سبل السلام) یہ اشارہ اس طرف بھی ہے کہ ان تین مساجد میں سے کسی ایک جانب سفر کی نذر تو جائز ہے اور کسی جگہ کیلئے نہیں۔

(١١٨٧) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّيْ نَذَرْتُ فِي الجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي المَسْجِدِ الحَرَامِ. قَالَ: أَوْفِ بِنَذْرِكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَزَادَ البُخَارِيُّ فِي رِوَايَةٍ: فَاعْتَكِفْ لَيْلَةً.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں نے جاہلیت کے زمانہ میں نذر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا "پھر اپنی نذر کو پورا کرو۔" (بخاری و مسلم) اور بخاری نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا ہے۔ پھر انہوں نے ایک

رات اعتکاف کیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کافر نے حالت کفر میں جو نذر مانی تھی۔ اسلام لانے کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ' امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اور شوافع کی ایک جماعت کی رائے یہی ہے مگر جمہور کے نزدیک کافر کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی تو پوری کرنے کا کیا سوال۔ بعض مالکیہ نے یہ تاویل کی ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور استحباب نذر پوری کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہو۔

١٤۔ كِتَابُ الْقَضَاءِ

قاضی (جج) وغیرہ بننے کے مسائل

(١١٨٨) عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «الْقُضَاةُ ثَلاَثَةٌ، اثْنَانِ فِي النَّارِ، وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ: رَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ. وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَلَمْ يَقْضِ بِهِ، وَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ. وَرَجُلٌ لَمْ يَعْرِفِ الْحَقَّ، فَقَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ». رَوَاهُ الأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قاضی کی تین اقسام ہیں' دو دوزخی ہیں اور ایک جنتی۔ ایک وہ شخص جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور دوسرا وہ جس نے حق کی پہچان کرلی مگر فیصلہ حق کے ساتھ نہ دیا بلکہ فیصلہ میں ظلم کیا وہ دوزخی ہے اور تیسرا وہ جس نے نہ حق کو پہچانا نہ حق کے ساتھ فیصلہ کیا بلکہ اس نے لوگوں میں جہالت و نادانی سے فیصلہ کیا وہ بھی دوزخی ہے۔" (اسے ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿جار فی الحکم﴾ فیصلہ میں جور و ظلم کیا ﴿علی جهل﴾ قضی کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی لوگوں کا فیصلہ جہالت و نادانی سے کیا۔ اس کا ظاہر تو یہی ہے کہ وہ دوزخی ہے۔ اگرچہ اس کا فیصلہ حق کے موافق ہو کیونکہ فقضی للناس علی جهل کے قول کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جس نے حق کے مطابق فیصلہ کیا مگر وہ خود اپنے فیصلہ سے جاہل و نادان ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں عدالت میں فیصلہ کرنے والوں کی اقسام بیان ہوئی ہیں جنہیں قاضی یا جج کہا جاتا ہے۔ ان میں سے دو قسم کے قاضی تو ایسے ہیں جو دوزخ کا ایندھن بننے والے ہیں۔ ایک حق کو نہ جاننے اور پہچاننے والا اور دوسرا حق کو جان پہچان کر اس پر عمل پیرا نہ ہونے والا۔ اس میں اس کی بددیانتی کو بھی دخل ہو سکتا ہے۔ تفتیش و تحقیق میں سستی و لاپرواہی بھی ہو سکتی ہے اور دوزخ سے بچنے والا قاضی وہ ہے جو حق کو پہچان کر حق دار کو اس کا حق دیتا ہے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا

نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جاہل شخص کو عہدہ قضاء پر بٹھانا درست نہیں بلکہ غیر مجتہد کا جج بننا اور بنانا دونوں ناجائز ہے۔

(۱۱۸۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو منصب قضاء پر فائز کیا گیا (سمجھ لو) کہ اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ من ولی القضاء ﴾ تولیہ سے ماخوذ ہے۔ مجہول کا صیغہ ہے یعنی جسے قاضی بنایا گیا۔ ﴿ بغیر سکین ﴾ ایک قول کے مطابق ذبح کا معنوی مفہوم مراد ہے اس لئے کہ اگر اس نے صحیح فیصلہ دیا تو اہل دنیا اس کے درپے آزار ہوں گے۔ اگر غلط فیصلہ دیا تو آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو گا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تعبیر اس لئے اختیار کی گئی ہے کہ اسے خبردار اور متنبہ کیا جائے کہ اس ہلاکت سے مراد اس کے دین کی بربادی و تباہی ہے' بدن کی نہیں یا یہ کہ چھری سے ذبح کرنے میں مذبوح کیلئے راحت ہوتی ہے اور بغیر چھری کے گلہ گھونٹنے یا کسی اور طرح سے زیادہ تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے ذکر سے ڈرانے اور خوف دلانے میں مبالغہ کا بیان ہے۔ مگر یاد رہے کہ گلہ گھونٹنے کو ذبح کرنا نہیں کہتے۔

(۱۱۹۰) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الإِمَارَةِ، وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ القِيَامَةِ، فَنِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ، وَبِئْسَتِ الفَاطِمَةُ». رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بے شک تم لوگ ضرور حکومت کی حرص و خواہش کرو گے اور وہ قیامت کے روز لازماً باعث ندامت ہوگی۔ پس اچھی ہے دودھ پلانے والی ماں اور بری ہے دودھ چھڑانے والی ماں۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ الامارة ﴾ ہمزہ کے نیچے کسرہ۔ معنی ولایت' حکومت' سربراہی۔ یہ ہر حکومت و ولایت کو شامل ہے۔ امامت عظمیٰ سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی سربراہی و ولایت تک۔ ﴿ فنعمت المرضعة ﴾ اچھی دودھ پلانے والی دنیا میں اس لئے کہ یہ دودھ مال و دولت' جاہ و منصب اور عزت و کرامت کی صورت میں۔ حکم کے نافذ کرنے اور لوگوں کو دبا کر رکھنے کی صورت میں۔ حکومت و امارت کو مرضعہ سے تشبیہہ اس لئے دی گئی ہے کہ یہ بھی اسی طرح منافع بخش اور سود مند رہتی ہے جس طرح دودھ پلانے والی بکثرت دودھ دیتی ہے۔ ﴿ وبئست الفاطمة ﴾ فاطمة فطم سے ماخوذ ہے اور فطم کہتے ہیں بچے کے دودھ چھڑانے کو اور اس سے مراد قیامت کے روز تاوان ہے جو امارت پر مرتب ہو گا۔ یعنی امارت امیر کو محروم کرتی ہے اور اسے خیرات اور منافع سے الگ رکھتی ہے اور اسے تباہی کے گڑھوں اور

تاوان کے گرداب میں پھنسا کر گرا دیتی ہے اور یہ عام امراء کے حالات کے نقطۂ نظر سے ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں امارت و سرداری سے بچنے اور اجتناب کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ حکومت و سربراہی دنیا میں ملامت اور حکومت سے فارغ ہوتے ہی ندامت و پشیمانی ہے اور آخرت میں باعث عذاب ہے۔ جس وقت حکومت کی کرسی پر براجمان ہوتا ہے تو عزت و توقیر ملتی ہے' دولت و ثروت ہاتھ آتی ہے' عوام ماتحت ہوتے ہیں' ان پر حکم چلتا ہے۔ ٹھاٹھ باٹھ جمتے ہیں۔ ایسی صورت میں بڑی اچھی لگتی ہے۔ مگر جب بدعنوانیوں اور بد اعتدالیوں کا احتساب اس دنیا ہی میں شروع ہوتا ہے تو پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور آخرت کے حساب و کتاب کی سختی تو ایسی ہوگی جس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی خوف کے پیش نظر امت مسلمہ کے صلحاء اس سے کوسوں دور رہنے کی کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ سزائیں بھگتیں مگر اس منصب پر بیٹھنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حکومت اور سرداری کی ابتداء بڑی خوبصورت ہے مگر اس کا انجام خطرناک ہے۔ ابتداء میں انسان عیش و عشرت پاتا ہے جیسے عورت جب تک دودھ پلاتی ہے تو بچہ خوش رہتا ہے مگر جب دودھ چھڑاتی ہے تو بچے کو ناگوار گزرتا ہے۔

(١١٩١) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "جب کوئی حاکم فیصلہ کرتے وقت پوری جدوجہد کرے اور صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو اسے دگنا ثواب ملتا ہے اور جب وہ فیصلہ کرنے میں جدوجہد تو پوری کرے مگر صحیح فیصلہ کرنے میں خطا کر جائے تو اسے ایک اجر ملے گا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ فاجتهد ﴾ خوب غور و خوض کر لے۔ ﴿ فاصاب ﴾ اور اس کی کوشش اور جدوجہد اللہ کے حکم و فیصلہ کے موافق ہو جائے۔ ﴿ فله اجران ﴾ تو اسے دو اجر ملیں گے ایک جدوجہد کا اور دوسرا صحیح نتیجہ تک پہنچنے کا۔ ﴿ فله اجر ﴾ اسے ایک اجر اس کی جدوجہد اور سعی و کوشش کا جو اس نے تلاش حق میں صرف کی کیونکہ اس کا اجتہاد عبادت ہے اور غلطی و خطاء پر اجر نہیں دیا جاتا بلکہ اس سے صرف اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اس شخص کیلئے ہے جو اجتہاد کے تمام آلات و ذرائع کا جامع' اصول اجتہاد سے واقف اور قیاس کی تمام اقسام کا عالم ہو اور جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو وہ تو جان بوجھ کر اس مسئلہ میں الجھتا ہے لہٰذا غلطی و خطا کی صورت میں اسے معذور قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ گناہ گار ہے جیسا کہ ابھی شروع کی حدیث کے تحت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ الخ۔ نیز علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ان کا تعلق ان

فروعات سے ہے جو مختلف وجوہ کا احتمال رکھتی ہیں مگر جو اصول کے مسائل ہیں اور ان کا تعلق ارکان شریعت اور ایسے امہات الاحکام سے ہے اور جو مختلف وجوہ کے احتمال نہیں رکھتے اور نہ ہی ان میں تاویل کی گنجائش ہے۔ ان میں غلطی کرنے والا خطا کار ہے اور غیر معذور ہے اور ان میں اس کا فیصلہ مردود ہے۔ جیسا کہ علامہ ملا علی قاری نے المرقاۃ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اصولی مسائل میں ہی اس کا غلط فیصلہ مردود نہیں بلکہ مجتہد نے جس مسئلہ میں بھی غلطی کی ہو اور منشاء شریعت کی مخالفت کی ہو وہ مردود ہے خواہ اس کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے۔

(١١٩٢) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لاَ يَحْكُمْ أَحَدٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے "تم میں سے کوئی بھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ غصے کی حالت میں نہ کرے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ وهو غضبان ﴾ بغیر تنوین یہ غیر منصرف ہے۔ دو اسباب کی بنا پر ایک وصف اور دوسرا الف اور نون زائدہ۔ معنی ہے حالت غضب۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں وہ اجتہاد پر قدرت نہیں رکھتا اور دونوں کے مسئلہ میں غور و فکر صحیح طور پر نہیں کر سکتا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہر اس حالت میں جو فکر انسانی میں تشویش کا باعث ہو فیصلہ کرنا درست نہیں۔ مثلاً بھوک' پیاس' زیادہ شکم سیری' اونگھ اور نیند کا غلبہ وغیرہ۔ بظاہر تو یہ نہی تحریمی ہے مگر جمہور نے اسے کراہت پر محمول کیا ہے مگر راجح قول پہلا ہی ہے کہ یہ حرام ہے۔

(١١٩٣) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلاَنِ فَلاَ تَقْضِ لِلأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلاَمَ الآخَرِ، فَسَوْفَ تَدْرِي كَيْفَ تَقْضِي». قَالَ عَلِيٌّ: فَمَا زِلْتُ قَاضِياً بَعْدُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ وَقَوَّاهُ ابْنُ المَدِيْنِيِّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ الحَاكِمِ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب دو آدمی تیرے پاس فیصلہ کیلئے آئیں تو کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔ اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم نے فیصلہ کیسے کرنا ہے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اس دن سے میں اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں۔ (اسے احمد' ابوداؤد' ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن مدینی نے اسے قوی کہا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کا شاہد حاکم کے ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے)

عَبَّاسٍ .

لغوی تشریح: ﴿ تقاضی ﴾ حاکم تسلیم کریں اور مقدمہ برائے فیصلہ پیش کریں۔ ﴿ فلا تقض للاول ﴾ مقدمہ لانے والوں میں سے پہلے یعنی مدعی کے حق میں فیصلہ نہ دے دو تاوقتیکہ دوسرے فریق مدعا علیہ کی بات سن لو۔ ﴿ فسوف تدری کیف تقضی ﴾ اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم نے فیصلہ کیونکر کرنا ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ زیادہ مناسب اور بہتر ہے کہ فیصلہ تیرے روبرو واضح ہو جائے گا۔ ﴿ بعد ﴾ یعنی بعد کے دال پر ضمہ ہے کیونکہ اس وقت کسی کی طرف مضاف نہیں ہو رہا ہے مگر نیت میں مضاف الیہ ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کا انہیں بلانے اور تعلیم دینے کے بعد۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قاضی کو فریقین کے دلائل سماعت کرنے کے بعد فیصلہ دینا چاہئے اگر وہ اس کے خلاف عمل کرے گا تو یہ حرام ہوگا۔ فریقین کی بات اور دلائل سماعت کر کے فیصلہ دینا واجب ہے محض ایک فریق کے دلائل سن کر فیصلہ کر دینا باطل ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ رہا یہ سوال کہ اگر فریق ثانی خاموش رہے عدالت کے روبرو کچھ نہ کہے' نہ اقراری ہو نا انکاری یا فریق ثانی عدالت کی طلبی کے باوجود عدالت میں بیان دینے کیلئے حاضر ہی نہ ہو یا لیت و لعل سے کام لے تو کیا ایسے فریق کے خلاف یک طرفہ ڈگری دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ قرین صواب بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ پھر عدالت یک طرفہ فیصلہ دینے کی مجاز ہوگی۔ (سبل)

(١١٩٤) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئاً فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بے شک تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لے کر آتے ہو اور تم میں سے بعض اپنے دلائل بڑی خوبی و چرب زبانی سے بیان کرتا ہے تو میں نے جو کچھ سنا ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ پس جسے اس کے بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دوں تو میں اس کیلئے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ تختصمون ﴾ فیصلہ کیلئے اپنے مقدمات اور اپنے تنازعات میرے پاس لاتے ہو۔ ﴿ الحن ﴾ لحن سے اسم تفضیل ہے۔ باب سمع سے۔ معنی ہے سمجھ' زیادہ معرفت حاصل کرنا' زیادہ پہچاننا۔ معلوم ہوا کہ جب وہ زیادہ فطین و سمجھدار ہوگا۔ وہ اپنی دلیل دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ بلیغ طریقہ سے پیش کر سکے گا۔ ﴿ فمن قطعت لہ ﴾ جس کے حق میں فیصلہ کر کے دے دوں۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ ظاہر بیانات کی روشنی میں فیصلہ واجب ہے۔ حاکم کا فیصلہ حقیقت میں کسی چیز میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا اور نفس الامر میں نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے اور نہ حلال کو حرام۔ جمہور بھی اسی طرف گئے

ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قاضی کا فیصلہ ظاہری اور باطنی دونوں طرح نافذ ہو جاتا ہے مثلاً ایک جج جھوٹی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ دیتا ہے کہ فلاں عورت فلاں کی بیوی ہے باوجودیکہ وہ خاتون اجنبی ہے اس مرد کیلئے حلال ہو جائے گی حالانکہ اس کی قباحت اور اس کا باطل ہونا کسی پر مخفی نہیں۔

(۱۱۹۵) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «كَيْفَ تُقَدَّسُ أُمَّةٌ لَا يُؤْخَذُ مِنْ شَدِيدِهِمْ لِضَعِيفِهِمْ». رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ مِّنْ حَدِيثِ بُرَيْدَةَ عِنْدَ البَزَّارِ. وَآخَرُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "وہ امت کیسے پاک ہو سکتی ہے جس میں طاقت ور سے کمزور کا حق نہ دلوایا جا سکے۔" (اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے اور بزار کے ہاں بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی شاہد ہے اور اس کا ایک اور شاہد ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿تقدس﴾ باب کرم سے فعل معلوم ہے یعنی گناہوں سے کیسے پاک ہوگی اور کیسے بابرکت ہوگی۔ ﴿من شدیدھم﴾ جب ظلم کیا جائے تو طاقتوروں سے ظلم کا بدلہ لیا جائے۔ سبل السلام میں ہے کہ اس سے مراد ہے کہ وہ امت جو قوی سے کمزور کو انصاف نہیں دلوا سکتی اور اس کا جو حق بنتا ہے وہ لے کر نہیں دیتی تو وہ گناہوں سے کیسے پاک ہو گی۔ لہٰذا کمزور کی مدد کرنا واجب ہے یہاں تک کہ قوی سے کمزور کا حق لیا جائے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے طاقتور سے کمزور کا حق دلانا فرض ہے اگر کسی حکومت کے کارندے اور حاکم کمزور کو اس کا جائز حق دلوانے میں دیدہ دانستہ کوتاہی کے مرتکب ہوں اور قوم ان سے پوچھ نہ سکے اور ان کے ہاتھ پکڑ کر ان کو جواب دہی پر مجبور نہ کر سکے تو پھر ساری قوم مجبور شمار ہوگی کیونکہ آج کے دور میں ان کا انتخاب اور چناؤ عوام ہی اپنے ووٹوں سے کرتے ہیں۔ کرسی عدالت اور کرسی اقتدار پر براجمان کرانے والے یہی عوام ہی ہیں۔ لہٰذا عوام کو اپنے بچاؤ کی خاطر حکمرانوں پر غلط اقدام کی برملا مخالفت کرنی چاہئے اور ان کو راہ راست پر لانے کیلئے ہر ممکن تدبیر بروئے کار لانی چاہئے۔ گویا جو غریب و کمزور کا ہمدرد نہیں وہ آخرت میں جواب دہی کیلئے تیار رہے۔

(۱۱۹۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يُدْعَى بِالقَاضِي العَادِلِ يَوْمَ القِيَامَةِ، فَيَلْقَى مِنْ شِدَّةِ الحِسَابِ مَا يَتَمَنَّى أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے "قیامت کے روز عادل قاضی کو حساب کیلئے طلب کیا جائے گا وہ اپنے حساب کی شدت کو محسوس کر کے آرزو کرے گا کہ کاش وہ دنیا میں دو شخصوں کے درمیان اپنی عمر میں

بَيْنَ اثْنَيْنِ فِي عُمُرِهِ». رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَأَخرَجَهُ البَيْهَقِيُّ، وَلَفظُهُ «فِي تَمْرَةٍ».

ایک فیصلہ بھی نہ کرتا۔" (اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے اس کو نقل کیا ہے۔) اس میں اتنا اضافہ ہے کہ "کبھی ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کرتا۔"

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی کا عدالت الٰہی میں بڑا سخت احتساب ہوگا۔ اس لئے جس کے ذمہ انصاف ہو اسے چاہئے کہ وہ انصاف کرے ورنہ اپنے کئے کی سزا پائے گا۔

(١١٩٧) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً». رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ایسی قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جو عورت کو اپنا حاکم و فرمانروا بنا لے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ولوا﴾ تولیۃ سے ماخوذ ہے۔ یعنی اپنے امور مملکت کا اس کو والی بنا لیں۔ یہ ہر امارت کیلئے عام ہے امارت عظمیٰ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے منصب پر بولا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے یہ ارشاد اس موقع پر فرمایا تھا جب آپؐ کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم و فرمانروا بنا لیا ہے۔ بنت کسریٰ وہی بوران بنت پرویز تھی۔ اسے اہل فارس نے اس وقت اپنا حاکم بنایا جب نبی ﷺ کی حیات مقدسہ کے آخری ایام تھے۔ جب مملکت فارس کے تخت کی چولیں متزلزل ہو رہی تھیں گردش ایام اور حوادث زمانہ نے ان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ شیرویہ قباذ نے اپنے باپ کسریٰ پرویز کو قتل کر دیا اور ۷ھ میں تخت پر قابض ہوا اور ۹ھ میں وہ وفات پا گیا۔ عوام نے اردشیر کو جو ہنوز بچہ تھا فرمانروائے مملکت بنا لیا اسے ایک سربرآوردہ قائد نے قتل کر دیا جس کا نام شہر براز تھا۔ پھر وہ خود تخت نشین ہوا مگر چالیس روز بعد اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور بوران نامی شہزادی کو ۹ھ یا ۱۰ھ کے اوائل میں سربراہ مملکت بنا لیا۔ حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت کی سربراہی موجب بربادی ہے۔ تاریخ اسلام میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ عہد رسالت کے بعد امہات المومنین میں سے بھی کسی کو یہ منصب نہیں سونپا گیا۔ جب عورت گھر کی سربراہ نہیں تو ملک کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں کس طرح دی جا سکتی ہے۔

(١١٩٨) وَعَنْ أَبِي مَرْيَمَ الأَزْدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ شَيْئاً مِنْ أَمْرِ المُسْلِمِينَ، فَاحْتَجَبَ عَنْ حَاجَتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ احْتَجَبَ اللَّهُ دُونَ حَاجَتِهِ».

حضرت ابومریم ازدی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کسی کام کا حاکم بنا دیا اور وہ پردہ میں رہا۔ ان کی ضروریات اور ان کی حاجات پوری کرنے میں' اللہ تعالیٰ بھی پردہ میں رہے گا اس کی

أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حاجت سے۔" (ابوداؤد اور ترمذی)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکاری اہل کار کو عوام کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہئے۔ اسے اس منصب پر اس لئے فائز نہیں کیا گیا کہ خود تو دربانوں کے پہرے میں بنگلے میں میٹھی نیند سوئے اور غریب بے چارے مارے مارے پھریں۔ اس سے داد رسی کیلئے آئیں تو دربان اندر جانے ہی نہ دیں کہ صاحب اس وقت مصروف ہیں۔ جو حاکم ایسا رویہ اپنی رعایا کے ساتھ روا رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی حاجت روائی و مشکل کشائی نہیں فرمائے گا۔

راوی حدیث: ﴿ ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ ﴾ ازدی' اسدی دونوں طرح مشہور ہیں' حضرمی بھی کہتے ہیں۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے تھے۔ ان کو یہ حدیث بیان کی۔

(١١٩٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو عِنْدَ الأَرْبَعَةِ إِلاَّ النَّسَائِيَّ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نسائی کے علاوہ چاروں کے ہاں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث اس کی شاہد ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے تو گویا رشوت لینا اور دینا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے حقوق العباد پر کھلے بندوں دن رات ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ ایسے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کے خیر خواہ' ہمدرد اور غمگسار کیسے ہو سکتے ہیں؟

(١٢٠٠) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَي الْحَاكِمِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جھگڑا کرنے والے دونوں حاکم کے روبرو بیٹھیں۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔)

حاصل کلام: اس حدیث میں دو باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ایک یہ کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو یکساں سلوک کا مستحق سمجھا جائے۔ کسی سے امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے۔ دوسرا یہ کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے بیٹھ کر بیان دیں' کھڑے ہو کر بیان نہ دیں۔

١ - بَابُ الشَّهَادَاتِ

شہادتوں (گواہیوں) کا بیان

(۱۲۰۱) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ؟ هُوَ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ بہترین گواہ کون سے ہیں؟ وہ جو کہ بغیر گواہی طلب کئے ازخود ہی گواہی دے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ باب الشهادات ﴾ شہادت کی جمع ہے۔ کسی چیز کی صحت کی خبر واطلاع دینا۔ اپنی آنکھوں دیکھے حال اور مشاہدے کی بناء پر۔ مؤلف اسے جمع اس لئے لائے ہیں کہ اس کی بہت سی انواع واقسام ہیں۔ ﴿ قبل ان يسالها ﴾ فعل صیغۂ مجہول۔ یعنی گواہی طلب کئے بغیر ہی گواہی ازخود دے۔ بایں صورت کہ اس کے پاس کسی انسان کی شہادت کا حق تھا اور اس انسان کے علم میں بھی نہ ہو کہ وہ گواہ ہے۔ اس کے پاس آئے اور باخبر کرے کہ وہ اس کا گواہ ہے یا اس کے پاس طلاق یا عتاق یا وقف یا وصیت یا ایسے ہی دوسرے معاملہ کی شہادت ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ قاضی کے پاس اسے لے جائے اور اعلان کرے تاکہ فی الحقیقت معاملات کی جو پوزیشن ہے وہ مکمل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اداء شہادت کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور اسے چھپانا گناہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے: ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه (۲: ۲۸۳) "کہ گواہی کو مت چھپاؤ جو اسے چھپاتا ہے وہ گناہ گار ہے۔" اور فرمایا: واقيموا الشهادة (۶۵: ۲) "اور شہادت کو پورا کرو۔"

(۱۲۰۲) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ خَيْرَكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَكُونُ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ، وَلاَ يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلاَ يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذِرُونَ وَلاَ يُوفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میرا زمانہ، تمہارے تمام زمانوں سے بہتر ہے۔ پھر اس کے بعد والا۔ پھر اس کے بعد والا۔ اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو گواہی دیں گے اور ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ وہ خائن ہوں گے، امین نہیں ہوں گے۔ نذر مانیں گے مگر پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر و نمایاں ہو گا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ قرني ﴾ قرنی سے مراد ایسے زمانے کے لوگ جنہوں نے مجھے پایا اور مجھ پر ایمان لائے اور وہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ ﴿ ثم الذين يلونهم ﴾ یعنی پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے مرتبہ کے قریب ہوں گے یا ایمان میں ان کی پیروی کریں گے یا ان کے زمانہ سے متصل ہوں گے بایں طور کہ انہوں نے ان کو پایا ہو گا اور ان سے استفادہ کیا ہو گا اور وہ تابعین کرام ہیں۔ ﴿ يشهدون ولا يستشهدون ﴾ يشهدون

پہلا صیغہ معروف اور دوسرا مجہول ہے یعنی وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ قبل اس کے کہ ان سے شہادت طلب کی جائے' ازخود شہادت دیں گے۔ یہ حدیث بظاہر پہلی حدیث کے معارض معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس حدیث سے ازخود شہادت دینے کی مذمت ہوتی ہے جبکہ پہلی حدیث میں اس کی مدح و تعریف کی گئی ہے۔ تعارض اس طرح دفع ہو جاتا ہے کہ مذمت مطلقاً ازخود شہادت پیش کرنے کی نہیں بلکہ جلدی سے ایسی شہادت دینے کی وجہ سے ہے جس سے جھوٹ ثابت کر سکیں اور باطل طریقہ سے کھا پی سکیں اور لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر ہضم کر سکیں۔ جو شخص سباق حدیث میں ذرا غور و تامل کرے گا وہ یہ کھلا ہوا فرق پا لے گا۔ ان دونوں احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ طلب سے پہلے ازخود شہادت دینا بہتر اور عمدہ طریقہ ہے جبکہ یہ شہادت حقوق کے تحفظ کیلئے دی گئی ہو اور قبیح اس صورت میں ہے کہ حقوق کو ہڑپ کر جانے کی نیت ہو۔ ﴿ السمن ﴾ سین کے نیچے کسرہ اور میم پر فتحہ۔ لاغرپن کی ضد۔ یعنی موٹاپا۔ یعنی ان لوگوں کا مطمع نظر دنیا ہی ہو' دین نہ ہو۔ پھر یہ لوگ خوب کھائیں پئیں کہ بدنوں پر چربی چڑھ جائے اور جسم موٹے اور بھاری بھرکم ہو جائیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بہترین زمانہ کی پیش گوئی ہے۔ سب سے بہتر زمانہ آپ ؐ کا عہد مبارک ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام ؓ پھر تابعین کرام کا جس سے صحابہ کرام ؓ اور تابعین عظام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ یہ فضیلت جمہور علماء کے نقطہ نظر سے فرداً فرداً بھی ہو سکتی ہے اور بحیثیت مجموعی بھی۔ لیکن اصحاب بدر اور حدیبیہ ہر اعتبار سے افضل ہیں۔ اس حدیث میں لفظ قرن آیا ہے۔ قرن کہتے ہیں زمانہ کی ایک مدت اور عرصہ کو جس کی حد دس سال سے لے کر ایک سو بیس سال بتائی گئی ہے۔ مگر صحیح ترین بات یہ ہے کہ ایک زمانہ کے لوگوں کا مقصود و مطلوب امور میں شریک ہونا مراد ہے اور اس حدیث میں بھی غالباً اسی معنی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

(١٢٠٣) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلاَ خَائِنَةٍ، وَلاَ ذِي غِمْرٍ عَلَى أَخِيهِ، وَلاَ تَجُوزُ شَهَادَةُ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خائن مرد و عورت کی گواہی جائز نہیں اور دشمن اور کینہ ور شخص کی اپنے بھائی کے خلاف بھی گواہی جائز نہیں اور جو شخص کسی دوسرے کے زیر کفالت ہو اس کی گواہی کفیل خاندان کے حق میں جائز نہیں ہے۔" (مسند احمد و ابوداؤد)

لغوی تشریح: ﴿ ولا ذی غمر ﴾ غین کے نیچے کسرہ اور میم ساکن ہے۔ حقد و کینہ اور عداوت و دشمنی۔ ﴿ علی اخیہ ﴾ اپنے مسلمان بھائی کے خلاف۔ پس کسی دشمن کی شہادت اس کے دشمن کے خلاف جائز نہیں۔ ﴿ القانع ﴾ سے مراد گھر کا خادم اپنی ضروریات کی تکمیل اور اہل خانہ کی خدمت کیلئے کٹ کر رہ

گیا ہو۔ جیسے خادم' تابع دار اور مزدور اس کی شہادت اہل خانہ کے حق میں قابل قبول نہیں' اس لئے کہ وہ شہادت دے کر اپنا فائدہ حاصل کرے گا اور یہ تہمت کا مقام ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے خائن' دشمن اور کینہ ور کی شہادت ناجائز ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی کے زیر کفالت ہو اس کی گواہی بھی اس شخص اور اس کے اہل خانہ کے حق میں قبول نہیں تاکہ جانب داری کا شبہ نہ رہے۔

(١٢٠٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لاَ تَجُوزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلَى صَاحِبِ قَرْيَةٍ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ "صحرا نورد بدو (دیہاتی) کی گواہی شہری کے حق میں قابل قبول نہیں۔" (ابوداؤد و ابن ماجہ)

لغوی تشریح: ﴿ البدوی ﴾ بادیہ نشین۔ دیہات کا باشندہ۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نہایہ میں کہا ہے کہ شہری کے حق میں دیہاتی کی شہادت کو اس وجہ سے ناپسند اور مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ اس میں دین کے بارے میں سختی اور احکام شرع سے ناواقفیت ہوتی ہے اور اس وجہ سے قابل قبول نہیں کہ وہ لوگ شہادت کو اچھی طرح ضبط نہیں رکھ سکتے۔ سبل السلام میں ہے کہ اکثریت نے ان کی شہادت کو قبول کیا ہے اور اس حدیث کو ایسے دیہاتیوں پر محمول کیا ہے جن کی عدالت ثابت نہ ہو۔ کیونکہ اکثر و بیشتر ان کی عدالت معروف نہیں ہوتی۔

(١٢٠٥) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ خَطَبَ فَقَالَ: إِنَّ أُنَاساً كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمْ الآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ عہد نبوی ؐ میں لوگوں کا مؤاخذہ وحی کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اب وحی کا نزول بند ہو چکا ہے اب ہم تمہارا مؤاخذہ تمہارے اعمال کے مطابق کریں گے جیسے وہ ہمارے روبرو ظاہر ہوں گے۔ (بخاری)

حاصل کلام: اس اثر سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی آتی تھی اور آپ ؐ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا گویا نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ اب نہ کوئی نیا نبی و رسول آئے گا اور نہ وحی آسمان سے نازل ہو گی۔ اب اگر کوئی اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے تو وہ سراسر دروغ گو' کذاب اور مفتری اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں تو لوگوں کے بارے میں معلومات کا ذریعہ وحی الٰہی تھی مگر اب ایک شخص کے ظاہری حالات و اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے اگر اس کے ظاہری اعمال و احوال شک و شبہ سے محفوظ ہیں تو وہ قابل

اعتبار ہے ورنہ نہیں۔

(١٢٠٦) وَعَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ عَدَّ شَهَادَةَ الزُّوْرِ فِي أَكْبَرِ الْكَبَآئِرِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے جھوٹی گواہی کو بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ (بخاری و مسلم کی لمبی حدیث میں ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ بہت سے ہیں مثلاً اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا' والدین کی نافرمانی کرنا' میدان کارزار سے بلاوجہ فرار' پاک دامن خاتون کی عصمت پر تہمت لگانا وغیرہ کے علاوہ جھوٹی گواہی دینا' کبیرہ گناہ وہ ہے جس کی شریعت نے سزا مقرر کی ہو یا عذاب آخرت کی وعید دی گئی ہو۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہی کا سلسلہ اگر بند ہو جائے تو انصاف نہایت ارزاں اور جلد مل جائے۔ عدالتی نظام کے فساد کی جڑ جھوٹی گواہی ہے مزید برآں رشوت۔ اس نظام کو ان دو بڑی خرابیوں سے پاک کر دیا جائے تو معاشرہ میں امن و سلامتی کی بہاریں آجائیں۔

(١٢٠٧) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ: «تَرَى الشَّمْسَ؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «عَلَى مِثْلِهَا فَاشْهَدْ، أَوْ دَعْ». أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ فَأَخْطَأَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا "تو سورج کو دیکھتا ہے؟" اس نے عرض کیا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا "اس طرح کی روشن شہادت ہو تو گواہی دے ورنہ چھوڑ دے۔" (اسے ابن عدی نے ضعیف سند سے نکالا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے مگر غلطی کی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے گواہی اس وقت دینی چاہئے جب اس کے روز روشن کی طرح ہونے کا یقین ہو ورنہ گواہی سے اجتناب بہتر ہے۔ محض گمان اور ظن کی بنیاد پر گواہی دینا درست نہیں۔

(١٢٠٨) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَضَى بِيَمِيْنٍ وَشَاهِدٍ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ، وَقَالَ: إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی اس کے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا۔ (اس کی روایت مسلم' ابوداؤد اور نسائی نے کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند عمدہ ہے)

لغوی تشریح: ﴿ بیمین و شاھد ﴾ یہ اس صورت میں ہے جبکہ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو تو مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم کو قبول کر لیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ' امام شافعی رحمہ اللہ' احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق بن راھویہ رحمہ اللہ اور جمہور امت اسی طرف گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ مالی معاملات میں ایک گواہ اور ایک قسم جائز ہے البتہ غیر مالی معاملات میں ان کے نزدیک دو گواہوں کا ہونا ناگزیر اور لازمی ہے۔ رہے

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ان کے نزدیک مالی معاملات ہوں یا غیر مالی معاملات دونوں میں دو گواہوں کا ہونا لابدی ہے (ضروری و لازمی ہے) اس باب کی تقریباً تیس کے قریب احادیث ان کے خلاف حجت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے جس ارشاد سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے۔ واشهدوا ذوى عدل منكم (۶۵ : ۲) اور اللہ کا فرمان : واستشهدوا شهيدين من رجالكم الخ (۲ : ۲۸۲) اس سے ان کا استدلال کامل نہیں بالخصوص جبکہ وہ مفہوم مخالف کے قائل نہیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین (ج ۱ ص : ۳۲-۳۸) میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔

(۱۲۰۹) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مِثْلَهُ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت ہے۔ (اس کی تخریج ابوداؤد اور ترمذی نے کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

۲ - بَابُ الدَّعْوَى وَالْبَيِّنَاتِ

دعویٰ اور دلائل کا بیان

(۱۲۱۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ، وَلَكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِلْبَيْهَقِيِّ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ: «الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي، وَالْيَمِيْنُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ».

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر لوگوں کو محض ان کے دعوے کرنے سے حق دے دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کے خون اور ان کے اموال کا دعویٰ کریں گے لیکن مدعا علیہ کے ذمہ قسم لازم ہے۔" (بخاری و مسلم) اور بیہقی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ گواہ مدعی کے ذمہ اور قسم اس کے ذمہ جو اس کا انکار کرے۔

لغوی تشریح : ﴿ باب الدعوى والبينات ﴾ ' بينات . بينة کی جمع ہے اس کی با پر فتحہ ہے اور یا مکسورہ پر تشدید ہے۔ اس کے معنی واضح دلیل و ثبوت کے ہیں۔ اس کو بینة اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حق کو صاف اور واضح طور پر ظاہر کرتی ہے اور اس سے مراد وہ دلیل ہے جس سے مدعا واضح ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام : اس حدیث میں قضا کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ مدعی اپنا دعویٰ دلائل سے ثابت کرے اور گواہ پیش کرے یا مدعا علیہ' مدعی کے دعویٰ کی خود تصدیق کر دے کہ اس کا بیان درست ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو مدعا علیہ۔ دعویٰ کے خلاف اپنے دلائل عدالت کے روبرو پیش کرے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر مدعا علیہ قسم دے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

(۱۲۱۱) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَرَضَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم پر قسم پیش کی تو وہ قسم کھانے پر فوراً

عَلٰی قَوْمٍ الْیَمِیْنَ فَأَسْرَعُوا، فَأَمَرَ أَنْ یُسْهَمَ بَیْنَهُمْ فِي الْیَمِیْنِ، أَیُّهُمْ یَحْلِفُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

تیار ہوگئے تو آپؐ نے حکم فرمایا کہ "ان لوگوں میں قرعہ اندازی کی جائے کہ کون ان میں سے قسم کھائے گا۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ فاسرعوا ﴾ یعنی دونوں فریق ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر قسم اٹھانے کیلئے تیار ہوگئے۔ ﴿ فامرهم ان یسهم ﴾ صیغۂ مجہول۔ یعنی قرعہ اندازی کی جائے۔ پس قرعہ جس کے نام کا نکلا وہ حلف اٹھائے' قسم کھائے۔ ابوداؤد نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے وہ اس حدیث کے معنی کی صحیح تفسیر ہے کہ دو آدمیوں نے کسی مال و متاع کے سلسلہ میں جھگڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کیا۔ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قسم کے بارے میں تم دونوں قرعہ اندازی کرو کہ کون قسم اٹھائے۔"

حاصل کلام: جس مقدمہ کی نوعیت ایسی ہو کہ فریقین مدعی ہوں اور دونوں باہم مدعا علیہ بھی ہوں بالفرض دیگر حتمی اور یقینی طور پر اس کا علم نہ ہو سکے کہ مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون تو ایسی صورت میں دونوں کو قسم دینے کا حق پہنچتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی قسم سے انکاری ہو تو فریق مخالف قسم دے کر مال اپنے قبضہ میں لے لے گا اور اگر دونوں فریق قسم اٹھانے پر آمادہ ہوں تو پھر ایسی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ قرعہ جس کے نام نکلے وہ قسم دے کر مال لے جانے کا مستحق قرار پائے گا۔

(۱۲۱۲) وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ الْحَارِثِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ». فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئاً يَسِيراً يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «وَإِنْ كَانَ قَضِيباً مِنْ أَرَاكٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوامامہ حارثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کا حق اپنی قسم کے ذریعہ مارا۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے دوزخ واجب کر دی ہے اور اس پر جنت حرام قرار دے دی ہے۔" ایک شخص نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگرچہ کوئی حقیر و معمولی چیز ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ "اگرچہ درخت پیلو کی ایک شاخ ہو۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ القضیب ﴾ شاخ' ٹہنی' ﴿ والاراك ﴾ ھمزہ پر فتحہ مشہور و معروف درخت ہے جس کے پتے اونٹ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ اردو زبان میں اسے پیلو کا درخت کہتے ہیں۔

راوی حدیث: ﴿ ابوامامہ رضی اللہ عنہ ﴾ یہ صاحب ابوامامہ بن ثعلبہ انصاری حارثی تھے۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام ایاس بن ثعلبہ تھا۔ یہ بنو حارث بن خزرج یا ایک قول کے مطابق بلوی تھے۔ انصار کے حلیف تھے اور قدماء صحابہ کرام میں سے تھے۔ اپنی والدہ کی تیمار داری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔

(۱۲۱۳) وَعَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ، يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ، هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص قسم کھا کر کسی دوسرے کا مال اڑا لے اور وہ اس میں جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر سخت ناراض ہو گا۔" (بخاری و مسلم)

راوی حدیث: ﴿ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ﴾ اشعث بن قیس بن معدیکرب' کندی ابو محمد ان کی کنیت تھی۔ کوفہ میں فروکش ہوئے۔ یوم یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ بڑے سخی' مہربان انسان تھے۔ قسم کھائی اور اس کا کفارہ پندرہ ہزار دیا۔ آزر بائیجان کے والی بنے۔ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے چالیس روز بعد وفات پائی۔ اس وقت ۶۳ برس کے تھے۔

(۱۲۱٤) وَعَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي دَابَّةٍ، وَلَيْسَ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةٌ، فَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللهِ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ، وَهٰذَا لَفْظُهُ، وَقَالَ: إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ.

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ ان میں سے کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی تو آپؐ نے اس جانور کو ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (اسے احمد' ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے' یہ الفاظ نسائی کے ہیں۔ اس کی سند عمدہ اور اچھی ہے)

حاصل کلام: علامہ خطابی نے کہا ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اونٹ یا جانور کو دونوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ تب ہی نبی ﷺ نے ان دونوں کو آدھے آدھے کا مستحق قرار دیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ یعنی ان دونوں کے علاوہ وہ کسی تیسرے آدمی کے قبضے میں ہوتا تو صرف دعوے سے وہ دونوں حقدار نہ بن سکتے تھے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ جانور کسی تیسرے آدمی کے پاس ہو جس کا ان دونوں کے ساتھ کوئی تنازعہ نہ ہو۔

(۱۲۱۵) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى مِنْبَرِي هٰذَا بِيَمِينٍ آثِمَةٍ تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے میرے اس منبر پر کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھائی تو اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا۔" (اسے احمد' ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ آثمة ﴾ جھوٹی قسم جو موجب گناہ ہو۔ اس حدیث میں تنبیہہ ہے کہ جو مقام جتنا مرتبہ

و فضیلت والا ہو گا وہاں ارتکاب گناہ کا عذاب بھی بہت زیادہ ہو گا۔ اسی طرح اوقات جن کی فضیلت بیان ہوئی ہے مثلاً عصر کے بعد اور جمعہ کے دن' رات میں جو گناہ کیا جائے گا اس کی سزا بھی زیادہ اور سخت ہوگی۔

(۱۲۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ القِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالفَلاَةِ يَمْنَعُهُ مِنِ ابْنِ السَّبِيلِ. وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلاً بِسِلْعَةٍ بَعْدَ العَصْرِ، فَحَلَفَ لَهُ بِاللهِ: لَأَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا، فَصَدَّقَهُ، وَهُوَ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ. وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَاماً لاَ يُبَايِعُهُ إِلاَّ لِلدُّنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا وَفَى، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی جانب نظر (رحمت) کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا بلکہ ان کیلئے درد ناک عذاب ہوگا۔ پہلا وہ آدمی جو ایک مسافر کو جنگل میں بچے ہوئے پانی سے روکتا ہے اور دوسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد کسی چیز کا دوسرے سے سودا کرتا ہے اور اللہ کی قسم کھاتا ہے کہ اس نے اس چیز کو اتنے اتنے میں خریدا ہے حالانکہ حقیقت ایسے نہ تھی اور وہ خریدار اس کو سچ مان گیا اور تیسرا وہ شخص جس نے دنیاوی غرض کے لئے کسی بادشاہ کی بیعت کی اگر بادشاہ اس کو کچھ دیتا ہے تو وہ وفا کرتا ہے اور اگر وہ اس کو کچھ نہیں دیتا (یعنی دنیا کا مال) تو وہ وفا نہیں کرتا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ علی فضل ماء ﴾ اپنی ضرورت و حاجت سے زائد پانی۔ ﴿ بالفلاۃ ﴾ ایسا وسیع صحراء کہ جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور پھر بھی وہ پانی کو روک لے اور کسی دوسرے کو نہ دے۔ ﴿ بسلعۃ ﴾ سین کے نیچے کسرہ اور لام ساکن سامان تجارت۔ ﴿ فصدقۃ ﴾ خریدار اس کی قسم کے پیش نظر اسے سچا سمجھے۔ ﴿ وھو علی غیر ذلک ﴾ سامان فروخت کرتے وقت در حقیقت ایسا نہ ہو بلکہ جھوٹا ہو۔ ﴿ وفی ﴾ اپنا عہد وفا پورا کرے اور اپنی بیعت سمع و طاعت کو نبھائے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے زائد از ضرورت پانی کو روک لینا اور ضرورت مندوں کو لینے نہ دینا۔ عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر مال فروخت کرنا اور دنیوی غرض کیلئے حاکم وقت کی تائید کرنا۔ رب کائنات کی سخت ناراضی کا موجب ہے اور رحمت الٰہی سے محرومی کا باعث ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کی حیثیت جس طرح کسی افضل مکان کی وجہ سے دوچند ہو جاتی ہے اسی طرح افضل وقت میں بھی اس کی

حیثیت بڑھ جاتی ہے۔

(١٢١٧) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي نَاقَةٍ، فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا: نُتِجَتْ عِنْدِيْ، وَأَقَامَا بَيِّنَةً، فَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لِمَنْ هِيَ فِي يَدِهِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی ایک اونٹنی کا مقدمہ عدالت نبویؐ میں لائے۔ ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا کہ اونٹنی نے بچہ میرے ہاں جنا ہے اور دونوں نے اپنے اپنے گواہ بھی پیش کئے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا جس کے قبضہ میں اونٹنی تھی۔

لغوی تشریح: ﴿نتجت﴾ بچہ جنا۔ بناء للمفعول۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبضہ موافق شہادت مدعی کیلئے وجہ ترجیح ہے اور یہ کہ دونوں کے دلائل میں تعارض ہو تو ایک کے حق میں فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ الآیہ کہ قابل ترجیح پہلو ہو اور قبضہ قابل ترجیح ہے۔

(١٢١٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ الْيَمِيْنَ عَلَى طَالِبِ الْحَقِّ. رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ، وَفِيْ إِسْنَادِهِمَا ضَعْفٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدعی پر قسم ڈال دی۔ (ان دونوں احادیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور دونوں کی سند میں ضعف ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ عدم ثبوت یا عدم شہادت کی صورت میں قسم اٹھانے سے بھی انکار کردے تو ایسی صورت میں مدعی سے قسم کھانے کیلئے کہا جائے گا اگر وہ قسم کھالے گا تو متنازعہ فیہ چیز اسے دے دی جائے گی۔

(١٢١٩) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ مَسْرُوْرًا، تَبْرُقُ أَسَارِيْرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ: **«أَلَمْ تَرَ أَنَّ مُجَزِّزاً الْمُدْلِجِيَّ نَظَرَ آنِفاً إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ: هٰذِهِ الْأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ»**. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ خوش و خرم میرے ہاں تشریف لائے۔ آپؐ کا رخ انور چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ "کیا تجھے معلوم نہیں کہ مجزز مدلجی نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہم) کو دیکھ کر کہا ہے کہ یہ پاؤں ایک دوسرے کا جزء ہیں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿تبرق﴾ "را" پر ضمہ باب نصر۔ چمک رہے تھے' روشن تھے۔ ﴿اساریر﴾ اسرار کی جمع ہے اور اسرۃ اور اسرار سر کی جمع ہے۔ سین کی زیر اور ضمہ دونوں جائز ہیں اور "راء" پر تشدید اور اسرۃ کی جمع سرر سرد کے سین اور را دونوں پر فتحہ۔ اساریر جمع الجمع ہے۔ چہرے کے خطوط جو پیشانی پر جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی بکھر بھی جاتے ہیں۔ ﴿مجزز﴾ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب تفعیل سے اور کبھی

اسے اسم مفعول بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ صاحب ابن اعور بن جعدہ تھے۔ یہ علم قیافہ کے عالم تھے۔ ابن یونس نے ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جو فتح مصر میں حاضر تھے۔ ان کو مجزز اس لئے کہا جاتا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی قیدی قید ہو کر آتا تو اس کی پیشانی کے بال کاٹ دیتا تھا اور اسے آزاد کر دیتا۔ ﴿ مدلجی ﴾ بنو مدلج کی جانب نسبت کی وجہ سے مدلجی کہلائے۔ مدلج باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ نسب یہ ہے مدلج بن مرہ بن عبد مناف بن کنانہ۔ مشہور و معروف قبیلہ ہے۔ قیافہ کا علم اس قبیلہ میں اور بنو اسد میں پایا جاتا تھا اور عرب ان کو اس سے جانتے پہچانتے تھے۔ ﴿ هذه الاقدام بعضها من بعض ﴾ ان دونوں کے مابین نسبی تعلق ہے اور یہ بات اس نے اس وقت کہی جب اس نے اسامہ اور زید کو اکٹھے لیٹے ہوئے دیکھا۔ دونوں کے چہرے اور سر چادر سے ڈھانپے ہوئے تھے اور قدم دراز تھے اور کھلے ہوئے تھے۔ آپؐ کی مسرت و انبساط اور خوشی کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ سے ان کے نسب میں طعن کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا باپ زید سفید رنگ کا تھا۔ باوجودیکہ طعن کا کوئی بہت بڑا مقام نہیں تھا کیونکہ ان کی والدہ ام ایمن کالے رنگ کی حبشی خاتون تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا ثبوت نسب کے سلسلہ میں قیافہ شناسی سے کام لیا جا سکتا ہے اور فیصلہ کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے اور عدالت اسے تسلیم کرتی ہے۔

راوی حدیث: ﴿ مجزز مدلجی رضی اللہ عنہ ﴾ بنو مدلج سے ہونے کی وجہ سے مدلجی کہلائے۔ دور جاہلیت میں ان کی قیافہ شناسی مسلمہ تھی۔ ان کو مجزز اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ قیدی بنائے اور ان کی پیشانی بال کاٹ دیئے گئے۔ مجزز محدث کے وزن پر ہے۔ مجزز بن اعور بن جعدہ کنانی مدلجی۔

١٥ـ كِتَابُ الْعِتْقِ

آزادی کے مسائل

(١٢٢٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّمَا امْرِيءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِماً اسْتَنْقَذَ اللَّهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْواً مِنْهُ مِنَ النَّارِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِلتِّرْمِذِيِّ - وَصَحَّحَهُ - عَنْ أَبِي أُمَامَةَ: أَيُّمَا امْرِيءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ. وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ كَعْبِ ابْنِ مُرَّةَ: أَيُّما امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً كَانَتْ فِكَاكَها مِنَ النَّارِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس مسلمان نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس کے ہر عضو کے بدلے جہنم کی آگ سے آزاد فرما دے گا۔'' (بخاری و مسلم) اور ترمذی میں ابوامامہ کی روایت ہے جسے ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے کہ ''جس مسلمان مرد نے دو مسلمان لونڈیوں کو آزاد کیا تو وہ دونوں اس مرد کے دوزخ سے آزاد ہونے کا سبب بن جائیں گے۔'' اور ابوداوًد میں کعب بن مرہ کی روایت میں ہے کہ ''جو مسلمان خاتون کسی مسلمان لونڈی کو آزاد کرے گی تو وہ اس کے جہنم سے آزاد ہونے کا موجب ہوگی۔''

لغوی تشریح: ﴿کتاب العتق﴾ عین کے کسرہ کے ساتھ اور ''تاء'' کے سکون کے ساتھ۔ آزادی دینا یعنی صرف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی غلام کو آزاد کرنا۔ ﴿استنقذ﴾ جس نے بچایا، نجات دی۔ ﴿کانتا فکاکه﴾ ''فا'' پر لغوی طور پر فتحہ اور کسرہ دونوں ہیں یعنی دونوں لونڈیاں آزادی بخشنے والے کی خلاصی و رہائی کا موجب بن جائیں گی۔ ﴿معتق﴾ کی ''تا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ آزاد کرنے والا ﴿من النار﴾ یعنی ان دونوں کا آزاد کرنا نار جہنم سے اس کی خلاصی و رہائی کا سبب ہوگا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان غلام کو نعمت آزادی سے بہرہ ور کرنا بخشش و مغفرت اور جہنم سے آزادی کا موجب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مختلف انداز میں اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔ یہ انسانیت پر نبی ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپؐ نے عہد غلامی کی زنجیروں سے انسانوں کو آزادی کی غیر مترقبہ نعمت سے نوازا ہے اور غلاموں کے حقوق سے خبردار کیا ہے ورنہ غلاموں کو تو جانوروں سے بھی بدتر حالات سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔

راوی حدیث: ﴿کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ﴾ بعض مرہ بن کعب بھی کہتے ہیں۔ پہلے بصرہ آئے پھر اردن منتقل ہو گئے۔ اور وہیں ۵۷ھ یا ۵۹ھ کو وفات پائی۔

(۱۲۲۱) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ العَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «إِيمَانٌ بِاللهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ». قُلْتُ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «أَغْلَاهَا ثَمَناً، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ بہترین عمل کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستہ میں جہاد کرنا۔" میں نے عرض کیا کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا "وہ غلام جو قیمت میں زیادہ گراں اور مالکوں کی نظروں میں زیادہ نفیس و محبوب ہو۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ای الرقاب الفضل﴾ یعنی کسی غلام کا آزاد کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے؟ ﴿انفسها﴾ افعل التفضیل نفاست سے ہے۔ یعنی مالکوں کی نظروں میں زیادہ نفیس اور زیادہ پسندیدہ اور زیادہ معزز۔

(۱۲۲۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَعْتَقَ شِرْكاً لَهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ العَبْدِ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ عَدْلٍ، فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ العَبْدُ، وَإِلاَّ فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص مشترکہ غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے اور اس کے پاس مزید اتنا مال بھی ہو کہ غلام کو خرید کر آزاد کر سکے تو انصاف سے اس کی قیمت مقرر کر کے دوسرے شرکاء کو ان کے حصہ کی قیمت ادا کر دے تو یہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو گا۔ ورنہ جتنا کچھ آزاد ہوا سو ہو چکا۔" (بخاری و مسلم)

وَلَهُمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «وَإِلاَّ قُوِّمَ عَلَيْهِ، وَاسْتُسْعِيَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ». وَقِيلَ: إِنَّ السِّعَايَةَ مُدْرَجَةٌ فِي

دونوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "ورنہ اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اس پر مشقت ڈالے بغیر اسے آزادی حاصل کرنے کا موقع دیا

الخَبَرِ . جائے گا۔" (اگلی عبارت کا مفہوم لغوی تشریح میں دیکھیں)

لغوی تشریح: ﴿ شركا ﴾ شین کے نیچے کسرہ اور "را" ساکن۔ معنی اس کے حصہ اور نصیب کے ہیں۔ ﴿ يبلغ ثمن العبد ﴾ یعنی غلام کی باقی قیمت۔ ﴿ قوم ﴾ صیغۂ مجہول۔ تقویم سے ماخوذ ہے۔ اس غلام کی عدل و انصاف سے قیمت طے کروائی جائے گی۔ ﴿ فاعطي شركاءه ﴾ الخ یہ آزاد کرنے والا باقی شرکاء کو ان کے حصے کی قیمت ادا کرے گا اور یہ غلام پورے کا پورا اس کی جانب سے آزاد ہو جائے گا۔ یہ خبر ہے مگر امر کے معنی میں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس آدمی پر اس غلام کا آزاد کرنا لازمی اور ضروری ہے اس سے جائے پناہ کوئی نہیں۔ ﴿ والا ﴾ یعنی اگر آزاد کرنے والے کے پاس مال نہ ہو۔ ﴿ فقد عتق الخ ﴾ عتق کی تا پر فتحہ ہے مطلب یہ ہے کہ پھر جتنا اس نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا اور باقی اسی طرح غلام رہے گا۔ ﴿ والا قوم عليه واستسعى الخ ﴾ قوم اور استسعى دونوں صیغۂ مجہول ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والے کے پاس مزید اتنا مال نہیں ہے جو اس کی پوری قیمت کے برابر ہو تو پھر غلام کو کما کر لانے کی زحمت دی جائے گی اور اسے تکلیف دی جائے گی کہ وہ اتنا مال تلاش کرے جو دوسرے شریک کے حصہ کے برابر ہو جب غلام وہ حصہ مالک کے سپرد کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ ﴿ الاستسعاء ﴾ سے یہاں یہی مراد ہے۔ (اسی مادہ سے السعايه بھی آتا ہے کہ جس کا معنی ہے "چغلی" کہا جاتا ہے کہ: "چغلی خبر میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔"

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض نے تو پہلی حدیث کو لے لیا کہ غلام کا بقیہ حصہ غلام ہی رہے اور اس سے سعی، کسب نہیں کرائی جائے گی اور کچھ نے کہا کہ نہیں اس میں کوئی حرج نہیں حالانکہ فقد عتق منه ما عتق کا جملہ کسب کے منافی نہیں ہے۔ اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام شرکاء حصص میں سے صرف ایک کے حصہ کے آزاد کرنے سے فی الفور غلام پورا آزاد نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کی حیثیت ایسے مکاتب کی ہوگی جس نے اپنی کتابت کا کچھ حصہ تو ادا کر دیا ہے اور کچھ ابھی باقی ہے۔ یہی رائے امام بخاری رحمہ اللہ کی ہے۔ اس قول کے حق میں دلیل موجود ہے کہ وہ غلام باقی حصے میں غلام ہی رہے اور مستقبل میں ہمیشہ رہے گا اور یہ کہ جتنا حصہ غلامی سے آزاد ہو چکا ہے اس میں کسب سعی کی ضرورت نہیں۔ ﴿ وقيل ان السعاية مدرجة في الخبر ﴾ سبل السلام میں ہے کہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ جملہ بھی مرفوع روایت ہوا ہے۔ مدرج في الخبر اور کہا گیا ہے غلام کیلئے حدیث میں سعی و کسب کا ذکر مدرج ہے مگر سبل السلام میں ہے کہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ جملہ بھی مرفوع روایت ہوا ہے۔ جب تک اس پر مضبوط دلیل قائم نہ ہو اسے مدرج نہیں کہا جا سکتا۔

(۱۲۲۳) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدَهُ إِلَّا أَنْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی بیٹا باپ کیلئے کافی نہیں۔ الّا یہ کہ باپ غلام ہو تو وہ اسے خرید کر آزاد کر دے۔"

يَجِدَهُ مَمْلُوكاً فَيَشْتَرِيَهُ، ثُمَّ يُعْتِقَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ. (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ لا یجزی ﴾ "یا" پر فتحہ' معنی ہے کہ نہیں کافی ہوگا۔ ﴿ فیعتقہ ﴾ اس میں "فا" تعقیب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض خریدنے سے آزاد نہیں ہوگا بلکہ خرید کر اسے پھر آزاد کرے۔ ظاہریہ حضرات نے اس کا یہی معنی لیا ہے اور جمہور نے کہا ہے کہ وہ صرف خریدنے سے آزاد ہو جائے گا لیکن جب کہ خریدنا ہی اس کی آزادی کا سبب ہے تو مجازی طور پر اس کی طرف منسوب کر دیا ہے ان کی دلیل آنے والی حدیث ہے۔

(١٢٢٤) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ، وَرَجَّحَ جَمْعٌ مِّنَ الحُفَّاظِ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ.

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی قرابت دار کا مالک ہو جائے تو وہ غلام آزاد ہے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے اسے موقوف قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ذا رحم ﴾ رحم کے "را" پر فتحہ اور "حا" کے نیچے کسرہ۔ وہ جگہ جہاں بچہ ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے پھر اس کا استعمال قرابت کیلئے کیا جانے لگا۔ پس وہ تعلق جو تیرے اور اس کے درمیان حرمت نکاح کو واجب کرتا ہے۔ ﴿ محرم ﴾ قیاس کے اعتبار سے اس پر نصب ہے لیکن دراصل جار کی وجہ سے مجرور ہے اور "محرم" کے میم پر فتحہ اور "حا" ساکن اور "را" پر فتحہ اور محرم کو صیغہ مفعول بھی کہا گیا ہے اس صورت میں یہ تحریم سے ماخوذ ہوگا اور محرم کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح حرام ہو مثلاً باپ' بھائی' چچا اور اس ضمن میں دوسرے رشتہ دار۔ ﴿ فھو حر ﴾ یہاں حر سے مراد ہے وہ قرابت دار خواہ مرد ہو یا عورت۔ اس کی ملکیت کے بسبب وہ آزاد ہو جائے گا۔

حاصل کلام: یہ حدیث بقول محدثین موقوف ہے مگر اس باب میں اور احادیث بھی مروی ہیں جن میں سے ایک کو ابن قطان اور ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی رو سے جن تعلق داروں کا باہم نکاح نہیں ہو سکتا ان میں غلامی اور آقائی کا تعلق بھی ایسا ہے جس کی وجہ سے نکاح نہیں رہ سکتا۔ (السبل)

(١٢٢٥) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما، أَنَّ رَجُلاً أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمَالِيكَ لَهُ، عِنْدَ مَوْتِهِ، لَمْ يَكُن لَّهُ مَالٌ غَيْرَهُمْ، فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَجَزَّأَهُمْ أَثْلاَثاً، ثُمَّ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے۔ ان غلاموں کے علاوہ اس کی کوئی اور جائیداد نہیں تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو طلب فرمایا اور ان کے تین حصے کئے پھر ان میں سے قرعہ

أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ ٱثْنَيْنِ، وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً، وَقَالَ لَهُ قَوْلاً شَدِيْداً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اندازی فرمائی۔ پھر آپؐ نے دو غلاموں (ایک تہائی) کو آزاد فرما دیا اور باقی چار کو غلام رہنے دیا اور آزاد کرنے والے کے حق میں سخت کلمہ بھی فرمایا۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فجزاهم اثلاثا﴾ جزا کی "زا" پر تشدید۔ معنی ہے کہ ان کو تقسیم کیا تین حصوں میں۔ ہر ایک حصہ کو دو غلاموں سے منسلک کر دیا۔ ﴿ارق﴾ "قاف" پر تشدید ارقاق سے ماضی کا صیغہ ہے۔ باقی چاروں پر غلامی کا حکم بدستور باقی رکھا۔ ﴿وقال له قولا شديدا﴾ آزاد کرنے والے کے فعل و عمل کو ناپسند کرنے اور مکروہ سمجھنے کی وجہ سے اسے سخت الفاظ سے یاد فرمایا اور ابوداؤد میں ہے کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اگر میں اس کی تدفین سے پہلے موجود ہوتا تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔" سبل السلام میں ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیماری کا صدقہ وصیت کا حکم رکھتا ہے اور وہ ترکہ کے تیسرے حصہ میں نافذ ہو گا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے وقت صدقہ کی حیثیت وصیت کی ہوتی ہے اور وہ شرعاً ترکہ کی ایک تہائی وصیت کرنے کا مجاز ہے اس سے زائد نہیں اور اگر مرنے والا مرض الموت میں اس کے خلاف صدقہ یا وصیت کر گیا تو اس کی اصلاح کی جائے گی اور وہ نافذ العمل نہیں ہو گا۔

(١٢٢٦) وَعَنْ سَفِيْنَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ مَمْلُوكاً لِأُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، فَقَالَتْ: أَعْتِقُكَ، وَأَشْتَرِطُ عَلَيْكَ أَنْ تَخْدِمَ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَا عِشْتَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالحَاكِمُ.

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ام سلمہؓ کا غلام تھا' انہوں نے مجھے کہا کہ میں تجھے اس شرط پر آزاد کرتی ہوں کہ تو رسول اللہ ﷺ کی تاحیات خدمت بجالاتا رہے۔ (اسے احمد' ابوداؤد' نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزادی کا پروانہ مشروط طور پر بھی دینا جائز ہے اور غلام سے تاحیات کسی کی خدمت کی شرط لگانا بھی درست ہے۔

(١٢٢٧) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا الوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "(ولاء) اسی کا حق ہے جو اسے آزاد کرے۔" (بخاری و مسلم یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الولاء﴾ ولاء کے "واؤ" پر فتحہ اور آخر پر مد ہے یعنی عتق کی ولاء اور وہ یہ ہے کہ آزاد شدہ غلام جب فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ کا حق آزاد کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ یہ حدیث مفصل

طور پر کتاب البیوع میں اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

(۱۲۲۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ». رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ بِغَيْرِ هٰذَا اللَّفْظِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ولاء بھی نسب کی طرح ایک جز و تعلق ہے جسے نہ فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔" (اسے شافعی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور صحیحین میں اس کا اصل ہے جس کے الفاظ یہ نہیں)

لغوی تشریح: **لحمۃ** لام پر ضمہ اور فتحہ دونوں درست ہیں۔ کپڑے کے بانا کو کہتے ہیں اور سبل السلام میں ہے کہ اس کو تعلق نسب سے تشبیہہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ میراث جس طرح نسب میں جاری ہوتی ہے اسی طرح ولاء میں بھی جاری ہوتی ہے جیسے کپڑے کے بانے کو تانے کے ساتھ ملا دیتے ہیں تو ایک ہی چیز بن جاتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے والے کو ولاء اسی طرح ملتی ہے جس طرح نسب کے قریبی کو میراث ملتی ہے۔ جس طرح باپ بیٹے اور بھائی بھائی کا ایسا تعلق ہے جو ناقابل فروخت ہے اور ہبہ بھی نہیں ہو سکتا اسی طرح ولاء نہ فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ ولاء اس میراث کو کہتے ہیں جو شرعاً آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کردہ کی وجہ سے ملتا ہے۔

١ - بَابُ الْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ وَأُمِّ الْوَلَدِ

مدبر' مکاتب اور ام ولد کا بیان

(۱۲۲۹) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلاً مِّنَ الْأَنْصَارِ أَعْتَقَ غُلَاماً لَّهُ عَنْ دُبُرٍ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟» فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: فَاحْتَاجَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے اپنا ایک غلام مرتے وقت آزاد کر دیا۔ اس کی ملکیت صرف یہی مال تھا۔ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا "کون ہے جو اس غلام کو مجھ سے خریدتا ہے؟" نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے اسے آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں پس وہ محتاج ہوا۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِّلنَّسَائِيِّ: وَكَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَبَاعَهُ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، فَأَعْطَاهُ، وَقَالَ: «اقْضِ دَيْنَكَ».

اور نسائی کی روایت میں ہے کہ اس پر قرض تھا پس آپؐ نے اسے آٹھ سو درہم کے عوض فروخت کیا اور اسے دے کر فرمایا "اپنا قرض ادا کر۔"

لغوی تشریح: ﴿ باب المدبر ﴾ تدبیر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور "مدبر" اس غلام کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک یوں کہدے کہ میری وفات کے بعد تو آزاد ہے۔ ﴿ والمکاتب ﴾ یہ اسم مفعول ہے مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا و مالک سے ایک مقرر مال پر معاہدہ کر لے کہ جب وہ طے شدہ رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا اس عقد کو مکاتب کہتے ہیں۔ ﴿ ام الولد ﴾ اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کی اس کے مالک سے اولاد پیدا ہوئی ہو۔

حاصل کلام: یہ حدیث کتاب البیوع میں مختصر گزر چکی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غلام کو مدبر کرنا درست ہے اور جمہور کہتے ہیں کہ اس کو تیسرے حصے میں سے تدبیر کیا جا سکتا ہے سارے راس المال سے نہیں۔ اس حدیث سے "بولی" دینا جائز ثابت ہوا۔ یعنی ایک چیز کو فروخت کرنے کیلئے کہنا کہ کون اس چیز کو خریدتا ہے؟ ایک نے کہا میں اسے اتنے میں خریدتا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں اتنے میں خریدتا ہوں۔ اس طرح گاہک قیمت بڑھاتے جاتے ہیں ۔ مالک جب دیکھتا ہے کہ اب اس کی قیمت ٹھیک لگ گئی ہے تو وہ اسے فروخت کر دیتا ہے۔ آج کل منڈیوں میں عام طور پر سودا جات اسی طرح فروخت ہو رہے ہیں اور یہ طریقہ جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿ نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ﴾ ان کا لقب نحام تھا۔ نون پر فتحہ اور "حا" پر تشدید۔ قریش کے قبیلہ عدی سے تھے۔ قدیم الاسلام تھے۔ شروع میں اپنا ایمان مخفی رکھا۔ انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو بنو عدی نے کہا یہاں سے نہ جاؤ چاہے کسی بھی دین پر قائم رہو کیونکہ یہ بیوگان و یتامیٰ پر خرچ کرتے تھے پھر انہوں نے صلح حدیبیہ والے سال ہجرت فرمائی۔ عہد صدیقی یا فاروقی میں فتح شام کے موقع پر شہادت پائی۔

(١٢٣٠) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ، مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ دِرْهَمٌ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ. وَأَصْلُهُ عِنْدَ أَحْمَدَ وَالثَّلَاثَةِ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا "مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک اس کی مکاتبت سے ایک درہم بھی باقی ہے۔" (اسے ابوداؤد نے حسن سند سے نکالا ہے اور اس کی اصل احمد اور تینوں کے ہاں ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ المکاتب عبد ﴾ جس پر غلام ملوک کے احکام جاری ہوں گے۔

حاصل کلام: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ "مکاتب" جب تک کتابت کی رقم ادا نہ کر سکے اس وقت تک وہ غلام ہی رہے گا۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

(١٢٣١) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کے پاس

ﷺ: «إِذَا كَانَ لِإِحْدَاكُنَّ مُكَاتَبٌ، وَكَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي، فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

مکاتب ہو اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہے تو پھر (عورت کو) اس سے پردہ کرنا چاہئے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مکاتب کے پاس زر کتابت ادا کرنے کیلئے رقم کا بندوبست ہو جائے تو مالکہ کو اس سے پردہ کرنا چاہئے۔ حالانکہ مالکہ غلام سے پردہ کرنے کی پابند نہیں ہوتی۔ یہ امر استحباب اور تورع کیلئے ہے کیونکہ اوپر والی حدیث میں ہے کہ مکاتب جب تک پوری زر کتابت ادا نہ کر دے وہ اس وقت تک غلام ہی کے حکم میں رہتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پردہ ایک مسلمان خاتون کیلئے ضروری ہے جب مکاتب سے پردہ کا حکم ہے تو دوسروں سے کیوں نہیں۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ عورت غلام کو دیکھ سکتی ہے۔

(۱۲۳۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يُودَى الْمُكَاتَبُ بِقَدْرِ مَا عَتَقَ مِنْهُ دِيَةَ الْحُرِّ، وَبِقَدْرِ مَارَقَّ مِنْهُ دِيَةَ الْعَبْدِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ "مکاتب" جتنا آزاد ہے اس قدر آزاد کی دیت ادا کرے گا اور جتنا غلام ہے اس قدر غلام کی۔" (اسے احمد' نسائی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ يودى المكاتب ﴾ يودى فعل مضارع "یا" پر ضمہ اور واؤ ساکن دال پر فتحہ صیغہ مجہول ودی یدی دیہ- سے معنی ہے مکاتب کی دیت دے گا۔ ﴿ بقدر ما عتق منه ﴾ وہ حصہ جس کے ادا کرنے کے بعد وہ آزاد ہوتا ہے۔ "دیۃ الحر دیہ منصوب ہے یعنی آزاد کی دیت۔ ﴿ وبقدر مارق منه ﴾ غلام کی دیت دی جائے گی جس قدر غلام رہ گیا ہے۔ مثلاً جب مکاتب کو قتل کر دیا گیا جب کہ اس نے آدھی زر کتابت ادا کر دی تھی تو اس صورت میں قاتل آدھی دیت آزاد کی اور آدھی غلام ہونے کی دے گا۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عام فقہاء کا قول یہ ہے کہ مکاتب جب تک پورا زر کتابت ادا نہ کر دے اس وقت تک وہ بار اس کے ذمہ ہے۔ جہاں تک ہمارا مبلغ علم ہے علماء میں سے سوائے ابراہیم نخعی کے اس حدیث پر کسی نے فتویٰ نہیں دیا البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک قول یہی ہے اور جب حدیث کی صحت ثابت ہو تو اس پر عمل واجب ہے بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہو اور نہ اس کے معارض کوئی دوسری حدیث ہو جو اس سے بہتر ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مکاتب کے قتل کئے جانے کی صورت میں دیت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ جب مکاتب قتل ہو جائے اور وہ اپنی نصف زر کتابت ادا کر چکا ہو تو اس صورت میں قاتل نہ آزاد کے سو اونٹ ادا کرے گا اور نہ غلام کے آدھے بلکہ جب وہ آدھی رقم کتابت دے چکا ہے تو پھر قاتل پر ۷۵ اونٹ

ذاجب الادا ہوں گے۔

(۱۲۳۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الحَارِثِ، أَخِي جُوَيْرِيَةَ أُمِّ المُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْها قَالَ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَماً، وَلاَ دِيْنَاراً، وَلاَ عَبْداً، وَلاَ أَمَةً، وَلاَ شَيْئاً، إلاَّ بَغْلَتَهُ البَيْضَاءَ، وَسِلاَحَهُ، وَأَرْضاً جَعَلَهَا صَدَقَةً. رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم میراث میں پیچھے چھوڑا اور نہ دینار اور نہ کوئی غلام اور نہ لونڈی اور نہ کوئی اور چیز۔ بس ایک سفید خچر' اپنا اسلحہ جنگ اور کچھ تھوڑی سی زمین جسے آپؐ نے صدقہ کر دیا تھا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ ولا امة ﴾ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آپؐ نے ام ابراھیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے چھوڑا تھا پھر ولا امۃ کہنا کیسے درست ہوا جبکہ ان کی وفات تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی ہے۔ اس کا جواب اس حدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ چونکہ وہ ام ولد تھیں' اس لئے وہ لونڈی نہ رہیں۔ اسی بنا پر مصنف رحمہ اللہ نے اس باب میں اس حدیث کو بیان کیا ہے اور رہی وہ تھوڑی سی زمین جسے آپؐ نے صدقہ کر دیا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ آپؐ کو اپنی زندگی میں تین زمینیں حاصل ہوئی تھیں۔ بنو نضیر کے کھجور کے باغ' خیبر کی زمین اور فدک کی زمین' بنو نضیر کی کھجوریں تو آپؐ کیلئے خصوصی طور پر تھیں۔ اکثر آپؐ نے ان میں سے مہاجرین کو عطا فرما دی تھیں۔ اور تھوڑی سی ان میں سے بطور وقف برائے ضروریات ناگہانی روک لی تھیں اور یہ وہی صدقہ تھا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ رہا خیبر کی زمین کا معاملہ تو اسے آپؐ نے تین ہزار چھ سو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کا نصف ایک ہزار آٹھ سو' اسے آپؐ نے غزوۂ خیبر میں شریک مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم میں دوسرے کسی مسلمان کی طرح رسول اللہ ﷺ کا بھی حصہ تھا اور دوسرا نصف حصہ الگ رکھا وہ بھی ایک ہزار آٹھ سو تھا یہ حصہ آپؐ نے اپنی اور مسلمانوں کی ناگہانی ضروریات کیلئے وقف کر دیا۔ رہا فدک کا حصہ تو یہ آپؐ کیلئے مخصوص تھا اسے آپؐ نے مسافروں کیلئے وقف و مخصوص کر دیا تھا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے نبی ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ تریسٹھ کے لگ بھگ لونڈی غلام آپؐ کے قبضہ میں آئے۔ آپؐ نے ان سب کو آزاد کر دیا اور اپنے پیچھے کوئی میراث نہیں چھوڑی بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ "انبیاء ؑ کا گروہ درہم و دینار میراث میں نہیں چھوڑتے جو ترکہ چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔"

راوی حدیث: ﴿ عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ ﴾ یہ صاحب ابن حارث بن ابی ضرار بن حبیب خزاعی مصطلقی

تھے۔ یعنی قبیلہ خزاعہ کی شاخ مصطلق سے تھے۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔

(١٢٣٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّمَا أَمَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَهِيَ حُرَّةٌ بَعْدَ مَوْتِهِ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ وَالْحَاكِمُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ، وَرَجَّحَ جَمَاعَةٌ وَقْفَهُ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس لونڈی نے اپنے آقا و مالک کے نطفہ سے بچہ جنا تو وہ مالک کی وفات کے بعد آزاد ہے۔" (اس کی روایت ابن ماجہ اور حاکم نے ضعیف سند سے کی ہے اور ایک جماعت نے اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث اور پہلی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ام ولد اپنے آقا کی وفات کے بعد ازخود آزاد ہو جاتی ہے۔ یہ روایت اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں حسین بن عبداللہ ہاشمی بہت ہی کمزور و ضعیف راوی ہے۔

(١٢٣٥) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعَانَ مُجَاهِداً فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ غَارِماً فِي عُسْرَتِهِ، أَوْ مُكَاتَباً فِي رَقَبَتِهِ، أَظَلَّهُ اللَّهُ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے مجاہد فی سبیل اللہ کی اعانت و مدد کی یا تنگی حالات میں کسی مقروض سے تعاون کیا یا کسی مکاتب کو اس کے زر کتابت کی ادائیگی میں ہاتھ بٹایا کہ وہ آزاد ہو جائے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اس روز سایہ عطا فرمائے گا جس روز اس کے سایہ کے ماسوا کوئی سایہ نہیں ہو گا۔" (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الغارم ﴾ جس پر قرض کا بار ہو یعنی مقروض۔ دراصل لغت میں غارم ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کا ضامن بنے۔ جس کا ضامن بنے وہ اپنے ذمہ کی رقم وغیرہ ادا نہ کر سکے اور ضامن کو وہ رقم ادا کرنی پڑے تو یہ ضامن بھی غلام کہلائے گا۔ تہی دست ہو تو ایسے مقروض کو بھی غلام کہتے ہیں پھر ہر ایک مقروض پر یہ لفظ بولا جانے لگا۔

حاصل کلام: اسلام خیر خواہی' مواساۃ اور باہمی ہمدردی کا درس دیتا ہے۔ برے وقت اور خراب حالات میں ایک دوسرے سے تعاون کی تلقین و ترغیب دیتا ہے۔ اسی کی روشنی میں اس حدیث میں مقروض کو بار قرض سے سبکدوش کرانے اور مجاہد فی سبیل اللہ کی ضروریات پوری کرنے کی ترغیب ہے کہ قیامت کے

روز جب کوئی سایہ دار چیز نہیں ہو گی اللہ تعالیٰ اسے سایہ نصیب کریں گے۔

١٦ - كِتَابُ الْجَامِعِ

متفرق مضامین کی احادیث

١ - بَابُ الْأَدَبِ

ادب کا بیان

(١٢٣٦) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ، إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَاللَّهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ جب ملاقات ہو تو' تو اسے سلام کہہ اور جب دعوت پر مدعو کرے تو دعوت قبول کر اور جب نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کر اور چھینک مار کر الحمد لله کہے تو اس کے جواب میں تو یرحمك الله کہہ اور جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کر اور جب وفات پا جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کر۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿كتاب الجامع﴾ اس میں مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے مثلاً آداب' اخلاق' نیکی و خیر خواہی' زھد و تقویٰ اور اذکار مسنونہ کا وغیرہ۔ ﴿ست﴾ صرف چھ حقوق پر منحصر ہی نہیں ہے' بلکہ اس سے کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں۔ ﴿فشمته﴾ امر ہے تشمیت سے اور وہ اس طرح کہ چھینک مارنے والا الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمك الله کہے۔ ﴿فعطس فحمد الله﴾ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ اگر چھینک مارنے والا الحمد للہ نہ کہے تو سامع پر اس کا جواب دینا ضروری نہیں۔ ﴿فعده﴾ یہ عیادۃ سے امر ہے اور باب نصر سے ہے۔ ﴿فاتبعه﴾ اس کی اتباع سے مراد ہے کہ اس کے جنازے کے پیچھے پیچھے چل۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق بیان ہوئے ہیں۔ مسلم کی ایک روایت میں پانچ کا ذکر بھی ہے' اس میں خیر خواہی کا ذکر نہیں اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب وہ تجھے کسی معاملہ پر قسم اٹھوائے تو حق ہونے کی صورت میں قسم دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان چھ حقوق کا ادا کرنا ہر مسلمان پر بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ مگر ظاہر حدیث کے الفاظ سے ان حقوق کی ادائیگی واجب ہی معلوم ہوتی ہے۔

(١٢٣٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «اُنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْكُمْ، وَلاَ تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لاَ تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہمیشہ اپنے سے غریب کو دیکھو اور اپنے سے امیر کی طرف نہ دیکھو اور یہ اس کیلئے زیادہ مناسب ہے (اس لیے) کہ تم اللہ کی کسی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿لا تنظروا الی من هو فوقکم﴾ اپنے سے اوپر سے مراد مال و دولت میں' جاہ و حشمت میں اور دنیوی امور و معاملات میں بالا و برتر۔ ﴿اجدر﴾ زیادہ مناسب' زیادہ لائق اور زیادہ مستحق۔ ﴿ان لا تزدروا﴾ حقیر اور معیوب نہ سمجھو اور یہ اس لئے کہ انسان جب اپنے سے فروتر کی طرف دیکھتا ہے تو قناعت کرتا ہے' شکر ادا کرتا ہے اور جب اپنے سے بالاتر کی طرف دیکھتا ہے تو حرص و لالچ اور حسد کرتا ہے اور جس نعمت میں وہ اس وقت ہوتا ہے اسے حقیر تصور کرتا ہے۔

(١٢٣٨) وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالإِثْمِ، فَقَالَ: «الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو ناپسند سمجھے کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ما حاك فی صدرك﴾ تیرے سینے میں اضطراب پیدا کرے اور تو اسے انجام دینے میں تردد اور تذبذب میں مبتلا ہو کہ اس کے کرنے میں ملامت ہوگی یا اسے اس خوف اور ڈر کے پیش نظر چھوڑ دے کہ اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں نیکی اور گناہ کی حقیقت کے بارے میں بیان ہوا کہ نیکی یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ ان سے دوستی رکھے' ان پر مشقت نہ ڈالے' ان کے کام آئے' ان کے بوجھ اٹھائے' ان سے برا سلوک نہ کرے۔ ہاتھ' زبان سے ان کے ساتھ دست درازی نہ کرے۔ بلاوجہ آپے سے باہر نہ ہو جائے۔ حتی الوسع درگزر اور عفو سے کام لے۔ مؤاخذہ اور گرفت کا رویہ اختیار نہ کرے وغیرہ اور گناہ یہ ہے کہ دل میں کھٹک اور شبہ رہے کہ نہ جانے یہ کام اللہ کی نظر میں کیسا ہے۔ دل میں تسلی و تشفی نہ ہو۔ اس دنیا میں نیکی اور گناہ کی کشمکش جاری ہے اور جاری رہے گی۔ نیکی اور برائی کو پہچاننے کا یہ بہترین نسخہ ہے۔

راوی حدیث: ﴿ نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ ﴾ نواس میں واوَ پر تشدید اور سمعان میں سین پر فتحہ یا کسرہ۔ بن خالد کلابی عامری۔ بنو کلب سے تعلق تھا۔ شامی صحابہ ؓ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کے باپ نے نبیؐ کے پاس ان کو بلانے کے لئے ایک وفد بھیجا۔ نبیؐ کو جوتے ہدیئے میں بھیجے جنہیں آپؐ نے قبول فرمالیا۔

(١٢٣٩) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَ اثْنَانِ دُونَ الْآخَرِ، حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ، مِنْ أَجْلِ أَنَّ ذَلِكَ يُحْزِنُهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم تین ہو تو دو آدمی تیسرے کو الگ کر کے سرگوشی نہ کریں تاوقتیکہ وہ لوگوں کے ساتھ مل جل نہ جائیں کیونکہ اس طرح یہ چیز اسے غمگین اور رنجیدہ خاطر کرتی ہے۔" (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ التناجی ﴾ سرگوشی کو کہتے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ساتھی کو نظر انداز کر کے کانا پھوسی اور سرگوشی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جس سے انسانی جذبات و احساسات کا احترام ملحوظ رکھنے کا سبق ملتا ہے کہ ایسا کام انجام نہ دیا جائے جس سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو اور اسے خیال گزرے کہ یہ مجھے اپنا نہیں بلکہ غیر تصور کرتے ہیں یا اسے کھٹکا اور اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں میرے خلاف ساز باز کر رہے ہیں اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے دوسرے کے جذبات و احساسات کو ٹھیس پہنچتی ہے اس لئے جماعتی زندگی میں کانا پھوسی اور سرگوشی' کرنا منع فرمایا گیا ہے۔

(١٢٤٠) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ، وَلَكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی آدمی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ نہ بیٹھے۔ اگر جگہ کی کمی ہو تو حلقۂ مجلس وسیع اور کشادہ کر لے اور اس میں توسیع کر لے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ ولکن تفسحوا ﴾ یعنی اہل مجلس سکڑ کر قریب قریب ہو جائیں۔ تفسحوا اور توسعوا تقریباً ہم معنی ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مجلسی آداب کی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر مجلس میں جگہ کی کمی واقع ہو رہی ہے اور لوگوں کی آمد بدستور جاری ہے تو پہلے نشستوں پر بیٹھے ہوئے لوگ ذرا سکڑ جائیں' ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں یا مجلس کو ذرا اور وسیع کر لیا جائے تاکہ آنے والے حضرات بھی بیٹھ سکیں۔ البتہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ایک آدمی کسی ضرورت کے پیش نظر اپنی نشست چھوڑ کر ذرا دیر کیلئے باہر جائے تو

دوسرا اس کی جگہ پر قبضہ جما لے یہ حکم ہر جگہ کیلئے یکساں ہے خواہ یہ مسجد میں ہو یا مجلس احباب میں یا کہیں دوسرے مقام پر ہو۔

(١٢٤١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتَّى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ چاٹنے یا چٹوانے سے پہلے (رومال وغیرہ سے) صاف نہ کرے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ یلعقھا ﴾ باب سمع یسمع سے۔ خود اپنی زبان سے اپنا ہاتھ چاٹ کر صاف کرے۔ ﴿ او یلعقھا ﴾ باب افعال سے اپنے علاوہ کسی دوسرے سے مثلاً غلام سے' خادم خانہ سے یا اپنے بیٹے وغیرہ سے۔ اس کی وجہ و علت یہ ہے کہ انسان کو اس کا علم نہیں کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں کھانا نوش کرنے کے آداب میں سے ایک ادب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ کو رومال وغیرہ سے صاف کرنے سے پہلے انگلیوں کو اپنی زبان سے چاٹ کر یا دوسرے کسی سے چٹوا کر صاف کرنا چاہئے۔ عین ممکن ہے کہ ہاتھ پر لگے ہوئے کھانے ہی میں برکت ہو۔ دوران کھانا ہاتھوں کو رومال وغیرہ سے صاف کرتے رہنا یا انگلیوں سے چاٹنے سے پہلے صاف کرنا بہرنوع خلاف سنت ہے۔

(١٢٤٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لِيُسَلِّمِ الصَّغِيرُ عَلَى الكَبِيرِ، وَالمَارُّ عَلَى القَاعِدِ، وَالقَلِيلُ عَلَى الكَثِيرِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وفي رواية لمسلم: والراكب على الماشي.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "چھوٹا بڑے کو' راہ چلتا بیٹھے کو اور تھوڑے زیادہ تعداد والوں کو سلام کہا کریں۔" (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ سوار' پیدل کو سلام کرے۔"

حاصل کلام: اس حدیث میں باہمی ایک دوسرے کو سلام کہنے کے بارے میں آداب کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرمایا "کم عمر والا بڑی عمر والے کو پہلے سلام کرے۔" اس سے بڑے کی عزت و توقیر مقصود ہے اور آنے والے کو حکم ہے کہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے' اس کی حکمت و علت یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنے والے سے ضرر و نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہے مگر جب وہ پہلے سلام کرے گا تو اس سے گویا خطرہ کا اندیشہ ختم ہو گیا اور فرمایا کہ سوار پیدل چلنے والوں کو سلام کریں کیونکہ سواری پر بیٹھا ہوا انسان ذرا بڑائی کے زعم اور تکبر میں مبتلا ہو جایا کرتا ہے' اس کے ازالہ کیلئے حکم فرمایا کہ "سوار پہلے سلام کرے اور اپنی تواضع اور محبت کا

اظہار کرے۔" اسی طرح کم تعداد' زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں اس میں کثرت کو قلت پر فوقیت اور افضلیت کی طرف اشارہ ہے۔ گویا اسلام نے حفظ مراتب کا اہل اسلام کو سبق دیا ہے جس پر ماشاء اللہ یہ امت عمل پیرا ہے۔

(١٢٤٣) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُجْزِىءُ عَنِ الجَمَاعَةِ - إِذَا مَرُّوا - أَنْ يُسَلِّمَ أَحَدُهُمْ، وَيُجْزِىءُ عَنِ الجَمَاعَةِ أَنْ يَرُدَّ أَحَدُهُمْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالبَيْهَقِيُّ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب ایک جماعت کسی کے پاس سے گزرے تو ان میں سے ایک آدمی کا سلام کہہ دینا کافی ہے اور جماعت میں سے ایک آدمی کا جواب دینا کافی ہے۔" (مسند احمد' سنن بیہقی)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کہنا اور اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔ جماعت میں سے ایک فرد اگر جواب دے گا تو تمام کی طرف سے ادائیگی ہو جائے گی۔

(١٢٤٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تَبْدَءُوا اليَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلاَمِ، وَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ» أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہود و نصاریٰ کو پہلے سلام مت کرو اور جب ان سے راستہ میں مڈبھیڑ ہو جائے تو انہیں تنگ راستہ کی طرف مجبور کر دو۔" (مسلم)

(١٢٤٥) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: الحَمْدُلِلَّهِ، وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ: يَرْحَمُكَ اللَّهُ. فَإِذَا قَالَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللَّهُ، فَلْيَقُلْ لَهُ: يَهْدِيكُمُ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ». أَخْرَجَهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے الحمد لله (سب تعریف اللہ کے لئے ہے) کہنا چاہئے اور اس کا بھائی اسے يرحمك الله (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہے۔ جب وہ يرحمك الله کہہ دے تو پھر چھینک مارنے والا جواباً کہے يهديكم الله ويصلح بالكم۔ اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال درست فرمائے۔ (بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک کا جواب دینا چاہئے بشرطیکہ چھینک مارنے والا پہلے الحمدللہ کہے اور یہ جواب تین بار تک چھینک آئے تو دینا چاہئے اس سے زیادہ ہو تو جواب نہیں دینا چاہئے

کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ "تین سے زیادہ چھینکیں زکام کی علامت ہیں۔" (ابوداؤد)

(١٢٤٦) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَشْرَبَنَّ أَحَدُكُمْ قَائِماً». أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی کھڑے کھڑے پانی نہ پیئے۔" (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں کھڑے کھڑے پانی پینے کی ممانعت ہے۔ اس ممانعت کو جمہور علماء نے نھی تنزیہی پر محمول کیا ہے لیکن ابن حزم کا قول ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہے اور بعض علماء اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے آب زم زم کھڑے ہو کر پینا ثابت ہے غالبًا اسی بنا پر جمہور نے کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کو نھی تحریمی پر محمول نہیں کیا۔

(١٢٤٧) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ، وَلْتَكُنِ الْيُمْنَى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ، وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی جوتا پہننے لگے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارے اور چاہیے کہ دائیں پاؤں میں جوتا پہلے پہنے اور دونوں پاؤں میں سے آخر میں دائیں پاؤں سے جوتا اتارے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الانتعال﴾ جوتے پہننا۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے ہر باعث تکریم اور موجب عزت کام کا آغاز دائیں طرف سے ہونا چاہئے اور ہر کم اہمیت والا کام بائیں جانب سے شروع کیا جائے۔ مثلاً جوتا پہننا' کنگھی کرنا' وضو کرنا' قمیص و شلوار یا پاجامہ وغیرہ پہننا دائیں طرف سے اور جوتا اتارنا' استنجا کرنا وغیرہ بائیں جانب سے۔ اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں اور نکلتے وقت بایاں پاؤں باہر نکالنا چاہئے۔

(١٢٤٨) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَمْشِ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، وَلْيُنْعِلْهُمَا جَمِيعاً، أَوْ لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعاً». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی بھی ایک جوتا پہن کر نہ چلے پھرے یا تو دونوں یکجا پہنے یا پھر دونوں اتار دے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿لینعلهما﴾ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا ضبط اس طرح کیا ہے کہ حرف مضارع یعنی یا پر ضمہ ہے اور اسے باب افعال سے مانا ہے اور تثنیہ کی ضمیر دونوں پاؤں کی جانب راجع ہے اگرچہ ان دونوں کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس تکلف کی چنداں ضرورت ہی نہیں کیونکہ وہ باب فتح سے بھی جوتا پہننے کے معنی میں آتا ہے۔ ﴿او لیخلعهما﴾ دونوں پاؤں سے اتار لے یہ نووی رحمہ اللہ کی تفسیر کی رو سے

ہے اور یہ معلوم ہے کہ ضمیر کا نعلین کی جانب مرجع زیادہ فصیح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ اخلع نعلیک ﴾ اپنے جوتے اتار دو۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے ایک جوتا پہن کر نہ چلنا چاہئے۔ دونوں پہنے یا دونوں اتار دے۔ بعض علماء نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ جوتے پہننے سے مقصود دونوں پاؤں کو تکلیف دہ چیزوں مثلاً کانٹا وغیرہ سے بچانا ہوتا ہے جب کہ ایک پاؤں ننگا ہوگا تو مقصد حاصل نہیں ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ شیطان کے چلنے کا طریقہ ہے۔ (سبل) سیدھی سی بات ہے کہ ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا ننگا لئے پھرنا شائستگی اور تہذیب کے بھی منافی ہے۔

(۱۲۴۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا جو تکبر سے اپنا کپڑا پاؤں کے نیچے اور پیچھے گھسیٹتا پھرے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ الخیلاء ﴾ "خا" پر ضمہ اور کسرہ بھی اور "یا" پر فتحہ۔ اس کے معنی تکبر، عجب، تفاخر اور اترانا وغیرہ۔

حاصل کلام: اس حدیث سے مردوں کیلئے ٹخنوں سے نیچے چادر وغیرہ کا لٹکانا حرام ہے۔ کیونکہ یہ متکبرین کی علامت ہے۔

(۱۲۵۰) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ، وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ، وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب بھی تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے اور جب کوئی مشروب نوش کرے تو اسے دائیں ہاتھ سے نوش کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہی سے پیتا ہے۔" (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے کھانا پینا دائیں ہاتھ سے ہونا چاہئے۔ بلاوجہ اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا پینا حرام ہے اور شیطان سے مشابہت ہے۔

(۱۲۵۱) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلْ، وَاشْرَبْ، وَالْبَسْ، وَتَصَدَّقْ، فِي غَيْرِ

حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کھا، پی اور لباس پہن اور صدقہ کر لیکن اسراف اور فخر کے بغیر۔" (اس کو ابوداؤد اور

سَرَفٍ وَلاَ مَخِيلَةٍ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَحْمَدُ، وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ. احمد نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے معلق بیان کیا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿السرف﴾ سین اور "را" دونوں پر فتحہ' ہر عمل اور فعل میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا اور انفاق میں زیادہ مشہور ہے اور مخیلہ' بروزن عظیمہ' کے معنی ہیں تکبر' عجب۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اسراف اور تکبر سے منع کیا گیا ہے خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو' لباس سے ہو یا صدقہ و خیرات سے۔ یہ دونوں بہر آئینہ ناجائز ہیں۔ شیخ عبداللطیف بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث انسان کے دنیوی و اخروی مصالح کی جامع ہے۔ کیونکہ اسراف ہر جگہ نقصان کا باعث ہے۔ زیادہ کھانے سے صحت برباد ہوتی ہے اور معیشت پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور تکبر کرنے والا دنیا میں دوسروں کی نظروں میں بھی مبغوض ہوتا ہے اور آخرت میں ذلت اور رسوائی اس کا مقدر بنتی ہے۔ (سبل)

٢ - بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ — نیکی اور صلہ رحمی کا بیان

(١٢٥٢) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی کو یہ پسند ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی و کشائش ہو اور عمر دراز ملے تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿باب البر﴾ "باء" کے نیچے کسرہ بھلے اور نیک کام میں وسعت پزیری۔ یہ ہر قسم کی برائیوں سے بچنے اور ہر قسم کی بھلائیوں کے اکتساب سے حاصل شدہ تمام نیکیوں اور بھلائیوں کو جمع کرنے والے کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق اس خالص عمل پر ہوتا ہے جو دم واپس تک مسلسل ولگاتار ہوتا رہے۔ ﴿والصلة﴾ مصدر ہے۔ قطع کی ضد ہے۔ معنی اس کے ملانا' جوڑنا' صلہ رحمی کرنا' اور صلہ رحمی کنایہ ہے قریبی رشتہ داروں سے احسان اور حسن سلوک کا' صلہ رحمی یعنی جوڑنے سے قریبی رشتہ دار نسبی اور سسرالی دونوں مراد ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آنا اور ان پر مہربانی کرنا اور قطع رحمی صلہ رحمی کی ضد ہے۔ ﴿ان يبسط﴾ صیغہ' مجہول۔ رزق میں توسیع و کشادگی پیدا ہو' ﴿ان ينسا﴾ یہ بھی صیغہ' مجہول۔ یعنی اضافہ ہو۔ ﴿فی اثره﴾ یعنی اس کی عمر میں' مدت اجل میں' عمر میں اضافہ کے معنی یہ ہیں کہ اسے نیک کاموں اور اطاعت و فرمانبرداری کی توفیق سے نوازا جائے گا اور اس کی زندگی اور ایام زندگی میں برکت ڈالی جائے گی اور اس کا ذکر جمیل اس کی وفات کے بعد بھی باقی رہے گا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عمر میں اضافہ حقیقت میں ہے اللہ کے علم کی طرف نسبت کے اعتبار سے نہیں بلکہ فرشتے

کے علم کے اعتبار سے ہے جسے انسان کی عمر پر مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کی عمر سو برس کی ہوگی اگر وہ صلہ رحمی کرے گا اور اگر قطع رحمی کرے گا تو ساٹھ برس ہوگی۔ حالانکہ اللہ کے علم میں ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا قطع رحمی۔ جو علم الٰہی میں ہے اس میں کوئی ردوبدل اور تغیر نہیں ہوگا اور جو فرشتے کے علم میں ہے اس میں کمی بیشی کا امکان ہے۔ پہلی تاویل راجح ہے۔

(۱۲۵۳) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ قَاطِعٌ» يَعْنِي قَاطِعَ رَحِمٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جنت میں قطع رحمی کرنے والا داخل نہیں ہوگا۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں قطع رحمی کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے کہ ایسا آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ قطع رحمی کبیرہ گناہ ہے اور جنت میں داخل نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس جرم کا مرتکب فی الفور جنت میں نہیں جائے گا بلکہ اپنے اس گناہ کی سزا کے بعد ہی جنت میں جائے گا۔

(۱۲۵٤) وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ البَنَاتِ، وَمَنْعاً وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ المَالِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا اور احسان سے باز رہنا اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا حرام فرما دیا ہے اور کثرت سے باتیں کرنا اور کثرت سے سوال اور مال کو ضائع کرنا ناپسند کیا ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿عقوق﴾ عین پر ضمہ۔ ﴿عق﴾ سے ماخوذ ہے جس کے دراصل معنی قطع کرنے، پھاڑنے کے ہیں اور عق والدہ الخ۔ اس وقت بولتے ہیں جب بچہ اپنے والد کو اذیت و تکلیف دے اور اس کی نافرمانی اور اس کے خلاف خروج و بغاوت کرے۔ اس سے مراد ہے کہ اپنے قول و فعل سے اپنے والدین کو اذیت دے اور اس میں عرف کے مطابق نرمی نہ ہو۔ ﴿واد﴾ اس میں ہمزہ ساکن ہے۔ بچی کو زندہ درگور کرنا۔ ﴿منعا وهات﴾ منع کے معنی روکنا یعنی اموال اور حقوق میں سے واجبات بھی ادا کرنے سے باز رہنا اور ھات میں تا کے نیچے کسرہ ہے اور یہ امر مجذوم ہے اور اس سے مراد ہے ایسا مال طلب کرنا جس کے طلب کرنے کا اسے استحقاق نہ ہو۔ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالدار آدمی کیلئے بخل اور سوال کرنا حرام قرار دیا ہے۔ "قیل وقال" بہت زیادہ باتیں کرنا، کثرت کلام اور لایعنی و بے معنی جھگڑا اور مجادلہ اور لوگوں کے معاملات و حالات، ان کے حکایات اور تصرفات کے بارے میں باتوں میں مشغول رہنا۔

(۱۲۵۵) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رِضَا اللهِ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ، وَسَخَطُ اللهِ فِي سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ» أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی رضامندی والدین کی رضامندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔" (اسے ترمذی نے نکالا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں والدین کو راضی رکھنے اور ان کی ناراضی سے بچنے کا حکم ہے لیکن اگر والدین ایسے کام کا حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو تو پھر ان کی اطاعت ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں ان کی ناراضی کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

(۱۲۵۶) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ أَوْ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "مجھے اس ذات اقدس کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ہمسایہ یا اپنے بھائی کیلئے بھی وہی پسند نہ کرے۔ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں تکمیل ایمان کیلئے ایک شرط بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جو چیز اپنے لئے پسند اور محبوب رکھے اپنے ہمسائے یا اپنے بھائی کیلئے بھی وہی چیز محبوب رکھے۔ اگر اس کی خواہش ہے کہ اس کی عزت و توقیر کی جائے تو اس کی اپنے ہمسایہ اور بھائی کیلئے بھی یہی سوچ ہونی چاہئے اگر اس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ وہ امن و امان اور سلامتی سے رہے۔ تو اپنے بھائی کے لئے بھی ایسی سوچ ہی ہونی چاہئے کہ وہ بھی امن و امان اور سلامتی سے رہے۔۔ جن افراد میں ایسی سوچ ہوگی وہ معاشرہ امن و سلامتی کا گہوارہ ہوگا۔ ترقی کی منزلیں طے کرے گا۔ معاشرے کا ہر فرد اپنی جگہ جب ایسے جذبات و احساسات رکھے گا تو لامحالہ معاشرہ میں سکون و اطمینان ہوگا۔ بے چینی اور اضطراب نہیں ہوگا۔ ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ اور ہمدرد ہوگا۔ اچھے معاشرے کا بھی یہی طرۂ امتیاز ہے۔

(۱۲۵۷) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ: «أَنْ تَجْعَلَ لِلهِ نِدًّا، وَهُوَ خَلَقَكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ، قَالَ: «ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنائے۔ حالانکہ وہ تیرا خالق ہے۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا؟ آپؐ نے فرمایا "یہ کہ تو اپنی

وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ». قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر کھائیں گے۔" میں نے پھر عرض کیا کہ پھر کون سا؟ آپؐ نے فرمایا "یہ کہ تو اپنے ہمسایہ کی اہلیہ سے زنا کرے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ نِدًّا ﴾ نون کے نیچے کسرہ اور دال پر تشدید۔ اس کے معنی ہیں شریک' ساجھی اور اصل میں اس کے معنی ہیں نظیر' مثیل' پناہ کنندہ۔ ﴿ حلیلۃ جارک ﴾ ہمسایہ کی اہلیہ' قتل اور زنا مطلقاً کبیرہ گناہ ہیں لیکن قتل ولد اور ہمسایہ کی بیوی سے منہ کالا کرنا' عظیم ترین اور فحش ترین افعال ہیں کیونکہ دوسروں کے مقابلہ میں ان دونوں کا حق زیادہ ہے کہ ان کے حقوق کا خیال و لحاظ رکھا جائے اور ان کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ جب باڑھ ہی کھیت کو کھانے لگ جائے تو اس کھیت کا پھر اللہ ہی حافظ ہے۔

(١٢٥٨) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مِنَ الكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ»، قِيْلَ: وَهَلْ يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: «نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کبیرہ گناہوں میں سے اپنے والدین کو گالی دینا ہے۔" کہا گیا کہ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں! کہ وہ کسی آدمی کے باپ کو گالی گلوچ کرتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی گلوچ کرتا ہے اور وہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کام کیلئے سبب بننا گویا خود اس کام کو انجام دینا ہے۔ بالفاظ دیگر حرام چیز کے اسباب بھی حرام ہوتے ہیں۔ اگر اسباب کو عملی جامہ پہناتے وقت مسبب کی نیت نہ بھی ہو پھر بھی ان کا ارتکاب جرم ہے۔ نیز اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کسی کام کا اگر نتیجہ حرام ہو تو وہ کام بھی حرام ہے۔ اس لئے اگر اپنے والدین کو گالی سے بچانا ہے تو دوسرے کے والدین کو گالی نہ دو اور نہ ہی ان کو برا بھلا کہو۔

(١٢٥٩) وَعَنْ أَبِيْ أَيُّوبَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ. يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا،

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "کسی مسلمان کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔ جب دونوں کا آمنا سامنا ہو تو یہ اپنا منہ ادھر کر لے اور وہ ادھر کر لے۔ دونوں میں بہتر

وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

انسان وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دو مسلمان بھائیوں کی ناراضی ذاتی نوعیت کے معاملات کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں تین روز سے زیادہ دن ناراض رہنا جائز نہیں ہے لیکن اگر ناراضی کی وجہ دینی معاملہ ہو تو اس کیلئے غالبًا کوئی حد نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ سے تادم زیست قطع روابط کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ دینی ناراضی تو عین ایمان کی علامت ہے۔ علت ناراضی موجود ہے' اس وقت تک قطع تعلق درست ہے جب وہ سبب دور ہو جائے تو ناراضی کو بھی ختم کر دینا چاہئے کیونکہ مومن صادق کے ہاں باہم تعلقات کا سبب دین ہے' دنیا نہیں۔

(۱۲۶۰) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ہر بھلائی صدقہ ہے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ المعروف ﴾ بھلائی کا ہر کام۔ دوسری حدیث جو آگے بیان ہو رہی ہے اس کیلئے ایک نص ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ صرف مال خرچ کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ ہر نیکی صدقہ ہے۔ ترمذی اور ابن حبان میں ابوداؤد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تیرے اپنے بھائی کے روبرو مسکرانا بھی صدقہ ہے اور اس کی اچھے کام کی طرف رہنمائی کرنا اور غیر شرعی کام سے روکنا بھی صدقہ ہے اور گم کردہ راہ گیر کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے یہاں تک کہ راستہ سے ہڈی اور کانٹے کا اس نیت سے دور کرنا کہ راہ چلتے مسافر کیلئے باعث اذیت و تکلیف ہو گا' صدقہ ہے۔ اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول میں کچھ پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔"

(۱۲۶۱) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئاً، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ».

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کسی بھلے کام کو حقیر اور معمولی نہ سمجھو۔ خواہ اپنے بھائی سے خندہ و کشادہ روئی سے بات کرنا ہی کیوں نہ ہو۔"

لغوی تشریح: ﴿ بوجه ﴾ تنوین کے ساتھ۔ ﴿ طلق ﴾ اس میں لام ساکن ہے۔ طلیق بروزن امیر آتا ہے اور طلق کتف کی طرح طلق کہتے ہیں خندہ پیشانی کو یعنی اپنے بھائی سے ملاقات کے وقت چہرہ مسکراتا' ہنستا' کھلتا ہو۔

(۱۲۶۲) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ

انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اللهِ ﷺ: «إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَآءَهَا، وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ». أَخرَجَهُمَا مُسْلِمٌ.

"جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں ذرا پانی زیادہ ڈال لیا کرو اور اپنے ہمسایہ کا بھی خیال رکھا کرو۔" (ان دونوں احادیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ المرقة ﴾ میم' را اور قاف پر فتحہ۔ وہ پانی جس میں گوشت کو جوش دے کر ابالا جاتا ہے اور وہ چکناہٹ والا ہو جاتا ہے۔ ﴿ تعاهد ﴾ صیغۂ امر کے ساتھ۔ خیال رکھو اور ﴿ جيران ﴾ جار کی جمع جس کے معنی ہمسایہ و پڑوسی کے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ہمسایہ سے حسن سلوک کا حکم ہے حتیٰ کہ فرمایا اگر گوشت پکانے کی نوبت آگئی ہے تو بجائے قورمہ اور بھنا ہوا پکانے کے اس میں ذرا پانی زیادہ ڈال کر شوربا تیار کر لیں اور اس میں سے ہمسایہ کے ہاں بھی بھیج دیں' ہمسایہ اگر غریب ہو تو آپ کا یہ ارشاد وجوب کیلئے ہوگا اور اگر امیر ہو تو پھر استحباب پر محمول ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جبریل علیہ السلام جب میرے پاس تشریف لاتے تو مجھے حق ہمسایہ کی پرزور تلقین کرتے رہتے حتیٰ کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ کہیں ہمسایہ کو وارث نہ بنا دیا جائے۔

(١٢٦٣) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ القِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ. وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللَّهُ فِي عَوْنِ العَبْدِ مَا كَانَ العَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ». أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو کوئی دنیا کی مصیبتوں اور سختیوں میں سے کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز' قیامت کی سختیوں میں سے اس کی کوئی سختی دور فرما دے گا اور جو کوئی کسی تنگ دست کیلئے دنیا میں آسانی پیدا کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کیلئے آسانی پیدا فرمائے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے گا۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ نفس ﴾ تنفیس سے ماخوذ ہے' کشادہ کرتا ہے' دور کرتا ہے اور تکلیف کے بندھن سے کھول کر آزاد کر دیتا ہے۔ ﴿ كربة ﴾ کاف پر ضمہ اور "را" ساکن۔ اس کی جمع ﴿ كرب ﴾ کاف کے فتحہ سے آتی ہے یعنی مشقت' حزن اور پریشانی۔

(١٢٦٤) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کوئی خیر و بھلائی کا راستہ بتائے اس کو بھی نیکی پر عمل پیرا ہونے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔" (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک عمل کی راہنمائی کرنے والے کو اتنا ہی اجر و ثواب ملے گا جتنا اس نیکی پر عمل کرنے والے کو ملے گا۔ یہ راہنمائی براہ راست ہو یا بالواسطہ کہ دوسرے کسی عالم کی طرف رجوع کا اشارہ کیا جائے۔ دونوں کو شامل ہے۔

(١٢٦٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ أَتَى إِلَيْكُمْ مَعْرُوفاً فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَادْعُوا لَهُ». أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ "جو کوئی تم میں سے اللہ کے نام سے پناہ طلب کرے تو اس کو پناہ دو اور جو کوئی اللہ کے نام پر تم سے سوال کرے تو اس کو دو اور جو کوئی تم سے حسن سلوک و احسان کرے تو اس کو بدلہ دو اگر پورا بدلہ دینے کی طاقت و وسعت نہ ہو تو پھر اس کے حق میں دعا کرو۔" (سنن بیہقی)

لغوی تشریح: ﴿من استعاذکم باللہ﴾ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی اللہ کے نام سے پناہ طلب کرے کسی ایسے کام کے بارے میں جو اس پر واجب نہ ہو تو وہ پناہ دے دے اور جس کا اس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اسے انجام دے تو اسے چھوڑ دے۔ اسی طرح مصائب یا ناپسندیدہ کاموں میں اللہ کے نام سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دینا واجب ہے۔ ﴿فکافئوہ﴾ امر کا صیغہ ہے معنی ہے کہ اسے اس کے احسان سے اچھی جزا دو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اللہ کے نام پر پناہ طلب کرنے والے کو پناہ دینے اور اللہ کا نام لے کر سوال کرنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور دینے اور احسان کا بدلہ احسان سے دینے کی تاکید ہے۔ اللہ کے نام سے سوال کرنے والے کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے۔ مگر دست سوال دراز کرنے والے کو کلام ہے کہ اللہ کا واسطہ دینے سے بچنا چاہئے۔ حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ملعون ہے وہ جو اللہ کا نام لے کر سوال کرے اور وہ بھی ملعون ہے جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ کچھ بھی نہ دے بشرطیکہ وہ سوال کسی بری چیز کا نہ ہو۔" بہرحال اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوال کرنا دوسرے کو بھی مشکل میں ڈال دیتا ہے اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

٣ - بَابُ الزُّهْدِ وَالْوَرَعِ — دنیا سے بے رغبتی اور پرہیز گاری کا

بیان

(١٢٦٦) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ - وَأَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعَيْهِ إِلَىٰ أُذُنَيْهِ - : «إِنَّ الحَلاَلَ بَيِّنٌ، وَإِنَّ الحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ، لاَ يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الحَرَامِ. كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ. أَلاَ! وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمىً، أَلاَ! وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ. أَلاَ! وَإِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، أَلاَ! وَهِيَ القَلْبُ».

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور نعمان اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں کی طرف لے گئے "حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ان دونوں کے درمیان شبہات ہیں۔ لوگوں کی اکثریت ان کو نہیں جانتی۔ پس جو کوئی شبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت و آبرو کو بچالیا اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پھنس گیا۔ جیسے چرواہا کہ چراگاہ کے گرد مویشی چراتا ہو تو کبھی نہ کبھی مویشی چراگاہ میں چلے جاتے ہیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے۔ خبردار! حرام چیزیں اللہ کی چراگاہ ہے۔ خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سن لو! وہ ٹکڑا دل ہے۔"
(بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الزهد﴾ زهد کے "زاء" پر ضمہ اور ھا ساکن۔ رغبت ودلچسپی کی ضد' کتاب وسنت کے تقاضا کے عین مطابق دنیوی رغبت ودلچسپی سے کنارہ کشی اور اسے ترک کرنا۔ ﴿والورع﴾ واؤ اور راء دونوں پر فتحہ اور را کو ساکن پڑھنا ہی جائز ہے۔ اس کے معنی میں گناہوں سے دور رہنا معاصی اور شبہ میں ڈالنے والی چیزوں سے اجتناب کرنا۔ ﴿اهوى النعمان باصبعيه﴾ دونوں انگلیوں کو لمبا کیا' دراز کیا اور اونچا اٹھایا۔ یعنی اشارہ کیا کہ ان کانوں نے ارشاد نبوی کو سنا ہے۔ ﴿الحلال بين﴾ بین میں "با" پر تشدید اور نیچے کسرہ ہے۔ مطلب ہے کہ حلال بالکل واضح و نمایاں ہے' دلیل کی بنا پر اس کی حلت میں کوئی شک نہیں یا اصل کی بنیاد کی وجہ سے اس سے جزئیات کا استخراج ممکن ہے۔ ﴿والحرام بين﴾ حرام بھی واضح ہے دلیل کی بنا پر اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں' جیسے مردار ہے' خون ہے یا ہر مسئلہ کی

بنیاد سے استنباط ہو جیسے ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ ﴿ متشبهات ﴾ اس "با" پر کسرہ ہے۔ ایسے امور جو خلط ملط ہوں' ملے جلے اور مخلوط ہوں اس وجہ سے کہ ان کی ایک جہت حلال سے ہے اور ایک حرام سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو حرام کی وجہ سے مشتبہ ہیں یعنی جس سے حرمت صحیح ثابت ہو۔ ﴿ فقد استبرا لدينه ﴾ اس نے اپنے دین میں برائت حاصل کر لی لہٰذا شرعاً وہ مذموم نہیں۔ ﴿ وعرضه ﴾ اور بچا لیا محفوظ کر لیا یعنی اپنی عزت و آبرو کو لوگوں کے طعن و ملامت سے بچا لیا۔ ﴿ ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام ﴾ حرام میں جا گھسا اور حرام میں گرنے کے قریب پہنچ گیا۔ تشبیہہ اس تاویل کی موید ہے۔ ﴿ الحمی ﴾ حاء کے نیچے کسرہ اور میم پر فتحہ مقصورہ ایسی چراگاہ جو بادشاہ اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے کہ صرف اس کے چرواہے ہی یہاں جانور چرا سکیں گے۔ پس جو کوئی اور چرواہا اس میں داخل ہوا یا اس میں جانور چرائے تو اسے سزا کیلئے پیش کیا جائے گا لھذا جو سلامتی چاہتا ہے وہ اس میں داخل ہونے کے خوف سے قریب ہی نہ جائے۔ اس تشبیہہ کا یہی مفہوم ہے ﴿ مضغة ﴾ میم پر ضمہ' ضاد ساکن۔ گوشت کا ٹکڑا۔ اس حدیث کا درجہ و مرتبہ کسی پر مخفی نہیں۔ ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ہے جن پر قواعد اسلام گردش کرتے ہیں۔

حاصل کلام: یہ حدیث اصول اسلام میں سے شمار کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حلال اور حرام چیزیں تو واضح ہیں ان میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے البتہ مشتبہات ایسی چیزیں ہیں جن کی حرمت واضح نہیں یا جن کے بارے میں دلائل دونوں جانب قریب قریب مساوی ہوں۔ اس قسم کے مسائل سے بچنا چاہئے اور ظن و تخمین سے کام نہیں لینا چاہئے۔ نیز اس میں بتایا گیا ہے کہ بدن کی اصلاح اور اس کے بگاڑ کا انحصار دل پر ہے۔ پورے جسم میں اس کی وہی حیثیت ہے جو بادشاہ کی ہے' تمام اعضاء بدن اس کی رعیت اور عوام ہیں۔ اگر بادشاہ نیک ہو تو رعایا بھی نیک ہوگی اور جب بادشاہ برا ہو تو رعایا بھی بری ہوتی ہے۔

(١٢٦٧) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "برباد ہو گیا سونے' چاندی اور خلعت کا بندہ اگر اسے یہ ملیں تو راضی رہتا ہے اور اگر نہ دی جائیں تو ناراض ہو جاتا ہے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ تعس ﴾ سمع اور فتح کے باب سے ہے' ہلاک و برباد ہو گیا۔ ﴿ القطيفة ﴾ وہ کپڑا جس کے پھندنے ہوں اور ﴿ عبد الدينار الخ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ ان اشیاء پر حریص اور ان کی وجہ سے فتنہ میں ایسا مبتلا ہو کہ انہی کی فریفتگی اور شیفتگی میں گم ہو گیا ہو' اس کی زندگی کا مقصد بجز ان کو جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے اور پھندنے دار چادر زیب تن کر کے فخر کے ساتھ اکڑ کر چلنے کے سوا کچھ بھی نہ

ہو۔ رہا وہ شخص جو ان اشیاء کو بس حق کی حد تک حاصل کرے اور جہاں ان کا حق ہو وہیں ان کو رکھے اور خرچ کرے تو یہ اس ضمن میں نہیں آتا اگرچہ اس کے پاس کتنا ہی مال جمع ہو جائے۔ ﴿ رضی ﴾ دنیوی مال و متاع سے اللہ سے راضی ہو جاتا ہے۔

(١٢٦٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْكِبَيَّ، فَقَالَ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ»، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلاَ تَنْتَظِرَ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلاَ تَنْتَظِرَ الْمَسَآءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسَقَمِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پکڑ کر فرمایا " (اے ابن عمر!) دنیا میں ایک اجنبی یا راہ چلتے مسافر کی طرح رہ۔" اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے' جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب صبح کرے تو شام کا منتظر نہ رہ اور اپنی تندرستی کے وقت اپنی بیماری کا کچھ سامان کر اور زندگی میں موت کی تیاری کر۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ بمنکبی ﴾ مفرد اور تثنیہ دونوں طرح مروی ہے۔ میم پر فتحہ اور کاف کے نیچے کسرہ' بازو اور کندھے کے ملنے کی جگہ۔ ﴿ غریب ﴾ جو اپنے وطن سے دور ہو۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان کسی شہر میں مقیم ہوتا ہے لیکن وہاں اس کی کوئی بہت زیادہ جان پہچان نہیں ہوتی بلکہ وہ لوگوں سے وحشت زدگی محسوس کرتا ہے' حدیث میں دراصل یہی شخص مراد ہے۔ ﴿ عابر سبیل ﴾ ایسا آدمی جو ہمیشہ سفر پر رہے' راستے طے کرتا رہے۔ نہ اپنے شہر میں اور نہ کسی دوسرے میں ٹھہرتا ہی نہیں۔ ﴿ خذ من صحتک الخ ﴾ اپنی صحت کے وقت اپنی بیماری کیلئے کچھ سامان کرے۔ اس ﴿ السقم ﴾ سین اور قاف پر فتحہ' جس کے معنی بیماری اور مرض کے ہیں اور سین پر ضمہ اور میم ساکن بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں بھی معنی بیماری اور مرض کے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اپنی صحت کے ایام میں اطاعت و فرمانبرداری اور صدقہ و خیرات کے کام اتنے کر لے کہ جو تجھے ایام بیماری میں نفع دیں اور تاخیر کی وجہ سے عمل میں جو کمی و کوتاہی رہ گئی ہے اس کا سدباب ہو جائے اور اس کمی کو پورا کر دے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں دنیا کی بے ثباتی اور اس کے فانی ہونے کا بیان ہے اور زندگی بسر کرنے کا ایک اصول بتایا گیا ہے کہ دنیا میں انسان کو کس خیال سے رہنا چاہئے۔ دنیا انسان کا گھر نہیں بلکہ مسافر خانہ ہے جیسے مسافر اپنی اصل منزل کی جانب رواں دواں ہے' راستے کی چیزوں سے قلبی تعلق وابستہ نہیں کرتا' اس کا مطمع نظر اپنی منزل مقصود تک پہنچنا ہے۔ دنیا میں بھی ایک انسان کو بس اسی طرح رہنا چاہئے کہ معلوم نہیں کب رخت سفر باندھنے کا حکم صادر ہو جائے۔

(١٢٦٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے دوسری قوم سے مشابہت پیدا کی پس وہ انہی میں سے ہے۔" (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث تشبہ با لکفار کی حرمت کی دلیل ہے اور اسی سے علماء نے غیر مسلموں کا فیشن اپنانے کو مکروہ قرار دیا ہے یہ "تشبیہہ" کا باب بڑا وسیع ہے۔ اس میں عبادات' عادات و اطوار خوردونوش' ملبوسات' زیب و زینت' آداب و رسومات رجحانات اور میل جول سب شامل ہے اور حدیث میں ان تمام چیزوں کی ممانعت ہے اگر اس مقام پر تنگی داماں کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں ان کی نصوص بالتفصیل بیان کرتے۔ علامہ ناصرالدین البانی نے اپنی "حجاب المراۃ المسلمۃ" کے صفحہ ۷۸ '۹۱ طبع ثانی میں اس موضوع پر نہایت عمدہ بحث کی ہے۔

(۱۲۷۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْماً فَقَالَ: «يَا غُلَامُ! احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں نبی ﷺ کے پیچھے (کھڑا) تھا۔ آپؐ نے فرمایا "اے لڑکے! تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر اللہ تعالیٰ تیری نگہبانی کرے گا۔ تو اللہ کی طرف دھیان رکھ' تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور جب تو کچھ مانگے تو (صرف) اللہ تعالیٰ سے مانگ اور جب تو مدد طلب کرے تو (بس) اللہ سے مدد مانگ۔" (ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿احفظ الله﴾ یہ امر کا صیغہ ہے۔ معنی ہے کہ اللہ کو یاد کر اور اس کے اوامر پر عمل پیرا رہ کر ان کو یاد رکھ اور اس کے نواہی سے اجتناب کر کے اسے یاد رکھ اور اس کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز اور تعدی نہ کر کے اس کو یاد رکھ۔ ﴿تجاهك﴾ اپنے روبرو اور سامنے پائے گا اور وہ دونوں جہانوں میں شر سے محفوظ رکھے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں خالص توحید کی بہترین انداز میں تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے مقررہ کردہ حدود اور اس کے اوامر و نواہی کا ہر وقت پوری طرح خیال رکھے۔ خود بھی ان سے بچنے کی کوشش کرتا رہے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرے اور اللہ کی حفاظت کا مطلب ہے کہ وہ ایسے بندے کو دنیوی مصائب و آلام سے بچائے گا۔ ان سے بچنے کا راستہ سمجھائے گا۔ قیامت کے روز جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ مسند امام احمد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ساری دنیا والے مل کر بھی تیرا کچھ بگاڑنا چاہیں' نقصان پہنچانا چاہیں تو نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ نقصان

پہنچا سکتے ہیں اور نہ تیرا کچھ سنوار سکتے ہیں کیونکہ یہ سارے مل کر صرف اتنا نفع ہی پہنچا سکیں گے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر نقصان پہنچانا چاہیں تب بھی صرف اتنا ہی پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے۔ اس میں نہ یہ ازخود کمی کر سکتے ہیں اور نہ بیشی۔ کیونکہ تقدیر لکھنے والی قلمیں خشک ہو چکی ہیں اور دفتر لپیٹ کر بند کر دیئے گئے ہیں۔ اب ان میں اضافہ یا کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔"

(۱۲۷۱) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللَّهُ، وَأَحَبَّنِي النَّاسُ. فَقَالَ: «ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا، يُحِبُّكَ اللَّهُ، وَازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ، يُحِبُّكَ النَّاسُ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَغَيْرُهُ، وَسَنَدُهُ حَسَنٌ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مجھے ایسا عمل ارشاد بتائیے کہ جب میں وہ عمل کروں تو اللہ مجھے اپنا محبوب بنا لے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا "دنیا سے بے نیاز و بے رغبت ہو جا اللہ تجھے محبوب رکھے گا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بھی بے نیاز ہو جا لوگ بھی تجھے محبوب رکھیں گے اور پسند کریں گے۔" (اسے ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں محبوب جہاں بننے کا گر بتلایا گیا ہے کہ انسان دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز ہو کر بس اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے اور دنیا کی طمع اور لالچ میں نہ پڑے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم کے ص' ۸۲ پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث کم از کم تشبیہہ با لکفار کی حرمت کی متقاضی ہے۔ اگرچہ اس حدیث کا ظاہری مضمون تشبیہہ' با لکفار کی صورت میں کفر کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی میں ہے "ومن یتولهم منکم فانه منهم" کہ جو انہیں دوست رکھتا ہے وہ انہی میں سے ہے اور یہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے بیان کی نظیر ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ "جس نے مشرکین کے علاقہ میں اپنی بیوی سے رخصتی کے بعد شب عروسی کی اور ان کے نیروز و مہر جان ایام منائے اور ان کے ساتھ مشابہت کرتا رہا حتیٰ کہ وفات پا گیا تو ایسے آدمی کا حشر قیامت کے روز انہی کے ساتھ ہوگا۔" اسے تشبہ مطلق پر محمول کیا گیا ہے جو کفر کو واجب کر دیتا ہے اور تشبہ کے بعض پہلوؤں کی حرمت کا مقتضی ہے اور کبھی ان میں شمار ہونا اس قدر مشترک پر محمول ہوتا ہے جس میں بہرحال تشبیہہ کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔ اگر وہ کفر ہو یا معصیت یا ان کا شعار ہو تو اس کا بھی حکم وہی ہوگا۔ بہرحال تشبیہہ کی حرمت ایسی علت و سبب کا تقاضا کرتی ہے جس میں تشبہ ہو اور تشبہ عام ہے۔ اس میں گو اپنی غرض مطلوب تھی مگر جب اصل عمل تو غیر سے ماخوذ ہے۔ مگر جس نے کوئی کام کیا اور وہ اتفاقاً غیر کے

عمل کے مشابہ ہے اور دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ اخذ نہیں کیا تو اس کا کفار کے ساتھ تشبہ ہونا محل نظر ہے۔ لیکن اس سے بھی منع ہی کیا جاتا ہے تاکہ یہ ان کے ساتھ تشبیہہ کا ذریعہ نہ بن جائے اور اس لئے بھی کہ اس میں کفار کی مخالفت ہے جیسا کہ داڑھی کو رنگنے اور مونچھوں کو صاف کرنے کا حکم ہے حالانکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ بڑھاپے کا رنگ تبدیل کرو اور یہود سے مشابہت اختیار نہ کرو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بالوں کو نہ رنگنے میں ان کے ساتھ تشابہ ہمارے ارادہ اور عمل کے بغیر بھی ہو جاتا ہے اور یہ اتفاقی طور پر ان سے عملی موافقت کی بڑی واضح مثال ہے۔ پھر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس نھی کی انتہائی غایت اپنی قلبی بصیرت کی روشنی میں ذکر کی ہے کہ یہاں ظاہر اور باطن میں مضبوط ربط و تعلق ہے اور تشبہ بالکفار ان کے ساتھ دوستی اور باہمی مودت کا سبب بنتا ہے حالانکہ تعلق ممنوع ہے اور دین میں مداھنت اختیار کرنے کا موجب ہے اور اس سے ان کے اخلاق اور خبیث عادات اپنے تمامتر نقصانات کے ساتھ ساتھ جو اللہ کے غضب کا بھی موجب ہیں مسلمانوں کی صفوں میں سرایت کر جاتی ہیں اور یہ اس دور کی چشم دید حقیقت ہے جسے ہم دونوں آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور دونوں کانوں سے سنتے ہیں۔

(١٢٧٢) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ العَبْدَ التَّقِيَّ الغَنِيَّ الخَفِيَّ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: "اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو دوست و محبوب رکھتا ہے جو پرہیزگار، بے نیاز اور گمنام ہو۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿التقی﴾ جو امور واجب ہیں اور حلال ہیں ان پر عمل پیرا ہو اور جو حرام ہیں ان سے اجتناب کرے۔ ﴿الغنی﴾ اس سے مراد دل کا غنی ہونا ہے یعنی لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس میں اسے کوئی طمع و دلچسپی نہ ہو اگرچہ اس کا اپنا ذاتی مال کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ ﴿الخفی﴾ وہ شخص جس کی عبادت کا حال کسی کو معلوم نہ ہو۔ پردۂ اخفاء میں رہے اور اس کی پرہیزگاری کا ریا و شہرت کے ظن و گمان سے دور رہنے کی وجہ سے بھی کسی کو علم نہ ہو۔

(١٢٧٣) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ المَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "آدمی کا لایعنی چیزوں کو چھوڑ دینا اس کے اسلام کے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ما لا یعنیه﴾ جو اہم اور مفید نہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث کو نبی ﷺ کے ارشادات میں جوامع الکلم کی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا میں انسان

کا مقصد حیات اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ ایک مومن صادق کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ بے مقصد اور بے فائدہ کام سرانجام ہی نہ دے۔ وہ یہاں وقت کاٹنے کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی عبادت اور رضا جوئی حاصل کرنے کیلئے آیا ہے۔ اس لئے جو اعمال مقصد حیات کے منافی' اصلاح دین کے مخالف ہیں وہ سب بے کار اور لایعنی ہیں۔ مالک کا سچا غلام ان کاموں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا جو مالک کو ناپسند اور اس کی رضا کے منافی ہوں۔

(١٢٧٤) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ.

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ بدترین برتن جو انسان بھرتا ہے وہ اس کا پیٹ ہے۔" (اس کی روایت ترمذی نے کی ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں بسیار خوری کو بدترین خصلت قرار دیا گیا ہے۔ بسیار خوری بہت سے دینی اور دنیاوی مفاسد اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ ایسا آدمی صرف کھانے پینے کی فکر میں رہتا ہے اور بسا اوقات وہ یہ بھی تمیز نہیں کرتا کہ جس کھانے سے پیٹ بھر رہا ہے' وہ حلال ہے یا نہیں۔ بسیار خوری امراض معدہ کا باعث بھی ہے اور دل و دماغ پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسند بزار میں ہے کہ بسیار خور قیامت کے دن بھوکا ہوگا۔ اس لئے یہ عادت دنیا و آخرت دونوں کی خرابی کا باعث ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں بسیار خوری کے دس نقصانات کا اور بقدر کفایت کھانے کے دس فوائد کا تذکرہ کیا ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔

(١٢٧٥) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، وَسَنَدُهُ قَوِيٌّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آدم کا ہر بیٹا خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہوں۔" (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر آدم زادہ خطا و گناہ کا پتلا ہے۔ انبیا کرام ؑ کے علاوہ کوئی بھی انسان معصوم نہیں۔ مگر آدمیت کا تقاضی ہے جب کبھی خطا سرزد ہو فوراً حضرت آدم علیہ السلام کی طرح توبہ و استغفار کرے۔ شیطان کی طرح گناہ پر اصرار نہ کرے۔

(١٢٧٦) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خاموشی حکمت و دانائی ہے لیکن اس پر

ﷺ: «الصَّمْتُ حِكْمَةٌ، وَقَلِيلٌ فَاعِلُهُ». أَخْرَجَهُ البَيْهَقِيُّ فِي الشُّعَبِ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ. وَصَحَّحَ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ مِنْ قَوْلِ لُقْمَانَ الحَكِيمِ.

عمل پیرا ہونے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔" (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ لقمان حکیم کا قول ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں خاموش و مہربلب رہنے کو حکمت و دانائی اور عقلمندی و دانش مندی قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اس پر عمل پیرا ہونے والے اور اسے اختیار کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ یہ گو حضرت لقمان عبدالسلام کا قول ہے مگر بہت سی احادیث میں خاموشی کی تائید اور فضول گوئی کی مذمت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ "جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔" ایک حدیث میں ہے "جو کوئی بات کرے تو اسے چاہئے کہ ہمیشہ اچھی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔"

٤ - بَابُ التَّرْهِيبِ مِنْ مَسَاوِىءِ الأَخْلَاقِ

برے اخلاق و عادات سے ڈرانے اور خوف دلانے کا بیان

(١٢٧٧) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالحَسَدَ، فَإِنَّ الحَسَدَ يَأْكُلُ الحَسَنَاتِ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الحَطَبَ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَلِابْنِ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ نحوه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔" (اس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے اور ابن ماجہ میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب الترهيب﴾ خوف دلانا' ڈرانا اور ﴿من مساوى﴾ میم پر فتحہ مساوۃ کی جمع۔ معنی برائی۔ اور یہ برائی قولی اور فعلی دونوں طرح کی۔ ﴿الاخلاق﴾ خلق "خاء" اور "لام" دونوں پر ضمہ معنی عادت و خصلت۔ ﴿اياكم والحسد﴾ حسد اس میں منصوب ہے' تحذیر کیلئے۔ یعنی حسد سے بچو اور ڈرو اور حسد یہ ہے کہ دوسرے کے پاس نعمت کو ناپسند و مکروہ سمجھے اور اس نعمت کے زوال کی تمنا و خواہش کرے لیکن اگر وہ ایسی تمنا کرے کہ فلاں کے پاس جو نعمت ہے وہ مجھے بھی مل جائے اس میں یہ خواہش و تمنا نہ پائی جائے کہ اس سے وہ زائل ہو جائے تو اسے اصطلاح شرع میں غبطہ یعنی رشک کہتے ہیں۔ یہ رشک دینی امور میں مطلوب ہے اور دنیوی امور میں معاف ہے۔

حاصل کلام: حسد کبیرہ گناہ ہے۔ شیطان کی پہلی نافرمانی حسد کی بنا پر تھی۔ قابیل نے ھابیل (اپنے بھائی) کو حسد کی بنا پر قتل کیا۔ حضرت یوسف ؑ کے خلاف ان کے بھائیوں کی کارگزاری اسی حسد کے نتیجہ میں

تھی۔ علمائے یہود بلکہ عبداللہ بن ابی منافق کی رسول اللہ ﷺ سے عداوت کا باعث بھی یہی حسد تھا۔ اس کی شناعت پر متعدد روایات مروی ہیں۔ یہ غیر مومنانہ عادت ہے اسی لئے آپؐ نے بڑی سختی سے اس سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔

(١٢٧٨) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کسی کو پچھاڑ دینا بہادری نہیں ہے۔ بہادر تو وہ ہے جو غصہ میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الشدید﴾ شجاع، قوی اور بہادر ﴿الصرعۃ﴾ صاد پر ضمہ اور عین پر فتحہ۔ ایسا آدمی جو اکثر اوقات اپنی قوت سے لوگوں کو پچھاڑ لیتا ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اپنے حریف اور دشمن کو معاف کر دینا، اس سے درگزر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے کہ آدمی طاقت کے باوجود غصہ کی حالت میں مدمقابل سے انتقامی کارروائی نہ کرے اور ایسے نازک موقع پر اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کا جہاد کفار کے خلاف جہاد سے بھی مشکل ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے غصہ کے موقع پر اپنے نفس پر قابو پا لینے کو تمام لوگوں سے زیادہ طاقت ور اور قوی شمار کیا ہے۔

(١٢٧٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ظلم، قیامت کے روز بہت سی تاریکیوں اور اندھیروں کا باعث ہے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں ظلم سے بچنے کا حکم ہے اور خبردار کیا گیا ہے کہ اس دنیا میں جو ظلم کرے گا وہ قیامت کے روز بہت سے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے گا اور یہ ظلم اپنی تمام اقسام پر مشتمل ہے۔ یعنی ظلم جان پر ہو، مال میں ہو، کسی کی عزت و آبرو پر ہو، حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ہو ہر نوع ظلم ہے اور حرام ہے۔

(١٢٨٠) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ». أَخْرَجَهُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز اندھیرے اور تاریکیاں ہوں گی۔ نیز بخیلی سے بھی بچو۔ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگ اسی سے ہلاک ہوئے ہیں۔" (مسلم)

مُسْلِمٌ.

حاصل کلام: اس حدیث میں بھی ظلم سے منع کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز یہ تاریکیوں اور اندھیروں کی شکل میں سامنے آئے گا۔ جہاں روشنی اور نور کی ضرورت ہوگی وہاں تاریکیوں اور اندھیروں سے پالا پڑے گا۔ نیز اس میں لالچ و کنجوسی سے بچنے کا بھی حکم ہے اور ﴿ شح ﴾ حصول مال کا لالچ اور اس کی حرص کے ساتھ ساتھ اس کے خرچ کرنے میں بخل اور کنجوسی کو کہتے ہیں اور یہی حرص و بخل ہمیشہ خون ریزی اور بدعملی کا باعث بنتا ہے جس سے حدیث میں خبردار کیا گیا ہے۔ (سبل)

(١٢٨١) وَعَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الأَصْغَرُ: الرِّيَاءُ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سب سے زیادہ خوف تمہارے لئے مجھے شرک اصغر کا ہے اور وہ ریاکاری ہے۔" (امام احمد نے اسے سند حسن کے ساتھ نکالا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الرياء ﴾ "راء" کے نیچے کسرہ۔ غیر اللہ کا لحاظ کر کے' نیکی و اطاعت کرنا اور نافرمانی و معصیت چھوڑنا ریاء ہے یا کسی دنیوی مقصد کیلئے نیکی کرنا اور گناہ کو ترک کرنا اور لوگوں کو اطلاع دینا کہ میں فلاں کام کر رہا ہوں یا یہ خیال کرے کہ اس کے عمل سے لوگ باخبر ہو جائیں۔ اس میں دنیوی غرض و مقصد ہو۔ رضائے الٰہی کا شائبہ تک بھی نہ ہو۔

حاصل کلام: ریاء کاری انسان کی گفتگو اور بات چیت میں ہو سکتی ہے اور عمل و فعل میں بھی اور اس سے ریاء کار کا مقصد غیر اللہ کو خوش کرنا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ لوگوں کو دکھا کر کوئی کام انجام دے اور دوسرا یہ کہ اگر کسی نے نہ دیکھا تو خود لوگوں کو بتا دے کہ میں نے یہ کام کیا ہے اسے سمعہ کہتے ہیں اور پہلی کو ریاء' یہ دونوں ہی حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہت مذمت فرمائی ہے اور اسے منافق کی علامت قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے ہر ممکن طریقہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(١٢٨٢) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلَهُمَا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔" (بخاری و مسلم) اور دونوں کے ہاں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ

«وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ». "جب لڑتا ہے تو گالی بکتا ہے۔"

لغوی تشریح: ﴿آیۃ المنافق﴾ یعنی منافق کے نفاق کی نشانی۔ ﴿خاصم﴾ جھگڑا کرتا ہے' لڑتا ہے۔ ﴿فجر﴾ سب وشتم کرتا ہے' گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔ ان تمام امور کا مرتکب ہونا نفاق عملی ہے اور یہ نفاق کی ایک قسم ہے اور دوسری قسم نفاق اعتقادی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان کا تو اظہار کرے مگر باطن میں کفر بھرا ہوا ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں منافق کی چار علامات بیان کی گئی ہیں اور مسلم میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ اگرچہ وہ نماز بھی پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو نیز یہ دعویٰ بھی کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اکثر محقق علماء کی رائے یہی ہے کہ یہ کام اعتقادی منافقوں کے ہیں اور جب ایک سچا مومن اپنے اندر یہ صفات پیدا کرے گا تو منافق جیسا بن جائے گا' ایسے شخص پر منافق کا لفظ مجازی طور پر بولا جائے گا۔

(١٢٨٣) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿السباب﴾ سین کے نیچے کسرہ' گالی دینا۔ "سب" کے باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مسلمان کا مسلمان کو گالی دینا فسق قرار دیا گیا اور "فسق" آدمی کا اللہ کی اطاعت سے باہر نکل جانے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اسلام میں مسلمان کو گالی دینا ممنوع ہے اور گالی دینے والا حکم الٰہی سے باہر نکل جاتا ہے' اس لئے ایسے شخص کو فاسق کہا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص مسلمان کا قتل جائز سمجھتا ہو اور اسلام کی وجہ ہی سے اس سے لڑتا ہو تو اس کے کفر حقیقی پر سب کا اتفاق ہے اور اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو اس پر کفر کا اطلاق مجازی طور پر ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری امت کے سب لوگ عافیت میں رکھنے کے قابل ہیں مگر جو لوگ کھلے عام ظاہری طور پر گناہ کا ارتکاب کریں' وہ لوگ اس کے مستحق نہیں۔" علماء میں فاسق کے فسق سے آگاہ کرنے میں اختلاف ہے۔ طبرانی میں بسند حسن مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم لوگ کب تک بدکار لوگوں کا حال بیان کرنے سے باز رہو گے۔ اس کی توہین اور ہتک کرو۔" اس حدیث کی روشنی میں فاسق کے فسق کو اگر اس لئے ظاہر کیا جائے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں تو بالکل جائز ہے۔

(١٢٨٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے۔" (بخاری و مسلم)

أَكْذَبُ الحَدِيثِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿ اياكم والظن ﴾ یہاں ظن منصوب اس وجہ سے آیا ہے کہ تحذیر مقصود ہے اور تحذیر کہتے ہیں ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کو اور ظن سے مراد برا گمان ہے اور یہ قابل مذمت ہے اور اطلاق کے وقت مذمت کا پہلو ہی ذہن میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اچھے گمان کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:۔

ولولا اذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسهم خيرا (۲۴:۱۲)

حاصل کلام: ظن کو بہت بڑا جھوٹ اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان اپنے دل ہی دل میں گمان و ظن کی پرورش کرتا رہتا ہے۔ پھر اسے زبان پر لاتا ہے جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے علماء نے اسے تہمت قرار دیا ہے اور تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔ گویا ظن کا دوسرا نام تہمت ہے اور تہمت کبیرہ گناہ ہے اور گناہ کبیرہ توبہ کے بغیر قابل معافی نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ جس معاشرے میں بدگمانیاں پرورش پائیں گی وہاں حسن ظن نام کی کوئی چیز پنپ نہیں سکتی۔ اس معاشرے کے افراد کے درمیان اعتماد کی فضا پیدا نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ یہ معاشرے کی تعمیر و ترقی کی علامت نہیں بلکہ زوال و تخریب کی نشانی ہے۔ صالح معاشرہ میں بدگمانی کے جراثیم کو پنپنے نہیں دیا جانا چاہئے۔

(۱۲۸۵) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنَ يَسَارٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلاَّ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الجَنَّةَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ "جس بندے کو حاکم بنا کر رعیت اس کے سپرد کر دی جائے اگر اسے ایسی حالت میں موت آئے کہ رعیت و عوام میں انصاف نہ کرتا رہا ہو' خیانت کا ارتکاب کرتا رہا ہو تو ایسے حاکم پر اللہ تعالیٰ اپنی جنت حرام کر دیتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ يسترعيه الله رعية ﴾ جسے اللہ راعی' حاکم' سربراہ اور لوگوں پر امیر مقرر فرما دے اور رعیت کی را پر فتحہ اور عین کے نیچے کسرہ اور "یاء" پر تشدید۔ اس کی جمع رعایا۔ را پر فتحہ۔ رعایا سے مراد عوام الناس ہیں۔ جو امیر کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان رہیں۔ ﴿ غاش ﴾ شین پر تشدید۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ خیانت کرنے والا جو لوگوں کے حقوق پوری طرح ادا نہ کرے۔

حاصل کلام: سربراہ مملکت اور امیر کو چاہئے کہ اپنی رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ ہر ایک کو انصاف مہیا کرے۔ کسی سے ناانصافی نہ کرے اور نہ دوسرے سے ناانصافی ہونے دے۔ ان کے کاموں میں آسانی اور نرمی پیدا کرے۔ انہیں مشکلات اور مشقتوں میں نہ ڈالے۔ عوام کے معمولی قصور پر مؤاخذہ نہ کرے' درگزر اور معافی کا رویہ اپنائے' ان کو حتی الوسع ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرے' ان کے

مال پر ہاتھ صاف نہ کرے، عزت و ناموس پر ڈاکہ نہ ڈالے، ٹیکسوں کی بھرمار سے عوام کا جینا دشوار نہ کرے، ان کو چوروں، ڈاکوؤں اور دہشت گردوں سے تحفظ مہیا کرے۔ اس کی بجائے اگر وہ عوام کا خون چوستا ہے تو ایسے حاکموں کیلئے اس حدیث میں شدید وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جنت میں داخل نہیں فرمائے گا۔ جنت کا حرام ہونا صاف بتا رہا ہے کہ رعیت کو دھوکہ دینا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے اگر حاکمین اور امراء چاہتے ہیں کہ جنت میں داخلہ مل جائے تو انہیں ایسے فعل سے باز رہنا چاہئے۔

(١٢٨٦) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْها قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اللَّهُمَّ: مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئاً فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یا الٰہی! میری امت میں سے جو شخص کسی کام کا والی و سربراہ بنایا جائے اور وہ لوگوں کو مشقت میں مبتلا کرے تو تو اس پر سختی فرما۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فشق علیهم﴾ لوگوں کو مشقت اور تکلیف میں مبتلا کرے تو تو بھی اس کے ظلم اور جور کی وجہ سے اس پر سختی فرما۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ظالم حکمرانوں کے حق میں اللہ کے رسول نے بددعا فرمائی ہے۔ ظاہر ہے نبی کی بددعا اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی ہے۔ اس سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ حاکم اپنی رعایا پر شفقت اور نرمی سے پیش آئے۔ ان سے عفو و درگزر کا معاملہ کرے اور اگر وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ محبت کا معاملہ کرے تو اسے اپنی رعایا سے بھی محبت کا معاملہ کرنا چاہئے اور ناروا ظلم و ستم سے باز آجائے۔

(١٢٨٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الوَجْهَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی لڑائی کرے تو منہ پر مارنے سے اجتناب کرے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باہم لڑائی جھگڑے میں مارتے وقت منہ (چہرے) کو بچانا چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "جب کوئی کسی کو مارے تو چہرے پر مت مارے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چہرے پر مارنا حرام ہے۔ یہ مارنا حدود و تعزیرات میں ہو یا تادیب کے طور پر۔ حتیٰ کہ جانوروں کے چہرے پر مارنے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔

(١٢٨٨) وَعَنْهُ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَوْصِنِي. قَالَ: «لاَ تَغْضَبْ». فَرَدَّدَ مِرَاراً، وَقَالَ: «لاَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ "غصہ مت کیا

تَغْضَبْ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

کرو۔" اس نے یہی سوال چند مرتبہ کیا۔ آپؐ نے ہر مرتبہ یہی جواب ارشاد فرمایا کہ "غصہ نہ کیا کرو" (بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث میں غصہ سے بچنے کی تاکید ہے۔ بہت سے ظالمانہ کام انسان غصہ میں کر بیٹھتا ہے اور بعد میں اکثر نادم و پریشان ہوتا ہے۔ علامہ ابن التین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع کر دی گئی ہیں کیونکہ غصہ کی حالت میں انسان نرمی اور رحم دلی کی صفات سے خالی ہو جاتا ہے۔ قطع رحمی کا سبب بنتا ہے اور دوسرے مسلمان کو ایذا دینے کے درپے ہو جاتا ہے اور یہ وہ امور ہیں جو انسان کی دنیا و آخرت میں بربادی کا باعث بنتے ہیں اور اگر ان سے اجتناب کرے تو دنیا و آخرت میں فلاح و فوز کا سبب بنتے ہیں۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ غصہ سے بچنے کا مقصد یہ ہے کہ ان اسباب سے اجتناب کیا جائے جو غصہ کا باعث بنتے ہیں کیونکہ غصہ تو ایک طبعی و فطری معاملہ ہے اور انہی اسباب میں سے ایک سبب وہ تکبر بھی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سائل کے مزاج کے پیش نظر فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ کیونکہ وہ بات بات پر غضب ناک ہو جاتا تھا۔ مسند امام احمد میں ہے کہ وہ سائلہ جاریہ بنت قدامہ تھیں اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ سائل سفیان بن عبداللہ الثقفی تھے۔

(١٢٨٩) وَعَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ رِجَالاً يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ، فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق دخل انداز ہوتے ہیں۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کیلئے جہنم کی آگ ہے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ یتخوضون ﴾ یہ خوض سے ماخوذ ہے اور خوض کہتے ہیں پانی میں داخل ہونے کو۔ یعنی اللہ کے مال میں وسعت اختیار کرتے ہیں۔ خورد و نوش کی صورت میں' نئی نئی چیزوں کی خریداری اور جدید ملبوسات کی شکل میں۔ یہ اشارہ ہے کہ ایسے لوگ بغیر استحقاق کے یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اپنے استحقاق سے زائد حاصل کرتے ہیں کیونکہ توسع بقدر ضرورت و حاجت کے حصول سے حاصل نہیں ہوتا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ناحق اللہ کا مال لینے والوں کیلئے جہنم کی وعید ہے۔ اللہ کے مال سے کیا مراد ہے۔ اللہ کے مال میں بیت المال بھی آتا ہے اور صدقات وغیرہ بھی۔ بیت المال میں سے سرکاری آدمی کا اپنی جائز ضروریات کی حد تک مال لینا تو اس کا حق ہے' اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر خرچ کرنا یا خود

استحقاق سے زیادہ حاصل کرنا اور اس کا مالک بن بیٹھنا' جائز نہیں اور نہ غیر سرکاری آدمی کیلئے کسی طور پر مال لینا درست ہے۔ حاکم چونکہ بیت المال کا محافظ و نگران ہوتا ہے اس لئے اس کا اس میں سے استحقاق سے زائد مال لینا حرام اور جہنم کا موجب ہے۔

راوی حدیث: ﴿ خولہ رضی اللہ عنہا ﴾ یہ خولہ بنت ثامر ہیں جن کا تعلق انصار سے تھا۔ اس لئے انصاریہ کہلائیں۔ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ یہ خاتون قیس بن فہد کی بیٹی تھیں ان کا لقب ثامر تھا۔ مؤلف اسد الغابہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ اس صورت میں بنو مالک بن نجار کی وجہ سے نجاریہ بھی ہوتی ہیں۔ ان کی کنیت ام محمد المطلب تھی اور یہ سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب کی زوجیت میں تھیں۔ جب یوم احد میں ان کو شہید کر دیا گیا تو نعمان بن عجلان انصاری زرقی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی تھی۔

(١٢٩٠) وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ، قَالَ: «يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّماً، فَلاَ تَظَالَمُوا». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا' ان خبروں کے متعلق جو آپ اللہ تعالیٰ سے بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے۔ لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔" (مسلم)

حاصل کلام: یہ حدیث حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی وہ ہوتی ہے جس کے الفاظ اللہ رب العزت کے ہوں اور انہیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہو۔ اس حدیث کی رو سے ظالم کیلئے کسی قسم کی رو رعایت نہیں اور اسلوب بیان یہ ہے کہ جب میں ظلم نہیں کرتا تو تم بھی باہم ایک دوسرے پر ظلم سے باز آجاؤ۔ ظلم عقلاً و نقلاً برا عمل ہے۔ جس کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ "وقد خاب من حمل ظلما" اس لئے ظالم کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا۔ وہ خسارے ہی خسارے میں رہے گا۔

(١٢٩١) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ قَالَ: «أَتَدْرُونَ مَا الغِيبَةُ؟» قَالُوا: اَللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ». قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: «إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟" صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر برائی سے کرے۔" کسی نے عرض کیا جو بات میں کہتا ہوں اگر وہ میرے بھائی میں پائی جائے تو۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "جو کچھ تم اپنے بھائی کے متعلق کہتے ہو

اگر وہ اس میں پائی جاتی ہے تو اس کی تو نے غیبت کی اور اگر وہ بات جو تم اس کے متعلق کہتے ہو اس میں موجود ہی نہیں تو اس پر تو نے بہتان تراشی کی ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الغیبہ﴾ غین کے نیچے کسرہ اور یا ساکن۔ اس کی تفسیر تو حدیث میں موجود ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے فی الاحکام میں غزالی کی پیروی میں کہا ہے' غیبت یہ ہے کہ کسی آدمی کا تذکرہ اس طور پر کیا جائے جو اسے ناپسند ہو خواہ بدن انسان میں پایا جائے یا اس کے دین میں' اس کی دنیا' اس کے نفس' اس کے اخلاق و عادات' اس کے مال' اس کے والد' اولاد' بیوی' خادم' اس کی حرکات' اس کی خندہ پیشانی' اس کی خشک مزاجی وغیرہ سے' یہ ساری چیزیں اس کے برے ذکر میں شمار ہوں گی۔ خواہ یہ ذکر الفاظ میں ہو یا اشارہ و کنایہ میں۔ (سبل) ﴿اغتبتہ﴾ اس پر عیب لگایا۔ عیب جوئی کی اس کی یعنی اس کی غیبت کی۔ ﴿بھتہ﴾ با اور ھا پر فتحہ اور تا پر تشدید اور فتحہ۔ بہتان سے صیغہ مخاطب ہے یعنی اس پر بہتان تراسی کی اور اس پر جھوٹ باندھا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں غیبت کی قباحت و شناعت بیان ہوئی ہے۔ غیبت بالاتفاق حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ قرآن میں غیبت کرنے کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہہ دی گئی ہے کیونکہ غیبت کرنے والا اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرتا ہے اور اس کی دل آزاری کا باعث بنتا ہے۔

(۱۲۹۲) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تَحَاسَدُوا، وَلاَ تَنَاجَشُوا، وَلاَ تَبَاغَضُوا، وَلاَ تَدَابَرُوا. وَلاَ يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَاناً، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يَخْذُلُهُ، وَلاَ يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى هٰهُنَا»، وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ، ثَلاَثَ مَرَّاتٍ، «بِحَسْبِ امْرِىءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور قیمتیں نہ بڑھاؤ۔ ایک دوسرے سے بے رخی نہ اختیار کرو۔ ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے غیبت نہ کرو۔ ایک دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر ہی سمجھتا ہے" اپنے سینہ کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا کہ "تقویٰ یہاں ہے۔ کسی آدمی کیلئے بس اتنا ہی گناہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر

وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ» . أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون' مال اور آبرو حرام ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ ولا تناجشوا ﴾ یہ نجش سے ماخوذ ہے اور نجش یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کسی سامان کی قیمت بولی دے کر بڑھاتا ہے۔ اس کا مقصد سودا خریدنا نہیں ہوتا محض دوسرے خریداروں کو دھوکہ دینا مقصود ہوتا ہے کہ وہ اس کی دیکھا دیکھی سامان کی قیمت میں اضافہ کر دیں اور اصلی قیمت سے کہیں زیادہ قیمت وصول ہو جائے۔ کتاب البیوع میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ ﴿ ولا تدابروا ﴾ ایک دوسرے کو نہ چھوڑیں کہ ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی سے بے رخی کرے اور اس کی جانب سے منہ موڑ لے اور اسی طرح دوسرا بھی منہ موڑ لے۔ ﴿ ولا یبغ ﴾ غین کے ساتھ' اس کا معنی ہے کہ ظلم نہ کرے اور ایک نسخہ میں عین کے ساتھ بھی آیا ہے۔ کتاب البیوع میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ﴿ لا یخذله ﴾ ذال پر ضمہ۔ یہ خذلان سے ماخوذ ہے۔ یعنی کسی کی مدد سے ہاتھ کھینچ لینا اور اعانت نہ کرنا۔ امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے' اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ظالم کے ظلم کے دفع کرنے کیلئے مدد طلب کی جائے تو اس صورت میں اس کی اعانت و مدد کرنا چاہی بشرطیکہ مدد کرنا ممکن ہو اور کوئی عذر شرعی بیچ میں لاحق نہ ہو۔ ﴿ بحسب امری من الشر ﴾ انسان کیلئے بس یہی کافی ہے یعنی اس کی اخلاقی برائی کیلئے بس یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ﴿ بحسب امریء ﴾ مبتداء ہے اور "باء" اس میں زائد ہے اور ﴿ ان یحقر ﴾ اس کی خبر ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اچھے مسلم معاشرہ میں افراد میں کس طرح باہمی برتاؤ اور رہن ہونا چاہئے' کا جامع بیان ہے۔ اس حدیث میں حسد جیسی مہلک بیماری جو نیکیوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور معاشی اعتبار سے ایک سودے کی قیمت صرف مالک کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے بڑھانا بھی اچھے اخلاق کا مظاہرہ نہیں ہے کیونکہ خریدار بھی تو اس کا بھائی مسلمان ہے' اسے نقصان پہنچانا کہاں کی شرافت ہے۔ بغض نہ رکھا کرو' اس سے باہمی محبت میں بڑا فرق واقع ہوتا ہے اور ایک دوسرے پر زیادتی' سرکشی اور ظلم نہ کرو بلکہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ ایک دوسرے کے خیر خواہ بنو۔ کوئی کسی کو ضرر و نقصان نہ پہنچائے اور نہ ایک دوسرے کے عیب تلاش کرے' نہ کسی کو حقیر جانے اور نہ ہی خود کو بڑا سمجھے کیونکہ بڑا سمجھنا اور دوسرے بھائی کو حقیر سمجھنا تکبر ہے' جو انتہائی خطرناک بیماری ہے۔ ہر مسلمان پر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' امیر ہو یا غریب دوسرے مسلمان کا خون' مال اور عزت حرام ہے۔ کوئی کسی کی جان مال اور عزت سے مت کھیلے۔

(١٢٩٣) وَعَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ جَنِّبْنِي

حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعائیہ کلمات فرمایا کرتے تھے "الٰہی! مجھے برے اخلاق' برے اعمال' بری خواہشات

مُنْكَرَاتِ الأَخْلاَقِ، وَالأَعْمَالِ، وَالأَهْوَاءِ، وَالأَدْوَاءِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ وَاللَّفْظُ لَهُ.

اور بری بیماریوں سے بچا۔" (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ الفاظ اسی کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿جنبنی﴾ بچنے اور دور رکھنے کی دعا ہے۔ جنبنی تجنیب سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے مجھ سے دور فرما دے یا مجھے دور رکھ۔ ﴿منکرات الاخلاق﴾ ایسے اخلاق اور عادات جو عادتاً اور شرعاً ناپسندیدہ ہوں۔ ﴿والاھواء الاخلاق﴾ پر اس کا عطف ہے اور ھویٰ کی جمع ہے اور ھویٰ کہتے ہیں ایسی خواہش نفس کو جس میں کسی ایسے مقصد کی طرف نظر نہ ہو جسے شرع نے پسندیدہ قرار دیا ہو۔ ﴿والا دواء﴾ اس کا عطف بھی الاخلاق پر ہے اور یہ داء کی جمع ہے' معنی اس کے بیماری اور مرض کے ہیں اور منکرات الامراض ان بیماریوں کو کہتے ہیں جو پرانی اور دیرینہ ہوں' جن سے نفرت کی جاتی ہو اور دور رہا جاتا ہو مثلاً برص' جذام کے امراض ہیں یا مہلک امراض جن سے عموماً موت واقع ہو جاتی ہے جیسے ذات الجنب کا مرض ہے۔ ہیضہ' طاعون اور فالج وغیرہ۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برے اخلاق' برے اعمال' بری خواہشات اور بری بیماریوں سے ہروقت اللہ سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ ان امور سے اللہ کی توفیق ہی سے بچا جا سکتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ﴾ قطبہ بن مالک بن ثعلبہ سے ہونے کی وجہ سے ثعلبی کہلائے اور ثعلبہ بن سعد بن ذبیان میں ذبیان کی طرف نسبت کر کے ذبیانی کہلاتے تھے' کوفہ سے تعلق تھا اور ان کے بھتیجے زیاد بن علاقہ نے ان سے احادیث نقل کی ہیں۔

(١٢٩٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تُمَارِ أَخَاكَ، وَلاَ تُمَازِحْهُ، وَلاَ تَعِدْهُ مَوْعِداً فَتُخْلِفَهُ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑا مت کرو اور نہ اس سے مذاق کرو اور اس سے ایسا وعدہ بھی نہ کرو جس کی بعد میں خلاف ورزی کرو۔" (اسے ترمذی نے کمزور سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لا تمار﴾ "تاء" پر ضمہ ممارات سے ماخوذ ہے' جس کے معنی ہیں مجادلہ نہ کرو' جھگڑا نہ کرو۔ سبل السلام میں ہے مراء کی حقیقت یہ ہے کہ غیر کے کلام و گفتگو میں طعن کرنا' محض خلل ڈالنے کی غرض سے۔ اس غرض کے سوا کہ اس سے کہنے والے کی تحقیر مقصود ہو اور کوئی مقصد و غرض نہ ہو اور اپنی امتیازی شان اس پر مسلط کرنا ہو۔ ﴿ولا تمازحہ﴾ یہ "مزاح" سے ماخوذ ہے اور "مزاح" خوش طبعی کرنے اور ٹھٹھا مزاق کرنے کو کہتے ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "وہ مزاح ممنوع ہے جس

میں افراط ہو اور جو ہمیشہ کیا جاتا رہے کیونکہ مزاح سے ہنسی اور سنگ دلی پیدا ہوتی ہے' اللہ کے ذکر سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور دین کے حقیقی مسائل سے فکر ہٹ جاتی ہے بلکہ اکثر اوقات یہ مذاق ایذاء رسانی کا باعث بنتا ہے اور اس سے بے شمار بغض و کینہ جنم لیتا ہے' انسان کا وقار اور ہیبت و رعب جاتا رہتا ہے اور جو انسان ان خطرات سے محفوظ رہتا ہے' وہ مزاح مباح ہے اور ایسا مزاح کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے جس سے مخاطب کا دل خوش ہو جاتا اور اس کی محبت میں اضافہ ہو جاتا۔ اس لئے ایسا مزاح مستحب ہے۔ یہ مسئلہ خوب سمجھ لو کیونکہ اس کی بہت ضرورت رہتی ہے۔

(١٢٩٥) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَصْلَتَانِ لاَ تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ: الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ بخل اور سوء خلق۔" (اسے ترمذی نے نکالا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کامل بد خلق اور بخیل نہیں ہو سکتا۔ ایمان تو حسن خلق اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کا نام ہے۔ جب یہ دونوں عنقاء ہیں تو کامل ایمان کا مدعی کیونکر ہو سکتا ہے۔

(١٢٩٦) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالاَ فَعَلَى الْبَادِيءِ، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "گالی گلوچ کرنے والے دو آدمیوں میں سے ابتداء کرنے والے پر بار گناہ ہے تاوقتیکہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿المستبان﴾ اس میں "باء" پر تشدید ہے اور باب افتعال سے اسم فاعل ہے یعنی ایک دوسرے کو سب و شتم کرنے والے دو آدمی۔ ﴿فعلی البادی﴾ گناہ کا بار اس شخص پر ہے جس نے گالی دینے میں پہل کی اور جواب میں گالی دینے والا اس زمرہ میں نہیں آتا۔ اس جرم کا سارا گناہ اس کے سر ہے کیونکہ وہی اس کا سبب بنا ہے۔ ﴿مالم یعتد﴾ تاوقتیکہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے۔ اگر وہ حد پھلانگ گیا یعنی اس نے جواباً زیادہ گالی دی اور گالی کا آغاز کرنے والے کو زیادہ ستایا اور اذیت دی تو اس کی ایذا رسانی اس کے گناہ کے ساتھ شامل ہو جائے گی اور بسا اوقات ایسا بھی امکان ہے کہ ابتداء کرنے والے سے اس کا گناہ زیادہ ہو جائے۔

(١٢٩٧) وَعَنْ أَبِيْ صِرْمَةَ رَضِيَ حضرت ابو صرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ ضَارَّ مُسْلِماً ضَارَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ شَاقَّ مُسْلِماً شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ.

ﷺ نے فرمایا "جس نے کسی مسلمان کو ضرر پہنچایا' اللہ تعالیٰ اسے ضرر دے گا اور جس نے کسی مسلمان کو مشقت میں مبتلا کیا اللہ تعالیٰ اسے مشقت اور مصیبت میں مبتلا فرمائے گا۔" (اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ من ضار مسلما ﴾ یعنی جس کسی نے مسلمان کو مالی و جانی نقصان اور عزت و آبرو میں ناحق تکلیف دی اللہ تعالیٰ اسی جیسی تکلیف و مشقت بطور مجازات اس پر ڈال دے گا اور اسے اس میں مبتلا فرما دے گا۔ ﴿ من شاق ﴾ جس نے مسلمان سے ناحق جھگڑا کیا اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈال دے گا۔ (نازل فرما دے گا)

حاصل کلام: اس حدیث میں مسلمان کو تکلیف دینے' اذیت پہنچانے سے خبردار کیا گیا ہے کہ جو آدمی کسی مسلمان کو تکلیف دیتا ہے' اس پر ظلم کرتا ہے اور اس سے بغیر کسی وجہ سے ناحق جھگڑا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر مشقت نازل کر دیتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ ابوصرمہ رضی اللہ عنہ ﴾ قبیلہ مازن سے تعلق رکھتے تھے' اس لئے مازنی کہلائے۔ ان کا نام مالک بن قیس تھا یا قیس بن مالک۔ بدر وغیرہ غزوات میں حاضر رہے۔ ان سے چند احادیث مروی ہیں۔

(١٢٩٨) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ يَبْغَضُ الفَاحِشَ البَذِيءَ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ بغض رکھتے ہیں۔ بد خو' فحش گو سے۔" (اسے ترمذی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

(١٢٩٩) وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ - رَفَعَهُ -: «لَيْسَ المُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلاَ اللَّعَّانِ، وَلاَ الفَاحِشِ، وَلاَ البَذِيْءِ». وَحَسَّنَهُ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ، وَرَجَّحَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَقْفَهُ.

انہیں (ابو درداء) سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے' کہ "ایک مومن بہت طعن کرنے والا' بہت لعنت کرنے والا' فحش گوئی کرنے والا اور بے حیاء نہیں ہوتا" (ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ البذی ﴾ بذاء سے فعیل کے وزن پر۔ قبیح گفتگو اور فحش گوئی کو کہتے ہیں جو مومن کی صفات و اوصاف میں سے نہیں ہے۔ ﴿ الطعان' اللعان ﴾ دونوں میں عین پر تشدید ہے' مطلب بہت

لعن کرنے والا' بہت لعنت کرنے والا۔ مگر یہاں زیادت کا مفہوم مراد نہیں ہے کیونکہ لعنت کرنا تو حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ (سبل السلام)

حاصل کلام: ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک مومن کامل کیلئے لائق نہیں کہ وہ بد خو' فحش گو اور لعن و طعن کرنے والا ہو۔ البتہ اس سے وہ عمل یا شخص مستثنیٰ ہے جسے خود اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے۔ مثلاً کافر' شراب پینے والا' حلالہ کرنے والا وغیرہ۔

راوی حدیث: ﴿ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ﴾ بڑے جلیل القدر اور نہایت عابد و زاھد صحابی تھے۔ ان کا نام عویمر بن زید یا ابن مالک بن عبداللہ بن قیس تھا۔ انصار سے تعلق رکھتے تھے۔ خزرج قبیلہ سے تھے۔ بدر کے روز اسلام قبول کیا۔ احد میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بدری اصحاب میں شامل فرمایا تھا۔ انہوں نے جمع قرآن کی خدمت انجام دی۔ دمشق کے والی رہے۔ ان کے فضائل بے شمار ہیں۔ ان کے اقوال زریں میں سے ایک قول یہ ہے کہ ایک لحہ کی شہرت طویل حزن و ملال سے دوچار کر دیتی ہے۔ ۳۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۳۰۰) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ تَسُبُّوا الأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "فوت شدگان کو گالی نہ دو کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا تھا اس تک وہ پہنچ چکے ہیں۔" (بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث میں کسی بھی مرنے والے کو برا کہنے اور گالی دینے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ مردے کو گالی دینے کی وجہ سے اس کے لواحقین کو اذیت پہنچ سکتی ہے جو باہمی دشمنی اور عداوت کا باعث بن سکتی ہے ویسے بھی یہ لغو اور فضول سی بات ہے ورنہ مرنے والا اپنے مالک کے پاس پہنچ چکا ہے' اب اس کا معاملہ اس کے سپرد ہے' سزا دے یا نہ دے۔ کسی کے گالی دینے سے اسے کیا فرق پڑے گا۔ پھر یہ کونسی شرافت ہے کہ جو جوابی کاروائی کی پوزیشن ہی میں نہیں ہے اسے گالی گلوچ کرنے سے سوائے اپنے نفس کو تسلی دینے کے کیا حاصل ہے۔

(۱۳۰۱) وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَدْخُلُ الجَنَّةَ قَتَّاتٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ قتات ﴾ قاف پر فتحہ اور تاء پر تشدید۔ "نمام" کے معنی میں یعنی چغل خور جو کسی انسان کی یا کسی قوم کی بات دوسرے انسان یا قوم کے پاس اس طریقہ سے نقل کرے کہ دونوں میں فساد برپا ہو جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "نمام" اور "قتات" میں لطیف سا فرق ہے۔ نمام اس آدمی کو کہتے

ہیں جو لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے میں شریک ہو پھر ان کے خلاف چغل خوری کرے اور ان کی گفتگو کو آشکارا کرے جسے وہ افشا کرنا ناپسند کرتے ہوں اور قتات اس آدمی کو کہتے ہیں جو دوسروں کی بات ان کی بے خبری میں سنے پھر چغل خوری کرے اور ان کی بات کو آگے نقل کر دے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جبکہ اس کے آگے نقل کرنے میں شرعی مصلحت نہ ہو۔ ورنہ یہ مستحب ہے یا واجب ہے۔ مثلاً کسی آدمی کو پتہ چل گیا کہ ایک شخص دوسرے آدمی پر ظلم کرنا' ایذاء دینا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اس شخص کو ڈرائے' دھمکائے کہ ایسا نہ کرے اور جس پر ظلم کرنا چاہتا ہے' اسے جا کر بتائے کہ وہ ہوشیار و محتاط رہے اور اسی طرح جس نے سربراہ مملکت یا اس کے کسی نمائندے کو اس سے مطلع کر دیا تو اس سے منع نہیں کیا گیا۔ یعنی ایسا کرنا جائز ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ چغلی کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔

(۱۳۰۲) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللَّهُ عَنْهُ عَذَابَهُ». أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الأَوْسَطِ. وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ عِنْدَ ابْنِ أَبِي الدُّنْيَا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کسی نے اپنے غصے کو روک لیا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔" (اسے طبرانی نے الاوسط میں نکالا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس کی شاہد ہے جسے ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں غصہ پر قابو پانے کی فضیلت ہے۔ اپنے زیر دستوں اور خردوں کی کسی غلطی پر غصہ نہ کھانا بلکہ انہیں معاف کر دینا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

(۱۳۰۳) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لاَ يَدْخُلُ الجَنَّةَ خَبٌّ، وَلاَ بَخِيلٌ، وَلاَ سَيِّءُ المَلَكَةِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفَرَّقَهُ حَدِيْثَيْنِ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دھوکہ باز' بخیل اور بد خلق آدمی جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" (ترمذی نے اس کو روایت کیا اور اس نے اسے دو احادیث کی صورت میں الگ الگ بیان کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے)

لغوی تشریح: ﴿ لا يدخل الجنة ﴾ یعنی آغاز ہی میں جنت میں داخل نہیں ہو گا یا یہ معنی ہیں کہ پہلے کوئی سزا اور عذاب اگر ہے تو اسے بھگتے بغیر جنت میں نہیں جا سکے گا۔ ﴿ خب ﴾ خاء پر فتحہ اور باء پر تشدید۔ دھوکہ باز جو دھوکہ و فریب سے لوگوں میں فساد اور خرابی پیدا کرے۔ ﴿ ولہ سئی الملکۃ ﴾ ملکۃ کے میم اور لام پر فتحہ "ملک" کے معنی میں ہے۔ ﴿ سیئی الملکۃ ﴾ جو اپنے غلاموں سے برا سلوک کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ ملکۃ کو پختہ عادت کے معنی میں لیا جائے تو اس صورت میں

سئی الملکۃ کا معنی ہو گا۔ بد خلق اور بد عادت آدمی۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ہے کہ دھوکہ دینے والے، بخیل اور بد اخلاق کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ وہ اپنے ان گناہوں کا خمیازہ بھگت کر ہی جنت میں جائیں گے۔

(١٣٠٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ تَسَمَّعَ حَدِيثَ قَوْمٍ، وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ، صُبَّ فِي أُذُنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». يَعْنِي الرَّصَاصَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کوئی کسی قوم کی بات سننے کی سعی کرے جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے روز اس کے دونوں کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا۔" آنک کا معنی سیسہ ہے۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿من تسمع﴾ باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ ہے اور اس میں تکلف پایا جاتا ہے، معنی اس کے یہ ہیں کہ جو شخص کسی قوم کی بات سننے میں بڑی سعی و جدوجہد کرتا ہے یعنی چھپ کر مخفی طور پر بات سننے کی کوشش کرتا ہے اور رہی یہ بات کہ اس کے کان میں لوگوں کی بات بغیر کسی تکلف و اہتمام اور بغیر اس کی کوشش اور جدوجہد کے پڑ جائے تو اس پر اس سلسلہ میں کوئی مؤاخذہ نہیں لیکن اس کا مخفی رکھنا اور اسے نہ پھیلانا اس پر واجب ہے۔ جب کہ وہ ناپسندیدہ نہ ہو اور کسی فساد کا سبب نہ بن رہی ہو۔ ﴿صب﴾ صیغہ مجہول یعنی اس کے کانوں میں انڈیلا جائے، ڈالا جائے گا ﴿الانک﴾ ھمزہ پر مد اور نون پر ضمہ۔ بمعنی سیسہ۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اس بات کی ممانعت ہے کہ آدمی کسی دوسرے آدمی یا قوم کے راز و خفیہ باتیں جو دوسرے کے روبرو بیان کرنا وہ نہیں چاہتے، بڑے اہتمام، توجہ اور کوشش سے سننے کی ٹوہ میں لگا رہے۔ ایسے آدمی کے کانوں میں قیامت کے روز پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ یہ مجلسی آداب میں سے ایک ادب ہے جسے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ سعید مقبری سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی صاحب سے گفتگو کر رہے تھے یہ صاحب بھی ان کے قریب کھڑے ہوگئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے سینے پر تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کہ جب دو آدمی الگ سے بات چیت کر رہے ہوں تو ان کی باتیں نہ سنا کرو۔ یہ ممنوع ہے۔ بہرحال کسی کی رازداری میں مداخلت درست نہیں۔

(١٣٠٥) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «طُوبَى لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ». أَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس شخص کو مبارک ہے جس کو اپنے عیب نظر آئیں اور دوسرے لوگوں کے عیوب نظر نہ آئیں۔" (اس روایت کو بزار نے حسن سند سے نکالا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ طوبی ﴾ کے "طاء" پر ضمہ اور مقصورہ ہے طیب سے اسم ہے یا جنت کے ایک ایسے درخت کا نام ہے جس کے سایہ میں سوار ایک سو سال تک چلتا رہے گا مگر وہ سایہ ختم نہ ہوگا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ درخت اس آدمی کیلئے ہے جو دوسروں کے عیب تلاش کرنے سے پہلے اپنے عیبوں پر نظر رکھتا ہے اور دوسروں کے عیوب بیان کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ ان سے ازالہ کی کوشش کرتا یا اس پر پردہ پوشی کرتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ایسے شخص کی خوش بختی کا ذکر ہے جو اپنے عیوب سے سروکار رکھتا ہے۔ دوسروں کے عیوب سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اگر لوگوں کے عیوب اس کے علم میں آجائیں تو ان پر پردہ ڈالتا ہے اور دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے اجتناب کرتا ہے اور اپنے عیوب کو دور کرنے کی فکر اسے دامن گیر رہتی ہے۔ ایسے شخص کیلئے خوشی اور مقام مسرت ہے یا اسے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انعام میں بہت بڑا سایہ دار درخت نصیب فرمائے گا۔

(١٣٠٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ تَعَاظَمَ فِي نَفْسِهِ، وَاخْتَالَ فِي مِشْيَتِهِ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». أَخْرَجَهُ الحَاكِمُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کوئی اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھے اور اکڑ کر چلے وہ اللہ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوگا۔" (حاکم نے اسے نکالا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ تعاظم فی نفسہ ﴾ اپنے جی میں خیال کرتا ہے کہ وہ کوئی بڑا آدمی ہے اور وہ ایسی تعظیم کا استحقاق رکھتا ہے جو دوسرا نہیں رکھتا۔ ﴿ اختال ﴾ اکڑ کر چلنا' تکبرانہ چال چلنا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں تکبر سے چلنے کو خدا کی ناراضگی اور غضب ناکی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ ایسی چال ایسے لوگ ہی چلتے ہیں جن کے دماغ میں بڑا ہونے کا سودا سمایا ہوتا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تکبر یہ ہے کہ اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھتے ہوئے لوگوں کو حقیر جانا جائے اور حق بات کا انکار کر دے۔ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے زواجر میں کہا ہے کہ تعاظم اور تکبر دو طرح کا ہوتا ہے ایک باطن اور دوسرا ظاہر۔ حدیث کا پہلا جملہ باطن کو دوسرا جملہ ظاہر کو بیان کر رہا ہے اور دونوں ہی کبیرہ گناہ ہیں اور شرعاً حرام ہیں۔ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا' وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔

(١٣٠٧) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جلد بازی و عجلت پسندی شیطانی کام ہے۔" (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ العجلة ﴾ عین اور جیم پر فتحہ۔ کسی کام کو انجام دینے میں جلدی کرنا۔ سرعت اور تیزی سے کام کرنا۔ یہ قابل مذمت حرکت ہے اس لئے کہ ایسا کرنے سے امور کے انجام پر غور و فکر کرنے اور ان میں خوب چھان بین کرنے کی نوبت نہیں آتی اور اسی کے نتیجہ میں انسان ہلاکت کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے اور یہ شیطان کا دھوکہ و فریب اور اس کی وسوسہ اندازی ہے جس سے بہرنوع بچنا چاہئے۔

(١٣٠٨) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الشُّؤْمُ سُوءُ الخُلُقِ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بد خلقی نحوست ہے۔" (اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الشوم ﴾ شوم' یمن اور برکت کی ضد ہے۔ اس کے شین پر ضمہ اور همزہ ساکن ہے اور آسانی سے پڑھا جاتا ہے یا پھر واؤ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی نحوست یا مصیبت جو انسان پر وارد ہوتی ہے اس کا اصل سبب بد خلقی ہے۔ نیز یہ بھی کہ بد خلقی اور خوش خلقی انسان کے اختیار میں ہے اگر چاہے تو بد خلقی کی راہ اختیار کر لے اور چاہے تو خوش خلقی کی شاہراہ پسند کر لے۔ بد خلقی کا انجام نحوست ہے اور خوش خلقی کا انجام خیر و برکت ہے۔

(١٣٠٩) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَآءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شُفَعَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَوْمَ القِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ لعنت کرنے والے قیامت کے روز نہ سفارش کرنے والے ہوں گے اور نہ گواہی دینے والے۔" (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ باکثرت لعنت کرنے والے ایسے لوگوں کی سفارش قبول نہیں فرمائے گا اور نہ ایسے لوگوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اس قبولیت شہادت کا بعض نے تعلق دنیا سے بتایا ہے کہ چونکہ ایسے لوگ فاسق ہوتے ہیں' اس لئے ان کی شہادت دنیا میں قبول نہیں کی جائے گی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے روز انبیاء کرام کی تبلیغ دین پر شہادت نہیں دے سکیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اللہ کی راہ میں مارے جائیں تب بھی شہادت کے مرتبہ کو نہیں پا سکیں گے۔ (سبل)

(١٣١٠) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی مسلمان کو کسی گناہ کی عار دلائے گا تو وہ خود وہ کام کر کے مرے گا۔"

بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَعْمَلَهُ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ، وَسَنَدُهُ مُنْقَطِعٌ. (اس کو ترمذی نے نکالا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے حالانکہ اس کی سند میں انقطاع ہے)

لغوی تشریح: ﴿عیر﴾ تعییر سے ماضی کا صیغہ ہے یعنی اسے عار کی طرف منسوب کیا اور اسے برا کہا تا کہ اس کو ذلیل و رسوا کرے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو برسرعام عیب یاد دلا کر اس کی تذلیل و تحقیر کرنا گناہ ہے اور جو شخص ایسا کردار ادا کرے وہ عمل مکافات کیلئے بھی تیار رہے حالانکہ مسلمان بھائی کے عیب پر تو پردہ ڈالنے کی تلقین ہے کہ جو آج کسی کے عیب کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیوب چھپا دے گا۔

(١٣١١) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، وَيْلٌ لَهُ، ثُمَّ وَيْلٌ لَهُ». أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ، وَإِسْنَادُهُ قَوِيٌّ.

حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہلاکت ہے اس شخص پر جو جھوٹی باتیں سنا کر لوگوں کو ہنسائے۔ اس پر ہلاکت ہے۔ پھر اس پر ہلاکت ہے۔" (اسے تینوں نے قوی سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

حاصل کلام: جھوٹ بولنا تو قرآن و سنت کی روشنی میں ویسے ہی حرام اور گناہ کبیرہ ہے مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بیان کر کے لوگوں کو ہنسانا اور ان کی دلچسپی و دل لگی کا سامان مہیا کرنا بھی حرام ہے کیونکہ خوشی کا اظہار تو کسی اچھی بات پر ہونا چاہئے نا کہ جھوٹی بات پر۔ جو شخص ایسے جرم کا مرتکب ہو اسے روک دینا چاہئے یا کم از کم جھوٹ کی اس مجلس کو چھوڑ دینا چاہئے۔

(١٣١٢) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كَفَّارَةُ مَنِ اغْتَبْتَهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُ». رَوَاهُ الْحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کی تو نے غیبت کی ہو اس کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس کیلئے اللہ سے مغفرت طلب کرے۔" (اسے حارث بن ابی اسامہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث دلیل ہے کہ غیبت کے گناہ کو دور کرنے کیلئے استغفار کافی ہے۔ لیکن علماء کا قول ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ آدمی کا اتا پتا معلوم نہ ہو جس کی غیبت کی گئی ہے۔ اگر معلوم ہو جائے تو پھر اس سے معافی کے بغیر چارہ نہیں۔

(١٣١٣) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْها قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الأَلَدُّ الخَصِمُ». أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

ﷺ نے فرمایا "بندوں میں اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض بندہ وہ ہے جو سب سے زیادہ جھگڑالو ہو۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الالد﴾ ہمزہ پر فتحہ اور لام پر فتحہ اور دال پر تشدید۔ سخت جھگڑالو اور ﴿الخصم﴾ کے "خا" اور صاد پر فتحہ اس کا معنی بھی جھگڑنے والا۔

حاصل کلام: لڑنے جھگڑنے میں شدت اور سختی کرنا شریف لوگوں کا کام نہیں۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو عنداللہ سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ شدت اور سختی دونوں حرام ہیں مگر اپنے حقوق کے حصول کیلئے جائز حد تک جھگڑنا جائز ہے۔

٥ - بَابُ التَّرْغِيبِ فِي مَكَارِمِ الأَخْلَاقِ

مکارم اخلاق (اچھے عمدہ اخلاق) کی ترغیب کا بیان

(١٣١٤) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى البِرِّ، وَإِنَّ البِرَّ يَهْدِي إِلَى الجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ، وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقاً، وَإِيَّاكُمْ وَالكَذِبَ، فَإِنَّ الكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الفُجُورَ، وإن الفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ، وَيَتَحَرَّى الكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّاباً». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سچائی کو لازم پکڑو کہ سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی جانب رہنمائی کرتی ہے اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ کی تلاش میں رہتا ہے تاآنکہ اسے اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو۔ جھوٹ گناہ کی جانب لے جاتا ہے اور گناہ آتشیں جہنم کی جانب لے جاتا ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ میں کوشش کرتا رہتا ہے تو اسے اللہ کے ہاں جھوٹا لکھا جاتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الترغیب﴾ "مکارم" مکرمۃ کی جمع ہے مکرمۃ کے میم اول پر فتحہ کاف ساکن اور "را" پر ضمہ ہے شریفانہ کام کو کہتے ہیں۔ ﴿علیکم بالصدق﴾ اس کا معنی صدق کو لازم پکڑنے اور اختیار کرنے کے ہیں اور صدق نام ہے واقعہ کے مطابق کام یا بات کرنے کا۔ ﴿فان الصدق﴾ یعنی صدق کو لازم پکڑنے اور اس پر مداومت اختیار کرنا ﴿یتحری الصدق﴾ صدق کے سلسلہ میں انتہائی کوشش اور جدوجہد۔ ﴿صدیقا﴾ صاد کے نیچے کسرہ اور دال پر تشدید۔ صدق میں مبالغہ کو کہتے

ہیں۔ انتہائی سچ بولنے والا۔ اس حدیث میں سچ بولنے والے کے حسن خاتمہ اور اس کے برے انجام سے مامون و محفوظ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿ الفجور ﴾ "فاء" پر ضمہ اس کے معنی ہیں فساد کی جانب میلان رکھنا اور معاصی کی طرف لپکنے کو فسق و فجور کہتے ہیں اور یہ شرر و برائی کیلئے جامع نام ہے۔ ﴿ حتی یکتب عنداللہ کذابا ﴾ مؤلف نے فتح الباری شرح بخاری میں کہا ہے کہ کتابت سے مراد یہاں اس کے بامیں فیصلہ کرنا ہے اور ملاء اعلیٰ سے دونوں مخلوق کیلئے اس کا اظہار کرنا ہے۔

(١٣١٥) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بدگمانی سے بچو۔ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔" (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: دونوں احادیث میں جھوٹ سے بچنے اور ہمیشہ سچائی کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔ سچائی کا آخری ثمرہ و نتیجہ جنت ہے اور جھوٹ کا نتیجہ خالق کائنات کی ناراضگی کی صورت میں دوزخ ہے۔ گویا اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو کوئی اپنی تمام باتوں میں سچ اختیار کرتا ہے اور سچائی کو اپنی زندگی کا عین مقصد سمجھتا ہے تو سچائی اس کی زندگی کا جزو لاینفک بن جاتا ہے اور اس کا نتیجہ جنت ہے۔

(١٣١٦) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا لَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا، نَتَحَدَّثُ فِيهَا، قَالَ: «فَأَمَّا إِذَا أَبَيْتُمْ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ»، قَالُوا: وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: «غَضُّ البَصَرِ، وَكَفُّ الأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالأَمْرُ بِالمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ المُنْكَرِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "راستوں (اور گلی کوچوں) میں بیٹھنے سے بچو۔ صحابہؓ نے عرض کیا' راستوں پر بیٹھے بغیر ہمارا گزارہ نہیں کیونکہ ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "پس اگر تم نہیں مانتے تو راستہ کا حق ادا کرو۔" انہوں نے عرض کیا اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا "آنکھوں کو نیچے رکھنا۔ اذیت رسانی نہ کرنا اور سلام کا جواب دینا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ ایاکم والجلوس ﴾ منصوب اس لئے ہے کہ اس سے مقصود ڈرانا اور خبردار کرنا ہے یعنی اس سے خوف کھاؤ' ڈرو اور محتاط رہو۔ ﴿ مالنا بد ﴾ بد کے "باء" پر ضمہ اور دال پر تشدید۔ کوئی چارا جائے فرار نہیں۔ ﴿ لا بدمنہ ﴾ وہاں کہا جاتا ہے جہاں اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور جس کے سر انجام دیئے بغیر گزارہ نہ ہو معنی یہ ہوا کہ ضرورت و حاجت ہمیں راستوں پر بیٹھنے کیلئے مجبور کرتی ہے۔

پس اس سے ہمارے لئے کوئی کشادگی و فراخی کی گنجائش نہیں۔ ﴿فان ابيتم﴾ پس اگر تم لوگوں کے راستوں میں بیٹھنے سے باز نہیں آئے تو پھر راستہ کا حق ادا کرو اور وہ یہ کہ اپنی نظروں کو غیر محرم پر پڑنے سے بچاؤ۔ ﴿كف الاذى﴾ راہ گیروں کو اذیت دینے سے رک جاؤ اور دوسری روایات میں راستے کے حق کے بارے میں مزید بیان بھی ہے کہ راستہ کی راہنمائی کرے' مصیبت زدہ کی فریاد رسی کرے' گم کردہ راہ مسافر کو راہ راست دکھائے۔ جب کوئی چھینک آنے کے بعد الحمد لله کہے تو اس کا جواب (يرحمك الله) دے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں راستوں میں جہاں سے لوگ گزرتے ہوں بیٹھنا اور قصہ گوئیاں کرنا ممنوع ہے۔ گلی کوچوں میں بیٹھنا' راہ چلنے والوں کیلئے راستہ تنگ کرنا کونسی شرافت ہے۔ راستوں پر خواتین کا آنا جانا بھی رہتا ہے۔ لامحالہ ان کیلئے مشکل پیدا ہوتی ہے ان کے علاوہ ٹریفک کے مسائل ہیں اور اگر راستے پر بیٹھنا مجبوری ہو تو پھر اس کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

(١٣١٧) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **"اللہ تعالیٰ جس شخص سے بھلائی و خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔"** (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الفقه فى الدين﴾ قواعد اسلام کا سیکھنا' کتاب و سنت کے حلال و حرام کی معرفت حاصل کرنا۔ رہا ائمہ کے تخریج شدہ اقوال کی معرفت تو اسے اس امام کے مذہب کی فقہ کہیں گے۔ یہ فقہ فی الدین نہیں ہے۔

(١٣١٨) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا مِنْ شَيْءٍ فِي المِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الخُلُقِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **"اچھے خلق سے زیادہ کوئی اور چیز ترازو میں وزنی نہیں ہے۔"** (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز ترازو بھی ہوں گے جن میں اعمال تولے اور وزن کئے جائیں گے اور ترازو میں سب سے وزنی چیز انسان کے عمدہ اخلاق ہوں گے۔ اس سے اچھے اور بہترین اخلاق کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(١٣١٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الحَيَاءُ مِنَ الإِيمَانِ».

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **"حیا ایمان کا جزء ہے۔"** (بخاری و مسلم)

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿ الحیاء ﴾ لغوی طور پر حیا کے معنی ہیں' کسی عیب کے ڈر سے طبیعت میں تغیر و انکساری پیدا ہونا اور شرعاً یہ ایسی خصلت و عادت ہے جو برے اور بدنام کام سے بچنے کا موجب و باعث ہوتی ہے اور حقدار کے حق میں کوئی کوتاہی و کمی کرنے سے روکتی ہے اور حیا اگرچہ ایک طبعی خصلت ہے لیکن اسے شرعی طور پر استعمال کرنے ہی کیلئے جاننے اور نیت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس کو ایمان کا جزء اور شاخ قرار دیا گیا ہے اور کبھی کلیتاً کسبی بھی ہوتا ہے اور اسے ایمان کا جزء قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ صاحب حیا کو اس کا حیا گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے۔ جس طرح کہ ایمان گناہوں سے روکنے کا سبب ہوتا ہے' اسی طرح حیا بھی انسان کو معاصی و گناہوں سے بچنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ ڈھال کا کام دیتا ہے۔ (سبل السلام)

(١٣٢٠) وَعَنْ أَبِيْ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ». أَخْرَجَهُ البُخَارِيُّ.

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "پہلی نبوت کے کلام میں سے لوگوں کو جو کچھ ملا ہے' اس میں سے یہ بھی ہے کہ جب تو شرم نہ کرے تو جو چاہے کر۔" (بخاری)

حاصل کلام: پہلے نبوت کے کلام سے مراد وہ بات ہے جس پر سب انبیاء کا اتفاق ہے۔ یہ چیز ان کی شریعتوں کی طرح منسوخ نہیں ہوئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی شریعتوں کی کچھ باتیں ایسی ہیں جو منسوخ نہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ "جب تو شرم و حیا نہ کرے تو جو چاہے کر" بے حیائی سے روکنے کا جب یہ ذریعہ نہیں تو انسان بے حجابی میں جو چاہے گا' کرے گا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے دیکھ لو اگر وہ ایسا ہو کہ اس سے حیاء کی جائے تو اسے چھوڑ دو۔ (سبل)

(١٣٢١) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ، احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَلاَ تَعْجِزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلاَ تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قوی مومن اچھا' اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے ضعیف و کمزور مومن سے۔ ہر مومن میں بھلائی و اچھائی ہے۔ جو چیز تیرے لئے منافع بخش ہے اس کی حرص و لالچ کر۔ مدد صرف اللہ سے طلب کر' عاجز و درماندہ بن کر نہ بیٹھ اور اگر تجھے چیز حاصل ہو تو اس طرح مت کہو کہ اگر فلاں کام میں نے اس طرح سرانجام دیا ہوتا تو اس سے مجھے یہ اور یہ فوائد

قُلْ: قَدَّرَ اللَّهُ، وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ «لَوْ» تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ». أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حاصل ہوتے۔ بلکہ اس طرح کہا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں جو چاہا۔ کیونکہ لفظ "لو" یعنی اگر شیطان کے عمل کا دروازہ کھولتا ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ فان لو ﴾ "لو" کا لفظ کسی کام کے مراد اور مقصود کے خلاف واقع ہونے پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی آدمی کہتا ہے اگر میں اس طرح کرتا تو اس کا نتیجہ لازماً اس طرح ہوتا جیسا کہ حدیث بالا میں مذکور ہے۔ ﴿ تفتح عمل الشیطان ﴾ یہ شیطان کا عمل کھول دیتا ہے۔ یعنی اچھے کام کے ہاتھ سے نکل جانے پر شیطان اسے شدت حرص اور حسرت و افسوس پر ابھارتا ہے اور قضاء و قدر پر عدم رضامندی پر مائل کرتا ہے اور اس میں تقدیر کو بدلنے کے امکان کا گمان دلاتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں لفظ "لو" جس کے معنی "اگر" کے ہوتے ہیں کے استعمال سے منع فرمایا گیا ہے اور بعض احادیث سے اس کے استعمال کی گنجائش نظر آتی ہے۔ لھذا یہ ممانعت تنزیہی ہے' تحریمی نہیں۔ قاضی عیاض وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر "لو" کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اگر میں فلاں کام اس طرح انجام دیتا تو یقیناً اس کا نتیجہ اس طرح برآمد ہوتا اس طور پر لفظ "لو" کا استعمال حرام ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ وہی ہو کر رہنا تھا جو ہو چکا ہے اور ہو گا بھی وہی جو تقدیر الٰہی میں ہے تو ایسی صورت میں لفظ "لو" کا استعمال درست ہو گا' ممنوع نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر دین اسلام کی تابعداری نہ کرنے پر تاسف کی صورت میں "لو" کہتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ دوسرے اس حدیث میں قوی و مضبوط مومن کو اللہ تعالیٰ ضعیف و کمزور کے مقابلہ میں محبوب رکھتا ہے کیونکہ جہاد میں قوت و طاقت کی ضرورت ہے۔ تندرست و صحت مند آدمی بیمار و کمزور آدمی کے مقابلہ میں دین کی خدمت بھی زیادہ کر سکتا ہے اور عبادت بھی زیادہ اور غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی خدمت بھی زیادہ کر سکتا ہے۔ لیکن قوت و ہمت کے باوجود انسان تبھی کچھ کر سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو۔ اس لئے اس میں حکم ہے کہ بہرنوع اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ وہی تمہارا کارساز ہے۔

(۱۳۲۲) وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا، حَتَّى لاَ يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلاَ يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ». أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ تواضع و انکساری کرو۔ یہاں تک کہ کوئی دوسرے پر زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی دوسرے پر فخر کرے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ التواضع ﴾ تذلل و انکساری۔ یہ کبر کی ضد ہے۔ متکبر وہ شخص ہے جو دوسروں کے

مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا اور ممتاز سمجھتا ہے۔ احکام الٰہی کی بغاوت کرتا ہے اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے' اور لوگ اس سے اس وجہ سے نفرت کرتے ہیں۔ جب تواضع تکبر کی ضد ہے تو تواضع کے آثار بھی اس کے مخالف ہوں گے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں تواضع و انکساری اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔ باوجود بلند مرتبہ اور بلند شان ہونے کے' انسان کا اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں بڑا نہ سمجھنا اور لوگوں کو حقیر تصور نہ کرنا تواضع ہے۔ تواضع و انکساری سے انسان دوسرے انسانوں کو اپنا دوست اور ہمنوا بنا لیتا ہے اور تکبر و نخوت سے لوگوں کو اپنے سے دور کر لیتا ہے۔

(١٣٢٣) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ بِالغَيْبِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ القِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ، وَلِأَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ نَحْوُهُ.

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے چہرے کو آتش جہنم سے محفوظ رکھے گا۔" (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے اور مسند احمد میں اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی اسی طرح ہے)

لغوی تشریح: ﴿من رد عن عرض اخيه﴾ اس کا مطلب ہے کہ جس نے اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا دفاع کیا اور اس کی آبرو کی حفاظت کی ﴿بالغيب﴾ ایسی صورت میں جب اس کا بھائی موجود نہیں تھا' غیر حاضر تھا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اس مسلمان کی بڑی فضیلت کا بیان ہے جو اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے بلکہ یہ دفاع واجب ہے کیونکہ یہ انکار منکر کے باب میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں دفاع نہ کرنے والے کی مذمت بھی آئی ہے۔ پھر اس دفاع سے غیبت وغیرہ کرنے والے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے آئندہ وہ اس سے اجتناب کرے گا اور جس کا دفاع کیا ہے' اس سے بھائی چارہ اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

راوی حدیث: ﴿اسماء بنت يزيد رضی اللہ عنہا﴾ یہ یزید بن سکن کی صاحب زادی تھیں۔ قبیلہ اشہل سے تھیں اس لئے اشھلیہ کہلاتی تھیں۔ خواتین کی خطیبہ تھیں۔ یرموک میں شریک ہوئیں۔ اس روز اس نے اپنے خیمہ کی لکڑی سے نو دشمنوں کو قتل کیا۔

(١٣٢٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "صدقہ و خیرات کسی مال میں کمی واقع نہیں کرتا اور اللہ اس شخص کو جو درگزر کرتا ہے'

وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْداً بِعَفْوٍ إِلاَّ عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلاَّ رَفَعَهُ اللهُ تَعَالَى» . أَخرَجَهُ مُسْلِمٌ.

نہیں بڑھاتا مگر عزت میں اور نہیں تواضع کرتا کوئی بھی اللہ کیلئے مگر اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ مازاد الله رجلا بعفو ﴾ اللہ اس شخص کو جو عفو و درگزر کرتا ہے نہیں بڑھاتا۔ یعنی اس کا کسی شے کے معاف کرنے کی وجہ سے یا انتقام و بدلہ لینے کی قوت و طاقت کے باوجود اسے معاف کر دینے کی وجہ سے۔ ﴿ الا عزا ﴾ مگر عزت۔ دنیا میں۔ کیونکہ عفو و درگزر کی صفت سے پہچانا گیا اس نے تو دلوں میں بہت بڑا مقام پیدا کر لیا یا پھر آخرت میں بھی عزت عطا فرمائے گا بایں طور کہ اس کے ثواب میں اضافہ فرما دے گا یا عزت و توقیر دنیا اور آخرت دونوں میں عطا فرمائے گا۔ ﴿ وما تواضع احد لله ﴾ اور نہیں تواضع کرتا کوئی بھی اللہ کیلئے۔ یعنی اس طرح کہ وہ خود جس مرتبہ اور منصب کا مستحق ہے اپنے آپ کو اس سے نیچے اتار لے اس امید و توقع کے پیش نظر کہ اللہ کا قرب نصیب ہو جائے اس کے سوا کوئی دوسری غرض و مقصد نہ ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مکارم اخلاق کی تین چیزوں کا ذکر ہے اور تینوں اخلاق فاضلہ کی جڑ ہیں۔ اور وہ صدقہ' عفو و درگزر اور تواضع ہیں۔ جس انسان میں یہ تینوں وصف پائے جائیں گے وہ شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو گا اور مخلوق خدا بھی اس سے محبت کرے گی۔

(۱۳۲۵) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلاَمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلاَمَ، وَصِلُوا الأَرْحَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ، وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الجَنَّةَ بِسَلاَمٍ» . أَخرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لوگو! سلام کو عام کرو اور صلہ رحمی کرو اور کھانا کھلاؤ۔ رات کو قیام کرو جب دوسرے لوگ سوتے ہوں' جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔" (اسے ترمذی نے نکالا ہے اور صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ افشوا ﴾ افشاء سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنی پھیلانا' عام کرنا کے ہیں۔ ﴿ صلوا الارحام ﴾ وصل سے امر کا صیغہ ہے۔ ﴿ نيام ﴾ نون کے نیچے کسرہ اور یہ نائم کی جمع ہے یعنی سونے والے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جن امور کو موجبات جنت قرار دیا گیا ہے ان میں تین کا تعلق انسانوں کے ساتھ باہمی پیار اور محبت سے ہے اور ایک کا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے' گویا اشارہ ہے کہ جس کا تعلق اللہ اور اللہ کے بندوں سے درست ہوا وہ جنت میں جائے گا اور یہ بھی کہ جو ان امور خیر کی پابندی کرے گا اس کیلئے جنت کے حصول کا راستہ آسان ہو جائے گا' وہ نیکی کی شاہراہ پر چل نکلے گا اور برائیوں سے

اجتناب کرے گا۔

(۱۳۲۶) وَعَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الدِّينُ النَّصِيحَةُ»، ثَلاَثاً، قُلْنَا: لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ، وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دین (دین اسلام) وعظ و نصیحت کا نام ہے" تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا۔ ہم نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! یہ نصیحت کا حق کس کے لیے ہے؟ فرمایا "اللہ کیلئے' اس کی کتاب کیلئے اور اس کے رسول کیلئے اور مسلمانوں کے آئمہ کیلئے اور ان کے عام لوگوں کیلئے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ الدين النصيحة ﴾ یعنی دین کا عمود و ستون اور اس کو قائم رکھنے کا پیمانہ اور اس کا پایہ' خیر خواہی و نصیحت ہے۔ علامہ جزری نے النھایہ میں کہا ہے کہ نصیحت بڑا جامع کلمہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص سے بھلائی کا ارادہ کرنا جس کی خیر خواہی مطلوب و مقصود ہو اور ناممکن ہے کہ اس معنی کو ایک ہی لفظ میں ادا کیا جاسکے جو دوسرے معنی کو بھی اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہو اور "نصح" کا لغت میں تو دراصل معنی خلوص ہے۔ کہا جاتا ہے نصحته تو اس کے معنی ہیں "نصحت له" یعنی میں نے اس کی خیر خواہی کی اور اللہ سے خیر خواہی کے معنی یہ ہیں کہ عقیدہ صحیح ہو کہ اس کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور نہ ہی اور کوئی معبود و مالک ہے اور اس کی عبادت میں بھی اخلاص ہو اور اس کی کتاب کی خیر خواہی سے مراد ہے کہ اس کتاب کی تصدیق کی جائے اور اس میں جو تعلیم ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے اور اس کے رسول کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کی رسالت و نبوت کو بصدق قلب تسلیم کیا جائے اور اس کے حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کی جائے اور جس سے اس نے روکا ہو اس کام سے رک جائے اور ائمہ کی خیر خواہی یہی ہے کہ حق کے معاملہ میں ان کی بات مانی جائے اور ان کے خلاف بلاوجہ خروج نہ کیا جائے اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے مراد ہے کہ اچھے کاموں کی طرف ان کی راہنمائی کی جائے۔

راوی حدیث: ﴿ تمیم داری رضی اللہ عنہ ﴾ ان کی کنیت ابورقیہ ہے۔ نام تمیم بن اوس بن خارجہ داری۔ ۹ھ میں اسلام قبول کیا۔ بیت المقدس میں سکونت اختیار کی۔ جساسہ کی اطلاع نبی ﷺ تک انہوں نے پہنچائی تھی۔ ابن سیرین کا قول ہے کہ سارا قرآن حفظ کیا اور ایک رات میں سارا قرآن تلاوت کر لیتے تھے اور ابونعیم کا قول ہے کہ تمیم وہ پہلے صحابی ہیں جس نے مساجد میں دیا روشن کیا تھا۔ ۴۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۳۲۷) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ الْجَنَّةَ تَقْوَى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو چیز اکثر جنت میں جانے کا سبب بنے گی وہ اللہ کا ڈر اور حسن خلق ہے۔" (اسے ترمذی

اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ»۔ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.
نے نکالا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں تقویٰ اور حسن خلق اختیار کرنے والوں کو دخول جنت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اوامر پر عمل کرنا اور منہیات و نواھی سے رک جانا اور حسن خلق' اچھے عمل و کردار کا نام ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں تقویٰ اور حسن خلق کا کیا مقام و مرتبہ ہے اور اس کی کتنی اہمیت و فضیلت ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنت مخلوق ہے اور موجود ہے۔

(۱۳۲۸) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّكُمْ لاَ تَسَعُونَ النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ لِيَسَعْهُمْ مِنكُمْ بَسْطُ الوَجْهِ وَحُسْنُ الخُلُقِ»۔ أَخْرَجَهُ أَبُو يَعْلَىٰ وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم لوگوں میں رسائی مال کے ذریعہ پیدا نہیں کر سکتے اس لئے تمہیں چاہئے کہ حسن خلق و کشادہ روئی سے لوگوں کے اندر رسائی پیدا کرو۔" (اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ لا تسعون ﴾ یہ الواسع سے ماخوذ ہے اسی طرح ﴿ یسعهم ﴾ بھی اسی "الوسع" سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم مال خرچ کر کے لوگوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ لوگوں کی تعداد زیادہ اور مال کم ہے۔ لیکن یہ کام تم خندہ روئی اور خندہ پیشانی سے کر سکتے ہو لہٰذا اسی کو اپنے اوپر لازم کر لو نیز نرم پہلو اور نرم رویہ سے بھی اسے پورا کر سکتے ہو۔ اس کے برعکس سختی سے اور درشتگی سے یہ کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ (سبل السلام)

(۱۳۲۹) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ»۔ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مومن اپنے مومن بھائی کا آئینہ ہے۔" (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے' اس کی سند حسن ہے)

لغوی تشریح: ﴿ المومن مراٰۃ اخیه المومن ﴾ المراٰۃ کے میم کے نیچے کسرہ اور ھمزہ پر مد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آئینہ جس طرح اپنے دیکھنے والے کے محاسن اور نقائص بلا کم و کاست اس کے سامنے رکھ دیتا ہے' اسی طرح ایک مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کیلئے آئینہ کی طرح ہے کہ وہ اپنے بھائی کو عیوب اور نقائص پر متنبہ کر کے اسے خبردار کر دیتا ہے کہ اپنی اصلاح کر لے۔ یہ کام آئینہ صرف اپنے دیکھنے والے کو ہی بتاتا ہے' دوسرے کے روبرو چغلی نہیں کھاتا اور آئینہ اتنا عیب و نقص ہی بتاتا ہے جتنا دیکھنے والے کے چہرے مہرے میں ہوتا ہے' اس میں اپنی جانب سے کمی بیشی نہیں کرتا اور اس کے سامنے بیان کرتا ہے' اس کی عدم موجودگی اور پیٹھ پیچھے نہیں کرتا۔ اسی طرح ایک مومن کو اپنے مومن بھائی کے

سامنے اس کے عیوب بیان کرنے چاہئیں' اس کی غیر موجودگی میں نہیں اور اتنے عیوب ہی بیان کرنے چاہئیں جتنے حقیقت میں اس میں پائے جاتے ہوں' اس میں اپنی جانب سے کمی بیشی نہ کرے۔ آئینہ ٹکڑے ہو کر بھی اپنے دیکھنے والے کے عیوب ہر ٹکڑے میں وہی دکھاتا ہے جو اس میں پائے جاتے ہیں' اسی طرح مومن کو اپنے بھائی سے ناراض ہو کر بھی اپنے مومن بھائی کے عیوب اتنے ہی بیان کرنے چاہئیں جتنے فی الواقع اس میں پائے جاتے ہیں۔ آئینہ ٹوٹ کر اپنی اصلیت کھو نہیں دیتا' اسی طرح مومن کو اپنی اصلیت کھو نہیں دینی چاہئے اور مومن کو اپنے عیوب پر تنبیہہ کو اپنے لئے سچی خیر خواہی اور حقیقی ہمدردی سمجھنا چاہئے۔

(١٣٣٠) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الَّذِي لاَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَلاَ يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ، وَهُوَ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ، إِلاَّ أَنَّهُ لَمْ يُسَمِّ الصَّحَابِيَّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو مومن لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی جانب سے اذیت رسانی پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے بہتر اور اچھا ہے جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں اور ان کی جانب سے اذیت رسانی پر صبر بھی نہیں کرتا۔" (اس حدیث کو ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے مگر اس نے صحابی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا)

حاصل کلام: اس حدیث میں اس آدمی کو بہتر قرار دیا گیا ہے جو لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے ان سے میل ملاقات رکھتا ہے۔ دین کی تبلیغ کرتا ہے۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ تبلیغ دین کے سلسلہ سے ان کی جانب سے جو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے اس کو صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہے' اس لئے کہ یہ تکلیف اسے دین کی وجہ سے دی گئی ہے۔ لہٰذا وہ اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگوں میں آتا جاتا نہیں' ان سے میل ملاقات نہیں رکھتا۔ نہ وہ دین کی تبلیغ کرتا ہے اور نہ ہی ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے' نہ کسی سے تعاون لیتا ہے اور نہ دیتا ہے۔ البتہ جو آدمی ایذا رسانی کو برداشت نہیں کر سکتا بلکہ اس سے اس کی اپنی دینداری کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کیلئے عزلت اور کنارہ کشی کی گنجائش ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(١٣٣١) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اللَّهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِي، فَحَسِّنْ خُلُقِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الٰہی جس طرح تو نے میری تخلیق کو خوب اچھا بنایا ہے' اس طرح میرے اخلاق کو اچھا اور حسین بنا دے۔" (اسے احمد نے روایت کیا

حِبَّانَ.

ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿حسنت﴾ تحسین سے ماخوذ اور مخاطب کا صیغہ ہے۔ ﴿خلقی﴾ "خا" پر فتحہ اور لام ساکن اور دوسرے میں "خا" اور "لام" دونوں پر ضمہ ہے۔

حاصل کلام: یہ دعا رسول اللہ ﷺ عموماً آئینہ دیکھنے کے موقع پر کیا کرتے تھے۔ آپؐ تو تخلیق اور اخلاق کے لحاظ سے کائنات میں سب سے افضل و اعلیٰ تھے۔ آپؐ کی یہ دعا دراصل اس نعمت کے دوام کیلئے اور امت کو تعلیم دینے کیلئے تھی۔

٦ - بَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ

ذکر اور دعا کا بیان

(١٣٣٢) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى: أَنَا مَعَ عَبْدِي مَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَذَكَرَهُ البُخَارِيُّ تَعْلِيقاً.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندے کے اس وقت تک ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے لئے اس کے ہونٹ ہلتے رہتے ہیں۔" (اس کو ابن ماجہ نے نکالا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور بخاری نے اسے تعلیقاً بیان کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب الذکر﴾ یعنی اللہ کا ذکر زبان سے اور دل سے۔ ﴿والدعاء﴾ دعا کہتے ہیں اللہ سے خیر طلب کرنا۔ دعا کبھی ضائع نہیں جاتی' بلکہ دعا مانگنے والے کے لئے تین میں سے ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ دعا کو بعینہٖ شرف قبولیت سے نوازتے ہیں یا یہ کہ اس دعا کو مانگنے والے کے لئے آخرت میں ذخیرہ بنا دیتا ہے یا یہ کہ اس سے کسی برائی و مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ذکر کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اللہ کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ ذاکر کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ ذکر اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی ثناء' تحمید و تمجید وغیرہ کے کلمات کو دل اور زبان پر جاری رکھنے کا نام ہے۔ محض دل میں ان کلمات کا ہونے کا کوئی معنی نہیں جب تک کہ زبان بھی دل کی ہمنوا نہ ہو اور صرف زبان سے ادا کرنا اور دل اس سے بے خبر رہے' اس سے بھی کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ جب دل اور زبان ہم آہنگ ہوں اور ایک دوسرے کے ہمنوا ہوں تو مطلوب حاصل ہوتا ہے اور یہی اللہ کے ہاں محبوب ہے۔ دعا اور ذکر میں طلب کا فرق ہے' دعا میں طلب ہوتی ہے' ذکر میں نہیں۔ دعا کی فضیلت میں بہت سی احادیث منقول ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی "الوابل الصیب" اس سلسلے میں بہترین کتاب ہے۔ اہل ذوق اس کی مراجعت فرمائیں۔

(١٣٣٣) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ عَمَلاً أَنْجَى لَهُ مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ». أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

اللہ ﷺ نے فرمایا "ابن آدم کا کوئی عمل اللہ کی یاد سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دینے والا نہیں۔" (اسے ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حسن سند کے ساتھ نکالا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ انجى ﴾ نجاة سے افعل تفضیل کا صیغہ ہے۔ معنی ہے کہ اس سے زیادہ باعث نجات اور کوئی عمل نہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بھی ذکر الٰہی کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ ذکر الٰہی عذاب الٰہی سے نجات کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جس طرح ذکر الٰہی اخروی عذاب سے بچاتا ہے اسی طرح دنیوی مصائب و آلام سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ کفار سے نبرد آزمائی کے موقع پر ثابت قدم رہنے کیلئے ذکر الٰہی کا حکم ہے کہ اللہ کا بہت ذکر کرو اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ اس کے ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ بندہ یاد رکھتا ہے۔ جہاد میں جب بندہ اللہ کو یاد رکھتا ہے تو اس کی معیت اسے نصیب ہو جاتی ہے اور میدان کار زار میں بندۂ مومن کامیاب و کامران رہتا ہے۔

(١٣٣٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِساً يَذْكُرُونَ اللّٰهَ فِيهِ إِلاَّ حَفَّتْهُمُ الْمَلاَئِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی قوم کسی مجلس میں نہیں بیٹھتی کہ وہ اس میں اللہ کا ذکر کرتی ہو مگر فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور ان کو اللہ کی رحمت ڈھانک لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے ہاں فرشتوں میں فرماتا ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ حفتهم ﴾ وہ فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں جو راستوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور اہل ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ ﴿ غشيتهم ﴾ ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ان کو چھپا لیتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل ذکر کی مجلسیں اور اجتماعات بڑی شان رکھتے ہیں۔ حدیث میں مذکور ہے کہ ذکر الٰہی تمام اعمال سے بہتر ہے' بعض مشائخ نے کہا ہے کہ زبان کا ذکر تسبیح و تحمید' تلاوت قرآن مجید وغیرہ ہے۔ آنکھوں کا ذکر اللہ کے خوف سے اشکبار ہونا' کانوں کا ذکر کلام الٰہی اور خیر خواہی کا کلمہ پوری توجہ سے سننا' ہاتھوں کا ذکر راہ خدا میں ہاتھوں سے خیرات کرنا' جسم و بدن کا ذکر اس کی حرکات و سکنات کا ہمیشہ اللہ کیلئے ہونا' دل کا ذکر یہ کہ صرف اللہ کا خوف اور امید و رجاء رکھنا اور روح کا ذکر ہے کہ اپنا سب کچھ اللہ کے حوالہ کرنا اور قضاء الٰہی پر رضامند رہنا۔ اس طرح گویا انسان مجسم ذکر الٰہی بن کر رہ جاتا ہے اور یہی دراصل مطلوب و مقصود ہے۔

(١٣٣٥) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَداً لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ فِيهِ، وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلاَّ كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ القِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نہیں بیٹھتی کوئی قوم کسی مجلس میں کہ انہوں نے اس مجلس میں اللہ کا ذکر کیا اور نہ نبی ﷺ پر درود بھیجا مگر وہ مجلس ان کیلئے قیامت کے روز باعث حسرت و ندامت ہوگی۔“ (اسے ترمذی نے نکالا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مجلس میں اللہ کا ذکر ضرور ہونا چاہئے اور نبی ﷺ پر درود ضرور بھیجنا چاہئے مگر درود و سلام کا جو رواج ہمارے دور میں شروع ہوا ہے' اس کا وجود عہد رسالت اور دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نظر نہیں آتا۔ یہ لوگوں کی اپنی ایجاد ہے اگر تو وہ اسے مسنون سمجھ کر باعث اجر و ثواب سمجھتے ہیں تو یہ بدعت ہے۔ اجتماعی ذکر میں درس و تدریس اور تعلیم و تعلم سب سے بہتر طریقہ ہے۔ اکٹھے ایک جگہ بیٹھ کر اپنے طور پر ذکر الٰہی اور درود پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(١٣٣٦) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَالَ: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَحْدَهُ، لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ، وَلَهُ الحَمْدُ، بِيَدِهِ الخَيْرُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ، كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ أَرْبَعَةَ أَنْفُسٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو کوئی دس مرتبہ ان کلمات کو کہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں' بادشاہت اسی کی ہے' سب تعریف اسی کے لئے ہے' سب بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے' وہی زندہ کرتا ہے' وہی مارتا ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ تو وہ اس شخص کی مانند ہو گیا جس نے اولاد اسماعیل سے چار بہترین و نفیس ترین غلاموں کو آزاد کیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿من ولد اسماعیل﴾ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور نسل میں سے اور ولد کی واؤ پر ضمہ ہے اور لام ساکن ہے اور دونوں پر فتحہ بھی جائز ہے اور ولد کا لفظ واحد' تثنیہ اور جمع سب پر یکساں بولا جاتا ہے اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کسی کو نعمت آزادی سے سرفراز کرنا بہت فضیلت رکھتا ہے بہ نسبت دوسرے کسی کے آزاد کرنے سے۔

(١٣٣٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے سبحان اللہ وبحمدہ (پاک ہے اللہ اپنی تعریفوں کے ساتھ) سو

وَبِحَمْدِهِ، مِائَةَ مَرَّةٍ، حُطَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

مرتبہ کہا اس کی خطائیں محو کر دی جاتی ہیں۔ خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے مساوی ہی کیوں نہ ہوں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ حطت ﴾ صیغۂ مجہول۔ یعنی محو کر دی جائیں گی۔ عفو و درگزر اور بخشش کے ذریعہ زائل کر دی جائیں گی۔ ﴿ وان كانت مثل زبد البحر ﴾ اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ یہ کثرت گناہ سے کنایہ ہے اور "زبد" زا اور باء دونوں پر فتحہ۔ پانی کے اوپر آنے والا مادہ جسے جھاگ کہتے ہیں اور یہاں خطایا سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ کبیرہ گناہ مراد نہیں' وہ تو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔

(١٣٣٨) وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَاءَ نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ» . أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "میں نے تیرے بعد چار کلمے ایسے ادا کئے ہیں کہ اگر ان کلمات کا تیرے کلمات سے موازنہ کیا جائے' جو تو نے شروع وقت سے لے کر اب تک پڑھے ہیں' تو یہ کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے۔" وہ کلمات یہ ہیں۔ "اللہ پاک ہے اپنی حمد کے ساتھ اپنی مخلوق کی تعداد کے برابر۔ اس کے نفس کی رضا اور اس کے عرش کے وزن۔ (رواہ مسلم) اس کے کلمات کی روشنائی کے برابر۔"

لغوی تشریح: ﴿ ما لقد قلت بعدك ﴾ بعدك کے کاف کے نیچے کسرہ ہے کیونکہ اس سے مراد حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ہیں اور وہ مؤنث ہیں۔ بعدك سے مراد ہے کہ تمہارے پاس سے جانے کے بعد۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ نبی ﷺ ان کے پاس سے نکل کر باہر تشریف لے گئے تھے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھی ذکر الٰہی میں مصروف رہیں۔ آپؐ تقریباً نصف النہار کے قریب واپس تشریف لائے تو وہ اپنی جگہ بیٹھی ذکر میں مصروف تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ "تم ابھی تک اسی حالت میں بیٹھی پڑھ رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! تو نبی ﷺ نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا "لقد قلت بعدك الخ" ﴿ لووزنت ﴾ صیغۂ غائب مجہول ﴿ لوزنتهن ﴾ یعنی یہ کلمات تمہارے کلمات پر ترجیح پا جائیں گے۔ یعنی وزن میں بڑھ جائیں گے۔ ﴿ زنة عرشه ﴾ زنه کا اصل' وزن ہے جیسے عدة صلة اور هبة ہے۔ ان کا اصل وعد' وصل اور وهب ہے اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ جب کلمات عظیم ہوں گے تو ان کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہوگا۔

راوی حدیث: ﴿ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ﴾ امہات المومنین میں سے ایک تھیں۔ غزوۂ مریسیع میں اسیر ہوئیں۔ ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان سے مکاتبت کر لی۔ مکاتبت کی رقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرما کر ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس پر لوگوں نے ان کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا کہ یہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سسرالی رشتہ دار بن گئی ہیں۔ یہ خاتون ان کے قبیلے اور قوم کیلئے سب سے زیادہ باعث برکت ثابت ہوئیں۔ ۵٦ھ میں وفات پائی۔

(۱۳۳۹) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَالحَمْدُلِلَّهِ، وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ». أَخرَجَهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آنے والے الفاظ) باقیات صالحات ہیں یعنی "اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں' اللہ پاک ہے' بلند شان والا ہے اور وہی سب سے بڑا ہے اور ہر خوبی اللہ کیلئے ہے اور برائی سے پھرنے اور نیکی کی قوت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔" (اسے نسائی نے نکالا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ الباقیات الصالحات ﴾ یعنی باقیات صالحات میں سے ہیں اور ان اعمال سے مراد ایسے اعمال ہیں کہ جن کا اجر و ثواب عامل کیلئے ہمیشہ ہمیش باقی رہتا ہے۔ ہر وہ کام جس کا تعلق اللہ کی اطاعت اور اعمال خیر سے ہو وہ باقیات صالحات میں سے ہیں۔ اس حدیث میں ان کلمات کو بالخصوص ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ایمان باللہ کا نچوڑ اور خلاصہ ہیں اور ایمان اللہ تمام بھلائیوں اور اچھائیوں کا منبع و مرکز ہے۔ ایمان باللہ کے بغیر کوئی بھلائی و اچھائی شمار نہیں ہے۔ پس یہ کلمات گویا باقیات صالحات کی جڑ ہیں۔ ﴿ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ﴾ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اہل لغت کا قول ہے کہ حول سے مراد حرکت اور حیلہ ہے یعنی اللہ کی مشیت کے بغیر نہ کوئی حرکت کر سکتا ہے اور نہ حیلہ سازی کر سکتا ہے اور یہ بھی قول ہے کہ لاحول کا معنی ہے کہ شر کو دفع کرنے کی قوت اور خیر کو حاصل کرنے کی طاقت بھی اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے پھرنے کی طاقت اللہ کے تحفظ اور حفاظت کے بغیر ناممکن ہے اور اللہ کی اطاعت پر قوت بھی اس کی اعانت کے بغیر نہیں۔ یہ قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور یہ سارے اقوال قریب المعنی ہیں۔

(۱۳٤۰) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَحَبُّ الكَلاَمِ إِلَى اللهِ أَرْبَعٌ، لاَ يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے نزدیک سب سے محبوب و پسندیدہ کلام یہ چار الفاظ ہیں۔ ان میں سے خواہ کسی سے ابتدا کرے تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

سُبْحَانَ اللهِ، وَالحَمْدُ للهِ، وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

(وہ یہ ہیں) "اللہ پاک ہے' بلند و بالا شان کا مالک ہے۔ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔" (مسلم)

(١٣٤١) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ! أَلاَ أَدُلُّكَ عَلَى كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ الجَنَّةِ؟ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. زَادَ النَّسَائِيُّ: «وَلاَ مَلْجَأَ مِنَ اللهِ إِلاَّ إِلَيْهِ».

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا "اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں؟ جو یہ ہے کہ برائی سے منہ موڑنا اور نیکی پر زور سوائے اللہ کی مدد کے (ممکن) نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم) اور نسائی میں اتنا اضافہ ہے کہ "اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں۔"

لغوی تشریح: ﴿الملجاء﴾ پناہ گاہ' جائے تحفظ۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کلمہ کا جنت کا خزانہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس کلمہ میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنا ہے اور اس کیلئے سر تسلیم خم کرنے کا اعتراف ہے اور اس کا اعتراف ہے کہ اس کے سوا اور کوئی صانع نہیں ہے۔ اس کے ارادے کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے اور اس معاملہ میں بندے کا کوئی اختیار نہیں اور یہاں کنز کا معنی ہے کہ جنت میں اس کا ثواب ذخیرہ ہو گا اور وہ بہترین و نفیس ہو گا ایسے ہی جیسے سارے اموال چھپا کر رکھا ہوا مال زیادہ نفیس اور قیمتی ہوتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی فضیلت کا بیان ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جتنی چیز نفیس اور قیمتی ہوتی ہے اتنی ہی اس کی حفاظت اور دیکھ بھال اہتمام سے کی جاتی ہے۔ اسے چھپا کر رکھا جاتا ہے اور یہ کلمات تو جنت کا خزانہ ہیں۔ اس لئے ان کی بھی محافظت کرنی چاہئے اور کثرت سے انہیں پڑھنا چاہئے۔

(١٣٤٢) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ العِبَادَةُ». رَوَاهُ الأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، مَرْفُوعاً، بِلَفْظِ: «الدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ».

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک دعا ہی عبادت ہے۔ (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

اور ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں "الدعاء مخ العبادۃ" کے الفاظ ہیں یعنی دعا مغز عبادت ہے۔

اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

وَلَهُ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، رَفَعَهُ: «لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَآءِ». وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

کہ اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز معزز و مکرم نہیں۔ (ابن حبان اور حاکم دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ ان الدعا هو العبادة ﴾ یعنی دعا ارکان عبادت میں سے سب سے عظیم اور اس کے اہم ترین اجزاء میں سے ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "حج تو عرفہ کا نام ہے" ﴿ مخ العبادة ﴾ عبادت کا مغز ہے' سے مراد ہے کہ دعا عبادت کا خلاصہ اور اصل ہے اور مخ کے میم پر ضمہ اور خا پر تشدید ہے اور مخ ہر چیز کے خالص حصہ کو کہتے ہیں۔ اسی لئے دماغ کو مغز کہتے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں دعا کو عبادت قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب ہوا کہ غیر اللہ سے جو دعائیں برائے قضاء حاجات و مشکلات کی جاتیں ہیں وہ گویا غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اسی لئے غیر اللہ سے دعا مانگنا شرک ہے۔ دعا کی تاثیر کا اندازہ تو اس سے لگا لیں کہ طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بعض اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ آسمان سے کوئی مصیبت و بلا نازل ہو رہی ہوتی ہے اور آدمی اتفاق سے اس موقع پر رب کائنات کے حضور دست بدعا ہوتا ہے تو فضاء آسمانی میں دونوں کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے سے لپٹ جاتی ہیں' اس طرح دعا گویا نازل ہونے والی مصیبت کو راستہ ہی میں روک لیتی ہے اور اس پر نازل نہیں ہونے دیتی۔

(١٣٤٣) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الدُّعَاءُ بَيْنَ الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ لاَ يُرَدُّ». أَخْرَجَهُ النَّسَآئِيُّ وَغَيْرُهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی"۔ (اس کو نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: استجابت دعا کے مختلف اوقات ہیں۔ ان میں ایک وقت اذان و اقامت کے درمیان کا وقت ہے۔ اس لئے کہ نمازی کی اس وقت توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے' وہ نماز کے انتظار میں ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت کو فضول باتوں میں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

(١٣٤٤) وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ رَبَّكُمْ كَرِيمٌ، يَسْتَحِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ إِلَيْهِ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمہارا پروردگار بڑا شرم و حیا والا' سخی و کریم ہے۔ جب بندہ اس کے حضور اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اسے اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹاتے

صِفْراً»۔ أَخْرَجَهُ الأَرْبَعَةُ إِلاَّ النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

شرم آتی ہے"۔ (نسائی کے سوا چاروں نے اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿حی﴾ فعیل کے وزن پر۔ حیاء سے ماخوذ ہے اور معنی ہے شرم و حیاء والا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے اور یہ آداب دعا کا ایک ادب ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں اٹھے ہوئے بندۂ محتاج کے ہاتھ خالی واپس نہیں کئے جاتے۔ دعائے استسقاء کے وقت رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ عام معمول سے ہٹ کر زیادہ ہی بلند فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کی جو نفی ہے' اس سے مراد استسقاء کی طرح رفع الیدین میں مبالغہ کرنے کی نفی ہے۔

(١٣٤٥) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا مَدَّ يَدَيْهِ فِي الدُّعَآءِ لَمْ يَرُدُّهُمَا حَتَّى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ. وَلَهُ شَوَاهِدُ مِنْهَا حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ عِنْدَ أَبِيْ دَاوُدَ وَغَيْرِهِ، وَمَجْمُوعُهَا يَقْتَضِيْ أَنَّهُ حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھایا کرتے تو ان کو اس وقت تک واپس نہ لوٹاتے جب تک کہ چہرے پر پھیر نہ لیتے۔ (اسے ترمذی نے نکالا ہے اور اس کے کئی شواہد ہیں' ان میں ایک ابوداؤد وغیرہ کے ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے اور ان کا مجموعہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا مانگنے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملنا یا پھیرلینا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ دعا کے وقت اللہ کی جناب میں اٹھے ہوئے ہاتھ رحمت الٰہی سے لبریز ہو جاتے ہیں تو اس رحمت کو شکریہ کے ساتھ چہرے پر مل لیا جاتا ہے' اس لئے کہ چہرۂ اعضاء جسم میں سب سے اشرف عضو ہے۔ نیز چہرہ سارے جسم کا ترجمان نمائندہ ہے' جب نمائندے کو یہ شرف مل گیا تو باقی اعضاء ازخود اس میں شامل ہو جائیں گے۔ اس حدیث کی سند میں حماد بن عیسیٰ جہنی ضعیف راوی ہے۔ لیکن اس کے دوسرے شواہد موجود ہیں جن کی بناء پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

(١٣٤٦) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ القِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلاَةً». أَخْرَجَهُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے روز سب سے زیادہ میرے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والے ہوں گے۔" (ترمذی۔ ابن حبان نے اسے

التِّرمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ اولی الناس ﴾ یعنی میرے سب سے زیادہ قریب اور میری شفاعت کے سب سے زیادہ مستحق۔

حاصل کلام: قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت اور قرب کا ذریعہ آپؐ پر باکثرت درود شریف پڑھنا ہے۔ اس حدیث سے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ اس میں حضرات محدثین رحمہم اللہ کی عظمت شان واضح ہوتی ہے کہ جو بولتے، لکھتے دن رات رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہیں۔ درود کے مختلف الفاظ احادیث میں منقول ہیں۔ سب سے افضل درود ابراھیمی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل جلاء الافہام اور القوی البدیع میں موجود ہے۔

(١٣٤٧) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَيِّدُ الاسْتِغْفَارِ أَنْ يَقُولَ العَبْدُ: اللَّهُمَّ! أَنْتَ رَبِّي، لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ، خَلَقْتَنِي، وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ أَنْتَ». أَخرَجَهُ البُخَارِيُّ.

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ یوں کہے "اے اللہ! تو میرا مالک و مربی ہے۔ تیرے سوا اور کوئی الٰہ نہیں، تو نے مجھے پیدا فرمایا اور میں تیرا بندہ ہوں اور اپنی بساط بھر تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ جس برائی کا میں ارتکاب کر چکا ہوں اس سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔ تیرے جو مجھ پر احسان ہیں ان کا میں اعتراف کرتا ہوں اور تیرے روبرو اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ پس مجھے معاف فرما دے کہ تیرے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا اور کوئی بھی نہیں ہے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ انا علی عھدک ﴾ عہد سے مراد وہ میثاق ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہر انسان سے لیا تھا یا پھر وہ عہد مراد ہے جو ہر مومن کے ایمان لانے کے ساتھ ہی لازم ہو جاتا ہے اور ایمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اس کے ساتھ خالص کرنے کے عہد کا نام ہے۔ ﴿ ووعدک ﴾ یہ عہد کی تاکید ہے یا پھر اس سے مراد جزاء کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ یعنی قیامت کے روز کئے جانے والے وعدے پر یقین رکھنے والا۔ ﴿ ابوء لک ﴾ میں تیرے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ اسی طرح تمام حدیث کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ جس کسی نے اس دعا کو دل میں یقین رکھتے ہوئے پڑھا اور شام سے پہلے وفات پا گیا تو وہ اہل جنت میں سے ہے اور جس کسی نے رات کو اس پر یقین رکھتے ہوئے پڑھا اور وہ صبح سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ بھی اہل جنت میں سے ہے۔

(۱۳۴۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ، حِيْنَ يُمْسِيْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَأَهْلِيْ وَمَالِيْ، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ، وَآمِنْ رَوْعَاتِيْ، وَاحْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِيْ، وَعَن يَمِيْنِيْ، وَعَنْ شِمَالِيْ، وَمِنْ فَوْقِيْ، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ». أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات کو صبح و شام کبھی بھی نہیں چھوڑتے تھے' اے الٰہی! میں تجھ سے عافیت کا طلبگار ہوں۔ اپنے دین' اپنی دنیا' اپنے اہل و عیال اور اپنے مال میں۔ الٰہی! میرے عیوب پر پردہ پوشی فرما دے اور مجھے امن میں رکھ خوف و ڈر سے اور میرے آگے' پیچھے' دائیں' بائیں اور اوپر سے حفاظت فرما اور میں تیری عظمت کی پناہ لیتا ہوں کہ میں نیچے سے ہلاک کیا جاؤں" (اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ یدع ﴾ چھوڑتے' ترک کرتے۔ ﴿ عوراتی ﴾ عیوب اور گناہ۔ یہ دنیا و آخرت میں بدنی اور دینی تمام گناہوں کو شامل ہے۔ ﴿ روعاتی ﴾ یہ روعۃ کی جمع ہے۔ جس کا معنی گھبراہٹ ہے ﴿ اغتال ﴾ صیغۂ مجہول۔ اغتیال سے متکلم کا صیغہ ہے۔ کسی چیز کو مخفی طور پر حاصل کرنا' پکڑنا' گرفت کرنا' نیچے سے گرفت کرنے سے مراد ہے زمین میں قارون کی طرح دھنسا دینا یا فرعون کی طرح پانی میں غرق کر دینا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں چھ اطراف سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہے کیونکہ انسان اوپر' نیچے' دائیں' بائیں چاروں اطراف سے اپنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے' یہ دشمن اس کے انسانوں میں سے بھی ہیں اور جن و شیاطین میں سے بھی اور بالخصوص زمین میں دھنس جانے یا ڈوب جانے سے پناہ طلب کی ہے نیز اس میں دین کی سلامتی' گناہوں سے بچنا' دنیا کی سلامتی' اہل و عیال کی سلامتی' مال و دولت کی سلامتی نیز آفات و مصائب ظاہری اور باطنی سے محفوظ رہنے اور بیماریوں اور تکالیف سے بچنے کی دعا ہے کہ وہی قادر مطلق ہے' اس کی جب تک کرم نوازی نہ ہو انسان نہ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ ہی گناہوں سے بچ سکتا ہے۔

(۱۳۴۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے "اے اللہ! میں تیری نعمت کے زوال سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ تیری عطا کردہ عافیت کے چلے جانے اور عذاب کے اچانک نازل ہونے اور

عَافِيَتِكَ، وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيعِ سَخَطِكَ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

ہر قسم کی ناراضگی و غصہ سے پناہ طلب کرتا ہوں" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿التحول﴾ منتقل ہونا اور ﴿فجاءة﴾ فا پر ضمہ الف ممدودہ کے ساتھ رحمت کے وزن پر آتا ہے۔ اس کا معنی اچانک ہے اور ﴿نقمة﴾ کے نون پر فتحہ اور قاف ساکن اور ایک قرأت کے مطابق قاف کے نیچے کسرہ اور نون کے نیچے بھی کسرہ اور قاف ساکن۔ انتقام سے اسم ہے اور یہ مکافات عقوبت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

حاصل کلام: اللہ کی عطا کردہ نازل شدہ نعمتیں عموماً اپنے گناہوں کی شامت کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہیں' اس لئے زوال نعمت سے پناہ دراصل برے اعمال سے پناہ مانگنا ہے۔

(١٣٥٠) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ العَدُوِّ، وَشَمَاتَةِ الأَعْدَاءِ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الحَاكِمُ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے "الٰہی! میں تجھ سے قرض کے غلبہ' دشمن کے غالب آنے اور اعداء کے خوش ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔ (نسائی نے اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الدين﴾ دال پر فتحہ اس کے ہیں۔ قرض' ادھار۔ ہر ایسی چیز از قسم مال جو تجھ پر دوسرے کی واجب الادا ہو اور ﴿شماتت﴾ کے شین پر فتحہ۔ جس کے معنی اس خوشی اور مسرت کے ہیں جو مصیبت کے وقت دشمن کو حاصل ہوتی ہے۔

(١٣٥١) وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلاً يَقُولُ: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ، لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ، الأَحَدُ الصَّمَدُ، الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ. فَقَالَ: «لَقَدْ سَأَلَ اللَّهَ بِاسْمِهِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى، وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ». أَخْرَجَهُ الأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو یہ کلمات کہتے ہوئے سنا' الٰہی! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اس لئے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور عبادت کے لائق تیرے سوا کوئی نہیں۔ تو تنہا ہے اور بے نیاز ہے جس سے نہ کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہمسر و ساجھی ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اس اسم مبارک کے ذریعہ سے مانگا ہے کہ جب بھی اس کے ذریعہ طلب کیا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے اور جب دعا

کی جاتی ہے تو اسے قبول فرماتا ہے۔" (اسے ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الصمد﴾ الصمد اس سردار کو کہتے ہیں جس میں سرداری اور بزرگی کے تمام انواع موجود ہوں اور یہ بھی قول ہے کہ ایسا سردار جس کی طرف تمام ضروریات و حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے اور مرغوب و پسندیدہ چیزوں کیلئے پسند کیا گیا ہو اور مصائب کے موقع پر جس سے مدد و اعانت مانگی جاتی ہو۔ پریشانیوں کے دور کرنے کیلئے اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ الصمد وہ سردار جو اپنے افعال و صفات میں ہر پہلو سے کامل ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اپنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد خود باقی رہنے والا ہو۔ علاوہ ازیں اس کے اور بھی معانی ہیں۔ "والکفو" کاف پر ضمہ اور واؤ مخفف۔ اس کے معنی شبیہہ' مثیل اور نظیر ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت ان کلمات کو پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ قبولیت دعا کا ذریعہ ہیں۔

(١٣٥٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا أَصْبَحَ، يَقُولُ: «اللّٰهُمَّ! بِكَ أَصْبَحْنَا، وَبِكَ أَمْسَيْنَا، وَبِكَ نَحْيَا، وَبِكَ نَمُوتُ، وَإِلَيْكَ النُّشُورُ». وَإِذَا أَمْسَى قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ، إِلاَّ أَنَّهُ قَالَ: «وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ». أَخْرَجَهُ الأَرْبَعَةُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' جب صبح ہوتی رسول اللہ ﷺ کہتے "اے اللہ! تیرے ذریعہ سے ہم نے صبح کی اور تیرے ذریعہ سے شام کی اور تیرے ہی ذریعے ہماری زندگی ہے اور تیرے ہی ذریعہ ہماری موت ہے اور تیری ہی طرف دوبارہ اٹھنا ہے۔" جب شام ہوتی تب بھی یہ دعا پڑھتے اور "الیک النشور" (تیری طرف اٹھایا جانا ہے) کی بجائے "والیک المصیر" (تیری طرف واپس آنا ہے) کے الفاظ ادا فرماتے ۔ (اسے چاروں (ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ) نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اللهم بک اصبحنا﴾ اس میں "باء" محذوف کے متعلق ہے اور وہ اصبحنا کی خبر ہے۔ یہاں عبارت محذوف و مقدر ماننا ضروری ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی ﴿اصبحنا متلبسین بتوفیقک﴾ یعنی ہم نے تیری حفاظت کے ساتھ چپکتے' لپٹتے ہوئے صبح کی یا یہ معنی ہوگا کہ ہم نے تیری نعمتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہوئے صبح کی یا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تیرے ذکر میں مشغول رہتے ہوئے صبح کی یا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تیرے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے صبح کی یا یہ

معنی کہ ہم نے تیری توفیق کے شامل حال ہوتے ہوئے یا پھر یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تیری عطا کردہ قوت و ہمت کی بدولت حرکت کرتے ہوئے صبح کی۔ ﴿ وبک نحی وبک نموت ﴾ یعنی زندگی اور موت تو ہی دیتا ہے۔ تیرے زندگی عطا فرمانے سے زندہ ہیں اور موت وارد کرنے سے مرجائیں گے۔ ﴿ والیک النشور ﴾ یہ جملہ "نشر المیت نشورا" سے ماخوذ ہے۔ یعنی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا۔ ﴿ المصیر ﴾ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اس کی جانب لوٹنا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو انعام بھی انسان کو حاصل ہے وہ سب اللہ کی جانب سے ہے اس میں کسی ولی' کسی فرشتے حتیٰ کہ کسی نبی کا بھی دخل نہیں ہے۔ یہ سب خود اسی کے محتاج ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نیند اور موت کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ انسان کا نیند سے بیدار ہونا ایک طرح کا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اسی وجہ سے شام کے ذکر میں مصیر کا لفظ ہے' اس لئے کہ وہ نیند کا وقت ہے اور صبح اٹھنے کا وقت ہے۔ اسی مناسبت سے اس وقت الیک النشور کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

(١٣٥٣) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے' اے ہمارے آقا و مولا! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی سے سرخرو فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ قنا ﴾ قاف کے نیچے کسرہ۔ دعائیہ صیغہ وقی یقی سے۔ اس میں نون ضمیر متکلم کا ہے' معنی ہے ہمیں محفوظ رکھ' ہمیں بچا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جس دعا کا ذکر ہے اسے نبی ﷺ بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ یہ دعا سب کی جامع ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ دنیا و آخرت کے جملہ مطالب اس میں آگئے ہیں۔ اس میں لفظ حسنہ میں دنیا کے اعتبار سے نیک عمل' نیک اولاد' وسعت رزق اور علم نافع' صحت و عافیت وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ صرف ایک لفظ حسنہ کہہ کر دنیا کی جملہ بھلائیں طلب کرلیں اور آخرت کیلئے یہی لفظ بول کر دخول جنت کی طلب کرلی اور وہاں کی گھبراہٹ سے امن و سلامتی اور حساب و کتاب کی آسانی طلب کرلی اور آگ کے عذاب یعنی جہنم کے عذاب سے پناہ کی درخواست کر دی۔ گویا اس مختصر مگر جامع دعا میں دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں مانگ لیں اور دوزخ کے عذاب سے پناہ و نجات طلب کرلی۔

(١٣٥٤) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے "الٰہی! میری خطا معاف فرما دے۔ نیز میری نادانی و جہالت کے کاموں کو بخش دے۔ میرے کام میں مجھ سے جو زیادتیاں سرزد

فِي أَمْرِي، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنّي، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي جِدِّي وَهَزْلِي، وَخَطَئِي وَعَمْدِي، وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ، وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ، وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ہوئیں ان کو بھی اور جو کچھ میرے بارے میں تیرے علم میں ہے ان سب کو بھی معاف فرما دے۔ اے اللہ! مجھ سے ارادتاً یا غیرارادی طور پر جو کچھ صادر ہوا اس کی مغفرت فرما دے۔ خواہ وہ میری لغزش ہو یا ارادے سے ہو یہ سب میری ہی جانب سے ہوا ہے۔ اے اللہ! جو کچھ میں کر چکا ہوں یا جو آئندہ کروں گا اور جو میرا پوشیدہ ہے یا جو مجھ سے ظاہر ہوا ہے اور جو کچھ بھی میرے متعلق تیرے علم میں ہے وہ سب بخش دے۔ تو ہی پہلے ہے اور تو ہی بعد میں اور تو ہی ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ جدی ﴾ یعنی جو میں نے سنجیدگی سے کئے ہیں۔ ﴿ وما اسررت ﴾ جو میں نے خفیہ طور پر کئے۔

حاصل کلام: اس قسم کی جتنی دعائیں نبی ﷺ سے ثابت ہیں۔ یہ آپؐ نے امتثال امر کیلئے مانگی ہیں کیونکہ آپؐ تو معصوم عن الخطاء تھے یا امت کو تعلیم دینے کی غرض سے مانگی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ دعا نبی ﷺ تشہد کے آخر میں پڑھتے اور بعض میں ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد۔ عین ممکن ہے کہ دونوں طرح آپؐ نے یہ دعا پڑھی ہو کبھی سلام سے پہلے کبھی سلام کے بعد۔

(١٣٥٥) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ! أَصْلِحْ لِي دِينِي الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي، وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي، وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي إِلَيْهَا مَعَادِي، وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے "اے اللہ! میرے لئے دین درست رکھنا جس میں میرے کام کا بچاؤ ہے۔ میرے لئے میری دنیا کو درست فرما جس میں میری زندگی ہے اور میرے لئے میری آخرت درست فرما جس کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ میری زندگی کو ہر عمل خیر کی زیادتی کا سبب بنا اور موت کو میرے لئے ہر برائی سے راحت بنا دینا" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ معادی ﴾ یعنی جس میں موت کے بعد میرا لوٹنا' میرا رجوع کرنا۔ ﴿ اجعل الحیاۃ

زیادۃ لی ﴾ یعنی زیادتی کا سبب بنا۔

حاصل کلام: اس دعا میں بھی دین و دنیا اور آخرت کی بھلائی کی درخواست کی جا رہی ہے کہ ایک مومن صادق یہی سمجھتا ہے کہ اس دنیا کی بھلائی بھی خالق کائنات کے اختیار میں ہے اور آخرت کی بھلائی کا بھی وہی تنہا مالک ہے۔ اس سے کوئی یہ نتیجہ اخذ نہ کرلے کہ موت مانگنا درست ہے بلکہ اس حدیث میں تو موت کے بعد پیش آنے والے حالات سے سلامتی اور امن کی درخواست کی ہے۔ دنیا کی تکلیفیں اور مصائب تو موت کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہو جاتی ہیں' اب آگے کے مصائب شروع ہوتے ہیں ان مصائب سے سلامتی اور امن کی دعا ہے۔

(١٣٥٦) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَارْزُقْنِي عِلْماً يَنْفَعُنِي». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالحَاكِمُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے "اے اللہ! جو علم تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اسے میرے لئے نافع بنا دے اور مجھے ایسا علم عطا فرما جو میرے لئے نفع بخش ہو اور مجھے نفع والا علم دے" (اسے نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔)

وَلِلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نَحْوُهُ، وَقَالَ فِي آخِرِهِ: «وَزِدْنِي عِلْماً. اَلْحَمْدُ للهِ عَلَىٰ كُلِّ حَالٍ، وَأَعُوذُ بِاللهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ». وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ.

اور ترمذی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اس کے آخر میں اتنا اضافہ ہے" اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اور میں اہل دوزخ کے حالات سے پناہ مانگتا ہوں۔" (اس کی اسناد اچھی ہیں)

حاصل کلام: اس حدیث میں جو دعا منقول ہے اس میں ایسے علم کیلئے درخواست کی گئی ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں منافع بخش اور سود مند ہو۔ جو علم آخرت تباہ کر دے اس کی دعا کرنا مومن کو زیب نہیں دیتا کیونکہ مومن کے نزدیک اخروی کامیابی و کامرانی بنیادی چیز ہے۔ نافع علم وہ علم ہے جس سے ایمانی قوت میں اضافہ ہو اور عمل کرنے کی رغبت پیدا ہو۔ دنیاوی علوم کی درخواست دنیاوی امور کی اصلاح اور بہتری کیلئے کرنا جائز ہے۔ اس سے انسان کے ایمان باللہ میں اضافہ ہوگا۔ ان علوم میں بھی اہل ایمان کو برتری حاصل ہونی چاہیئے ورنہ دنیاوی اعتبار سے کفار کا تسلط اور غلبہ ہوگا۔ جیسا آج یہی صورت حال ہے کہ ٹیکنالوجی اور سائنسی علوم میں غیر مسلم بہت آگے نکل چکے ہیں اور وہی آج دنیا کی قیادت کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں اسی زور پر جہاں چاہتے ہیں انقلاب اور تبدیلی لے آتے ہیں۔ اہل اسلام کو ان میدانوں میں بھی اپنی برتری اور فوقیت کا سکہ منوانا چاہیئے۔

(١٣٥٧) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے

تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهَا هٰذَا الدُّعَآءَ: «اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الخَيْرِ كُلِّهِ، عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الجَنَّةَ، وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ، وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَآءٍ قَضَيْتَهُ لِيْ خَيْراً». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالحَاكِمُ.

ان کو یہ دعا سکھائی ”الٰہی! میں تجھ سے ہر طرح کی بھلائی طلب کرتی ہوں۔ جلدی وصول ہونے والی ہو یا دیر سے ملنے والی۔ جس کو میں جانتی ہوں یا نہیں جانتی۔ اور ہر برائی سے میں تیری پناہ مانگتی ہوں‘ جلدی آنے والی ہے یا دیر سے‘ جس کا مجھ علم ہے یا وہ میرے علم میں نہیں ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے وہ خیر طلب کرتی ہوں جس کا تیرے بندے اور نبی نے سوال کیا تھا اور اس شر سے پناہ طلب کرتی ہوں جس سے تیرے بندے اور نبی نے پناہ مانگی تھی۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا اور ایسے عمل اور قول کا سوال کرتی ہوں جو جنت سے قریب کرنے والے ہیں اور تیری پناہ طلب کرتی ہوں جہنم سے اور ہر اس عمل اور قول سے جو اس جہنم کے قریب کر دے اور میں بات کا سوال کرتی ہوں کہ تو نے جو فیصلہ میرے حق میں کیا ہے اس کو میرے حق میں بہتر بنا دے۔“ (اسے ابن ماجہ نے نکالا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿عاجلہ﴾ جو چیز جلدی میں حاصل ہو جانے والی ہو۔ یہاں دنیا کی بھلائی مراد ہے۔ ﴿آجلہ﴾ جو ذرا دیر و تاخیر سے ملنے والی ہو۔ اس سے مراد آخرت میں حاصل ہونے والی بھلائی ہے۔ ﴿عاذ﴾ پناہ طلب کی‘ امان طلب کی۔ ﴿وما قرب الیھا﴾ تقریب سے ماخوذ ماضی کا صیغہ ہے۔ یعنی جو اس کے قریب کر دے۔

حاصل کلام: یہ بھی جامع ترین دعاؤں میں سے ایک دعا ہے۔ جس میں مختلف اشیاء کے طلب اور استعاذہ کے بعد بآلاخر عرض کی کہ میں ہر اس بھلائی کا خواستگار ہوں جس کی طلب رسول اللہ ﷺ نے کی ہے اور ہر اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ چاہی ہے‘ جس میں دنیا و آخرت کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

(١٣٥٨) وَأَخْرَجَ الشَّيْخَانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”دو کلمے ہیں جو رحمٰن کو بڑے پیارے ہیں۔

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ».

زبان پر ہلکے ہیں۔ ترازو میں بھاری ہیں۔ (وہ یہ ہیں) "اللہ پاک ہے' ساتھ اپنی تعریف کے۔ اللہ پاک ہے' عظمت والا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ ثقیلتان ﴾ دونوں کلمے وزنی ہیں۔ ان کے وزنی ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان دونوں کلموں میں سے ہر ایک باوجود اپنے حروف کے قلیل ہونے اور الفاظ کے خوشگوار ہونے کے توحید کے جملہ پہلوؤں پر محیط و حاوی ہیں۔ ﴿ سبحان اللہ ﴾ کا کلمہ اللہ کی ذات و صفات اور اعمال میں ہر عیب و نقص سے پاک ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور کلمہ ﴿ وبحمدہ ﴾ اس کیلئے کمال کی تمام صفات کو لازم و واجب قرار دیتا ہے کیونکہ حمد و تعریف مطلق اور عام ہے۔ کسی مخصوص امر پر نہیں ہے اور مطلق حمد اسی کا حق ہے جس میں کمال کے تمام تر اوصاف پائے جاتے ہیں اور ﴿ العظیم ﴾ کا لفظ دوسرے کلمہ میں وہی فائدہ دے رہا ہے جو پہلے کلمہ میں "بحمدہ" دے رہا ہے کیونکہ عظمت بھی مطلق ہے۔ اس کی مستحق بھی وہی ذات ہے جس میں عظمت و کمال کے جملہ اوصاف پائے جائیں۔ پھر عظمت و کمال حقوق و عادات میں غیر کی شرکت کی نفی کرتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ہر عیب و نقص سے پاک ہونا اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہونا اور اس کی توحید کا کامل اظہار ہے۔ توحید ہی اصل الاصول ہے اور ہر مطلوب کی انتہا ہے جس طرح جوہر بڑا قیمتی اور عظمت شان والا ہوتا ہے۔ حجم میں چھوٹا اور وزن میں زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دونوں کلمے باوجود حروف کے قلیل ہونے کے ان کا وزن بھاری ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں دو کلموں کا ہلکا و وزنی ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ زبان سے ان کا ادا کرنا سہل و آسان ہے۔ کلمے بڑی آسانی سے ہر ایک کی زبان پر رواں ہو جاتے ہیں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور ان کے بھاری ہونے کا معنی یہ ہے کہ جس طرح نیکی کے مشکل اعمال وزن میں بھاری ہوں گے اسی طرح یہ آسانی سے پڑھے جانے والے کلمات بھی میزان اعمال میں بھاری اور ثقیل ہوں گے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قیامت کے روز اعمال کا جسم ہوگا اور اعمال کو تولا اور وزن کیا جائے گا۔ اس حدیث سے اللہ عزوجل کی وسعت رحمت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے نیک و مخلص بندوں کے تھوڑے اعمال کے بدلہ میں اجر و ثواب زیادہ عطا فرمائے گا۔ یہ محض اس کا فضل و کرم اور مہربانی ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔

قَالَ مُصَنِّفُهُ - الشَّيْخُ الإِمَامُ الْعَالِمُ الْعَامِلُ الْعَلاَّمَةُ قَاضِي الْقُضَاةِ شَيْخُ الإِسْلاَمِ أَمْتَعَ اللَّهُ بِوُجُودِهِ الأَنَامَ - فَرَغَ مِنْهُ مُلَخِّصُهُ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ ابْنُ

بلوغ المرام کے مصنف' قاضی القضاۃ علامۃ الدھر شیخ الاسلام (اللہ ان کے علم سے خلق کثیر کو نفع حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے) احمد بن علی بن محمد بن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس

مُحَمَّدِ بْنِ حَجَرٍ فِيْ حَادِيَ عَشَرَ شَهْرِ رَبِيْعِ الأَوَّلِ سَنَةَ ثَمَانٍ وَعِشْرِيْنَ وَثَمَانِمِائَةٍ، حَامِداً لله تَعَالىٰ وَمُصَلِّياً عَلىٰ رَسُوْلِهِ ﷺ وَمُكَرِّماً وَمُبَجِّلاً وَمُعَظِّماً.

کتاب کی تصنیف سے ۱۱ / ۳ / ۸۲۸ ھ کو اللہ ذوالجلال کا شکر ادا کرتے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھ کر آپ ؐ کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے فارغ ہوئے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف، شارح اور ہم سب کو اپنی وسیع تر رحمت سے حصہ وافر عطا فرمائے۔ انبیاء کرام، شہداء، صحابہ کرام اور سلف صالحین کی رفاقت و معیت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

جرح و تعدیل یا تخریج احادیث میں مذکور ائمہ محدثین کے مختصر حالات زندگی

(۱) **امام احمد ابن حنبل** رحمۃ اللہ علیہ : آپ ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں' جو اطراف عالم میں پیشوا اور رہنما مانے جاتے ہیں۔ آپ کا نام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی ہے۔ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور بروز جمعہ بارہ ربیع الاول ۲۴۱ھ وفات پائی۔ آپ دینِ اسلام میں آزمائش اور ثابت قدمی کے اعتبار سے سب سے بڑے عالم ہیں۔ آپ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات کے روز بیس ہزار عیسائی' یہودی اور پارسی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

(۲) **امام محمد بن اسماعیل بخاری** رحمۃ اللہ علیہ : آپ حدیث میں محدثین کے امام تھے' آپ کا نام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرہ بن بردزبہ (باء پر فتح راء ساکن' دال پر کسرہ اور زاء پر کسرہ ہے) جعفی بخاری ہے۔ یاد رہے کہ جعفی کی نسبت ولاء اسلام کی ہے نہ کہ ولاء رق و غلامی کی' کیونکہ آپ کے جد امجد مغیرہ' یمان جعفی کے ہاتھوں مسلمان ہوئے تھے اور بخارا میں آنے پر ان کے طرف منسوب ہوئے۔ آپ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ عیدالفطر کی رات کو وفات پائی۔ آپ فن حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے اور آپ کی کتاب الجامع الصحیح' اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب ہے' جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

(۳) **امام مسلم بن حجاج** رحمۃ اللہ علیہ : آپ بڑے ائمہ محدثین میں سے ایک تھے' آپ کا نام مسلم بن حجاج قشیری نیسا پوری تھا۔ آپ ۲۰۴ھ کو پیدا ہوئے اور رجب ۲۷۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کی کتاب الصحیح' صحیح بخاری کے بعد صحیح ترین کتاب ہے۔ آپ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کبار ائمۂ حدیث سے سماع کیا۔

(۴) **امام ابو داوٗد سلیمان بن اشعث** رحمۃ اللہ علیہ : آپ کبار ائمہ محدثین میں سے ایک ہیں' آپ کا نام ابو

داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی بجستانی (سین کے فتح اور کسرہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ) ہے۔ آپ سنن ابو داؤد کے مصنف ہیں' آپ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور بروز جمعہ ۱۵ شوال ۲۷۶ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ فن حدیث میں اس قدر نمایاں ہوئے کہ یہ کہا جانے لگا کہ امام ابو داؤد کے لیے حدیث اس طرح آسان اور نرم ہو گئی ہے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہو گیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں "میں نے نبی ﷺ کی پانچ لاکھ احادیث لکھی ہیں' سنن میں موجود احادیث انہی پانچ لاکھ سے ہی میں نے منتخب کی ہیں۔"

(۵) **امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ** : ترمذی: تاء پر تینوں حرکات جب کہ میم پر ضمہ اور کسرہ دو حرکتیں ہیں' یہ دریائے جیحون (آمو دریا) کے مشرقی کنارہ پر واقع ایک قدیم شہر کی طرف نسبت ہے۔ آپ کا نام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی ہے۔ آپ "جامع الترمذی" کے مصنف ہیں۔ آپ ۲۰۹ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۳ رجب ۲۷۹ھ کو وفات پائی۔ آپ اپنی جامع کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ "جس کے گھر میں یہ جامع موجود ہو' گویا اس کے گھر میں باتیں کرتا ہوا نبی موجود ہے۔" آپ امام بخاری رحمہ اللہ کے تیار کردہ اور فیض یافتہ شاگرد ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ اپنی وفات کے بعد خراسان میں کوئی ایسا جانشین نہیں چھوڑ کر گئے' جو علم و حفظ اور ورع و زھد میں امام ترمذی رحمہ اللہ کا مثیل ہو۔ آپ اپنے استاد امام بخاری کی وفات پر روتے روتے نابینا ہو گئے اور برسوں نابینا رہنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

(۶) **امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ** : نسائی: (نون کے فتح اور الف ممدودہ اور مقصورہ ساتھ) خراسان میں واقع نساء نامی شہر کی طرف نسبت ہے۔ آپ کا نام ابو عبدالرحمٰن احمد بن علی بن شعیب بن علی الحافظ ہے۔ آپ السنن المجتبیٰ کے مصنف ہیں۔ آپ ۲۱۵ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ کو وفات پائی' آپ نے فن حدیث میں اس قدر نمایاں مقام حاصل کیا کہ حفظ و اتقان میں بے مثال گردانے جانے لگے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعد دیگر تمام سنن کی بنسبت سب سے کم ضعیف احادیث آپ کی سنن میں ہیں۔ آپ نے مصر میں سکونت اختیار کرنے کے بعد دمشق کا رخ کیا اور وہاں کتاب "الخصائص فی فضل علی رضی اللہ عنہ" کی تصنیف کی' جس پر لوگوں نے آپ کو روندا اور مار پیٹ کر مسجد سے باہر پھینک دیا' پھر آپ کو مکہ مکرمہ پہنچایا گیا۔ جہاں حدیث کا یہ روشن چراغ زخموں اور ضربوں کی تاب نہ لا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

(۷) **امام محمد بن یزید بن ماجہ رحمہ اللہ** : آپ بڑے ائمہ محدثین میں سے ایک ہیں۔ آپ کا نام ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی ہے۔ آپ سنن کے مصنف ہیں۔ آپ کی ۲۰۷ھ کو پیدائش اور رمضان ۲۷۳ یا ۲۷۵ھ کو وفات ہوئی۔ اور "ماجہ" جیم کی تخفیف کے ساتھ اور اس کے آخر میں ہاء ساکن ہے' تاء نہیں۔ آپ نے امام مالک کے ساتھیوں سے سماع کیا اور ایک بڑی تعداد میں مخلوق نے آپ سے

روایت کی۔ اور آپ کی سنن میں ضعیف بلکہ منکر احادیث کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔

ائمہ سبعہ کے علاوہ دیگر ائمۂ حدیث

* **اسحاق بن راھویہ** : آپ امام اور بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ آپ کا نام ابو یعقوب اسحاق بن ابراھیم تمیمی حنظلی مروزی ہے۔ آپ نیساپور کے رہنے والے، وہاں کے عالم بلکہ اہل مشرق کے بھی شیخ تھے، ابن راھویہ کے نام سے مشہور تھے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں "عراق میں اسحاق بن راھویہ کا کوئی مثیل میں نہیں جانتا۔" امام ابو زرعہ رازی فرماتے ہیں "امام اسحاق بن راھویہ سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا گیا۔" امام ابو حاتم فرماتے ہیں "اسحاق بن راھویہ تعجب کی حد تک ضابط و پختہ کار اور اغلاط سے پاک اور حافظہ کے مالک تھے۔" آپ ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ایک قول کے مطابق ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵ شعبان ۲۳۸ھ کی رات کو فوت ہوئے۔

* **احمد بن ابراھیم اسماعیلی** رحمۃ اللہ علیہ : آپ امام، حافظ، مستند عالم اور شیخ الاسلام تھے۔ آپ کا نام ابوبکر احمد بن ابراھیم بن اسماعیل بن عباس اسماعیلی جرجانی ہے، اپنے علاقے میں شوافع کے بڑے امام تھے۔ بلاد عجم میں منفرد اور بے مثال تھے۔ آپ سے ایک معجم روایت کی جاتی ہے، آپ نے الصحیح اور دیگر کثیر کتب تصنیف کیں، جن میں سے ایک مسند عمرؓ بھی ہے، جس کا خود آپ نے دو جلدوں میں اختصار کیا۔ امام حاکم کہتے ہیں "اسماعیلی اپنے زمانے کے منفرد، بے مثال، محدثین و فقہاء کی سرداری، شرافت اور سخاوت میں ان سب کے سرخیل تھے، اور علماء، محدثین و فقہاء اور ان میں سے بلند پایہ اہل عقول کے درمیان ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ آپ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ سال کی عمر پا کر رجب ۳۷۱ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

* **احمد بن عمرو بزار** رحمۃ اللہ علیہ : آپ امام، حافظ اور بہت بڑے علامہ تھے۔ آپ کا نام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بصری ہے۔ آپ کبار ائمہ میں سے ایک اور "المسند الکبیر" اور "العلل" کے مصنف تھے۔ آپ نے امام طبرانی اور دیگر ائمہ سے علم حاصل کیا، اور ۲۹۲ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ بزار باء کے فتح اور زاء کی شد کے ساتھ ہے اور الف کے بعد بغیر نقطہ کے راء ہے۔

* **احمد بن حسین بیہقی** رحمۃ اللہ علیہ : البیہقی : باء کے فتح کے ساتھ اس کے بعد یاء ساکن ہے۔ یہ نیساپور کے قریب ایک بیہق نامی شہر کی طرف نسبت ہے۔ آپ نامور امام، حافظ اور علامہ تھے۔ آپ کا نام ابوبکر احمد بن حسین ہے۔ شعبان ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور آٹھ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو وفات پائی۔ آپ کبار ائمۂ حدیث اور بڑے فقہاء شافعیہ میں سے تھے، آپ نے ایسی ایسی تصنیفات لکھیں جن کی قرون اولیٰ میں کوئی مثال نہیں ملتی، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں: السنن الکبریٰ، السنن الصغریٰ، المبسوط اور الاسماء و الصفات۔ امام ذہبی فرماتے ہیں "امام بیہقی کی تالیفات ایک ہزار جزء کے لگ بھگ ہیں۔"

* **عبداللہ بن علی بن الجارود** رحمہ اللہ: ابن الجارود ایک بلند پایہ امام' حافظ اور ناقد تھے۔ آپ کا نام ابو محمد عبداللہ بن علی بن جارود نیساپوری ہے۔ مکہ مکرمہ میں براجمان ہوئے۔ "المنتقیٰ فی الاحکام" کے مصنف اور علماء ثقات' مستندین اور قراء میں سے ایک تھے۔ اور ۳۰۷ھ کو وفات پائی۔

* **ابو حاتم محمد بن ادریس رازی** رحمہ اللہ: آپ امام اور بہت بڑے حافظ تھے۔ آپ کا نام ابو حاتم محمد بن ادریس بن المنذر حنظلی رازی ہے۔ آپ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور شعبان ۲۷۷ھ میں وفات پائی۔ آپ فن حدیث کے نامور محدثین اور کبار ائمہء جرح و تعدیل میں سے ایک تھے۔

* **حارث بن ابو اسامہ** رحمہ اللہ: آپ کا نام ابو محمد حارث بن ابی اسامہ محمد بن داھر تمیمی بغدادی ہے۔ آپ حافظ اور المسند کے مصنف تھے۔ البتہ اپنی مسند کو مرتب نہیں کر سکے۔ ابراھیم حربی اور ابو حاتم نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ امام دار قطنی کہتے ہیں کہ صدوق ہیں۔ آپ ۱۸۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۷ سال کی عمر پا ۲۸۲ھ میں عرفہ کے روز فوت ہوئے۔

* **ابو عبداللہ الحاکم** رحمہ اللہ: امام ابو عبداللہ امام المحققین تھے۔ آپ کا نام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیساپوری ہے اور ابن البیع (باء کے فتح اور مکسور یاء کی تشدید کے ساتھ) سے معروف تھے۔ اور المستدرک علی الصحیحین کے مصنف تھے۔ ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور صفر ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔ آپ نے دو ہزار یا اس کے لگ بھگ مشائخ سے سماع کیا۔ تقویٰ اور دیانت کے ساتھ ساتھ آپ فائق اور بلند پایہ کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

* **ابو حاتم محمد بن حبان** رحمہ اللہ: آپ ائمہء اعلام میں سے ایک ہیں۔ آپ کا نام ابو حاتم محمد بن حبان (حاء کے کسرہ اور باء کی تشدید کے ساتھ) بن احمد بن حبان البستی ہے۔ بستی باء کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ' یہ بجستان کے شہروں میں سے ایک شہر بست کی طرف نسبت ہے' جہاں آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ حفاظ آثار و احادیث' فقہاء دین اور تشنگان علم کے لیے ھادی و مرجع تھے۔ اور آپ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ایک تھے اور اسی کے عشرے میں داخل ہو کر ۳۵۴ھ میں سمرقند کے اندر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

* **محمد بن اسحاق بن خزیمہ** رحمہ اللہ: آپ شیخ الاسلام' حافظ کبیر اور بڑے ائمہء حدیث میں سے ایک تھے۔ خزیمہ' تصغیر کے ساتھ ہے۔ ۲۲۳ھ کو نیساپور میں پیدا ہوئے اور ۳۱۱ھ کو اسی نیساپور میں وفات پائی۔ خراسان کے اندر اپنے زمانے میں امامت و حفظ کی آپ پر انتہاء تھی۔ اور آپ کی تصنیفات ۱۴۰ سے متجاوز ہیں۔

* **ابن ابی خیثمہ** رحمہ اللہ: آپ امام' حافظ اور محقق عالم تھے۔ آپ کا نام ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ زھیر بن حرب نسائی بغدادی ہے۔ اور التاریخ الکبیر کے مصنف ہیں۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں "ثقہ اور معتبر ہیں۔"

خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔ "ابن ابی خیثمہ ثقہ' عالم' متقن و ضابط' حافظ' تاریخ میں بصیرت رکھنے والے اور ادب کے راوی تھے۔" امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن معین سے علم حدیث حاصل کیا اور ۹۴ سال کی عمر پا کر جمادی الاولیٰ ۲۸۹ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

* **علی بن عمر دار قطنی** رحمۃ اللہ علیہ : دار قطنی : راء کے فتح اور قاف کے ضمہ کے ساتھ۔ بغداد کے ایک بڑے محلّہ دار قطن کی طرف نسبت ہے۔ حافظ کبیر اور بے مثال امام تھے۔ آپ کا نام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مهدی بغدادی ہے۔ ۳۰۶ھ کو پیدا ہوئے اور آٹھ ذوالقعدہ ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ آپ اپنے زمانے کے منفرد و بے مثال اور اپنے وقت کے امام تھے۔ ان کے زمانے میں جاہ و حشمت' علم حدیث اور معرفت علل اسماء الرجال کی آپ پر انتہاء تھی۔

* **امام دارمی** رحمۃ اللہ علیہ : سمرقند میں آپ کو شیخ الاسلام' حافظ حدیث اور امام کا مقام حاصل تھا۔ آپ کا نام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بھرام تمیمی دارمی سمرقندی ہے۔ آپ "المسند العالی" کے مصنف تھے۔ آپ نے حرمین' خراسان' شام' عراق اور مصر میں علم حدیث کا سماع کیا۔ آپ سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ' ابو داؤد' ترمذی' نسائی اور دیگر ائمۂ حدیث نے احادیث روایت کیں۔ آپ عقل و فضل کی بلندیوں کو چھوتے تھے اور دیانت' حلم' اجتهاد' عبادت اور دنیا سے بے رغبتی میں ضرب المثل تھے۔ ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۵ھ آٹھ ذوالحجہ ترویہ کے دن اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

* **ابو داؤد طیالسی** رحمۃ اللہ علیہ : آپ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام سلیمان بن داؤد بن جارود بصری' اور فارسی الاصل' آل زبیر کے آزاد کردہ اور بڑے ائمۂ حدیث میں سے ایک تھے۔ فلاس اور ابن مدینی فرماتے ہیں "میں نے طیالسی سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا۔" ابن مهدی فرماتے ہیں "آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر سچے تھے" آپ نے ایک ہزار اساتذہ سے احادیث لکھیں اور اسی سال کی عمر پا کر ۲۰۴ھ میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

* **ابن ابی الدینا** رحمۃ اللہ علیہ : آپ محدث' عالم اور صدوق تھے۔ آپ کا نام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن ابی الدنیا قرشی اموی بغدادی ہے۔ آپ قریش کے آزاد کردہ غلام تھے' متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے خلفاء و امراء کی اولاد میں سے ایک جماعت کو ادب و علم سکھایا اور معتضد باللہ کو بھی آپ ہی نے ادب و اخلاق کی تربیت دی۔ ۲۰۸ھ کو پیدا ہوئے اور جمادی الاول ۲۸۱ھ میں وفات پائی۔

* **امام ذهلی** رحمۃ اللہ علیہ : آپ امیر المومنین فی الحدیث' شیخ الاسلام اور حافظ نیساپور تھے۔ آپ کا نام ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فارس ہے۔ آپ بنو ذهل کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے حرمین' شام' مصر' عراق' ری' خراسان' یمن اور جزیرۂ عرب میں علماء کی ایک بڑی جماعت سے سماع کیا اور علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ خراسان میں علم کے بہت بڑے شیخ اور استاد تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں نے محمد بن یحییٰ ذهلی سے بڑھ کر زهری کی احادیث کو جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔"

آپ ۱۸۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۲۵۸ھ کو رحلت فرما گئے۔

* **ابو زرعہ رازی** رحمۃ اللہ علیہ : آپ بہت بڑے محدث اور حافظ تھے۔ آپ کا نام ابو زرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم بن یزید بن فروخ رازی قرشی ہے۔ آپ قریش کے آزاد کردہ اور ائمۂ جرح و تعدیل اور کبار محدثین میں سے ایک تھے۔ امام مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ امام ذھبی فرماتے ہیں "ابو زرعہ رازی نے حرمین' عراق' شام' جزیرۂ عرب' خراسان اور مصر میں بہت سے ائمہ سے سماع کیا ہے۔ آپ حفظ و ذھانت' دین و اخلاص اور علم و عمل کے اعتبار سے زمانے کے نامور لوگوں میں سے ایک تھے۔" ۶۴ سال کی عمر پا کر ۲۶۴ھ کے آخری دن اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

* **سعید بن منصور** رحمۃ اللہ علیہ : آپ کا نام سعید بن منصور بن شعبہ مروزی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ طالقانی پھر بلخی تھے۔ مکہ مکرمہ میں براجمان ہوئے۔ سنن کے مصنف ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے آپ کی تعریف کی اور عظیم الشان قرار دیا ہے۔ حرب کرمانی فرماتے ہیں "سعید بن منصورؒ نے اپنے حافظہ سے ہمیں دس ہزار احادیث املاء کروائیں۔" اور نوے کی دھائی میں پہنچ کر ۲۲۷ھ کو رمضان کے مہینے میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

* **ابن السکن** رحمۃ اللہ علیہ : آپ حافظ' امام اور قابل اعتماد عالم تھے' آپ کا نام ابو علی سعید بن عثمان السکن (سین اور کاف کے فتح کے ساتھ) بغدادی ہے۔ فن اور روایت حدیث کا اہتمام کیا' احادیث جمع کیں اور تصنیفات کی شکل دی۔ اور ۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۳ھ کو وفات پائی۔

* **محمد بن ادریس شافعی** رحمۃ اللہ علیہ : آپ ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں' جو اطراف عالم میں رہنما اور پیشوا قرار پائے۔ آپ کا نام ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ھاشم بن مطلب بن عبد مناف قرشی مکی ہے۔ مصر میں رہائش اختیار کی۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور جمعہ کی رات ۲۰۴ھ آخر رجب میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ غزۃ میں پیدا ہوئے' مکہ مکرمہ پہنچائے گئے اور مصر میں وفات پائی۔ آپ امت کے پیشوا' ساتھیوں میں منفرد اور مغرب و مشرق میں سب سے بڑے عالم تھے۔ علوم و فنون میں نمایاں مقام حاصل کیا اور اصول فقہ کے بانی اور موجد بنے۔ آپ کے جد امجد شافع صحابی تھے اور جوانی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔

* **ابو بکر ابن ابی شیبہ** رحمۃ اللہ علیہ : آپ حافظ اور بے مثال شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کا نام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراھیم بن عثمان بن حواسی عنسی (ان کے آزاد کردہ) کوفی ہے۔ آپ مسند' مصنف اور دیگر کتب کے مصنف تھے' علم حدیث میں چٹان کی مثل تھے۔ امام ابو زرعہ' امام بخاری' امام مسلم' امام ابو داؤد اور دیگر ائمۂ حدیث نے آپ سے احادیث روایت کیں۔ ماہ محرم ۲۳۵ھ میں فوت ہوئے۔

* **سلیمان بن احمد طبرانی** رحمہ اللہ : آپ قابل حجت اور دنیا کے لیے مستند امام تھے۔ آپ کا نام ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر لخمی طبرانی ہے۔ آپ نے ایک ہزار یا اس سے زیادہ مشائخ سے احادیث روایت کیں۔ طلب حدیث میں شام سے کوچ کیا اور ۳۳ سال سفر میں گزارے۔ آپ متعدد، مفید اور عجیب و غریب کتب کے مصنف ہیں، جن میں آپ کی درج ذیل تین معاجم، المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر قابل ذکر ہیں۔ آپ ۲۶۰ھ میں شام کے علاقہ طبریہ میں پیدا ہوئے اور اصبہان میں مقیم ہوئے اور ۲۸ ذی القعدہ ۳۶۰ھ کو اصبہان ہی میں وفات پائی۔

* **احمد بن محمد طحاوی** رحمہ اللہ : آپ امام وقت، علامہ اور حافظ تھے۔ آپ کا نام ابو جعفر احمد بن محمد سلامہ بن سلمہ ازدی، حجری، مصری، طحاوی، حنفی ہے۔ طحا: مصر کی ایک بستی کا نام ہے۔ آپ شروع میں شافعی تھے اور اپنے ماموں مزنی سے پڑھا کرتے تھے، ایک دن مزنی نے انہیں یہ کہا کہ اللہ کی قسم آپ کی طرف سے تو کچھ بھی نہیں آیا۔ جس پر وہ ناراض ہو کر ابن ابی عمران حنفی کی طرف منتقل ہو کر حنفی بن گئے اور مذھب احناف کے اثبات کے لیے بڑے متشدد واقع ہوئے اور اپنے مذھب کے لیے اخبار و احادیث تیار اور جمع کرنے اور دوسروں کے ہاں ضعیف قرار پانے والی احادیث سے استدلال کرنے میں بڑا تکلف کیا۔ اور بقول امام بیہقی مختلف تاویلات کے ذریعے سے احادیث کو ضعیف قرار دینے کے درپے ہوئے۔ ان کی مشہور ترین تصانیف میں سے ایک معانی الآثار ہے۔ ۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ جب کہ ایک دوسرے قول کے مطابق ۲۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور اوائل ذی القعدۃ ۳۲۱ھ میں اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

* **ابن عبدالبر** رحمہ اللہ : آپ امام، علامہ، شیخ الاسلام اور حافظ مغرب تھے۔ آپ کا نام ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم نمری قرطبی ہے۔ آپ حفظ واتقان میں اپنے زمانے میں موجود اہل علم کے سردار تھے۔ انساب اور اخبار میں بڑے ماہر تھے۔ ابن حزم فرماتے ہیں "فقہ الحدیث کے متعلق بحث و تکرار کرنے میں میں قطعاً ان کا کوئی مثیل نہیں جانتا، چہ جائے کہ کوئی ان سے اچھا اور بڑھ کر ہو۔" آپ متعدد کتب کے مصنف ہیں، جن میں الاستیعاب آپ کی مشہور ترین تصنیف ہے۔ ربیع الثانی ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵ سال عمر پا کر جمعہ کی رات آواخر ربیع الثانی ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔

* **عبدالحق** رحمہ اللہ : آپ حافظ، علامہ اور حجت ہیں اور آپ کا نام ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حسین بن سعید ازدی اشبیلی ہے۔ آپ بجایہ میں آباد ہوئے، اسی میں اپنے علم کی اشاعت کی، کتب تصنیف کیں اور شہرت پائی اور بجایہ ہی میں خطیب مقرر ہوئے۔ آپ فقیہہ، حافظ حدیث اور علل کے عالم اور رجال کے جاننے والے تھے۔ آپ خیر و صلاح، زھد و ورع اور لزوم سنت کے ساتھ آراستہ تھے اور حصول دنیا میں پیچھے اور ادب و شعر میں دلچسپی رکھنے میں آگے تھے۔ ۵۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ربیع الثانی ۵۸۱ھ کو بجایہ میں وفات پائی۔

* **عبدالرزاق بن همام** رحمہ اللہ : آپ امام اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام ابوبکر عبدالرزاق بن همام بن نافع حمیری صنعانی ہے۔ آپ قبیلہ حمیر کے آزاد کردہ تھے۔ اہل علم کا ماویٰ اور مرجع تھے' امام احمد' اسحاق' ابن معین اور ذھلی نے آپ سے روایات لیں' آخری عمر میں نابینا ہوئے اور حافظہ تبدیل ہو گیا۔ ۸۵ سال کی عمر پا کر شوال ۲۱۱ھ میں اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

* **عبداللہ بن عدی** رحمہ اللہ : آپ شہرہ آفاق امام اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی ہے۔ آپ ابن القصار کے نام سے بھی مشہور تھے۔ آپ کبار علماء اور ائمہ جرح و تعدیل میں سے ایک تھے۔ ۲۷۹ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الثانی ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

* **محمد بن عمرو العقیلی** رحمہ اللہ : آپ امام اور حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسی بن حماد عقیلی ہے۔ آپ عظیم المرتبت' عظیم الشان عالم اور کتاب الضعفاء الکبیر اور دیگر بہت سی کتب کے مصنف ہیں اور حافظہ میں بڑے بلند تھے اور حرمین میں قیام کیا۔ اور ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

* **علی بن مدینی** رحمہ اللہ : آپ جرح و تعدیل کے امام' حافظ وقت اور اہل حدیث کے پیشوا تھے۔ آپ کا نام ابو الحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی (بنو سعد کے آزاد کردہ) مدینی ہے۔ امام بخاری' امام ابو داؤد اور دیگر کثیر ائمہ حدیث نے آپ سے روایت کیا۔ ابن مهدی فرماتے ہیں "علی بن مدینی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ امام بخاری فرماتے ہیں: علی بن مدینی کے سوا میں نے کسی کے پاس اپنے آپ کو حقیر اور کم تر نہیں سمجھا۔" ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۴ھ کو سامرا میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

* **ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق** رحمہ اللہ : آپ محدث اور حافظ تھے' آپ کا نام یعقوب بن اسحاق بن ابراهیم بن زید نیساپوری اسفرائینی ہے' آپ ائمہ کبار میں سے ایک اور المسند الصحیح المخرج علی مسلم کے مصنف تھے۔ طلب حدیث کے لیے آپ نے زمین کے اطراف و اقطار کا سفر کیا' آپ نے بہت سے شیوخ و ائمہ سے احادیث روایت کیں۔ جیسا کہ آپ سے بھی بہت سے علماء نے احادیث روایت کیں۔ آپ نے پانچ حج کیے۔ ۳۱۶ھ میں فوت ہوئے اور اسفرائین میں آپ کی قبر بہت مشہور ہے' لوگ اس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

* **علی بن محمد ابن القطان** رحمہ اللہ : آپ کا نام ابو الحسن علی بن محمد بن عبدالملک فاسی ہے' آپ بہت بڑے حافظ' امام' ناقد اور علامہ تھے۔ قرطبہ میں پیدائش ہوئی اور فاس میں قیام کیا۔ آپ روایت حدیث کے سب سے زیادہ اصحاب علم و بصیرت اور اسماء الرجال کے سب سے بڑے حفاظ میں سے ایک تھے۔ اور متعدد کتب کے مؤلف تھے۔ ۵۶۲ھ میں پیدا اور ربیع الاول ۶۲۸ھ میں فوت ہوئے۔

* **امام مالک** رحمہ اللہ : آپ امت کے چار پیشواؤں و رہنماؤں میں سے ایک' دارالهجرت مدینہ طیبہ کے

امام، امت کے فقیہہ اور اہل حدیث کے سردار تھے۔ آپ کا نام ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی ہے۔ اصبحی آپ کے نویں دادا ذو اصبح کی طرف نسبت ہے اور اصبح یمن کے سب سے بڑے فضل و شرف والے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے، آپ ۹۳ھ یا ۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۱۷۹ھ میں حدیث کا یہ روشن چراغ اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ آپ نے نو سو سے زائد مشائخ سے علم حدیث حاصل کیا، جب کہ آپ سے لوگوں کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث بیان کی جو احاطۂ تحریر میں نہیں لائی جا سکتی اور آپ کے شاگردوں میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں۔

* **محمد بن اسحاق ابن مندہ:** آپ کا نام ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ بن مندہ (میم کے فتح، نون کے سکون اور دال کے فتح کے ساتھ) آپ بڑے ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے ایک امام اور چلتے پھرتے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا شمار ان محدثین میں ہوتا ہے جو کثیر الحدیث ہونے میں مشہور ہیں۔ طلب حدیث کے لیے آپ نے بلاد عالم کا سفر کیا، اور جب آپ واپس لوٹے تو آپ کے پاس کتابوں کی چالیس گٹھڑیاں تھیں۔ آپ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد ایک ہزار سات سو تھی۔ ۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور آخر ذی القعدۃ ۳۹۵ھ میں ہمیشگی کے گھر آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔

* **ابو نعیم اصفہانی** رحمہ اللہ**:** آپ مشہور حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصفہانی رحمہ اللہ ہے۔ نعیم: تصغیر کے ساتھ ہے۔ آپ بلند پایہ ائمۂ محدثین اور کبار حفاظ میں سے ایک تھے۔ آپ نے بڑے بڑے نامور فضلاء سے اور بڑے بڑے فضلاء نے آپ سے علم حاصل کیا۔ آپ متعدد کتب کے مصنف تھے۔ جن میں سے المستخرج علی صحیح البخاری۔ المستخرج علی صحیح مسلم اور حلیۃ الاولیاء قابل ذکر ہیں۔ اور حلیۃ الاولیاء ان کی بہترین کتب میں سے ایک کتاب ہے، کہا جاتا ہے کہ جب یہ کتاب نیساپور پہنچی تو اہل نیساپور نے اسے چار سو دینار میں خرید لیا۔ آپ رجب ۳۳۴ھ میں پیدا ہوئے اور صفر یا ایک قول کے مطابق بیس محرم ۴۳۰ھ کو اصبہان میں وفات پائی۔

* **ابو یعلیٰ احمد بن علی** رحمہ اللہ**:** آپ کا نام احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ھلال تمیمی ہے، آپ جزیرۂ عرب کے محدث، حافظ اور المسند الکبیر کے مصنف ہیں، آپ مشہور ارباب صدق و امانت اور دین و حلم میں سے ایک تھے۔ سمعانی کہتے ہیں "میں نے حافظ اسماعیل بن محمد بن فضل سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے متعدد مسانید مثلاً مسند العدنی اور مسند ابن منیع وغیرہ پڑھیں، یہ سب نہریں ہیں، جب کہ مسند ابی یعلیٰ اس دریا کی مانند ہے جو مجمع الانہار ہو (یعنی جہاں سب نہریں اکٹھی ہوتی ہوں) آپ شوال ۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۷ھ میں وفات پائی۔

بلوغ المرام
اردو ترجمہ
"بلوغ المرام" ابوالفضل شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانی
رحمہُ اللہ کی وہ لاثانی کتاب ہے جو مختصر ہونے کے باوجود
جامعیت اور افادیت کے اعتبار سے مسلمہ ہے۔ مسائل واحکام
کا یہ نہایت اہم مجموعہ علماء اور طلباء کے لئے یکساں مفید اور
اہمیّت کا حامل ہونے کی وجہ سے دنیا بھر کے مدارس اسلامیہ و
دینیہ میں داخل نصاب ہے۔ برِصغیر کے نامور علماء کرام نے
اس اہم کتاب کو اردو زبان میں ڈھالا۔ کم و بیش ہر حدیث
کے نیچے پہلے لغوی تشریح اور پھر حاصل کلام کے نام سے
شرح لکھی تاکہ ہر حدیث کی وضاحت ہو جائے اور جو احکامات
اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں ان کی تشریح ہو جائے۔
اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے نہایت مفید رہے گا۔